اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا ۔ اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

قیمت چار روپے

مدیر
قمر الدین مظاہری
معاون
عبد القیوم مظاہری

السلام علیکم مہربانی فرما کر اس کتاب میں کسی قسم کی لکھائی نہ کریں اور نہ ہی اس کے کسی ورق کو موڑیں

ماہنامہ نظام کانپور

مدیر: قمرالدین مظاہری ○ معاون: عبدالقیوم مظاہری

بدل اشتراک سالانہ
ہندوستان سے 5/00
پاکستان سے 5/50

فی پرچہ 50 پیسے
طالبعلموں سے 4/50
اعزازی خریداروں سے -/10

جلد ۷ ماہ مارچ۔ اپریل۔ ۱۹۶۶ء مطابق ذیقعدہ، ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ شمارہ ۶

اسحٰق احمد
31.7.67

فہرست مضامین "قرآن نمبر"

اداریہ

تعارف

جمع وتدوین

فضائل واوصاف

اس دائرہ میں سرخ پنسل کا نشان اس بات کی علامت ہے کہ جناب کی مدت خریداری اس شمارہ سے ختم ہوگئی۔ براہ کرم آئندہ کیلئے مبلغ ۔/۵ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں اگر نیدرہ تاریخ تک آپ کا چندہ نہ آیا تو اگلا شمارہ بذریعہ وی۔ پی ارسال کیا جائے گا جسکا وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ نظام کرنیلگنج کانپور۔ پاکستانی حضرات اس پتہ پر خط وکتابت کریں۔ مولانا غلام یزدانی صاحب مظاہری مقام و پوسٹ شادیخاں ضلع کیمبل پور پاکستان

قمرالدین صدیقی طابع وناشر۔ ایڈیٹر و مالک نے انتظامی پریس کانپور میں چھپواکر دفتر ماہنامہ نظام مدنی منزل کرنیل گنج کانپور سے شائع کیا

غیروں کی نظر میں

تاثیر و تاثر

تعلیمات

سیاست

پیشین گوئیاں

سائنس جدید اور قرآن

نظم و ترتیب

فہم و تدبر

تفسیر و تراجم

عملیات

ادبیات

متفرقات

مسائل و احکام

انتساب

قرآن نمبر کی تالیف و تدوین کی یہ حقیر کاوش میری جانب سے، ملجائی و ماوائی۔ آقائی مولائی۔ اُستاذی و مرشدی حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی دامت برکاتہم کے نام نامی و اسم گرامی سے منسوب ہے جن سے مجھ ناچیز کو وہی نسبت ہے جو :

قطرہ کو دریا سے
ذرّہ کو آفتاب سے
اور غلام کو اپنے آقا سے

ہوتی ہے ۔

حاصل عمر نثار رہ یارے کردم
نازم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم

یہ قرآن نمبر کی صورت میں جو کچھ ہے وہ انھیں کی ذاتِ والاصفات کے فیضانِ کرم کا صدقہ ہے

بس ذرّہ کز فروغ رخت آفتاب شد
بس خاکِ تیرہ، کز قدرت مشکِ ناب شد
بادے کز بر عذارِ تو بگذشت روح گشت
آبے کہ ہم نشینِ لبت شد گلاب شد

ناچیز قمر الدین

اداریہ

زندہ کتاب

قرآن ایک زندہ کتاب ہے۔ اسکا پیغام انسانیت کیلئے آج بھی اتنا ہی حیات بخش ہے جتنا چودہ سو سال قبل تھا۔ دنیا میں بڑے بڑے ریفارمر آئے۔ اصلاح اقوام کے نام پر بہت سی تحریکیں اُٹھیں۔ تجدید و احیاء کے کتنے ہی نعرے بلند ہوئے۔ لیکن صرف ایک محدود زمانہ تک ان کا زور رہا اسکے بعد نہ تحریکوں میں کوئی کشش باقی رہ گئی نہ نعروں میں کوئی جاذبیت ـــــ زمانہ گزرتا رہا۔ کسی تہذیب کو بھی حالات کے تیز دھارے میں پیر جمانے کا موقع نہیں ملا۔ ملتا بھی کیسے؟ کسی تہذیب و تمدن کا ڈھانچہ نہ اتنا ہمہ گیر تھا نہ ہو سکتا تھا کہ وہ ہر دور کے قدو قامت پر فٹ ہو سکے، جس سرچ لائٹ میں چند فرلانگ تک روشنی پہونچانے کی طاقت ہو وہ میلوں روشنی کیسے پہونچا سکتی ہے؟

قرآن میں یہ بات نہیں ہے۔ وہ ایک ایسی روشنی ہے جس سے دنیا قیامت تک جگمگاتی رہے گی۔ اُس کی تہذیب اور اُس کا تمدن آفاقی اور ابدی ہے۔ اسکی دعوت اور اسکا پیغام فرسودگی اور کہنگی سے مبرا ہے۔ قرآن کو آپ جب پڑھیں گے، محسوس ہوگا کہ یہ کتاب ہمارے ہی گرد و پیش کی اصلاح کیلئے نازل ہوئی ہے۔ یہی احساس اُس دورِ وحشت کے لوگوں کو ہوا تھا جس دور میں قرآن نازل ہوا۔ چنانچہ انھوں نے قرآن کو سرمایہ حیات سمجھ کر اپنے سینوں سے لگا لیا، اور احساس اس دور تہذیب میں بھی ہوتا جب انسانیت ترقی کے اعلیٰ مدارج پر پہونچی ہوئی ہے۔ اور فرش خاکی پر رہنے والا انسان زہرہ اور مریخ سے آنکھیں لڑا رہا ہے۔

قرآن کا پیغام آج بھی زندہ، اور آج کے انسان کے لئے بھی اُسکی دعوت بہت گرانمایہ ہے۔ یہ حریت، مساوات، امن، اتحاد جن کا آج سارے عالم میں غلغلہ ہے، قرآن ہی کی دین تو ہیں۔ انسانیت و اخلاق کے وہ تمام اعلیٰ اُصول جنھیں اقوام عالم اپنے نظام و دستور میں سمونے کی کوشش کر رہی ہیں، در اصل قرآنی تعلیمات ہی کا ایک جز ہیں ـــــ اور یہ ایک بدیہی ثبوت ہے اس حقیقت کا کہ جو زندہ رہنا چاہتا ہے، وہ خدائی احکامات سے انحراف نہیں کر سکتا۔ اور جو خدائی احکامات معلوم کرنا چاہتا ہے وہ قرآن کی طرف سے منھ نہیں پھیر سکتا۔

یہاں ہمیں ایک المناک ترین واقعہ کی طرف اشارہ کرنا ہے ـــــ وہ یہ کہ آج خود مسلمان، جنکی قسمت ہی قرآن کیساتھ وابستہ ہے، قرآن اور اُسکے دعوت و پیغام کیطرف سے غافل ہیں۔ ہمارے نزدیک مسلمانوں کی تمام مشکلات و مصائب کی جڑ یہی غفلت ہے اگر مسلمان قرآن سے اپنے تعلق کو مضبوط کر لیں اور اُسکے رنگ و روغن سے اپنی زندگی کے خد و خال سنوار لیں تو یقیناً ذلت و نکبت کا یہ تاریک سایہ اُن کے سروں پر سے ہٹ سکتا ہے اور وہ پھر ویسے ہی مکرم و منظم ہو سکتے ہیں جیسے قرون اولیٰ کے مسلمان تھے۔

"قرآن نمبر" کی شکل میں ہماری یہ جد و جہد، اسی غفلت کو دور کرنے کے لئے ایک تازیانہ ہے ـــــ اسی کیساتھ یہ ایک اعلان ہے اِس مادیت زدہ

دنیا کے لئے، جو سکون کی تلاش میں، سکون سے محروم ہو چکی ہے کہ وہ آئے اور سچے امن اور حقیقی سکون کے اُس سرچشمہ سے اپنی پیاس بجھائے جو قرآن کے ابدی اور حیات بخش پیغام سے اُبل رہا ہے۔

تشکر و امتنان

ناسپاسی ہوگی اگر ہم اپنے ان بزرگوں اور معاون حضرات کا شکر نہ ادا کریں جنھوں نے اس نمبر کی تیاری و ترتیب میں ہماری مدد فرمائی ــــ اس ذیل میں مرشدی و مولائی حضرت مفتی محمود حسن دامت فیوضھم کے اُن احسانات و نوازشات، شفقت و عنایات، فیضان و برکات اور اعانت و امداد کا تذکرہ احاطۂ الفاظ سے باہر ہے جن کے بغیر نہ نظام ہی شرمندۂ وجود ہوتا اور نہ مجھے قرآن نمبر جیسے ضخیم شمارہ کی اشاعت کی توفیق نصیب ہو سکتی تھی۔

دیگر حضرات میں، ہم مولانا امتیاز علی صاحب عرشی رضا لائبریری رام پور کے ممنون ہیں جنھوں نے قیمتی مشورے دیئے اور ابن مقلہ (م ۳۲۸ھ) کے قلمی قرآن کا ایک عکس عنایت فرما کر اس نمبر کی زینت بڑھائی۔ دار العلوم دیوبند کے کتب خانہ کے اراکین اور دار العلوم کے بہت سے اساتذہ بالخصوص مولانا محمد سراج صاحب شیخ الادب، صاحبزادہ محترم مولانا محمد سالم صاحب قاسمی، مولانا سید محبوب صاحب رضوی کا بہت بہت شکریہ جنھوں نے مختلف ادوار کے نایاب مصاحف کے عکس فراہم کرنے میں ادارہ سے پورا پورا تعاون فرمایا۔ دار العلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی رکن مجلس تحقیقات شرعیہ جناب وحید الدین خاں صاحب نے قیمتی مقالے عنایت فرمائے اور مولانا محمد مرتضیٰ صاحب کتبخانہ ندوۃ العلماء نے غار حرا کا فوٹو عطا کر کے قرآن نمبر میں چار چاند لگائے ــــ مولانا ڈاکٹر عبد الصبور صاحب، حافظ ظہیر الاسلام صاحب، مولوی حسن الضمیر صاحب، مولانا سید مختار حسن صاحب اور دیگر مخلص محبین نے جس طرح پورا پورا ہاتھ بٹایا، میں اُس احسان سے عہدہ برا نہیں ہو سکتا۔

سب سے بڑی منت گزاری اُس ذات پُر عظمت و جلال کی ہے جس نے مجھ حقیر کو خدمت قرآن کی توفیق بخشی۔ اب اُسی خدائے بزرگ و برتر سے دعا ہے کہ وہ اس ناچیز سعی کو مشکور بنائے اور یہ بنی نوع انسان کی ہدایت کا وسیلہ ثابت ہو۔

المناک حادثے!

حضرت مولانا عبد الرحمٰن کیمبلپوری سابق صدر المدرسین مظاہر علوم سہارنپور نے حال ہی رحلت فرمائی۔ مرحوم ماہر علوم و فنون خصوصاً فن حدیث میں اپنی مثال آپ تھے۔ زہد و تقویٰ میں منفرد اور حضرت تھانوی کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ ہند و پاک کے ہزاروں علماء آپ سے شرف تلمذ رکھتے ہیں ــــ ۲۷ فروری ۱۹۶۶ء کو مولانا عبد الرحمٰن صاحب محدث بھوپالی نے انتقال فرمایا۔ موصوف زاہدانہ زندگی کے خوگر اور فن حدیث میں بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ نظام میں باقساط شائع ہونے والی آپکی غیر مطبوعہ تصنیف "اسبال الازار" اردو زبان کی سب سے زیادہ جامع تصنیف ہے ــــ اسی ماہ حاجی عبد الغفور صاحب کلکتوی کا سانحۂ ارتحال بھی ہوا جو ایک مخلص دیانتدار تاجر، سادگی پسند آدمی حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے مرید اور اُن سے والہانہ شغف رکھنے والے انسان تھے ــــ چوتھا واقعہ الحاج شیخ محمد اسمٰعیل صاحب رئیس کرنیل گنج کی وفات کا ہے، جو ایک مخیر و ملنسار، پابند شریعت اور اخلاق حسنہ سے آراستہ بزرگ تھے۔ حضرت تھانوی سے شرف بیعت حاصل تھا ــــ ادارۂ نظام کو ان تمام حادثات پر سخت صدمہ ہے۔ وہ خدا تعالیٰ سے دعاگو ہے کہ مرحومین کو اپنی رحمت و غفران سے نواز کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مراتب عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔

دولتِ دوام

شاکر الاذری سعدی

جہاں میں سیکڑوں انساں تھے تشنہ کام ابھی
نہیں تھا بزم میں ساقی کا فیض تمام ابھی

ابھی حیات کا دستور نامکمل تھا
کہ زندگی کا تھا بگڑا ہوا نظام ابھی

ابھی یقین سے نا آشنا تھی عقلِ بشر
توہمات کا انسان تھا غلام ابھی

جہاں میں چار سو اوہام کا اندھیرا تھا
یقیں کی صبح پہ چھائی ہوئی تھی شام ابھی

ملی نہ تھی ابھی فکر و نظر کو آزادی
کہ مرغِ عقل و خرد تھا اسیرِ دام ابھی

غلامِ نفس، ہوس کا شکار تھا انساں
کہ آدمی تھا حقیقت میں بے لگام ابھی

حیات کا کوئی رشتہ نہیں تھا مذہب سے
نصابِ دین و سیاست تھا ناتمام ابھی

بہت سے انبیاء آئے پیامِ حق لے کر
مگر کسی کی بھی دعوت نہیں تھی عام ابھی

نہ مسخ کیوں ہو بھلا دعوتِ مسیحؑ و کلیمؑ
ملی کسی کو نہ تھی دولتِ دوام ابھی

حضورِ حق سے محمدؐ کو وہ کتاب ملی
کہ جس سے قسمتِ نوعِ بشر چمک اٹھی

اور اسکے بعد وہ ساقی کا فیض عام ہوا
کہ میکدے کا ہر اک رند شادکام ہوا

حیات و موت کے دستور کی ہوئی تکمیل
درست زیست کا بگڑا ہوا نظام ہوا

رہا ہوا قفسِ وہم سے ہمائے خرد
شکوک و وہم کا ہر بوم زیرِ دام ہوا

کچھ ایسا درس دیا امیوں کو قرآں نے
عرب کا صحرا نشیں قوم کا امام ہوا

اسی کتاب پہ اتمامِ حق ہوا کامل
اسی پہ وحئ الٰہی کا اختتام ہوا

اسی کتاب کی چند آیتوں کا تھا اعجاز
عمرؓ سا دشمنِ دیں، دین کا غلام ہوا

ملا ہر ایک کو قرآں سے گوہرِ مقصود
عرب، عجم میں ہر اک فائز المرام ہوا

اسی کلام سے دنیا نے زندگی پائی
حیات بخش اسی کا ہر ایک جام ہوا

یہ وہ کتاب ہے جسکی کوئی مثال نہیں
یہی کلام ہے جس کو کبھی زوال نہیں

اعلانِ ملکیت!

ماہنامہ "نظام" کانپور و دیگر تفصیلات فارم ۴ رول ۸

۱۔ مقام اشاعت	دفتر نظام کانپور، یوپی
۲۔ مدت اشاعت	ماہانہ
۳۔ طابع	قمر الدین صدیقی
وطنیت	ہندوستانی
پتہ	۱۰/۵۲ کرنیل گنج۔ کانپور
۴۔ ناشر	قمر الدین مظاہری
وطنیت	ہندوستانی
پتہ	۱۰/۵۲ کرنیل گنج۔ کانپور
۵۔ ایڈیٹر	قمر الدین مظاہری
وطنیت	ہندوستانی
پتہ	۱۰/۵۲ کرنیل گنج کانپور
مالک کا نام و پتہ	قمر الدین صدیقی ۱۰/۵۲ کرنیل گنج۔ کانپور

میں تصدیق کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے بہترین علم و یقین کی حد تک صحیح ہیں

"قمر الدین"

مولانا عبدالمومن فاروقی ۔ رام پور

کلامِ الٰہی :
دلائل کی روشنی میں

قرآن عزیز خدا کی وہ آخری کتاب ہے جو پیغمبر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر متواتر تیئیس سال تک تھوڑی تھوڑی کر کے نازل ہوئی تھی۔ اور اسی نے بعد میں موجودہ کتابی شکل اختیار کر لی۔ اور دنیا بھر کو اپنی نورانی کرنوں سے منور کیا۔

مسلمان اور اس کے عقیدوں کی بحثوں سے الگ ہو کر اگر غور کیا جائے تو صرف یہی ایک بات اس کے اعلیٰ اعجاز کی بیّن دلیل ہے۔ کہ گزشتہ پونے چودہ سو سال کے اندر ہر خطّہ اور ہر زمانہ کے علماء وزعما۔ ہادی و مفکر سیاح و فلسفی اسکی بلند قدروں، بیباک صداقت اور پاکیزہ تعلیمات کو اپنے علم و عقل کی ترازو پر جانچ تول چکے۔ مگر کبھی کسی کو اسکے متعلق یا اسکے لانے والے پیغمبر کے متعلق سوائے خراج تحسین پیش کرنے کے کسی قسم کی لب کشائی کی جرأت نہ ہو سکی۔

اصطلاح شریعت میں ایسے ہی اُمور کو "اعجاز" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور اسکی دو قسمیں ہیں۔ ایک ظاہری اور دوسری باطنی۔ ظاہری اُسے کہتے ہیں جو حواس ظاہری مثلاً آنکھ کان ہاتھ وغیرہ سے محسوس و مشاہد ہو۔ جیسے عصائے موسیٰؑ۔ انگشتری سلیمانؑ۔ یدِ بیضا۔ شق القمر وغیرہ۔ اور باطنی اُسے کہتے ہیں جس کا اظہار ظاہر سے مافوق ہو۔ اور عقل سلیم اسکی اعجوبیت اور طرفگی کو تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہو جائے۔ گزشتہ اُمتوں میں چونکہ باریک بینی اور دقت خیال کا مذاق نہیں تھا۔ اور نہ اُن کے نبی ہی اسقدر بلند پائے کے ہوتے تھے۔ اسلئے اکثر نبیوں کے معجزات حسی ہی نظر آتے ہیں جو اُن کی حیات تک دیکھے جا سکے۔ اور پھر سوائے تذکرے کے کہیں ان کا وجود تک نظر نہیں آتا۔

لیکن ہمارے نبی اُمّی صلے اللہ علیہ وسلم ایسے زمانے اور ایسے مقام پر مبعوث ہوئے۔ جہاں زباندانی اور فصاحت و بلاغت لوگوں کی رگ رگ میں رچی ہوئی تھی۔ بوڑھے، جوان۔ بچے بچیاں، مرد و عورت امیر و غریب سب کے دماغ ایسے نشے میں چور رہتے تھے۔ بازار ہو یا گھر میلہ ٹھیلہ ہو یا پرائویٹ محفلیں اور مجلسیں ہر جگہ اسی کا چرچا، اور اسی کا تصور کار فرما نظر آتا تھا۔ کہ اس کا کلام خواہ نثر میں ہو یا نظم میں سب سے زیادہ شستہ اور شگفتہ سمجھا جائے۔ اِمراء القیس زہیر بن سلمیٰ۔ عنترہ بن شداد۔ نابغہ وغیرہ سب اُسی وقت کے نامور نادر الکلام شاعر ہیں جن کے لٹریچر کو ایک شالی کارنامہ خیال کر کے کعبہ کے اندر آویزاں کیا گیا تھا۔ اور عادت اللہ بھی اسی طریقے جاری ہے کہ جس قوم کو جس بات پر زیادہ فخر و ناز ہوتا ہے۔ اُس قوم کے نبی کو اسی بات میں اعجاز عطا کیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ قرآن مجید کے بعد نہ تو کوئی اور کتاب آئی ہے

اور نہ آنحضرتؐ کے بعد کوئی دوسرا نبی ہی آنے والا تھا ختم دنیا تک یہی شریعت اور یہی حکم جاری رہنا تھا۔ اسلئے معجزہ بھی آپ کیلئے ایسا تجویز کیا گیا جو آپ کی حیات طیبہ کے بعد آخری لمحۂ عالم تک باقی رہے، اور ہر وقت اسکی صداقت کو جانچا پرکھا جاسکے۔

اگر اس تمام بحث کا تجزیہ کیا جائے تو یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن حکیم کی جامعیت اور اسکا نظام عمل اور اٹل قوانین کسی انسانی دماغ کی کاوش کا نتیجہ نہیں۔ ورنہ جس طرح انسان کے تمام نظریات میں انقلاب و تغیر ہوتا رہتا ہے اسمیں بھی آئے دن تبدیلیوں کی ضرورت پیش آتی رہتی، اسے بھی ایک معجزہ ہی کہنا چاہیئے کہ اسکا وسیع دامن دین و دنیا کی ہر چیز کا وافر ذخیرہ اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ ایک فلسفی کے لئے فلسفیانہ مباحث اسکے اندر ملیں گے۔ ماہرین ہیئت اگر چاہیں تو انہیں اپنے فن سے متعلق معلومات حاصل ہوسکتی ہیں، معلم اخلاق کو ضرورت ہو تو وہ بھی اپنی تشنگی کو بہترین طریقہ پر دور کرسکتا ہے، سیاسی ماہرین کے لئے سیاست مدن، اور تدبیر منزل کے بنیادی اصول بھی اس کے اندر موجود ہیں۔ جنگی افسران اور فوجی مقنن اگر تلاش کریں تو اس کے اوراق میں انہیں بھی جنگی قوانین اور حرب وضرب کے قواعد نظر آسکتے ہیں۔ اور ایک دینی مصلح و رہنما کے لئے تو خیر کہنا ہی کیا اسکا ایک ایک حرف اکسیر اور نسخہ نادر کا حکم رکھتا ہے۔ مگر یہ سب خوبیاں ایسی ہیں جو سنجیدگی اور وقت کی طالب ہیں، جب تک کوئی شخص اپنی عمر کا قیمتی حصہ اس کے غوامض کو سمجھنے کے لئے وقف نہ کردے ہر چیز میں پوری پوری کامیابی حاصل ہوجانا ذرا مشکل سی بات ہے۔

قرآن مجید کے معجزہ ہونے کے لئے یوں تو علمائے اسلام نے بیشمار دلائل اور ضخیم ضخیم کتابیں مدون فرمائی ہیں، لیکن اگر ان سب کو نہیں صرف ذیل ہی کے چند امور کو ٹھنڈے دل سے بیٹھ کر پڑھ لیا جائے تو بغیر کسی ضمن ضمیمہ کے اسکے کلام ربانی ہونیکا یقین ہوجائیگا

۱. تحدی ــــــ

آج کل کی زبان میں اس لفظ کے معنی چیلنج تصور کیجئے۔ چیلنج اگر کسی کمزور قوم کو دیا جائے تو اسکا دب جانا اور چیلنج سے منھ پھیر لینا کوئی کرامت کی بات قرار نہیں دیجاسکتی۔ لیکن اگر ایک ایسی قوم جو واقعتاً خود اس باب میں ید طولیٰ رکھتی ہو کھلی ہوئی عاجزی اور کمزوری کا اعتراف کرے تو کون اسکے اعجاز سے انکار کرسکتا ہے؟

عربوں کی فصاحت وبلاغت، زباندانی اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر چلنے کا جذبہ ایک تاریخی حقیقت ہے اور ٹھیک اس وقت جب کہ ملک کے چپہ چپہ پر ایک ایک گھر اور گھر کا ایک ایک فرد بدیہہ گوئی اور زبان آوری کا پاٹوں پاٹ دروازہ کھولے ہوئے اپنے سوا سب کو گونگا کہہ کر پکارنے کا عادی تھا ایک ظاہری شان وطاقت سے عاری اور بالکل اُمّی آدمی کی زبان سے اپنے کلام کے مقابلہ پر چیلنج آپ غور کرسکتے ہیں کہ ان کے دل و دماغ کے اوپر کیا کچھ نہ گزر گئی ہوگی خصوصاً جب کہ تحریک کو مٹانے اور فنا کرنے کے لئے بھی سب ایڑی چوٹی کا زور صرف کئے ہوئے ہوں

قرآن حکیم نے ببانگ دہل دعویٰ کیا کہ:

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔	(اے نبی، آپ فرما دیجئے اچھا اگر سچے ہو تو تم بھی کوئی ایسی کتاب خدا کے یہاں سے لے آؤ جو ہدایت کرنے میں (توریت اور قرآن) دونوں سے زیادہ ہو۔ میں اس کی اتباع کرنے لگوں گا۔
(قصص پ ۲۰ ع ۵ آیت ۔)	

ہزاروں ادیبوں اور زبان آور دشمنوں کے بیچ میں ہر طرح کی طاقت اور قوت حاصل کرنے کے باوجود قرآن حکیم کا انہیں اس طرح کھلم کھلا چیلنج دینا اور جرات انگیزی کے ساتھ اس شان کا اعلان کرنا یقیناً اسکا مقتضی تھا کہ سارا عرب مشتعل ہوجاتا۔ اور گھر گھر سے قرآن جیسا

کتابیں ہزاروں کی تعداد میں تصنیف ہو کر منظر عام پر آ جاتیں. مگر نتیجہ کیا نکلا؟" تاریخ عالم بتا رہی ہے کہ سب اس چیلنج کا جواب دینے سے صرف عاجز و قاصر ہی نہیں رہے بلکہ کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مصداق آپ کو ساحر و کاہن وغیرہ کے القاب سے یاد کرنے لگے حالانکہ یہ الفاظ خود ایک قسم کی ہار کا اعلان تھے۔ مگر قرآن اس پر بھی خاموش نہیں ہوا بلند آواز سے پکار اُٹھا۔

قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ؕ

(اے نبی) اعلان کر دیجئے کہ اگر سب آدمی اور جن اجتماعی طاقت و مدد کے ساتھ اس قرآن جیسا بنانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے۔

(بنی اسرائیل پارہ ۱۵ رکوع ۱۰ آیت ۸۸)

جب اسمیں انہیں کامیابی نہ ہوئی تو قرآن نے اپنے دعوے میں اور نرمی فرمادی اور ارشاد ہوا۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ؕ

کیا یہ کافر لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن آپ خود ہی بنا لیتے ہیں اور خدا کی طرف منسوب کر دیتے ہیں (اے نبی) آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اس کہنے میں سچے ہو تو اسکی جیسی دس ہی سورتیں بنا لاؤ۔ اور (اکیلے نہیں) بلکہ اپنے سب ساتھیوں کی اجتماعی طاقت کو بھی ساتھ لے لو۔

(ہود پ ۱۲۔ ع ۲۔ آیت ۱۳)

اس چیلنج کا بھی وہ جواب نہیں دے سکے یہاں تک کہ قرآن حکیم نے اپنے دعوے میں اور نرمی فرما دی اور ارشاد ہوا۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

اگر تم لوگ (کافر) اس کے بارہ میں جو ہم نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر اُتارا ہے. کسی شک شبہہ میں گرفتار ہو تو اگر سچے ہو تو اپنے سب دوستوں کی مدد سے اس جیسی ایک ہی سورت بنا لاؤ۔

(بقرہ پ ۱۔ ع ۳۔ آیت ۲۳)

اسی مضمون کو دوسری جگہ یوں بھی ارشاد فرمایا گیا ہے۔

قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ؕ

(اے نبی) اعلان کر دیجئے کہ اگر سچے ہو تو اللہ کے سوا سب کی اجتماعی طاقت سے قرآن جیسی ایک ہی سورۃ بنا لاؤ۔

(یونس پ ۱۱ ع ۴ آیت ۳۸)

مگر اسکا بھی جو نتیجہ نکلا وہ اس سے اندازہ کیجئے کہ قرآن کو اپنے دعوے میں مزید نرمی کا اعلان کرنا پڑا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ؕ

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے اس قرآن کو گھڑ لیا ہے بلکہ یہ لوگ تصدیق کرنا ہی نہیں چاہتے تو اگر یہ سچے ہیں تو یہ خود بھی اسکی جیسی ایک ہی بات بنا کر دکھا دیں۔

(طور پ ۲۷ ع ۲ آیت ۳۴)

بہرحال ان سب چیلنجوں کا جواب یہی نکلا کہ کسی کو چوں کرنے کی بھی ہمت نہ ہوئی اور ایک دم جیسے سادھ کے رہ گئے۔ قرآن کا سچا دعویٰ سچ ہی ہو کر رہا۔ اور پھر لوگ جوق در جوق مسلمان ہونا شروع ہو گئے۔

عاجزی و لسپائی کی چند مثالیں

اسی زمانہ میں عقبہ بن ربیعہ جو عرب کا ایک بہترین زباں داں اور اعلیٰ درجہ کا نقاد فن ہونے کے ساتھ شاعری میں بھی چوٹی کا اُستاد خیال کیا جاتا تھا۔ ایک دن قریش کی مجلس میں

آخر کہنے لگا "دوستو اگر سب کی رائے ہو تو میں خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤں اور اُن کے سامنے کچھ چیزیں ایسی رکھوں کہ وہ اپنے رویہ میں کچھ تبدیلی کرلیں۔ سارے مجمع نے اس کی اس تجویز سے اتفاق کیا اور وہ اُسی وقت وہاں سے اُٹھ کر آنحضرت ؐ کے پاس پہنچا۔

موقع ملتے ہی عتبہ نے حضور ؐ سے گفتگو شروع کی۔ آپ دیر تک اسکی باتیں چپ بیٹھے سنتے رہے۔ پھر فرمایا کہ "اچھا عتبہ! اب ذرا میری بھی کچھ سنو۔ میں لوگوں سے کیا بُری بات کہتا ہوں۔ اسکے بعد آپ نے سورہ حٰم سجدہ کی چند ابتدائی آیتیں اُسے سنائیں۔ صحابہ ؓ کا بیان ہے کہ اسوقت عتبہ کی حالت قابل دید تھی۔ بالکل سناٹے کے عالم میں وہ حضور کی تلاوت سنتا رہا۔ اور اس قدر متاثر ہوا کہ پھر اپنی تجویز کا اُسنے ذکر تک نہیں کیا۔ اور خاموشی کے ساتھ لوٹ گیا

ادھر کفار کی مجلس میں عتبہ کی واپسی کا بے چینی کے ساتھ انتظار ہو رہا تھا۔ عتبہ کو واپس آتا دیکھ کر لوگ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ کہ عتبہ بھی غالبًا ناکام ہی لوٹ رہا ہے۔ کیونکہ یہاں سے جاتے ہوئے جس قدر مسرت اور خوشی کی چمک اُس کے چہرے پر نمایاں تھی وہ اب نام کو بھی دکھائی نہیں دے رہی ہے کچھ بھولا بھولا سا آرہا ہے۔ عتبہ آتے ہی ایک گوشہ میں بیٹھ گیا۔ لوگوں نے جب بہت جھنجھوڑا تو کہنے لگا۔

وَاللّٰہِ اِنّی سَمِعْتُ قَوْلًا مَاسَمِعْتُ بِمِثْلِہٖ قَطُّ وَاللّٰہِ مَاھُوَ بِالشِّعْرِ وَلَا بِالسِّحْرِ وَلَا بِالْکِہَانَۃِ

میں نے خدا کی قسم اُن (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایک ایسا کلام سُنا ہے جو آج سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا اور وہ کلام نہ تو شعر و سحر ہی ہے اور نہ کہانت ہی۔

یہ فیصلہ سناتے ہوئے عتبہ نے قریش برادری سے اپیل کی کہ میرے نزدیک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معاملات میں کسی کو دخل نہیں دینا چاہیئے جو کلام میں اُن سے سن کر آرہا ہوں مجھے یقین ہے کہ وہ ایک نہ ایک دن دنیا میں عزت و عظمت حاصل کر کے رہیگا۔

عتبہ آنحضرت ؐ کے پاس یہ سوچکر گیا تھا کہ اگر آپ کو دنیوی وجاہت دولت اور عزت کا لالچ دیا جائیگا۔ تو آپ اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت سے باز آجائیں گے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ وہ نہ تو آپ کا ہمدرد و غم گسار ہی تھا اور نہ مرید و معتقد۔ زبان نبوت سے قرآن کی چند آیات سن کر اسطرح اپنے لوگوں کے پاس جاکر اعتراف حقیقت و صداقت کرلینا اعجاز نہیں تو اور کیا تھا۔

اسی طرح ولید بن مغیرہ کے متعلق منقول ہے کہ ایک دن کفار مکہ سے یہ وعدہ کرکے حضور کے پاس گیا تھا کہ میں اپنی طلاقت لسانی اور قوت بیانی سے اُنہیں قائل کر دوں گا اور پھر کبھی وہ اسلام کا نام نہ لیں گے۔ چنانچہ وہ آتے ہی حضور سے قرآن سننے کا طالب ہوا۔ آپ نے اُسے آیت اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی آخر تک پڑھ کر سنادی۔ وہ بڑی خاموشی کے ساتھ کلام الٰہی سنتا رہا۔ اس کے بعد بولا۔ ذرا ایک بار پھر تو سنایئے آنحضرت نے مکرر ارشاد فرمایا تو بیساختہ کہنے لگا۔

اِنَّ لَہٗ لَحَلَاوَۃً وَاِنَّ عَلَیْہِ لَطَلَاوَۃً وَاِنَّ اَعْلَاہُ لَمُثْمِرٌ وَاِنَّ اَسْفَلَہٗ لَمُغْدِقٌ وَمَا یَقُوْلُ ھٰذَا بَشَرٌ ط

اس کلام میں عجیب شیرینی ہے اور بلاشبہ بہت ہی مسرت افزا اور اطمینان بخش ہے۔ شروع سے آخر تک تازگی و لطافت میں ڈوبا ہوا ہے اور ایسا کلام کسی انسان کا نہیں ہوسکتا

ولید بن مغیرہ کوئی معمولی آدمی نہ تھا۔ عرب کا مشہور شاعر اور ممتاز ادیبوں کا اُستاد مانا جاتا تھا۔ ہوسکتا تھا کہ حضور ؐ کی محفل میں کسی سے مرعوب ہوکر ایسا کہہ گزرا ہو۔ مگر نہیں وہ جب اپنی جماعت میں واپس گیا ہے۔ اور لوگوں نے اُس سے حقیقت حال دریافت کی ہے۔ تو وہ کہنے لگا۔

وَاللّٰہِ مَافِیْکُمْ رَجُلٌ اَعْلَمُ　خدا کی قسم مجھ سے زیادہ رزم و بزم

بالاشعار منی ولا برجزہ ولا باشعار الجن واللہ ما یشبہ الذی یقول شیئا من ہذا ، انہ لیعلو و لا یعلی ط

کے اشعار تم میں سے کوئی نہیں جانتا اور جنوں کے اشعار سے کسی کو مجھ سے زیادہ واقفیت ہے۔ مگر خدا کی قسم قرآن کا اس سے کچھ جوڑ نہیں ملایا جا سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بلند ہو کر رہے گا کوئی اُسے پست نہیں کر سکتا۔

عمرو بن جموح کے صاحبزادے جب مسلمان ہوئے تو اُن کے والد نے اُن سے پوچھا کہ آخر تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کیا ایسی بات سن پائی جو اُن کے حلقہ میں شامل ہو گئے۔ صاحبزادے بولے کہ اے باپ میں جب حضور کے یہاں گیا ہوں تو آپ یہ پڑھ رہے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ط اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝

سب تعریف اللہ ہی کے لئے جو تمام کائنات کا پالنے والا ہے بڑا رحم کرنے والا مہربان ہے قیامت کے دن کا مالک ہے اے خدا ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں اے خدا ہم کو سیدھے راستہ کی ہدایت فرما۔

صاحبزادے اتنا پڑھنے ہی پائے تھے کہ والد وجد میں آ کر کہنے لگے ما احسن ھذا وما اجملہ او کل کلامہ مثل ھذا ۔ سبحان اللہ! کیا پاکیزہ کلام ہے اور کیا سارا کلام ایسا ہی مرصع اور لطیف ہوتا ہے۔ صاحبزادے نے جواب دیا یا ابت وما احسن ما ھذا اے باپ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر۔

بعض فصحائے عرب تو یہاں تک کہہ گزرے ہیں کہ اگر یہ قرآن کسی جنگل بیابان میں لکھا ہوا پڑا ملتا اور یہ پتہ نہ چل سکتا کہ کس نے لکھا ہے اور یہاں کون لا کر رکھ گیا ہے تو عقل سلیم بلا تامل یہی گواہی دیتی کہ یہ کلام خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اور انسان کو قطعاً یہ قدرت نہیں کہ وہ کوئی معمولی سے معمولی مثال بھی بنا کر پیش کر سکے

۲۔ اخبار بالغیب:

قرآن مجید کے معجزہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی بیان کیجاتی ہے کہ وہ گزشتہ اور آئندہ دونوں قسم کی مخفی خبریں بڑی تفصیل سے بیان کیا کرتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ پچھلی باتوں کی تفصیلات بیان کرنا بہ نسبت آئندہ واقعات کے اظہار کے زیادہ دشوار ہے۔ مثلاً اُمم ماضیہ اور انبیائے سابقین کے ایسے حالات جن کا سوائے اُن کے علماء کے اور کسی کو علم بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس سلسلہ میں یہ کہنا تو بالکل یاد رہوا ہے کہ آپ ان باتوں کو کسی یہودی عالم سے معلوم کر لیا کرتے ہونگے تاریخ بتا رہی ہے کہ اس وقت تک مکہ معظمہ میں ایک یہودی بھی نہیں رہتا تھا۔ البتہ مدینہ میں ان کی آبادی ضرور تھی اور وہاں آپ اپنی بعثت کے تقریباً تیرہ سال بعد تشریف لے گئے ہیں اسکے علاوہ یہودی کب اسلام سے خوش تھے جو حضور کو اس طرح مدد دینے پر تیار ہو جاتے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

تِلْکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْھَا اِلَیْکَ مَا کُنْتَ تَعْلَمُھَا اَنْتَ وَلَا قَوْمُکَ مِنْ قَبْلِ ھٰذَا ط

یہ غیب کی خبریں ہیں جن کو اے نبی! ہم آپ کے پاس بھیج رہے ہیں ان باتوں کو اس سے پہلے نہ آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم (اہل مکہ)

حضرت یوسفؑ اور حضرت مریمؑ صدیقہ کے حالات بیان کرنے کے بعد بھی اسی قسم کے الفاظ ارشاد ہوئے ہیں۔ پیشین گوئیوں کے سلسلہ میں قرآن مجید کا اقدام بہت وسیع ہے۔ اور زمانہ شاہد ہے کہ

سب بے کم و کاست پوری ہوئیں۔

مثلاً ارشاد ہوتا ہے:

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ ط

(اے اصحاب رسول) اگر اللہ نے چاہا تو تم لوگ کعبہ کے اندر بے خوف و خطر ضرور ضرور داخل ہوگے اور وہاں حلق و قصر بھی ضرور کروگے (یعنی حج بھی کروگے)

اس دعوے کے وقت بظاہر اسباب یہ کسی کو یقین ہی نہ آسکتا تھا کہ کفار مکہ کبھی اتنے کمزور اور مسلمان اتنے طاقتور ہوجائیں گے کہ پورے مکہ اور حرم پر مسلمانوں کا قبضہ ہوجائے گا۔ اور آزادی کے ساتھ مسلمان ارکان حج ادا کرسکیں گے۔

ایک دوسری جگہ پیشین گوئی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ط

(اے اصحاب رسول) تم میں سے جو لوگ مومن اور نیکوکار ہیں ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ وہ انھیں دنیا میں خلافت و بادشاہت عطا کرے گا۔ اور وہ اتنی عظیم ہوگی جتنی ان سے پہلے لوگوں کو دی گئی۔ اللہ تعالیٰ اُن کے دین کو بھی استوار کردے گا۔ اور خوف کو بھی راحت سے بدل دیگا۔

انگلیوں پر شمار کئے جانے والے کمزور مسلمانوں کے متعلق کوئی یہ تصور کیسے کرسکتا تھا کہ عنقریب وہ ایک دنیا پر قابض ہوکر حکمرانی کے فرائض انجام دیں گے۔ مگر تاریخ گواہ ہے کہ اس پیشین گوئی کے پورے ہونے کا آغاز خود آنحضرت صلعم ہی کے زمانہ میں شروع ہوگیا تھا یعنی خطۂ عرب پر تو آپ ہی کی حیات طیبہ میں قبضہ ہوگیا تھا اور باقی ایران و روم اور شام وغیرہ پر آپ کے ابتدائی دو جانشینوں یعنی سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں کامل و مکمل قبضہ حاصل ہوا۔ اور اسکے بعد دنیا بھر میں مسلمان پہونچے اور جہاں پہونچے کامیابی نے اُن کے قدم چومے۔ قرآن مجید جا بجا اپنی ذات اور دین اسلام کی حفاظت و صیانت کے متعلق پیشین گوئیاں کرتا چلا آیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهِ

(اے نبی) سچائی اور عدالت کے اعتبار سے آپ کے رب کی تمام باتیں بالکل ٹھیک ہیں۔ اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی بالکل نہیں ہوسکتی۔

جو کفار آنحضرت صلعم اور آپ کے رفقاء تحریک کا مذاق اُڑایا کرتے تھے۔ اُن کی ہزیمت کے متعلق یوں خبر دیجاتی ہے۔

إِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ

ان مسخروں کے (سزا دینے کے لئے) ہم کافی ہیں (اے نبی) اللہ آپ کو ہر طرح خیریت سے رکھیگا۔

ایک اور پیشین گوئی کے الفاظ یہ ہیں۔

غُلِبَتِ الرُّومُ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ فِي بِضْعِ سِنِينَ ط

رومی قریب کے ملک میں مغلوب ہوگئے ہیں۔ مگر چند سال کے بعد وہ پھر غالب ہوجائیں گے۔

یہودیوں کے متعلق پہلے ہی بتادیا گیا تھا کہ اب وہ جہاں بھی جائیں گے پکڑے جائیں گے۔ اور مارے جائیں گے بلکہ یہاں تک تصریح کردی گئی تھی کہ جب تک زندہ رہیں گے اُن پر پھٹکار و لعنت برستی ہی رہے گی۔ چنانچہ یہ چیز آج بھی سب لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔

۴. فصاحت وبلاغت:

عربوں کی فصاحت وبلاغت کا مجملاً ذکر اوپر ہو چکا ہے لیکن چونکہ فصاحت وبلاغت بھی قرآن حکیم کا ایک امتیازی نشان ہے اسلئے اسپر بھی کچھ نہ کچھ نظر ڈالنا ضروری ہے۔

معانی وبیان کا امام سکاکیؒ اس باب میں لکھتا ہے:۔

"قرآن کا اعجاز ایک ذوقی اور وجدانی چیز ہے اور اس کو کچھ طبع سلیم ہی محسوس کرسکتی ہے۔ لفظوں میں اسکا اظہار ناممکن ہے"

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک پھول والا جب بازار میں بیٹھتا ہے۔ تو اس کے سامنے اچھے اور بُرے۔ بڑے اور چھوٹے کھلے بے کھلے ہر قسم کے پھولوں کا ڈھیر لگا ہوتا ہے۔ لیکن ہار بناتے وقت وہ اُن کو کچھ ایسی ترتیب سے پروتا ہے کہ سب ہی آفرین ومرحبا کہنے کے لئے مجبور ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح ایک کامیاب مضمون نگار کا بھی یہی فرض ہے کہ وہ نرم وسہل اور مانوس وشیریں الفاظ استعمال کرے۔ اور جو مضمون نگار ایسا نہیں کرتے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ مثلاً عاجزی اور سماجت کے وقت آواز میں نرمی اور غیظ وغضب کے وقت میں تندی اور سختی پیدا ہوجاتی ہے۔ جسکا نتیجہ الفاظ پر بھی مرتب ہونا ضروری ہے۔ غصے میں الفاظ پُر رعب اور شاندار نکلنے لگتے ہیں۔ اور عاجزی اور مہربانی کے وقت ہلکے اور نرم۔ یہی وجہ ہے کہ قصیدہ پرشکوہ الفاظ کا حامل ہوتا ہے اور غزل، سبک وسادہ الفاظ کی۔ کیونکہ غزل میں تاثیر اور سوز وگداز دکھانا پڑتا ہے اور قصیدہ میں جاہ وجلال۔

اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے جسے فطرت انسانی کے نام سے بھی یاد کیا جاسکتا ہے کہ آدمی متعدد بالخصوص متضاد اُمور میں یکساں تجربہ ومہارت پیدا نہیں کرسکتا۔ جو لوگ قصیدے کے ماہر ہوتے ہیں اگر انہیں کبھی غزل یا مثنوی کہنا پڑتی ہے۔ تو قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے نظر آتے لگتے ہیں۔ اور کم سے کم وہ شان تو پیدا ہی نہیں کر سکتے جو اُن کے اصل موضوع میں دکھائی دیتی ہے۔ اسی طرح جو شاعر مثنوی اور غزل کے امام خیال کئے جاتے ہیں اگر قصیدہ کہنا چاہتے ہیں تو وہ اسمیں پوری طرح کامیاب نہیں ہو پاتے۔ یہی حال نثر نگاروں کی نثر نگاری کا ہے۔

مگر قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ وہ دنیا کے ہر موضوع پر اظہار خیال کرتا ہے اور کہیں کسی بات کسی آن اور کسی شان میں فرق نہیں پیدا ہونے پاتا۔ قادر الکلامی اسی چیز کا نام ہے۔ قرآنی وعظ ونصیحت کا باب کھول کر دیکھئے تو وہاں آپ کو رقت ونرمی کا وہ سب سرمایہ مہیا ملے گا جو اسکے لئے ضروری ہے۔ جاہ وجلال کا یا سرزنش کا حصہ ملاحظہ فرمائیے تو وہاں ان کے مناسب دوسرے رنگ کی جھلکی ظاہر ہونے لگتی ہے۔

مثلاً قیامت کے ذکر میں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ۔ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَجِيْءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ط

(جب پہلا) صور پھونکا جائے گا تو زمین وآسمان کی تمام چیزیں الا ماشاء اللہ بیہوش ہوجاوینگی پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا۔ تو سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے اور زمین اپنے مالک کے نور سے جگمگا اُٹھے گی۔ پھر اعمالنامے پیش ہونے لگیں گے۔ انبیاء علیہم السلام اور گواہ لوگ طلب ہونے لگیں گے اور بغیر کسی ظلم اور زیادتی کے انصاف کے ساتھ سب کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

ایک جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا جا رہا ہے کہ ہم نے آپ پر یہ نعمت بھیجی یہ احسان کیا اور یہ سلوک کیا ذرا وہاں کے الفاظ ملاحظہ ہوں کیسا پیارا طرز اختیار کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی
مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی
وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ
الْاُوْلٰی وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ
رَبُّکَ فَتَرْضٰی اَلَمْ یَجِدْکَ
یَتِیْمًا فَاٰوٰی وَوَجَدَکَ ضَآلًّا
فَهَدٰی وَوَجَدَکَ عَآئِلًا
فَاَغْنٰی فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا
تَقْهَرْ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا
تَنْهَرْ وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ
فَحَدِّثْ ط

(پ ۳۰۔ ع ۱۸)

قسم ہے چاشت کی اور رات کی جبکہ چھا جائے (اے نبی) آپ کو آپ کے رب نے چھوڑا نہیں ہے۔ اور نہ دشمنی کی البتہ آخرت آپ کے لئے دنیا سے بہتر ہے۔ اور بہت جلد آپ کو اور بھی کچھ دیا جائیگا۔ جس سے آپ مزید خوش ہو جائیں گے۔ کیا اسنے آپ کو یتیم پاکر ٹھکانہ نہیں دیا اور کیا بھٹکتا دیکھ کر راستہ نہیں بتلایا! اور کیا آپ کے فقر کو اُسنے تبدیل نہیں کر دیا۔ لہذا (اے نبی) اب آپ بھی کسی سائل پر نہ تو سختی سے کام لیں اور نہ ڈر دھائیں بس اپنے رب کے احسانات کو یاد کرتے رہا کریں

ایسے ہی ترغیب و محبت کے ایک موقع پر ارشاد ہوتا ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ ط

کسی کو خبر بھی نہیں کہ ان کے لئے آنکھوں کی کیسی ٹھنڈک پوشیدہ رکھی گئی ہے۔

ایک اور جگہ اسی انداز کو یوں نبھایا جا رہا ہے۔

وَفِیْهَا مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ ط

اور (جنت میں) وہ وہ چیزیں ہیں جن کی لوگوں کو خواہش و ضرورت ہوگی۔

ترغیب کے ساتھ ذرا ایک نمونہ ترہیب کا بھی ملاحظہ فرمالیجئے ارشاد ہوتا ہے۔

فَکُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ

ہر ایک کو ہم نے اُس کے کرتوت

فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِ
حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ
الصَّیْحَۃُ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا
بِهِ الْاَرْضَ وَمِنْهُمْ مَّنْ
اَغْرَقْنَا ط

پر پکڑ لیا۔ ان میں سے بعض تو وہ تھے جن پر ہم نے آندھی کا عذاب نازل کر دیا۔ اور بعض پر خوفناک چیخ کا عذاب طاری کر دیا تھا۔ اور بعض کو زمین میں دھانس دیا۔ اور بعض کو غرق نیسل کر دیا تھا۔

بہرحال جس موضوع کو بھی اُٹھا کر دیکھئے اس موضوع میں نہ صرف اعلیٰ شان ہی جھلکتی نظر آئے گی بلکہ یہ معلوم ہوگا کہ اس کا قائل کا فن کا امام ہے۔ ہر جگہ اسی قوت و شان کا مظاہرہ آپ کو کارفرما نظر آئے گا۔

۴. عدم تضاد: ———

قرآن حکیم کا یہ بھی ایک اعجاز ہے کہ وہ دینی و دنیوی ہر حیثیت سے ایک مکمل ترین دستور عام ہونے کے ساتھ علمی اخلاقی سیاسی اقتصادی علوم و فنون کا مرکز تخلیق بھی ہے۔ پھر بھی اس سرے سے اُس سرے تک دیکھ جائیے کہیں بھی آپ کو متضاد باتیں نہیں ملیں گی۔ مصنفین کئی قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو لگاتار محنت کر کے کوئی کتاب تیار کرتے ہیں۔ اور ایک وہ جو لگاتار محنت تو نہیں کرتے مگر توجہ اور خیال کو اسکی طرف سے ہٹنے نہیں دیتے۔ ایسے مصنفین قطعاً ناپید ہیں کہ کبھی یہاں سے اور کبھی وہاں سے کبھی اس موضوع پر۔ کبھی اُس موضوع پر، بلکہ بیچ بیچ میں دوسرے مباحث بھی چھیڑتے رہیں اور خود اپنے قلم کو بھی حرکت میں نہ لائیں۔ بلکہ بول بول کر دوسروں سے بغیر پچھلے مضمون کے سنے یاد کئے ہوئے پورے تئیس سال تک لکھواتے رہیں اور پھر اسکی جمع و ترتیب میں بھی خود شریک نہ ہوں بلکہ کوئی تیسری جماعت اُن کے مضامین مرتب کر کے شائع کرے تو اسمیں تکرات

مزخرفات کا ہونا کیا معنی؟ فصاحت و بلاغت سے اتنے بلند پایہ پر پہنچ جانا یقیناً ان کا اعجاز ہی کہا جاسکتا ہے۔

قرآن کریم بلاتشبیہ اسی طریقہ سے جمع و تحریر ہوا۔ صحیح احادیث میں مذکور ہے کہ پورے ۲۳ سال تک اسکا نزول ہوتا رہا۔ اور جب کوئی آیت اُترتی تو حضرت جبرئیلؑ کہہ دیا کرتے کہ یا رسول اللہ اس آیت کو فلاں سورت کے فلاں مقام پر فلاں آیت کے پہلے اور فلاں آیت کے بعد لکھوا دیجئے۔ اس کے بعد حضرات خلفائے راشدین نے اس کو موجودہ کتابی شکل دیدی۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ کوئی انسان ہو اور اُس کے کلام میں اختلاف بھول چوک اور تکرار دکھائی نہ دے ناممکن ہے۔ اور اسکی وجہ بھی ظاہر ہے۔ کہ ہر ایک کے احوال و اغراض مختلف ہوتے ہیں۔ کبھی اس امر کی جانب توجہ ہوتی ہے اور کبھی کسی بات کا خیال دامنگیر ہوتا ہے۔ بس ان ہی اسباب و علل کی بنا پر اختلاف پیدا ہو جاتا ہے خصوصیت کے ساتھ جبکہ یہ سلسلہ برسوں تک جاری ہے تو ایسے عیوب کا پیدا ہو جانا بالکل ضروری اور یقینی چیز ہے۔ چنانچہ خود پروردگار نے بھی اس اصول کو سراہا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ۔	آخر یہ (کفار اس بات پر) غور کیوں نہیں کرتے کہ اگر قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی جانب سے ہوتا تو اس میں بڑا بھاری اختلاف پایا جاتا۔

امام غزالیؒ سے اس آیت کے معنی پوچھے گئے تو آپ کہنے لگے۔ فقط اختلاف کا یہ مطلب نہیں کہ کافروں کے قرآن سے اختلاف رکھنے کی نفی کی جارہی ہے۔ بلکہ اس سے مراد نفس قرآن کا اختلاف سے مبرا و منزہ ہونا ہے۔

۵۔ سہولت حفظ!

قرآن مجید کے سلسلہ میں ایک یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قرآن سن کر فوراً یاد ہو جاتا ہے اور اسے بھی اسکا اعجاز ہی کہنا چاہیئے علامہ بلاذریؒ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب کے قریش جیسے عظیم قبیلہ میں صرف سترہ آدمی تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ظاہر ہے کہ قرآن لکھنے کا بھی زیادہ رواج نہ ہوگا۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ پھر ان لوگوں کو اتنی بڑی کتاب کیسے یاد ہو جاتی تھی۔ اسکو منجانب اللہ مدد کہنے کے سوا اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

اس خدائی مدد کا تذکرہ جابجا قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَہَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ	ہم نے قرآن کو یاد کرنے کے لئے بڑی آسانیاں پیدا کردی ہیں کیا کوئی یاد کرنے کے لئے تیار ہے

اس کے علاوہ مسلمانوں نے اسکی نشر و اشاعت اور تشویق و تبلیغ کی طرف بھی بڑی توجہ اور انہماک سے کام لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اکثر تعلیم یافتہ صحابہ کو قرآن اور مسائل اسلامی کی تعلیم دینے کے لئے اطراف میں بھیجا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سردار خوج اور دوسرے بہت سے اونچے عہدوں کے حصول کے لئے حافظ قرآن ہونا قانونی طور پر لازم تھا۔ دینی اعزاز جو اسکی بدولت حاصل تھا وہ اس کے علاوہ ہے ترمذی شریف میں ہے کہ قبائل کی سرداری و امامت کیلئے انتخاب میں ایسے اشخاص کو ترجیح دیجاتی تھی جنہیں قرآن سب سے زیادہ یاد ہوتا تھا۔ مسلمانوں میں حفظ قرآن کا دستور بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اور اسکا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ اگر خدانخواستہ کسی وجہ سے قرآن کی مکتوبی حیثیت معدوم ہو جائے تو بھی اسکی اشاعت یا اس کے اندر کسی قسم کا فرق و اختلاف نہیں برپا ہو سکتا۔ جب بھی ایسی کوئی

وقت میں آجائے گی۔ سینے اپنے دفینوں سے اس خزانے کو پھر آباد کردیں گے۔

۶. احتواء علوم :

ہم اور آپ کیا اس بات کو مخالف مانتے ہیں کہ قرآن مجید میں دین و دنیا کے تمام علوم کی اصل واساس موجود ہے۔ ایک انگریز مورخ لکھتا ہے کہ قرآن مسلمانوں کے لئے ایک عام مذہبی، تمدنی، ملکی تجارتی قومی اخلاقی دیوانی فوجداری وغیرہ کا ایک مکمل ضابطہ اور دستور اساسی ہے، جسمیں مذہبی عبادات، دن رات کے اوامر ونواہی، روحانی نجات، جسمانی صحت، اخلاق و آداب جزا وسزا سبھی کچھ موجود ہے کہا جاتا ہے کہ حکومت عباسیہ کے زمانہ میں کسی عورت نے قسم کھائی تھی کہ میں زندگی بھر سوائے الفاظ قرآنی کے اور کسی بات کا تکلم نہ کرونگی چنانچہ مرتے مرگئی۔ مگر اُس نے اپنے اس عہد سے روگردانی نہیں کی اور جو کچھ بھی اُسے کہنا پڑتا تھا وہ قرآن ہی کے کسی لفظ کو پڑھ کر کہہ دیا کرتی تھی۔

اب آپ غور کیجئے کہ زندگی بھر میں معلوم نہیں کیا کیا باتیں اُسے کہنا پڑی ہونگی۔ اور کن کن چیزوں کی ضرورت اُسے لاحق ہوتی رہی ہوگی۔ مگر وہ قرآن پر اتنی حاوی ہوگئی تھی کہ اپنی ضرورت کی تمام باتیں اُسی میں سے نکال لیا کرتی تھی۔ بہرحال جملہ علوم وفنون پر نہایت سیر حاصل مواد قرآن کے اندر موجود ہے۔

۷. محل استعمال

بڑے بڑے بولنے والے ادیب و انشاپرداز پیدا ہوئے اور چل بسے مگر یہ بات آجتک کسی کے کلام میں نہ دیکھی گئی ہوگی کہ جو لفظ جہاں اُنھوں نے رکھ دیا اب وہاں اُسکے مرادف اُس سے ہلکا یا بھاری دوسرا لفظ رکھا جانا ممکن نہ ہو۔ بس یہ صرف قرآن ہی کا اعجاز ہے کہ اسکے الفاظ میں جہاں کچھ ترمیم کی گئی۔ لفظاً ومعناً ایک عظیم فرق و خلل محسوس ہونے لگتا ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ خود قرآن کے اندر ایک لفظ کے دو معنی استعمال ہوتے ہیں۔ مگر باوجود معنوی اتحاد کے ان کے دونوں کے اندر اگر ردوبدل کر دیا جائے تو بھونڈاپن ٹپکنے لگتا ہے۔ مثلاً قلب اور فواد ایک ہی معنی کے دو لفظ ہیں۔ دونوں قرآن کے اندر استعمال ہوچکے ہیں یہاں اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ دوسری آیت میں ہے مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى اب اگر فواد کی جگہ پر قلب اور قلب کی جگہ پر فواد رکھ دیا جائے تو معنی میں کوئی فرق نہ ہونے پائیگا۔ اسی طرح مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ اور رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا میں جوف اور بطن کے مرادف المعنی الفاظ ہیں۔ لیکن اہل زبان شہادت دینگے کہ اس فرق سے وہ تناسب اور ربط جو منجانب اللہ وضع میں ہے جاتا رہتا ہے۔ اور بھپھساپن نمایاں ہوجاتا ہے۔ یہ بات کسی انسان کے کلام میں نہیں پائی جاتی۔ امرأالقیس جو عرب کا اشعر الشعراء ہے اسکے کلام میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ اسکا ایک مصرع ہے وَمَا اَرٰى عَنْكَ الْغَوَايَةَ تَنْجَلِي۔ غوایۃ کے بجائے عمایۃ رکھ دیجئے تو کچھ پتہ بھی نہیں چلتا۔ اس کے معلقہ کا ایک اور مصرع ہے فَيَا عَجَبًا مِنْ كُوْرِهَا الْمُتَحَمَّلِ اسمیں کُور کے بجائے رحل رکھ دیجئے تو کچھ سقم پیدا نہیں ہوتا۔

۸. جاذبہ اثر :

قرآن مجید اس باب میں بھی سب سے الگ اپنا ایک منفرد مقام رکھتا ہے معنیٰ سے قطع نظر صرف الفاظ ہی سے ایک لطیف و پاک اثر روح پر طاری ہونے لگتا ہے۔ چہ جائیکہ اگر کوئی اُسے سمجھ کے سنے یا پڑھے یہی وجہ ہے کہ اکثر کفار مکہ محض قرآن ہی سن سنکر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے

(باقی بر صفحہ ۹۵)

ماہر القادری:

قرآن مجید

---- شک وشبہ سے بالاتر، خدا کا آخری پیغام

کتنا ہی ثقہ اور کتنا ہی قابل اعتماد مصنف کیوں نہ ہو۔ اسکی لکھی ہوئی کتاب پڑھتے وقت ذہن میں کچھ شکوک اور سوالات ضرور اُبھرتے ہیں جن میں سے بعض شکوک غور وفکر کے بعد دور ہوجاتے ہیں اور کچھ سوالات کھٹکتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض اوقات قاری کا ذہن یہ فیصلہ کرتا ہے کہ کوئی آدمی لغزش ونسیان اور سہو وخطا سے محفوظ نہیں ہے مصنف سے بھی کوتاہی ہوگئی ہوگی۔

قاری اگر کثیر المطالعہ ہے۔ مسائل میں گہری نظر رکھتا ہے اور اُسکے فیصلہ کی قوت بھی محکم ومستقیم ہے تو بعض اوقات کتاب پڑھنے میں ہاتھ کے ہاتھ مصنف کی غلطیوں پر احتساب کرتا جاتا ہے۔

دنیا کے کسی مصنف، انشا پرداز اور قلم کار نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس کی لکھی ہوئی کتاب کا حرف حرف سہو خطا سے پاک ہے اور اس کے لکھنے میں ذرہ برابر بھول چوک نہیں ہوئی۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ کا دعویٰ صرف کتاب اللہ یعنی قرآن کریم کے نازل کرنے والے نے کیا ہے۔ کہ اس کتاب میں کسی قسم کے شک وشبہ کا شائبہ بھی موجود نہیں ہے۔ اسمیں جو بات بیان کیگئی ہے وہ سو فیصدی درست ہے۔ سوئی کی نوک کے برابر بھی کہیں جھول نہیں ہے۔ تاریخی قصص ہوں، محکمات اور متشابہات ہوں۔ بشارتیں اور ڈراوے ہوں۔ ارض وسماوات کی تخلیق کا ذکر ہو۔ جنت ودوزخ حور وغلماں اور کوثر وتسنیم کی تفصیل ہو۔ اوامر یا نواہی ہوں۔ غرض کتاب کی ہر آیت، ہر بات، ہر لفظ اور ہر حرف اپنی جگہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے، جس میں شک وشبہ کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ہے۔

دنیا میں کروڑوں کتابیں پائی جاتی ہیں۔ انبیاء کرام پر صحیفے اور کتابیں بھی نازل ہوئی ہیں۔ جن پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔ مگر یہ سب کتابیں ہیں، "الکتاب" (The Book) صرف قرآن کریم ہے جو محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر نازل ہوا۔ یہی وہ الکتاب ہے، جو لاکھوں سینوں میں حرف بحرف موجود ہے۔ اور جس کے ایک شوشے نے بھی کسی تحریف اور آمیزش کو گوارا نہیں کیا۔ اور وقت کا کوئی لمحہ نہیں گزرتا۔ جس میں دنیا کے پردہ پر کہیں نہ کہیں اس "الکتاب" کی تلاوت نہ کی جاتی ہو۔

اس "الکتاب" میں کوئی بات ظن وتخمین سے نہیں کہی گئی۔ اسمیں ذرہ برابر ہیر پھیر نہیں۔ کوئی قیاس اور گمان نہیں جس طرح دو اور دو چار ہی ہوسکتے ہیں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتے۔ اللہ تعالیٰ کی اس نازل کی ہوئی کتاب کا کوئی لفظ بھی حق وصداقت کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ اس کتاب میں ذرہ برابر بھی سہو وخطا کا امکان نہیں۔ جو کوئی اس کتاب کو پڑھنا چاہے وہ

وہ بے یقینی، تردد، شک و شبہہ اور بدگمانی سے دل کو پاک کر کے اس کتاب کو پڑھے اگر اس کتاب کو پڑھتے ہوئے ذہن میں کوئی شبہہ گزرتا ہے تو پڑھنے والے کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ذرہ برابر شک و ریب کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ خود میرے نفس کی خامی۔ ذہن کی نارسی۔ اور فکر کی کوتاہی ہے جو شک و شبہہ بن کر اُبھر رہی ہے۔

اگر کوئی قاری دل کے شبہہ اور ذہن کے خطرے کو دور کرنے کے لئے یہ ترکیب اختیار کرے گا تو اس کے اندر یقین کی کیفیت پیدا ہوگی۔ اسکی فکر اللہ کے کلام سے ہم آہنگ ہوتی چلی جائے گی۔ یہاں تک کہ نہ روح کے بارے میں وہ کسی شک میں مبتلا ہوگا نہ عرش و کرسی اور سدرۃ المنتہیٰ کا تصور اُسے خلجان میں ڈالے گا۔ نہ آخرت کے بارے میں وہ شک کریگا نہ ملائکہ اور اجنہ کا وجود اُسے کھٹکے گا نہ رفع عیسیٰ پر اُسے حیرت ہوگی اور نہ اصحاب کہف کا واقعہ اُسے مضطرب بنائے گا۔

قرآن کریم اپنے پڑھنے والے سے اس قسم کے ایمان و یقین کا مطالبہ کرتا ہے۔ مبارک ہے وہ قلب جس کو قرآن کریم کے بارے میں اطمینان کامل اور یقین جازم نصیب ہو۔

اس احتیاط اور اہتمام کے باوجود اگر قرآن کریم کی کسی آیت پر ذہن میں کوئی کھٹک اور شبہہ پیدا ہو تو قاری کو چاہیئے کہ وہ اہل ذکر اور راسخون فی العلم سے دریافت کرے۔ انشاء اللہ علماء حق اسکی تشفی اور تسلی کر دینگے اور اگر اس پر کھٹک دور نہ ہو تو وہ اس کھٹک کو اپنے ہی ذہن کی خامی سمجھتے ہوئے قرآن پاک کی تلاوت جاری رکھے انشاء اللہ قرآن ہی کی کسی آیت سے اُس کے ذہن کی یہ کھٹک دور ہو جائے گی۔

شک کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ شک ہے جس کے ذہن میں اُبھرتے ہی دل اُسمیں لطف لینے لگتا ہے۔ اور ایک شک سے نہ جانے کتنے شبہات پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں اور ذہن شکوک و شبہات کا جال بنتا چلا جاتا ہے۔ اس قسم کا شک دراصل شیطان کا ڈالا ہوا وسوسہ ہے۔ جو آدمی کو کفر و الحاد کی منزل تک پہونچا دیتا ہے۔ تشکیک کے تسلسل کا انجام بے یقینی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ذہن و فکر کو اس بیماری سے محفوظ رکھے۔

دوسری قسم کا شک وہ ہے کہ ذہن میں اسکے اُبھرتے ہی قاری سخت وحشت، اذیت، گھبراہٹ اور بے چینی محسوس کرتا ہے ایک دل میں ہوک سی اُٹھتی ہے کہ یہ شبہہ آخر پیدا کیسے ہوا؟ کہیں اس شک کے اُبھرنے اور اسکی کھٹک کے پیدا ہو جانے سے میرا ایمان غارت نہ ہو جائے۔ جس طرح ایک حاملہ عورت دردزہ سے بےچین ہو کر بچہ جننے کے لئے بیتاب رہتی ہے اور بچہ کی ولادت کے بعد اسے سکون حاصل ہوتا ہے اسی طرح قرآن کریم کا قاری اپنے دل کی کھٹک دور ہو جانے کے لئے بیتاب و بےچین رہتا ہے۔ اور اسکی تفاسیر دیکھتا ہے۔ علماء سے پوچھتا ہے خود اپنے ذہن سے کسی ایسی تاویل کی کوشش کرتا ہے جن سے اسکو اطمینان و یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعائیں کرتا ہے کہ میں یہ کس خلجان میں مبتلا ہو گیا۔ یا اللہ! میرے دل کی کھٹک کو اپنے کرم سے دور فرما دے مانتا ہوں کہ یہ میری ہی عقل کا قصور ہے اور میرے ذہن کی کوتاہی اسکا سبب ہے۔ مگر کیا کروں، یہ کھٹک تو میرے دل کے اندر ہی اندر کچوکے دے رہی ہے اسکے بعد ایک وقت وہ آتا ہے کہ اُس کے دل کی یہ کھٹک دور ہو جاتی ہے۔ اور اسکا یقین اور زیادہ مضبوط و محکم ہو جاتا ہے۔

قرآن کے جس پڑھنے والے نے شک کو غذا دی اور کھٹک کو پروان چڑھایا۔ وہ ہلاک ہو گیا۔ جس نے اس سپولئے (شک) کے پیدا ہوتے ہی اسکا سر کچل دیا اُسنے فلاح پائی۔

قرآن پاک کی تلاوت کا یہ معجزہ ہے کہ وہ ذہن و فکر کو ہموار بناتی ہے۔ اور اُلجھنوں کو دور کرتی ہے۔ میں اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان

کرتا ہوں۔ جب میں نے یہ حدیث پڑھی، کہ "مجھے یونس بن متی پر فضیلت نہ دو" تو دل میں یہ اُلجھن پیدا ہوئی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم اور موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبروں کو چھوڑ تنہا حضرت یونس علیہ السلام کے لئے یہ کیوں فرمایا؟ اس میں کیا حکمت اور مصلحت ہے اللہ تعالےٰ کا فضل شامل حال رہا کہ ذہن نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے اعتبار و اعتماد میں کسی قسم کا شک نہیں کیا۔ مگر ذہن میں اُلجھن سی رہی۔ اس سے پانچ سال قبل مجھے زیارت حرمین شریفین کی سعادت نصیب ہوئی۔ ایک دن مسجد نبوی میں قرآن پڑھ رہا تھا۔ اس دوران میں جب وہ آیت آئی جس کا مفہوم یہ ہے کہ "صاحب حوت کی طرح نہ ہو جانا" تو معاً دل کی وہ کھٹک دور ہو گئی یعنی یہ کہ اس آیت کو پڑھ کر جس میں حضرت یونس علیہ السلام کا اضطراب ظاہر کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ قرآن کے کسی پڑھنے والے ذہن میں حضرت یونس علیہ السلام کی شخصیت کے بارے میں کوئی کھٹک پیدا ہو جائے تو اس سے بچنے کے لئے مہبط وحی و قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انتباہ فرمایا کہ "مجھے یونس بن متی پر فضیلت نہ دو"

آدمی صبر و اطمینان اور ایمان و عقیدت کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرتا رہے اور اُسے زندگی کا معمول بنالے اور قرآن کی حدود میں رہ کر غور و تدبر کی مشق جاری رکھے تو ذہن و فکر کی اُلجھنیں دور ہوتی رہیں گی۔ اور اسکی فکر کتاب اللہ کی روح سے ہم آہنگ ہو جائے گی۔

اللہ تعالےٰ کے کلام کی دعوت اُسمیں غور و فکر اور عمل کرنے کا سارا معاملہ ہی عقیدت، محبت، نیازمندی، عبودیت اور یقین و ایمان سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ کیفیت دل میں نہ ہو تو قرآن پڑھنے والا۔ بلکہ اسکی ریسرچ کرنے والا بیل ہے۔ رنیان اور براؤن کی حد سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ قرآن تو اپنے ایسے پڑھنے والوں کو چاہتا ہے کہ قرآن پڑھ کر جنکے دل دہل جائیں اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگیں ؎

سرائے کہ رخشندہ ویرانہ خوش تر
زچشمے کہ پیرایۂ نم نہ دارد

ہر بڑے سے بڑے شاعر سے اظہار بیان میں کہیں نہ کہیں غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ غالبؔ سے بھی بھول چوک ہوئی ہے اور اُس کے بعض شعروں میں خاصا اغلاق بلکہ اہمال پایا جاتا ہے۔ مگر جو لوگ غالبؔ سے عقیدت رکھتے ہیں وہ غالبؔ کے مغلق سے مغلق شعر کی چولیں بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اُن کا دل یہ چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح غالب کا یہ شعر جس پر لوگ اعتراض وارد کر رہے ہیں درست اور بامعنی تسلیم کرلیا جائے۔ جب غالبؔ کے ساتھ عقیدت ایک آدمی کو اس حد تک لیجا سکتی ہے تو وہ خدا جس کی ذات ہر قسم کی کمزوری اور عیب سے پاک ہے کیا اسکا کلام اسکا مستحق نہیں کہ اسکے بارے میں صحت و اصابت اور حق و صداقت ہی کا عقیدہ رکھا جائے۔ اور ذہن میں کوئی اُلجھن پیدا ہو تو اُسے اپنی عقل کی کوتاہی اور فہم کے نقص پر محمول کیا جائے۔ اور اس اُلجھن اور کھٹک میں لطف آنے کے بجائے اس سے وحشت ہو بلکہ اذیت محسوس ہو یہاں تک کہ یہ کھٹک دور ہو جائے۔

اللہ تعالےٰ نے الکتاب (قرآن کریم) کی حفاظت فرمائی اور اسکے ایک شوشہ کو اِدھر سے اُدھر نہ ہونے دیا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل اور اسکی حکمت ہے کہ جو نفوس قدسیہ قرآن کریم کے حامل تھے انہی نے مہبط قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ کی حفاظت کی۔ اسے یاد رکھا اس پر عمل کیا۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اُمت نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے لہجہ (قرأت) تک کو محفوظ رکھا کوئی شک نہیں الکتاب اور وہ جس پر الکتاب نازل ہوئی اُسکی سنت یہ دونوں چیزیں (کتاب و سنت) جو دین کا ماخذ ہیں محفوظ ہی رکھنے کے قابل تھیں کہ انہیں دونوں ستونوں پر دین کی عمارت قائم ہے اور کوئی مسلمان ان میں سے کسی ایک کا بھی ضیاع کسی قیمت پر گوارا نہیں کرسکتا۔

وحید الدین خاں

قرآن — خدا کی کتاب

قرآن خود اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ خدا کی کتاب ہے۔ قرآن کی اس اندرونی شہادت کے بہت سے پہلو ہیں۔ مگر یہاں میں صرف ایک چیز کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ واقعہ ہے کہ قرآن باوجودیکہ علمی ترقی سے بہت پہلے نازل ہوا اسکی کوئی بات آج تک غلط ثابت نہ ہوسکی اگر یہ کوئی انسانی کلام ہوتا تو اسمیں ابدیت کا یہ انداز پایا جانا ناممکن تھا

چین کے نوجوان طلبہ کی ایک جماعت جو حکومت کے زیر اہتمام کیلی فورنیا یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہی تھی۔ ان میں سے تقریباً بارہ افراد نے برکلے کے گرجا گھر میں جاکر پادری سے کہا کہ وہ ان کے لئے انگریزی کے ایک کلاس کا انتظام کریں۔ چینی نوجوانوں نے نہایت صفائی سے کہا کہ انہیں ذاتی طور پر عیسائیت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور نہ وہ خود عیسائی بننا چاہتے ہیں۔ البتہ وہ جاننا چاہتے ہیں کہ اس مذہب نے امریکی تمدن پر کیا اور کتنے اثرات ڈالے ہیں۔ پادری نے اس جماعت کی ہفتہ وار تعلیم کے لئے ریاضیات اور فلکیات کے ایک عالم (Peter W. Stoner) کو مقرر کیا۔ اس واقعہ کے چار مہینے بعد تمام نوجوانوں نے عیسائیت قبول کرلی۔ اس غیر معمولی تبدیلی کی وجہ کیا تھی خود اس معلم کی زبان سے سنئے۔

"میرے سامنے سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ اس طرح کے لوگوں کے سامنے مذہب کی کون سی بات رکھی جائے کیونکہ یہ نوجوان بائبل پر سرے سے ایمان ہی نہیں رکھتے۔ بائبل کی محض رواجی تعلیم بے فائدہ معلوم ہوتی تھی۔ اسوقت میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ میں نے اپنی تعلیم کے زمانہ میں بائبل کے پہلے باب (کتاب پیدایش) اور سائنس میں اہمیت قریبی مناسبت پائی تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اس جماعت کے سامنے یہی بات پیش کروں۔

میں اور طلبہ قدرتی طور پر اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ کائنات کی پیدایش کے متعلق یہ مواد، زمین و آسمان کے بارہ میں سائنس کی موجودہ معلومات حاصل ہونے سے ہزاروں سال پہلے لکھا گیا ہے۔ ہمیں یہ بھی احساس تھا کہ موسیٰ کے زمانہ میں کائنات کے متعلق لوگوں کے جو خیالات تھے اُن کو موجودہ معلومات کی روشنی میں دیکھا جائے تو وہ نہایت لغو معلوم ہونگے

ہم نے پورا موسم سرما کتاب پیدایش کے پہلے باب میں گزار دیا۔ طلبہ کام لیکر یونیورسٹی کی لائبریری میں چلے جاتے اور بڑی محنت سے جواب تیار کرکے لاتے۔ موسم سرما کے خاتمہ پر پادری نے مجھے بتایا کہ طلبا کی پوری جماعت اس کے پاس یہ کہنے کے لئے آئی تھی کہ وہ عیسائی بننا چاہتے ہیں۔ اُنھوں نے اقرار کیا کہ اُن کے اوپر یہ ثابت ہوگیا کہ بائبل خدا کی کتاب ہے۔"

(The Evidence of God - 137-38)

مثال کے طور پر زمین کی ابتدا کے بارے میں کتاب پیدائش کا فقرہ ہے ۔

" گہرائیوں پر اندھیرا چھایا ہوا تھا "۔

یہ موجودہ معلومات کے مطابق اسوقت کی بہترین تصویر ہے جب زمین ابھی گرم تھی اور اسکی گرمی کی وجہ سے پانی بخارات بن کر اُڑ گیا ۔ اس وقت ہمارے تمام سمندر کثیف بادلوں کی شکل میں فضا میں معلق تھے ۔ اور اسکی وجہ سے روشنی زمین کی سطح تک نہیں پہونچ پاتی تھی ۔

ہمارا ایمان ہے کہ انجیل اور توراۃ اصلاً اسی طرح خدا کی کتابیں ہیں جیسے قرآن خدا کی کتاب ہے ۔ اسلئے انہیں علم الٰہی کے شراد بلاشبہہ موجود ہیں ۔ مگر ان کتابوں کے اصل الفاظ محفوظ نہیں رہے ہزاروں برس گزرنے کے بعد بائبل اب ہمارے سامنے ایک ایسی کتاب کی شکل میں ہے جسمیں کریسی مارسن کے الفاظ میں ترجمہ Translation اور انسانی الحاق Human Interpolation کی وجہ سے اصل خدائی نسخے کے مقابلہ میں بہت فرق پیدا ہو چکا ہے ۔ اسی طرح یہ صحیفے پوری شکل میں اپنی اصلی حیثیت کو کھو چکے ہیں ۔ اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان کتابوں کو منسوخ کر کے ہمارے لئے اپنی کتاب کا تصحیح شدہ ایڈیشن (قرآن) نازل کیا ۔ قرآن اپنی صحت اور جامعیت کی وجہ سے بدرجہ اتم اُن خصوصیات کا حامل ہے جن کی صرف ایک جھلک اب کتب قدیمہ میں باقی رہ گئی ہے ۔

یہاں میں قرآن کی اسی خصوصیت کو اسکی صداقت کی ایک ناقابل انکار دلیل کے طور پر پیش کرنا چاہتا ہوں ۔ قرآن باوجودیکہ علمی ترقی سے بہت پہلے نازل ہوا اسکی کوئی بات آجتک غلط ثابت نہ ہو سکی ۔ اگر یہ انسانی کلام ہوتا تو ایسا ہونا ممکن نہیں تھا ۔

قرآن ایک ایسے زمانہ میں اُترا جب انسان عالم فطرت کے بارے میں بہت کم جانتا تھا ۔ اس وقت بارش کے متعلق یہ تصور تھا کہ آسمان میں کوئی دریا ہے جس سے پانی بہہ کر زمین پر گرتا ہے ۔ اور اسی کا نام بارش ہے ۔ زمین کے بارہ میں سمجھا جاتا تھا کہ وہ بچھے فرش کی مانند ہے اور آسمان اسکی چھت ہے ۔ جو پہاڑ کی چوٹیوں کے اوپر کھڑی کی گئی ہے ۔ ستاروں کے متعلق یہ خیال تھا کہ وہ چاندی کی چمکتی ہوئی کیلیں ہیں ۔ جو آسمان کے گنبد میں جڑی ہوئی ہیں ۔ یا وہ چھوٹے چھوٹے چراغ ہیں جو رات کے وقت رسیوں کی مدد سے لٹکائے جاتے ہیں ۔ قدیم اہل ہند یہ سمجھتے تھے کہ زمین ایک گائے کے سینگ پر ہے اور جب گائے زمین کو ایک سینگ سے دوسری سینگ پر منتقل کرتی ہے تو اس کے سر کی جنبش سے زلزلہ آجاتا ہے ۔ کوپرنیکس (۱۵۴۳ - ۱۴۷۳) تک یہ نظریہ تھا کہ سورج ساکن ہے اور زمین اُسکے گرد گھوم رہی ہے ۔

اس کے بعد علم کی ترقی ہوئی ۔ انسان کے مشاہدے اور تجربے کی قوت بڑھ گئی ۔ جس کی وجہ سے بیشمار نئی نئی معلومات حاصل ہوئیں ۔ زندگی کا کوئی شعبہ اور علم کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا جسمیں پہلے کے مسلمات بعد کی تحقیق سے غلط نہ ثابت ہوگئے ہوں اسکا مطلب یہ ہے کہ ڈیڑھ ہزار برس پہلے کا کوئی بھی انسانی کلام ایسا نہیں ہو سکتا جو آج بھی اپنی صحت کو پوری طرح باقی رکھے ہوئے ہو ۔ کیونکہ آدمی اپنے وقت کی معلومات کی روشنی میں بولتا ہے ۔ وہ شعور کے تحت بولے یا لاشعور کے تحت بہرحال وہ وہی کچھ دوہرائے گا جو اُس نے اپنے زمانہ میں پایا ہو ۔

چنانچہ ڈیڑھ ہزار برس پہلے کی کوئی بھی انسانی کتاب آج ایسی موجود نہیں ہے جو غلطیوں سے پاک ہو ۔ مگر قرآن کا معاملہ اس سے مختلف ہے وہ جس طرح ڈیڑھ ہزار برس پہلے کے دور میں برحق تھا آج بھی اُسی طرح برحق ہے ۔ زمانے کے گزرنے سے اس کی صداقت میں کوئی فرق نہیں آیا ۔ یہ واقعہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ یہ ایک ایسے ذہن سے نکلا ہوا کلام ہے جسکی نگاہ ازل سے ابد تک

محیط ہے۔ جو سارے حقائق کو اپنی اصلی شکل میں جانتا ہے جس کی
واقفیت زمانہ اور حالات کی پابند نہیں۔ اگر یہ محدود نظر رکھنے
والے انسان کا کلام ہوتا۔ تو بعد کا زمانہ اسی طرح اس کو غلط
ثابت کر دیتا۔ جیسے ہر انسانی کلام بعد کے زمانہ میں غلط ثابت
ہو چکا ہے۔

قرآن کا اصل موضوع اُخروی سعادت ہے۔ اس لحاظ سے
وہ دنیا کے معروف علوم و فنون میں سے کسی کی تعریف میں نہیں
آتا۔ مگر اسکا مخاطب چونکہ انسان ہے اسلئے قدرتی طور پر وہ اپنی
تقریروں میں ہر اُس علم کو مس کرتا ہے۔ جس کا تعلق انسان سے
ہے۔ یہ ایک بہت نازک صورت حال ہے کیونکہ آدمی اپنی گفتگو میں
اگر کسی فن کو مس کر رہا ہے تو خواہ وہ اُس پر کوئی تفصیلی کلام نہ کرے
اگر اُسکی معلومات ناقص ہیں تو یقینی طور پر وہ ایسے الفاظ استعمال
کرے گا جو صورت واقعہ سے ٹھیک ٹھیک مطابقت نہ رکھتے ہوں۔
مثلاً ارسطو نے عورت کی کمتری ثابت کرنے کے لئے یہ کہا ہے کہ:

"اس کے منہ میں مرد سے کم دانت ہوتے ہیں"

ظاہر ہے کہ یہ فقرہ علم الاجسام سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ مگر اسکے
باوجود وہ ایک ایسا فقرہ ہے جو علم الاجسام سے ناواقفیت کا ثبوت
دیتا ہے۔ کیونکہ یہ معلوم ہے کہ مرد اور عورت کے منھ میں دانت کی تعداد
یکساں ہوتی ہے۔

مگر یہ حیرت انگیز بات ہے کہ قرآن اگرچہ اکثر علوم انسانی کو
کہیں نہ کہیں مس کرتا ہے۔ مگر اسکے بیانات میں کوئی ایک بات بھی
ایسی نہیں آنے پائی جو بعد کی وسیع تر تحقیقات سے یہ ثابت کرے کہ یہ
ایسے شخص کا کلام ہے جس نے کمتر معلومات کی روشنی میں اپنی
باتیں کہی تھیں۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک بالاتر ہستی کا کلام
ہے۔ جو اُس وقت بھی جانتا تھا جب کوئی نہیں جانتا تھا اور ان چیزوں
کو بھی جانتا ہے جن سے اب تک لوگ ناواقف ہیں۔

یہاں میں مختلف علوم سے متعلق چند مثالیں دونگا جس سے اندازہ
ہوگا کہ ایک علم کو مس کرتے ہوئے بھی قرآن کس طرح حیرت انگیز طور پر
ان صداقتوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے جو نزول قرآن کے وقت معلوم
نہیں تھیں۔ بلکہ بعد کو دریافت ہوئیں۔

اس بحث سے پہلے بطور تمہید یہ عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ جدید
تحقیقات سے قرآنی الفاظ کی مطابقت اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ یہ
تحقیقات متعلقہ واقعہ کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو چکی ہے۔ اور اسطرح
مادی کائنات کے بارے میں قرآن کے اشاراتی الفاظ کی تفسیر کرنے
ہم کو ضروری مواد حاصل ہو گیا ہے۔ اب اگر مستقبل کا مطالعہ کسی موجودہ
تحقیق کو کلاً یا جزءاً غلط ثابت کر دے تو اس سے کسی بھی درجہ میں قرآن
کی تغلیط نہیں ہوگی۔ بلکہ اسکا مطلب صرف یہ ہوگا کہ قرآن کے مجمل اشارہ
کے تفصیلی تعین میں غلطی ہو گئی تھی۔ ہم کو یقین ہے کہ آیندہ کی صحیح تر
معلومات قرآن کے اشاراتی الفاظ کو زیادہ صحیح طور پر واضح کرنے والی
ہونگی۔ وہ کسی اعتبار سے اس سے مختلف نہیں ہو سکتیں۔

اس سلسلہ میں قرآن کے جو بیانات ہیں اُن کو ہم دو قسموں میں تقسیم
کر سکتے ہیں۔ ایک وہ جو اُن اُمور سے متعلق ہیں جن کے متعلق انسان
کو نزول قرآن کے وقت کسی قسم کی معلومات حاصل نہیں تھیں۔ اور
دوسرے وہ جن کے متعلق وہ سطحی اور ظاہری معلومات رکھتا تھا۔

کائنات کی ایسی بہت سی چیزیں ہیں جن کے متعلق دور سابق کے
لوگ کچھ نہ جانتے تھے۔ مگر اُن کا یہ علم اُن دریافتوں کے مقابلہ میں بیحد
ناقص اور ادھورا تھا۔ جو بعد کو علمی ترقی کے دور میں انسان کے سامنے
آئیں۔ قرآن کی شکل یہ تھی کہ وہ کوئی سائنسی کتاب نہیں۔ اسلئے اگر وہ
عالم فطرت کے بارہ میں یکایک نئے نئے انکشافات لوگوں کے سامنے
رکھنا شروع کر دیتا تو انہیں چیزوں پر بحث چھڑ جاتی اور اسکا اصل مقصد
"ذہن کی اصلاح" پس پشت چلا جاتا۔ یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ اس نے
علمی ترقی سے بہت پہلے کے زمانے میں اس طرح کی چیزوں پر کلام کیا

ہو ان کے بارے میں ایسے الفاظ استعمال کئے جن میں دور سابق کے لوگوں کے لئے توحش کا کوئی سامان نہیں تھا۔ اور اسی کے ساتھ بعد کے انکشافات کا بھی وہ پوری طرح احاطہ کئے ہوئے تھے۔

(الف) قرآن میں دو مقامات پر پانی کا ایک خاص قانون بیان کیا گیا ہے۔ اول سورۂ فرقان میں دوسرے سورۂ رحمآن میں۔ اول الذکر اقتباس حسب ذیل ہے۔

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَحْجُورًا (الفرقان۔ ۵۳)

اور وہی ہے جس نے ملائے دو دریا۔ ایک کا پانی میٹھا خوشگوار ہے۔ اور ایک کا کھاری تلخ اور دونوں کے درمیان میں ایک آڑ رکھ دی۔

دوسری جگہ یہ الفاظ ہیں۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ ۝ (الرحمٰن ۲۰-۲۱)

اسنے چلائے دو دریا ملتے ہوئے دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے۔

ان آیات میں جس مظہر فطرت کا ذکر ہے وہ قدیم ترین زمانہ سے انسان کو معلوم تھا۔ وہ یہ کہ دو دریاؤں کا پانی جب باہم مل کر بہتا ہے۔ تو وہ ایک دوسرے میں شامل نہیں ہو جاتا۔ مثال کے طور پر چاٹگام (مشرقی پاکستان) سے لیکر ارکان (برما) تک دو دریا مل کر بہتے ہیں۔ اور اس پورے سفر میں دونوں کا پانی بالکل الگ الگ نظر آتا ہے۔ دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے۔ ایک طرف کا پانی میٹھا ہے دوسری طرف کا کھاری۔ اسی طرح سمندر کے ساحلی مقامات پر جو دریا بہتے ہیں اُن میں سمندر کے اثر سے برابر مدوجزر (جوار بھاٹا) آتا رہتا ہے۔ مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آجاتا ہے تو میٹھے پانی کی سطح پر کھاری پانی بہت زور سے چڑھ جاتا ہے۔ لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مختلط نہیں ہوتے اوپر کھاری رہتا ہے نیچے میٹھا۔ اسکے بعد جب جزر ہوتا ہے تو اوپر سے کھاری پانی اُتر جاتا ہے اور میٹھا جوں کا توں باقی رہتا ہے۔ اسی طرح الہ آباد میں گنگا اور جمنا کے سنگم کے مقام پر میں نے خود دیکھا کہ دونوں دریا ملنے کے باوجود الگ الگ بہتے ہوئے نظر آتے ہیں اور درمیان میں ایک لکیر مسلسل چلی گئی ہے۔

یہ بات قدیم ترین زمانہ سے انسان کے مشاہدے میں آچکی تھی مگر یہ واقعہ کس قانون فطرت کے تحت واقع ہوتا ہے یہ ابھی حال میں دریافت کیا گیا ہے۔ جدید تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ رقیق اشیاء میں سطحی تناؤ (Surface Tension) کا ایک خاص قانون ہے اور یہی دونوں قسم کے پانی کو الگ الگ رکھتا ہے۔ چونکہ دونوں سیالوں کا تناؤ (Tension) مختلف ہوتا ہے۔ اسلئے وہ دونوں کو اپنی اپنی حد میں روکے رکھتا ہے۔ آجکل اس قانون کو سمجھ کر جدید دنیا نے بیشمار فوائد حاصل کئے ہیں۔ قرآن نے بینھما برزخ لا یبغیان کے الفاظ بول کر اس واقعہ کی ایسی تعبیر کی جو قدیم مشاہدے کے اعتبار سے بھی ٹکرانے والی نہیں تھی۔ اور اب جدید دریافت پر بھی وہ پوری طرح حاوی ہے۔ کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ برزخ (آڑ) سے مراد وہ سطح کا تناؤ (Surface Tension) ہے جو دونوں قسم کے پانی کے درمیان پایا جاتا ہے اور جو دونوں کو مل جانے سے روکے ہوئے ہے۔

سطحی تناؤ کے قانون کو ایک سادہ سی مثال سے سمجھئے۔ اگر آپ گلاس میں پانی بھریں تو وہ کنارے تک ہو چکر فوراً بہنے نہیں لگے گا بلکہ ایک سوت کے بقدر اُٹھ کر گلاس کے کناروں کے اوپر گولائی میں ٹھہر جائے گا یہی وہ چیز ہے جس کو شاعر نے "خط پیمانہ" کہا ہے۔

اندازۂ ساقی تھا کس درجہ حکیمانہ　　ساغر سے اُٹھیں موجیں بنکر خط پیمانہ

گلاس کے کناروں کے اوپر پانی کی جو مقدار ہوتی ہے وہ کیسے ٹھہرتی ہے بات یہ ہے کہ رقیق اشیاء کی سطح کے سالمات (Molecules) کے بعد چونکہ کوئی چیز نہیں ہوتی اسلئے اُن کا رُخ اندر کی طرف ہو جاتا ہے

اس طرح سطح کی سالمات کے درمیان کشش اتصال بڑھ جاتی ہے اور قانون اتصال (Cohesion) کے عمل کی وجہ سے پانی کی سطح کے اوپر ایک قسم کی لچکدار جھلی (Elastic Film) سی بنجاتی ہے اور پانی گویا اس کے غلاف میں اس طرح ملفوف ہوجاتا ہے جیسے پلاسٹک کی سفید جھلی میں لپٹا ہوا آم کہ ملفوف ہوتا ہے۔ سطح کا یہی پردہ اوپر سے ابھرے ہوئے پانی کو روکتا ہے۔ یہ پردہ اس حد تک قوی ہوتا ہے کہ اگر اسکے اوپر سوئی ڈالی جائے تو وہ ڈوبے گی نہیں بلکہ پانی کی سطح پر تیرتی رہے گی۔ اسی کو سطحی تناؤ کہا جاتا ہے اور یہی وہ سبب ہے جسکی بنا پر تیل اور پانی ایک دوسرے میں حل نہیں ہوتے۔ اور یہی وہ "آڑ" ہے جسکی وجہ سے کھاری پانی اور میٹھے پانی کے دو دریا مل کر بہتے ہیں مگر ایک کا پانی دوسرے میں شامل نہیں ہوتا۔[1]

(ب) اس طرح کے بیانات قرآن میں بہت ہیں۔ مثلاً ارشاد ہوا ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا　　اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بلند کیا بغیر ایسے ستونوں کے جنہیں تم دیکھ سکو۔ (رعد ۲)

دور قدیم کے انسان کے لئے یہ الفاظ اسکے ظاہری مشاہدے کے عین مطابق تھے۔ کیونکہ وہ دیکھتا تھا کہ اسکے سر کے اوپر سورج چاند اور ستاروں کی ایک دنیا کھڑی ہے مگر کہیں اسکا پایہ اور کھمبا نظر نہیں آتا۔ اور اب جدید ترین معلومات رکھنے والے انسان کے لئے بھی اسمیں مکمل معنویت موجود ہے۔ کیونکہ جدید ترین مشاہدہ بتاتا ہے کہ اجرام سماوی ایک لامحدود خلا میں بغیر کسی سہارے کے قائم ہیں اور ایک "عمد غیر مرئی" یعنی کشش ثقل (Gravitation Pull) ان کو بالائی فضا میں سنبھالے ہوئے ہے۔

(ج) اسی طرح سورج اور تمام ستاروں کے بارہ میں کہا گیا۔

كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ　　سب کے سب ایک آسمان میں تیر رہے ہیں۔

دور قدیم میں بھی انسان اجرام سماوی کو حرکت کرتا ہوا دیکھتا تھا اسلئے ان الفاظ سے اس کو توحش نہیں ہوا۔ مگر جدید معلومات نے ان الفاظ کو اور زیادہ بامعنی بنا دیا ہے۔ بسیط اور لطیف خلا میں اجرام سماوی کی گردش کے لئے "تیرنے" سے بہتر کوئی تعبیر نہیں ہوسکتی۔

۵۔ دن اور رات کے متعلق قرآن میں ہے۔

یغشی اللیل النہار یطلبہ حثیثا　　اللہ اوڑھاتا ہے رات پر دن کہ وہ اسی کے پیچھے لگا آتا ہے دوڑتا ہوا۔ (اعراف ۵۴)

یہ الفاظ قدیم انسان کے لئے صرف رات دن کی ظاہری آمد و رفت کو بتاتے تھے۔ مگر اسمیں نہایت عمدہ اشارہ زمین کی محوری گردش کی طرف بھی موجود ہے۔ جو جدید مشاہدے کے مطابق رات اور دن کی تبدیلی کی اصل وجہ ہے۔

یہاں میں یاد دلاؤں گا کہ روس کے پہلے خلائی مسافر نے خلا سے واپسی کے بعد اپنے جو مشاہدات بیان کئے تھے اسمیں ایک یہ بھی تھا کہ زمین کو اسنے اس شکل میں دیکھا کہ سورج کے سامنے محوری گردش کی وجہ سے، اسکے اوپر اندھیرے اور اجالے کی آمد و رفت کا ایک تیز تسلسل (Rapid Succession) جاری تھا۔

اس طرح بیانات قرآن میں کثرت سے موجود ہیں۔

دوسری مثالیں وہ ہیں جن کے متعلق پچھلے زمانہ کے لوگ قطعاً کوئی معلومات نہیں رکھتے تھے۔ قرآن نے ان کا ذکر کیا اور ایسی باتیں کہیں جو حیرت انگیز طور پر جدید انکشافات سے صحیح ثابت ہوتی ہیں یہاں میں مختلف علمی شعبوں سے اسکی چند مثالیں پیش کروں گا۔

فلکیات:

قرآن نے مادی کائنات کے آغاز و انجام کا ایک خاص تصور دیا ہے

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ "Surface Tension"۔

یہ تصور سو برس پہلے تک انسان کے لئے بالکل نامعلوم تھا۔ اور نزول قرآن کے زمانہ میں تو اسکا تصور بھی کسی کے ذہن میں نہیں گزر سکتا تھا۔ مگر جدید مطالعہ نے حیرت انگیز طور پر اسکی تصدیق کی ہے
آغاز کائنات کے بارہ میں قرآن کا بیان ہے۔

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا (انبیاء ۳۰)
کیا منکرین نہیں دیکھتے کہ زمین و آسمان دونوں ملے ہوئے تھے[۱] پھر ہم نے اُن کو پھاڑ دیا

اور اسکا انجام یہ بتایا گیا ہے۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ (انبیاء ۱۰۴)
اُس دن لپیٹ دیں گے ہم آسمان کو جیسے لپیٹتے ہیں طومار میں کاغذ۔

ان الفاظ کے مطابق کائنات ابتداءً ایک سمٹی ہوئی حالت میں تھی اور اُس کے بعد پھیلنا شروع ہوئی۔ اس پھیلاؤ کے باوجود اسکا اصل مادہ اتنا کم ہے کہ تھوڑی سی جگہ میں اسکو دوبارہ سمیٹا جاسکتا ہے۔

کائنات کے بارے میں جدید ترین تصور یہی ہے مختلف قرائن اور شاہدات کی بنیاد پر سائنسدان اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ کچھ ہزار ملین سال پہلے کائنات کا مادہ جمود اور سکون کی حالت میں تھا۔ یہ ایک بہت ہی سخت سکڑی ہوئی اور گھٹی ہوئی انتہائی گرم گیس تھی۔ تقریباً پچاس کھرب سال پہلے ایک زبردست دھماکے سے وہ پھٹ پڑی اور اس کے ساتھ ہی اسکے ٹوٹے ہوئے اجزا چاروں طرف پھیلنے لگے جب یہ پھیلاؤ شروع ہو گیا تو اس کا جاری رہنا لازمی تھا کیونکہ اجزائے مادہ جیسے جیسے دور ہونگے اُن کا باہمی کشش کا اثر ایک دوسرے پر سے کم ہوتا جائے گا۔ آغاز میں کائنات کا جو مادہ تھا اسکے مکانی دائرے کا دائرہ تقریباً ایک ہزار ملین سال نور ہے۔ اور اب پروفیسر اڈنگٹن کے اندازے کے مطابق وہ سابقہ دائرے کے مقابلہ میں تقریباً دس گنا بڑھ چکا ہے۔ یہ عمل توسیع اب بھی جاری ہے۔ اڈنگٹن کے الفاظ میں

"ستاروں اور کہکشاؤں کی مثال ایک ایسے ربر کے غبارے کی سطح کے نشانات کی سی ہے جو مسلسل پھیل رہا ہو۔ اسی طرح اپنی ذاتی حرکت کے ساتھ تمام آسمانی کرّے کائناتی پھیلاؤ کے ساتھ دور ہوتے جارہے ہیں۔"

(The Limitation of Science P. 20)

دوسری بات بھی جدید ترین مطالعہ سے کائنات کے ڈھانچے کے عین مطابق ثابت ہوئی ہے۔ قدیم انسان یہ سمجھتا تھا کہ ستارے اتنے ہی فاصلوں پر ہیں جیسے کہ وہ نظر آتے ہیں۔ مگر اب معلوم ہوا کہ وہ دوری ہی کی وجہ سے قریب قریب نظر آتے ہیں۔ ورنہ وہ ایک دوسرے سے بے انتہا بعید فاصلے پر واقع ہیں۔ اور یہی نہیں، بلکہ وہ اجسام جو بظاہر سالم نظر آتے ہیں ان کا بھی ایک بڑا حصّہ درحقیقت خلا ہے جس طرح شمسی نظام میں بہت سے سیارے اور سیارچے ایکدوسرے سے دور دور فاصلوں پر رہتے ہوئے ایک نظام کے تحت گردش کرتے ہیں اسی طرح ہر مادی جسم چھوٹے پیمانہ کے بیشمار شمسی نظاموں کا مجموعہ ہے جن کو ایٹم کہتے ہیں۔ نظام شمسی کا خلا ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں۔ مگر ایٹمی نظام کا خلا انتہائی چھوٹا ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتا۔ گویا ہر چیز خواہ وہ بظاہر ٹھوس نظر آرہی ہو اندر سے کھوکھلی ہے مثلاً چھ فٹ لمبے چوڑے انسانی جسم کے مادّی ذرات کے درمیان سے اگر خلا یا مکان (Space) کو نکال دیا جائے تو باقی مادہ مادہ کی انبساط بس ایک غیر مرئی دھبے کی سی رہ جائے گی۔

اسی طرح فلکی طبیعیات کے ماہرین (Astrophysicists) نے کائنات میں پھیلے ہوئے پورے مادّے کا حساب لگایا ہے ان کا کہنا ہے۔

---

[۱] رتق ــــ منضم الاجزا

"If all this were squeezed without leaving any space, the size of the universe will be only thirty times the size of the sun."

یعنی اگر ساری کائنات کو اس طرح سمیٹ دیا جائے کہ اسمیں خلا باقی نہ رہے تو ساری کائنات کا حجم موجودہ سورج سے صرف تیس گنا زیادہ ہوگا۔ جبکہ کائنات کی وسعت کا یہ حال ہے کہ شمسی نظام سے بعید ترین کہکشاں جو اب تک دیکھی جا سکی ہے وہ سورج سے کئی ملین سال نور کے فاصلہ پر واقع ہے

۲۔ دور جدید کے ماہرین فلکیات اپنے مشاہدے اور ریاضیاتی اندازے کی بنا پر اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ اجرام سماوی جس قانون کے تحت گردش کر رہے ہیں۔ اُس کے مطابق مستقبل بعید میں ایک وقت آنیوالا ہے جب چاند زمین کے بہت قریب آجائے اور دوطرفہ کشش کی تاب نہ لاکر پھٹ جائے گا۔ اور اس کے ٹکڑے زمین کے گرد فضا میں پھیل جائیں گے۔

"Man does not stand alone P. 24

"شق قمر" کا یہ واقعہ اسی قانون کشش کے تحت ہوگا جسکا مظاہرہ جوار بھاٹے کی شکل میں سمندر میں ہوتا رہتا ہے۔ چاند بالائی فضا میں ہمارا قریب ترین ہمسایہ ہے یعنی زمین سے اسکا فاصلہ صرف دو لاکھ چالیس ہزار میل ہے۔ اس قربت کی وجہ سے اس کی کشش کا اثر سمندروں پر پڑتا ہے۔ اور دن میں دو بار پانی اُٹھ کر غیر معمولی تموج پیدا کرتا ہے۔ یہ موجیں بعض مقامات پر ساٹھ فٹ کے قریب تک اوپر اُٹھ جاتی ہیں۔ اور خشکی کی سطح بھی اس قمری کشش سے چند انچ تک متاثر ہوتی ہے۔ چاند اور زمین کا موجودہ فاصلہ بہت مناسب مقدار پر ہے اور اس کے بہت سے فوائد ہیں۔ اس کے بجائے اگر یہ فاصلہ گھٹ جائے مثلاً پچاس ہزار میل پر آجائے تو سمندروں میں اس شدت سے طوفان برپا ہو کہ خشکی کا بیشتر حصہ اسمیں غرق ہو جائے۔ اور طوفانی موجوں کے مسلسل ٹکراؤ سے پہاڑ کٹ کر ریزے ریزے ہو جائیں اور زمین اسکی کشش سے پھٹنے لگے۔

ماہرین فلکیات کا اندازہ ہے کہ زمین کی ابتدائی پیدائش کے وقت چاند اسی طرح زمین کے قریب تھا۔ اور اسوقت زمین کی سطح پر یہ سب کچھ ہو چکا ہے۔ اسکے بعد فلکیاتی قانون نے اسے موجودہ دوری پر پہنچا دیا۔ ان کا خیال ہے کہ ایک ملین سال تک یہ صورت قائم رہے گی اور اسکے بعد یہی فلکی قانون دوبارہ چاند کو زمین کے قریب لائے گا اور اس وقت چاند اور زمین کی باہمی کشش کا نتیجہ یہ ہوگا کہ چاند پھٹ جائے گا۔ اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین کے گرد ایک حلقہ کی شکل میں پھیل جائے گا۔

یہ نظریہ حیرت انگیز طور پر اس پیشین گوئی کی تصدیق ہے جو سورۂ قمر میں وارد ہے یعنی قیامت جب قریب آئے گی تو چاند پھٹ جائے گا۔ اور اس کا پھٹنا قرب قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت ہوگا۔

اقتربت الساعۃ وانشق	قیامت نزدیک آگئی اور چاند
القمر۔ وان یروا آیۃ	پھٹ گیا اور یہ لوگ کوئی نشانی
یعرضوا ویقولوا سحر مستمر	دیکھتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے
	ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے۔[1]

---

[1] شق قمر کا واقعہ صحیحین میں اور دوسری کتب حدیث میں مستند طور پر بیان کیا گیا ہے۔ ان راویوں میں حضرت عبداللہ ابن مسعود بھی ہیں، جو بذات خود اس واقعہ کے عینی شاہد ہیں۔ اس کے باوجود شق قمر کا مسئلہ قدیم مفسرین و متکلمین سے لیکر اب تک شدید بحث کا موضوع رہا ہے اکثریت کی رائے یہ ہے کہ شق قمر کا واقعہ ہوا ہے اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ قیامت کے قریب ہوگا (قال بعض المفسرین ـ باقی اگلے صفحہ پر)

ارضیات :

پہاڑوں کے بارے میں قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کہا گیا ہے کہ وہ زمین کا توازن برقرار رکھنے کے لئے ہیں۔ مثلاً فرمایا۔

وَالقیٰ فی الارض رواسی ان تمید بکم (لقمان -۱۰)
اور زمین میں پہاڑ بنا دیے گئے تاکہ زمین تم کو لیکر جھک نہ پڑے

ان الفاظ کے نزول کے پورے تیرہ سو برس تک انسانی علم پہاڑوں کی اس حیثیت کے بارے میں بالکل بے خبر تھا۔ مگر اب جغرافیہ اس سے آشنا ہو چکا ہے۔ اور جدید جغرافی اصطلاح میں اسکو توازن (Isostasy) کہا جاتا ہے۔ اگرچہ اس سلسلہ میں انسان کا علم ابھی ابتدائی منزل میں ہے تاہم انگلستان کے الفاظ میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ زمین کی سطح پر جو ہلکا مادہ تھا وہ پہاڑوں کی شکل میں اُبھر آیا۔ اور جو بھاری مادہ تھا وہ گہری خندقوں کی صورت میں دب گیا۔ جن میں اب سمندر کا پانی بھرا ہوا ہے اس طرح اُبھار اور دباؤ نے مل کر زمین کا توازن برقرار کر رکھا ہے۔[۱]

ایک اور مصنف لکھتا ہے۔

" جیسے خشکی پر وادیاں ہیں۔ اسی طرح سمندر کے نیچے بھی وادیاں ہیں۔ مگر سمندر کی تہ کی اکثر وادیاں زیادہ گہری اور انسان کے تجرباتی دائرہ کے لحاظ سے بہت دور ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی غیر معمولی دباؤ سے سمندروں میں گہرے غار ہو گئے ہیں۔ (یہ وادیاں سطح سمندر سے ۳۵ ہزار فٹ تک گہری ہیں۔ یہ گہرائی کسی بھی پہاڑ کی بلندی سے زیادہ ہے۔ بعض مقامات پر یہ کھائیاں اتنی گہری ہیں کہ اگر زمینی پہاڑ کی سب سے اونچی چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ کو جو ۲۹۰۰۲ فٹ بلند ہے وہاں ڈال دیا جائے تو اسکے اوپر ایک میل کی اونچائی تک پانی بہتا رہے گا) حیرت یہ ہے کہ یہ سمندری خندقیں (Oceanic Trenches) دور سمندر کے درمیان واقع ہونے کے بجائے خشکی کے قریب قریب پائی جاتی ہیں۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کونسا عظیم دباؤ تھا جس نے سمندر کی تہ میں یہ زبردست غار پیدا کر دیئے۔ مگر جزائری سلسلوں اور آتش فشاں پہاڑوں سے ان کی قربت ظاہر کرتی ہے کہ پہاڑی بلندیوں اور سمندری خندقوں میں کوئی باہمی تعلق ہونا چاہیئے۔ گویا کہ زمین اونچائی اور گہرائی کے ذریعہ اپنے توازن (Balance) کو قائم رکھتی ہے۔ جغرافیہ کے بعض مستند علماء کا خیال ہے کہ سمندری گہرائیاں آئندہ اُبھرنے والی خشکی کی علامتیں ہو سکتی ہیں کیونکہ پانی کے نیچے ان اندھیرے غاروں میں صدیوں سے

بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ : سینشق تفسیر کبیر) اس دوسرے گروہ میں امام حسن بصری شامل ہیں۔ جن کا قول ابوحیان اندلسی نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

ان المعنی اذا جاءت الساعۃ انشق القمر بعد النفخۃ الثانیۃ (البحر المحیط جلد ثامن صفحہ ۱۷۳)
اقتربت الساعۃ وانشق القمر کا مطلب یہ ہے کہ جب قیامت قریب آئیگی تو چاند پھٹ جائیگا اور یہ واقعہ دوسری بار صور پھونکنے کے بعد ہوگا

ان دونوں خیالات میں تطبیق کی صورت بعض لوگوں نے یہ نکالی ہے کہ انہوں نے ان دونوں کو تسلیم کیا ہے۔ ان کے خیال کے مطابق احادیث میں منی کے ایک مجمع کے سامنے جس شق قمر کا ذکر ہے وہ بھی ایک واقعہ ہے خواہ امام غزالی اور شاہ ولی اللہ کے خیال کے مطابق بصری تصرف کے تحت ہوا ہو یا فی الواقع کوئی حقیقی انشقاق ہو۔ اور قیامت کے قریب شق قمر کی بات بھی صحیح ہے پہلا واقعہ گویا ایک ابتدائی علامت ہے اس واقعہ کی جو قرب قیامت میں آخری شکل میں ظاہر ہوگا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں " شق القمر کا معجزہ ایک نمونہ اور نشانی ہے قیامت کی کہ آگے سب کچھ یونہی پھٹے گا۔"

[۱] A. D. Von Englen. Geomorphology (N.Y. 1948) P.P. 26-27

بہہ بہہ کر خشکی اور سمندر کی تہ کی گاد (Sediment) تہ بہ تہ جمع ہو رہی ہے اور میلوں پائتی چلی جا رہی ہے اسلئے کہ کسی وقت عدم توازن کی بنا پر ہو سکتا ہے کہ سمندر کے نیچے کی اتھاہ گہرائیوں میں جمع ہونے والے مادے کا دباؤ پڑنے سے نئے پہاڑ اُبھر آئیں یا نئے جزائری سلسلے پیدا ہو جائیں۔ ساحل کے بعض پہاڑوں میں اس طرح کی سمندری گاد کے نشانات پائے گئے ہیں۔ مگر انسان کی موجودہ معلومات کے دائرے میں کوئی بھی نظریہ سمندری خندقوں کی مکمل توجیہ نہیں کرتا۔ یہ دائمی سرد اور دائمی تاریک غار جو فی مربع انچہ سات ٹن بوجھ کے نیچے دبے ہوئے ہیں وہ ابھی انسان کے لئے سمندر کے دوسرے معموں میں سے ایک معمہ ہیں:

The world we live in (N.Y. 1955) P. 28

اسی طرح قرآن میں یہ کہا گیا ہے کہ زمین پر ایک وقت ایسا گزرا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پھاڑ کر پھیلا دیا۔

والارض بعد ذلك دحٰها	اس کے بعد خدا نے زمین کو پھیلایا
اخرج منها ماءها ومرعٰها	اور اس میں سے اُسکا پانی اور چارہ نکالا
(نازعات)	

یہ الفاظ جدید ترین نظریۂ انتشار براعظم (Theory of Drifting Continents) کے عین مطابق ہیں اس نظریہ کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے تمام براعظم کسی زمانہ میں ایک ہی بڑی زمین کے حصے تھے۔ اس کے بعد وہ پھٹ کر سطح زمین پر ادھر اُدھر پھیل گئے اور بھرے ہوئے سمندروں کے اردگرد براعظموں کی ایک دنیا آباد ہو گئی۔

اس نظریہ کو پہلی بار باقاعدہ طور پر سنہ ۱۹۱۵ء میں ایک جرمن ماہر ارضیات الفرڈ ویجنر (Alfred Wegener) نے پیش کیا۔ اسکی دلیل یہ تھی کہ براعظموں کو اگر قریب کیا جائے تو وہ سب کے سب "Jigsaw Puzzle" کی طرح آپس میں مل جاتے ہیں۔ مثلاً جنوبی امریکہ کا مشرقی ساحل افریقہ کے مغربی ساحل سے مل رہا ہے۔

اس قسم کی اور بہت سی مشابہتیں ہیں جو وسیع سمندروں کے دونوں طرف پائی گئی ہیں۔ مثلاً ایک قسم کے پہاڑ یکساں ارضیاتی سال کی چٹانیں۔ ایک قسم کے جانور اور مچھلیاں۔ اور ایک طرح کے پودے۔ چنانچہ علم نباتات کا ماہر پروفیسر رونالڈ گڈ (Ronald Good) اپنی کتاب موسومہ (Geography of the flowering Plants) میں لکھتا ہے:

"نباتات کے ماہرین کا تقریباً متفقہ نظریہ یہ ہے کہ مختلف پودے جو زمین کے مختلف حصوں میں پائے جاتے ہیں اُن کی توجیہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتی کہ ہم یہ فرض کریں کہ زمین کے ٹکڑے ماضی میں کبھی باہم ملے ہوئے تھے۔"

اور اب تو حجری کشش Fossil Magnetizm سے تصدیق حاصل ہونے کے بعد اس کو قطعی سائنسی نظریہ کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے پتھر کے ذرات کے رخ کا مطالعہ کر کے یہ معلوم کر لیا جاتا ہے کہ زمانہ قدیم میں انکی چٹان کا عرض البلد اور طول البلد کیا تھا؟

اسی مطالعہ سے معلوم ہوا ہے کہ زمین کے موجودہ ٹکڑے ماضی میں ان مقامات پر نہیں تھے جہاں وہ نظر آتے ہیں۔ بلکہ ٹھیک اُن مقامات پر تھے جہاں براعظموں کے انتشار کا نظریہ تقاضا کرتا ہے۔ امپیریل کالج لندن میں فزکس کے اُستاد پروفیسر پی۔ ایم۔ ایس بلیکٹ (Blacket) نے کہا ہے۔

"ہندوستانی پتھر کی پیمائش یقینی طور پر بتاتی ہے کہ ستر ملین سال پہلے ہندوستان خط استوا کے جنوب میں واقع تھا۔ جنوبی افریقہ کی چٹانوں کا مشاہدہ ثابت کرتا ہے کہ افریقی براعظم تین سو ملین سال پہلے قطب جنوبی

سے ٹوٹ کر نکلا ہے۔"

(تفصیل کیلئے ــ ریڈرز ڈائجسٹ جون ۱۹۶۱ء)

اوپر ہم نے جو آیت نقل کی ہے اُسمیں اللہ تعالیٰ نے دحیٰ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ دحیٰ کے معنی کسی مجتمع چیز کو پھیلانے اور بکھیر دینے کے ہیں عربی میں کہا جاتا ہے دحا المطر الحصی عن وجہ الارض (بارش زمین سے کنکریوں کو بہالے گئی) تقریباً یہی مفہوم انگریزی لفظ "Drift" کا بھی ہے جو اس جغرافی نظریے کی تعبیر کے لئے موجودہ زمانہ میں اختیار کیا گیا ہے۔ قدیم زمین ماضی اور حال میں اس حیرت انگیز یکسانیت کی توجیہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ ایسی ہستی کا کلام ہے جس کا علم ماضی اور حال سب پر محیط ہے۔

غذائیات :

کتاب الٰہی میں انسان کے لئے جو مینو بتایا گیا ہے اُس کے مطابق خون ہمارے لئے حرام ہے۔ نزول کتاب کے وقت تک انسان اس قانون کی غذائی اہمیت سے بے خبر تھا لیکن بعد کو جب سائنسی طور پر خون کے اجزا کی تحلیل کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ قانون نہایت اہم مصلحت پر مبنی تھا۔ سائنسی تجزیہ نے اسکو رد نہیں کیا۔ بلکہ اسکی معنویت ہم پر واضح کی۔

یہ تجزیہ بتاتا ہے کہ خون میں کثرت سے یورک ایسڈ (Uric Acid) موجود ہے جو ایک تیزابی مادہ ہونے کی وجہ سے خطرناک زہریلی تاثیر اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور غذا کے طور پر اسکا استعمال سخت مضر ہے۔ ذبیحہ کا مخصوص طریقہ جو اسلام میں بتایا گیا ہے اُسکی مصلحت بھی یہی ہے۔ اسلامی اصطلاح میں ذبیحہ سے مراد جانور کو خدا کے نام پر ایسے طریقہ سے ذبح کرنا ہے جس سے اُسکے جسم کا سارا خون نکل جائے۔ اور یہ اسی طرح ممکن ہے کہ جانور کی صرف شہ رگ کو کاٹا جائے۔ لیکن گردن کی رگوں کو قائم رکھا جائے۔ تاکہ مذبوحہ کے دل اور دماغ کے درمیان موت تک تعلق قائم رہے۔ اور جانور کی موت کا باعث صرف کامل اخراج خون ہو نہ کسی اعضائے رئیسہ پر صدمے کا پہونچنا کیونکہ کسی عضو رئیسہ مثلاً دماغ دل یا جگر کے صدمہ رسیدہ ہونے سے فی الفور موت تو واقع ہو جاتی ہے لیکن ایسی صورت میں خون آناً فاناً جسم میں منجمد ہو کر تمام گوشت میں سرایت کر جاتا ہے۔ اور سارا گوشت یورک ایسڈ کی آمیزش کی وجہ سے زہریلا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح سُوّر کو بھی حرام کیا گیا ہے۔ زمانۂ قدیم میں انسان کو اسکے بارہ میں کچھ زیادہ معلوم نہ تھا۔ مگر جدید طبی تحقیقات نے بتایا ہے کہ اسکے اندر بہت سے نقصانات ہیں۔ مثلاً مذکورہ بالا یورک ایسڈ جو ایک زہریلا مادہ ہے اور ہر جاندار کے خون میں موجود رہتا ہے وہ اور جانداروں کے جسم سے تو خارج ہو جاتا ہے مگر سور کے اندر سے خارج نہیں ہوتا۔ گردے جو ہر انسانی جسم میں ہوتے ہیں وہ اس زہریلے مادہ کو پیشاب کے ذریعہ طارج کرتے رہتے ہیں انسانی جسم اس مادہ کو نوے فیصدی خارج کر دیتے ہیں۔ مگر سور کے جسم کے عضلات کی ساخت کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ اس کے خون کا یورک ایسڈ صرف دو فیصدی ہی خارج ہوتا ہے اور بقیہ حصہ اسکے جسم کا جزو بنتا رہتا ہے۔ چنانچہ سور خود بھی جوڑوں کے درد میں مبتلا رہتا ہے اور اسکا گوشت کھانے والے بھی وجع المفاصل جیسی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں

اس طرح کی مثالیں کثرت سے قرآن و حدیث میں موجود ہیں اور یہ مثالیں اس بات کا قطعی ثبوت ہیں کہ یہ غیر انسانی ذہن سے نکلا ہوا ہے بعد کی معلومات نے حیرت انگیز طور پر اس پیشین گوئی کی تصدیق کی ہے جس کو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔

"عنقریب ہم آفاق و انفس میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے گا کہ یہ حق ہے۔"

یہاں میں ایک واقعہ نقل کروں گا جس کے راوی علامہ عنایت اللہ مشرقی ہیں اور اسکا تعلق انگلستان سے ہے۔

"... ۱۹۰۹ء کا ذکر ہے۔ اتوار کا دن اور زور کی بارش ہو رہی تھی۔ میں کسی کام سے باہر نکلا تو جامعہ کیمبرج کے مشہور ماہر فلکیات سر جیمز جینس (Jemes Jeans) پر نظر پڑی جو بغل میں انجیل دبائے چرچ کی طرف جا رہے تھے

میں نے قریب ہو کر سلام کیا۔ اُنہوں نے کوئی جواب نہ دیا دوبارہ سلام کیا تو وہ متوجہ ہوئے اور کہنے لگے "تم کیا چاہتے ہو" میں نے کہا دو باتیں۔ اوّل یہ کہ زور کی بارش ہو رہی ہے اور آپ نے چھاتا بغل میں داب رکھا ہے، سر جیمس اپنی بدحواسی پر مسکرائے اور چھاتا تان لیا۔ دوم یہ کہ آپ جیسا شہرہ آفاق آدمی گرجا میں عبادت کے لئے جا رہا ہے یہ کیا؟ میرے اس سوال پر پروفیسر جیمز لمحہ بھر کے لئے رک گئے اور پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا "آج شام کو چائے میرے ساتھ پیو"۔

چنانچہ شام کو میں اُن کی رہائش گاہ پر پہونچا، ٹھیک چار بجے لیڈی جیمز باہر آ کر کہنے لگیں "سر جیمز تمہارے منتظر ہیں"۔ اندر گیا تو ایک چھوٹی سی میز پر چائے لگی ہوئی تھی، پروفیسر صاحب تصورات میں کھوئے ہوئے تھے کہنے لگے "تمہارا سوال کیا تھا؟" اور میرے جواب کا انتظار کئے بغیر اجرام آسمانی کی تخلیق۔ ان کے حیرت انگیز نظام بے انتہا پہنائیوں اور فاصلوں، ان کی پیچیدہ راہوں اور مداروں نیز باہمی کشش اور طوفانہائے نور پر وہ ایمان افروز تفصیلات پیش کیں کہ میرا دل اللہ تعالیٰ کی اس داستان کبریائی و جبروت پر دہلنے لگا۔ اور اُن کی اپنی کیفیت یہ تھی کہ سر کے بال سیدھے اُٹھے ہوئے تھے۔ آنکھوں سے حیرت و خشیت کی دوگونہ کیفیتیں عیاں تھیں۔ اللہ کی حکمت و دانش کی ہیبت سے ان کے ہاتھ قدرے کانپ رہے تھے اور آواز لرز رہی تھی۔ فرمانے لگے: "عنایت اللہ خاں! جب میں خدا کے تخلیقی کارناموں پر نظر ڈالتا ہوں تو میری تمام ہستی اللہ کے جلال سے لرزنے لگتی ہے اور جب کلیسا میں خدا کے سامنے سرنگوں ہو کر کہتا ہوں کہ "تو بہت بڑا ہے" تو میری ہستی کا ہر ذرہ میرا ہمنوا بن جاتا ہے۔ مجھے بے حد سکون اور خوشی نصیب ہوتی ہے۔ مجھے دوسروں کی نسبت عبادت میں ہزار گنا زیادہ کیف ملتا ہے۔ کہو عنایت اللہ خاں تمہاری سمجھ میں آیا کہ میں گرجے میں کیوں جاتا ہوں"؟

علامہ مشرقی کہتے ہیں کہ پروفیسر جیمز کی اس تقریر نے میرے دماغ میں عجیب کہرام برپا کر دیا۔ میں نے کہا "جناب والا! میں آپ کی روح افزا تفصیلات سے بے حد متاثر ہوا ہوں، اس سلسلے میں مجھے قرآن کی ایک آیت یاد آگئی ہے اگر اجازت ہو تو پیش کروں۔ فرمایا "ضرور"۔ چنانچہ میں نے یہ آیت پڑھی۔

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ۔ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ ۗ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ

پہاڑوں میں خطے ہیں سفید اور سرخ اور طرح طرح کے رنگ کے اور کالے۔ اور آدمیوں میں اور کیڑوں میں اور چوپاؤں میں اسی طرح مختلف رنگ ہیں اللہ سے ڈرتے وہی ہیں، اُس کے بندوں میں سے جو علم رکھتے ہیں۔

یہ آیت سنتے ہی پروفیسر جیمز بولے۔

"کیا کہا — اللہ سے صرف اہل علم ڈرتے ہیں، حیرت انگیز۔ بہت عجیب۔ یہ بات جو مجھے پچاس برس کے مسلسل مطالعہ اور مشاہدہ کے بعد معلوم ہوئی۔ محمد کو کس نے بتائی؟ کیا قرآن میں واقعی یہ آیت موجود ہے۔ اگر ہے تو میری شہادت لکھ لو کہ قرآن ایک الہامی کتاب ہے۔ محمد اَن پڑھ تھا اسے یہ عظیم حقیقت خود بخود معلوم نہیں ہو سکتی تھی۔ اسے یقیناً اللہ نے بتائی تھی — بہت خوب، بہت عجیب۔"

(نقوش شخصیات نمبر۔ صفحات ۱۲۰۹،۰۸)

مولانا محمد منظور صاحب نعمانی

قرآن مجید بحیثیت معجزہ

اگرچہ اتنی بات اجمالی طور پر ہر مسلمان جانتا ہے اور اُس پر عقیدہ رکھتا ہے کہ قرآن شریف حضور کا معجزہ ہے۔ لیکن اس وقت آپ کے سامنے اسکی کچھ تفصیل کرنا چاہتا ہوں۔

اعجاز قرآن کے چند عام فہم پہلو

قرآن پاک بہت سے پہلوؤں سے معجزہ ہے۔ لیکن میں اس وقت صرف اُن پہلوؤں کا بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جن کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے اور جن پر غور کر کے ہر منصف مزاج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا یقین آج بھی حاصل کر سکتا ہے۔

قرآن پاک کی معجزانہ محفوظیت

میں سب سے پہلے قرآن مجید کی محفوظیت کو لیتا ہوں۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ قرآن مجید کے زیادہ تر مضامین وہ ہیں جن سے اُس دور کے اہل عرب ناواقف اور نامانوس تھے۔ پھر اس کی زبان اگرچہ عربی ہے لیکن ان کی عام بول چال والی عربی اور ان کی شاعری اور خطابت کی زبان سے بھی بہت زیادہ ممتاز اور ترقی یافتہ ہے۔ یہاں تک کہ جاننے والے اس حقیقت کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ حدیث کی یعنی خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان اور قرآن مجید کی زبان اور طرز بیان میں بھی بہت بڑا فرق ہے۔ ان حیثیت سے قرآن مجید کا حفظ کرنا۔ اہل عرب کے لئے کچھ زیادہ آسان نہ تھا۔ پھر قرآن لکھے ہوئے صحیفے کی شکل میں نازل نہیں ہوا۔ بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر نازل کیا گیا۔ پھر چونکہ عرب میں اس وقت نوشت وخواند کا عام رواج نہ تھا۔ اسلئے ایسا بھی نہیں ہوا کہ اسکے متعدد نسخے ساتھ ساتھ تیار ہوتے رہے ہوں۔ انتہا یہ ہے کہ خود حضور لکھنا پڑھنا بالکل نہیں جانتے تھے۔ اسلئے آپ نے کبھی قرآن مجید کی ایک آیت بھی قلم بند نہیں کی۔ اور اگر کبھی کسی دوسرے نے کوئی آیت یا سورت لکھی تو آپ خود اسکا ملاحظہ فرما کے اُس کی تصحیح نہیں فرما سکتے تھے۔ پھر وہ دو چار ورق کا کوئی چھوٹا سا صحیفہ نہیں بلکہ اچھی خاصی ضخیم کتاب ہے۔

ان سب تاریخی حقیقتوں کو سامنے رکھ کر سوچا جائے کہ جس کتاب کی یہ تاریخ اور سرگزشت ہے۔ اُسکا چودہ سو برس تک اسطرح محفوظ رہنا کہ مشرق ومغرب۔ عرب وعجم، یورپ والیشیا، افریقہ وامریکہ ہر جگہ کے مسلمانوں کے پاس ایک ہی قرآن ہے جسمیں اول سے آخر تک ایک آیت بلکہ ایک حرف کا بھی فرق نہیں ہے۔ تو انصاف پسندوں کے لئے سوچنے کی بات ہے کہ کیا یہ اس بات کی روشن دلیل نہیں ہے۔ کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب ہے اور صرف اللہ کی قدرت نے اس کو اس طرح محفوظ رکھا۔ ورنہ اس عالم میں جو ہر قسم کے انقلابات اور تغیرات کی آماجگاہ رہا ہے اسکو اس طرح محفوظ نہ رہنا چاہیئے تھا۔ اسی لئے قرآن کے سوا کسی اور

کتاب کا کوئی نام نہیں بتا سکتا جس کی ایسی تاریخ اور سرگزشت ہو۔ اور پھر وہ ایسی محفوظ ہو۔

اسکی معجزانہ علمی شان

قرآن مجید کے اعجاز کا دوسرا پہلو اس کی معجزانہ علمی شان ہے۔ آپ اس پر یوں غور کیجئے کہ قرآن پاک کو خدا کی کتاب بتلاتے ہوئے ایک ایسے شخص نے دنیا کے سامنے پیش کیا جو زندگی کے کسی ایک دن بھی کسی مدرسہ کا طالب علم نہیں رہا۔ بلکہ ایک ایسی بستی میں پیدا ہوا جہیں کوئی مدرسہ اور مکتب نہ تھا۔ نہ علمی چرچے تھے۔ نہ علمی صحبتیں تھیں تحصیل علم کے لئے وہ کہیں باہر گیا۔ وہ اپنی عمر کے چالیسویں سال تک علوم و معارف سے اسی طرح بیگانہ، اپنی سادہ فطرت پر ایک نہایت شریف اور سچا انسان تھا۔ عمر کے چالیس سال پورے ہوتے پر اچانک اسکی زندگی اور اُس کے طرز عمل میں ایک غیر معمولی تبدیلی ہوئی۔ اور اُس نے بتایا کہ اللہ نے اس کو نبوت سے سرفراز کیا ہے۔ اور اُس پر وحی آتی ہے۔ اب اُس نے اپنی بستی والوں کو قرآن مجید سنانا شروع کیا اور کہا کہ یہ میرا نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے۔ وہی کلام قرآن مجید کے نام سے ہمارے سامنے موجود ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسمیں اللہ کی توحید اور ذات و صفات کے متعلق جو کچھ دنیا کو بتایا گیا ہے وہ بلاشبہ علم و معرفت کا آخری نقطہ ہے۔ اور اس بارے میں ہم پوری علمی دنیا کو چیلنج کر سکتے ہیں پھر اسمیں مشکل سے مشکل مسائل کو مثلاً آخرت اور حشر و نشر کو جس طرح سمجھایا گیا ہے وہ تفہیم و استدلال کا عجیب و غریب نمونہ ہے۔ اسی طرح اسمیں جو اخلاقی نصیحتیں ہیں کسی بڑے سے بڑے حکیم اور معلم اخلاق کی نصیحتیں اس سے بہتر بلکہ اس درجہ کی بھی نہیں دکھلائی جا سکتیں پھر اسمیں جو قانون ہے انسانوں کیلئے اس سے بہتر قانون نہ آج تک وضع ہوا ہے نہ وضع ہو سکتا ہے۔ ہم اس مسئلہ پر بھی دنیا کو چیلنج کر سکتے ہیں کہ انسانوں کی فطرت کیلئے کوئی قانون بھی قرآن کے پیش کردہ قانون سے بہتر وضع نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح عبادات کا جو نظام قرآن مجید میں انسانوں کے لئے پیش کیا گیا ہے۔ اگر دنیا بھر کے سوچنے والے بھی سوچیں تو ہرگز اس سے بہتر نہیں سوچ سکتے۔

صرف نماز ہی پر غور کیا جائے۔ اور اسکی ترتیب اور اس کے اذکار میں تدبر کیا جائے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اور اس میں شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ یہ نسخۂ کیمیا ہرگز ایک اُمّی انسان کا تصنیف کیا ہوا نہیں ہو سکتا۔

بہرحال قرآن مجید کے اعجاز کا یہ ایک نہایت عام فہم پہلو ہے کہ اسمیں جو علوم و معارف اور جو نصائح اور قوانین ہیں اور انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کے متعلق جو تعلیمات اور ہدایات ہیں اُن کو ہرگز عرب کے ایک ایسے اُمّی کی دماغی محنت اور سوچ فکر کا نتیجہ نہیں کہا جا سکتا جس نے نہ کبھی کوئی کتاب پڑھی۔ نہ کسی لکھے پڑھے آدمی کی کبھی اُسے صحبت ملی۔

ایک ایسے سادہ فطرت اُمّی کے ہاتھوں سے قرآن پاک جیسے علمی شاہکار کا ملنا، علمی دنیا کی نگاہ میں مُردوں کو جلانے، اور اندھوں کو بینا کرنے سے بھی بڑا معجزہ ہے اور آپ کو یہ زندہ جاوید علمی معجزہ اسی لئے دیا گیا کہ آپ کا دور علمی روشنی کا دور ہے۔ پہلی دنیا عجیب باتوں اور محیر العقول کرشموں سے زیادہ متاثر ہونے والی تھی اور ہماری یہ دنیا خاص طور سے ہمارا یہ دور علوم و فنون کا دور ہے۔ اور اس زمانہ میں علوم کی قیمت اور وقعت عملی کرشموں سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔

قرآن پاک کی معجزانہ فصاحت و بلاغت

قرآن پاک کے اعجاز کا ایک مشہور و عام پہلو یہ بھی ہے کہ فصاحت اور بلاغت میں وہ آپ ہی اپنی نظیر ہے۔ اور اُس جیسا فصیح و بلیغ کلام پیش کرنے سے دنیا

ہمیشہ عاجز رہی ہے اور عاجز رہے گی۔

یہ بات صرف خوش عقیدگی کی نہیں ہے بلکہ یہ بالکل سچی حقیقت ہے۔ عربی زبان و ادب کے بیشمار قدیم و جدید نمونے دنیا میں موجود ہیں۔ مصنفوں کی تصنیفیں ہیں، خطیبوں کے خطبے ہیں۔ شاعروں کے قصیدے اور اُن کے دیوان ہیں۔ اسی طرح اخلاق پر، تاریخ وسیر پر، قانون پر۔ اور دوسرے موضوعات پر مختلف زبانوں کی لکھی ہوئی عربی کی کتابیں، کتب خانوں میں بھری پڑی ہیں۔ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے چھوٹے بڑے ہزاروں ارشادات اور آپ کے ممتاز صحابۂ کرام کے خطبات اور ملفوظات، احادیث و آثار کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔

قرآن مجید کی چھوٹی سی چھوٹی سورت کو، ان سب نمونوں کے ساتھ رکھ کر دیکھا جائے، ہر عربی داں کو بالکل بدیہی طور پر یہ محسوس ہوگا کہ قرآن کا اسلوب بیان، ان سب سے الگ سب سے ممتاز اور سب سے بالاتر ہے۔

میں آپ کے سامنے اسی زمانہ کے ایک واقعہ کا ذکر کرتا ہوں اس سے انشاء اللہ آپ حضرات بھی قرآن مجید کے اس اعجازی پہلو کو کسی حد تک سمجھ سکیں گے۔

شاید آپنے علامہ طنطاوی جوہری کا نام سنا ہو۔ یہ ہمارے اسی زمانے کے ایک مصری عالم ہیں۔ "جواہر القرآن" کے نام سے ان کی ایک تفسیر ابھی چند برس ہوئے مصر سے شائع ہوئی ہے۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ جدید مغربی علوم خصوصاً سائنس اور فلسفہ پر اُن کی بڑی نظر ہے۔ اور طبیعات کے تو معلوم ہوتا ہے وہ بڑے ہی ماہر ہیں۔ انہوں نے خود اپنا یہ واقعہ لکھا ہے کہ میں جرمنی میں تھا۔ ایک دن وہاں کے چند مستشرق دوستوں کے ساتھ (یعنی عربی زبان اور عربی علوم سے چند دلچسپی رکھنے والے جرمن فضلا کے ساتھ) ان میں سے ایک ممتاز فاضل نے مجھ سے پوچھا کیا آپ بھی عام مسلمانوں کی طرح قرآن کے بارہ میں یہ خیال رکھتے ہیں کہ وہ عربیت اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بھی معجزہ ہے؟ میں نے کہا ہاں! میں اس پر یقین رکھتا ہوں اُس نے بڑی حیرت کا اظہار کیا اور کہا میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم جیسا صاحب علم اور روشن خیال آدمی بھی ایسا عامیانہ خیال رکھتا ہوگا۔

میں نے کہا اسمیں تعجب کی کیا بات ہے۔ یہ تو ایک علمی مسئلہ ہے۔ اور ابھی اسکا امتحان ہو سکتا ہے۔ میں ایک بات کہتا ہوں آپ سب حضرات خوب غور و فکر کر کے اس کو فصیح و بلیغ عربی میں ادا کریں — لیجئے وہ بات یہ ہے کہ "جہنم بہت وسیع ہے" ان سب نے دیر تک غور و فکر کر کے چند جملے بنائے۔

"اِنَّ جَهَنَّمَ لَوَسِيْعَةٌ"
"اِنَّ جَهَنَّمَ لَفَسِيْحَةٌ"

اور اس سے ملتے جلتے چند اور جملے — اور میرے سامنے رکھ دیے میں نے کہا کہ اور محنت کر لیجئے۔ اور جتنا جی چاہے وقت لے لیجئے۔ لیکن اُنہوں نے کہا کہ ہم اپنی محنت اور غور و فکر ختم کر چکے۔

اسکے بعد میں نے کہا اب ذرا دیکھئے کہ قرآن مجید نے اسی مضمون کو کس طرح ادا کیا ہے؟ ارشاد ہے۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ "اور اُس دن جبکہ ہم جہنم سے کہیں گے کہ کیا تو بھر گئی؟ اور وہ کہے گی کیا اور کچھ بھی ہے"

علامہ طنطاوی لکھتے ہیں کہ جیسے ہی میں نے سورۂ ق کی یہ آیت پڑھی چونکہ وہ عربی داں اور سخن شناس تھے اُچھل پڑے اور انہوں نے اپنی رائیں پیٹ ڈالیں اور اقرار کیا کہ بیشک ہم عاجز ہے۔

بہرحال کسی منصف مزاج عربی داں کو اسمیں قطعاً شک نہیں ہو سکتا کہ قرآن مجید اپنی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بھی معجزہ ہے۔ اور وہ ہرگز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے کسی اُمی انسان کا تصنیف نہیں ہو سکتا جسکو فن شعر و خطابت سے بھی کبھی کوئی تعلق نہ رہا ہو۔

(باقی بر صفحہ ۴۵)

مولانا حکیم محمد اسحٰق صدیقی سندیلوی
شیخ الحدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ

اوصاف القرآن فی القرآن

الحمد للہ الذی انزل الکتٰب الذی لاریب فیہ ھدی للناس ورحمۃ للمؤمنین والصلوٰۃ والسلام علیٰ اٰخر الانبیاء المرسلین وافضلھم سیدنا ونبینا محمد وعلیٰ اصحابہ وازواجہ وذریتہ واتباعہ اجمعین

امابعد اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ایک عظیم الشان نعمت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک رفیع المرتبت ابدی معجزہ اور عالم باطنی کا آفتاب جہانتاب اللہ تعالیٰ جل شانہ کا آخری ہدایت نامہ یعنی قرآن کریم ہے۔ اس رفیع المرتبت کتاب کی عظمت وشان کا پورا اندازہ مخلوق کی قوت وطاقت سے باہر ہے۔ جو اندازہ مخلوق کی عقل کرتی ہے اُسے اسکی حقیقی عظمت وشان سے کوئی نسبت نہیں دیجاسکتی۔ تاہم ہمارا فرض ہے کہ جس حد تک ہمارے ذہن وقلب میں قوت وصلاحیت ہے اُس حد تک اسکی عظمت ورفعت کے انوار سے انہیں منور کریں۔

اس کا ایک بہت عمدہ طریقہ یہ ہے کہ ہم خود قرآن مبین کی صفتیں خود اس سے دریافت کریں۔ اور کتاب حکیم کی مقدس ومبارک زبان ہی سے اس کے اوصاف حمیدہ سنیں۔ جب ہمارا خزانہ معلومات اس علمی وعرفانی دولت سرمدی سے مالامال ہوجائے تو اپنی ظاہری و باطنی۔ انفرادی واجتماعی، روحانی ومادی زندگی کو انہیں اوصاف حمیدہ کی مناسبت سے قرآن حکیم کے ساتھ وابستہ کردیں اور اسکی اطاعت وفرمانبرداری کو اپنی زندگی کی جان اور روح کی روح رواں بنائیں۔

اس مقصد عالی کو سامنے رکھ کر سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن مجید کا سب سے پہلا صفحہ کھول کر دیکھئے۔ ارشاد ہے۔

ذٰلک الکتٰب لاریب فیہ　　یہ کتاب ایسی ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔
(البقرہ)

بات صاف ہے۔ جس کتاب کا مصنف علیم وخبیر، سمیع وبصیر ہو اسمیں شک وشبہ کی گنجایش ہی کیا ہوسکتی ہے؟ قرآن حکیم میں جو کچھ بیان فرمایا گیا ہے وہ عین حقیقت ہے۔ اسلئے کہ یہ بیان اس ذات عظیم کا ہے جو حقائق کے خالق ومبدع ہیں اور وجود کو وجود عطا فرمانے والے ہیں۔ حقائق کا علم اسکے برابر کسے ہوسکتا ہے؟! اور ان کی طرح کون انہیں بیان کرسکتا ہے؟

اپنی اس بے مثال صفت کو سب سے پہلے ظاہر فرما کر قرآن مجید نے یہ مطالبہ پیش فرمایا ہے کہ جسے مجھ سے فائدہ اُٹھانا ہو، وہ یقین واعتماد کا خراج لے کر میرے دربار عالی میں آئے یعنی قرآن مجید سے استفادے کے لئے شرط اولین اُس پر یقین واثق اور اعتماد کامل ہے۔

بحیثیت کتاب الٰہی، قرآن مجید کی یہ کوئی مخصوص صفت نہیں ہے اللہ تعالےٰ نے اس سے پہلے بھی جتنی کتابیں نازل فرمائیں۔ مثلاً توراۃ

انجیل، زبور وغیرہ وہ سب اس صفت سے موصوف نہیں۔ یعنی ان
میں سے کسی میں بھی کسی ادنیٰ سے ادنیٰ شک وریب کی گنجایش
نہیں تھی۔ اسلئے کہ کلام الٰہی شک وشبہ سے بالاتر اور پاک ہوتا ہے
خواہ وہ قرآن مجید کی صورت میں ہو یا توراۃ وانجیل وغیرہ کی شکل
میں۔ لیکن یہ کتب سابقہ عرصہ ہوا کہ اس اعلیٰ صفت سے محروم
ہو چکی ہیں جسکی وجہ یہ ہے کہ انھیں ان کی اُمتوں نے تحریف کر دیا
اور ان کی حفاظت میں کوتاہی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج ان کتابوں
میں سے کسی کتاب کے کسی جزو کے متعلق بھی یقین کے ساتھ نہیں
کہا جا سکتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہ سب کتابیں از سرتاپا
مشکوک ومشتبہ ہو گئیں۔ گویا کرۂ ارض پر قرآن کریم ہی ایک ایسی
لاجواب کتاب ہے جو "لاریب فیہ" کی صفت کے ساتھ موصوف ہے
جسمیں کسی حیثیت سے بھی شک وشبہہ کی گنجائش نہیں ہے۔

قرآن حکیم دو حصوں پر مشتمل ہے۔ احکام اور اخبار۔ ظاہر ہے
کہ احکام میں تو شک وشبہ کی کوئی گنجایش ہو ہی نہیں سکتی اسلئے
کہ شک کا تعلق انشاء کے ساتھ نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ خبر کے ساتھ
مخصوص ہے۔ گویا آیت بتا رہی ہے کہ اخبار قرآنیہ میں کسی شک و
شبہ کی گنجایش نہیں ہے۔ جو خبریں قرآن مجید دیتا ہے اور جو واقعات
بیان فرماتا ہے وہ سب یقینی طور پر سچے اور حقیقت کے مطابق ہیں
اس کے علاوہ قرآن مجید کا دعوےٰ ہے کہ وہ اللہ کا کلام ہے آیت
نے بتا دیا کہ اس کا یہ دعوےٰ بھی سراپا صداقت ہے۔ بیشک و
شبہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

قرآن مجید کے اس سچے دعوے اور بیان پر غور کرو اور اسکے
بعد ان مسلمانوں کا طرز عمل دیکھو جو محض تکوینی اُمور کے بارہ میں
یورپ وامریکہ کی تحقیق کو معاذ اللہ قرآنی بیان کی صحت کا معیار
قرار دیتے ہیں۔ اور اسکی آیتوں کی دور از کار تاویلات کر کے انہیں
ان مغربی وامریکی نظریات ورفتار کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے
ہیں۔ انھیں سورۂ بقرہ کی اس پہلی آیت پر بار بار غور کرنا چاہیئے
تاکہ اُن کے مزاج دینی کا فساد زائل ہو۔ انہیں خوب سمجھ لینا چاہیئے
کہ یورپ وامریکہ کے نظریات ہوں۔ یا اور کسی کے شک وشبہ سے بالاتر
نہیں ہو سکتے۔ آج جو چیز غیر مشکوک نظر آتی ہے ممکن ہے کہ کل وہ
بالکل باطل اور خلاف حقیقت ثابت ہو۔ بخلاف اس کے قرآن مجید
کی شان ہے "لاریب فیہ" اسکی ہر بات قطعی اور یقینی ہے۔ وہ
ابدی حقیقتوں کی ترجمانی کرتا ہے جسمیں کسی غلطی کی گنجایش کبھی
نہیں ہو سکتی۔ اسلئے اسے ان انسانی نظریات کے مطابق بنانے
کی کوشش قلب موضوع اور بالکل سفیہانہ حرکت بلکہ سخت ظلم ہے
اعاذنا اللہ منہا۔

یقین واعتماد کا سرمایہ لیکر آئیے تو قرآن مجید اُس کے
بدلہ میں "ہدایت" کی نعمت عطا فرمائے گا۔ اس لئے کہ اسکی ایک
شان
هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ (بقرہ)　قرآن مجید متقیوں کے لئے ہدایت ہے
بھی ہے۔ وہ سراپا ہدایت ورشد ہے۔ وہ بندے کو اسکے مقصود
حقیقی یعنی رضائے الٰہی تک پہونچا دے گا۔ عبد ومعبود کی دوری
کو دور کرے گا۔ اور بندۂ مومن کو اللہ تعالیٰ کا مقرب بنا کر
اولٰئک هم المفلحون کی سند عطا فرمائے گا۔

اس آیت میں "متقین" کی تعریف بھی فرما دی گئی ہے کہ متقی
کسے کہتے ہیں۔ لیکن اسکی خصوصیات میں سب سے مقدم
الذین یومنون بالغیب　جو لوگ غیب کا یقین رکھتے ہیں
کو فرمایا گیا ہے۔ گویا ارشاد ہے کہ ہماری کتاب سے فائدہ اٹھانے
کی شرط اولین یہ ہے کہ انکار وشک سے تقویٰ اختیار کیا جائے
کیونکہ دونوں چیزیں ایمان ویقین کے منافی اور اسکی نقیض ہیں
اتنا تقویٰ بھی حاصل ہو جائے تو قرآن حکیم کا آبحیات مردہ
دل میں زندگی پیدا کر دے گا۔ یعنی کتاب مبین کی نفع رسانی

کی ابتدا ہو جائے گی اس کے بعد جتنا تقویٰ بڑھتا جائے گا اور اُسکے درجات میں ترقی ہوتی جائے گی۔ اُسی قدر کتاب حکیم سے حصول ثمرات اور نفع اندوزی میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا۔

گویا قرآن عظیم کے خزانہ عامرہ کی کنجی قاری کے ہاتھ میں دیدی گئی اور اس طرز فکر کی طرف اشارہ فرما دیا گیا جو قرآنی علوم و معارف تک پہونچنے کا ضامن ہے۔ یعنی قرآن مجید کے اسرار و معارف تک اگر کوئی شخص پہونچنا چاہے تو اُسے اپنے ایمان و یقین میں اضافہ کرنا چاہئیے۔ جس قدر ایمان میں ترقی ہوگی اُسی قدر اسکی فکر میں روشنی زیادہ ہوگی۔ اور قرآنی علوم و معارف اُسپر منکشف ہوں گے

علوم دینیہ میں ترقی کا یہ عام قانون ہے۔ بخلاف اسکے علوم دنیا میں ترقی کی ابتدا شک سے ہوتی ہے۔ اگر یورپ کے ذہین افراد کو قدیم مفکرین کی تحقیق میں شک نہ پیدا ہوا ہوتا تو نئے نظریات کا وجود کیسے ہوتا؟ دونوں قسم کے علوم کے طرز ترقی و طرز فکر کے اس فرق کو نظر انداز کر دینا اس دور میں الحاد کا ایک بڑا سبب ہے، کتاب حکیم نے اسپر پہلے ہی متنبہ فرما دیا ہے۔

قرآن مجید کا یہ مطالبہ بالکل بجا اور فطری ہے اسکا تعلق غیب سے ہے۔ اور وہ جن حقائق سے ہمیں متعارف بناتا ہے وہ ہمارے حواس اور ہماری عقل کے دسترس سے قطعاً باہر ہیں۔ ہم انہیں مان تو سکتے ہیں مگر جان نہیں سکتے۔ جبتک عالم الغیب والشہادہ مطلع نہ فرمائے۔ اسوقت تک ہم اسکے ایک شمہ سے بھی واقف نہیں ہو سکتے۔

قرآن مجید کا بنیادی حصّہ وہی ہے جسمیں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا بیان ہے، یا عالم آخرت کا تذکرہ ہے۔ بقیہ حصص مثلاً قصص انبیا و حوادث ماضیہ یا احکام و ہدایات وغیرہ مذکورہ بالا عقیدہ پر ہی مبنی ہیں۔ خصوصاً قرآن مبین کا کلام الٰہی ہونا تو اسکے ہر حصّہ کی اصل و بنیاد ہے۔ جبتک قاری غیب پر یقین نہ کرے اور اُسے شک و شبہ سے بالاتر نہ سمجھے اُس وقت تک وہ اس کتاب عظیم سے فائدہ کیسے اُٹھا سکتا ہے؟ اور یقین کیوں نہ کرے کہ اسے انکار یا شک کا حق ہی کیا ہے؟ قرآن مجید غیب کی خبریں دیتا ہے اور غیب سے آیا ہے۔ جب عقل و حواس ادراک غیب سے عاجز ہیں۔ تو انھیں کیا حق ہے کہ وہ قرآن مجید کی کسی بات میں شک یا اسکا انکار کریں، جبکہ یہ کتاب براہ راست نفس نفیس غیب ہی سے آئی ہے۔ یہ انکار ایسا ہی ہے جیسے گوبر کا بھنگا بیرونی دنیا کی وسعت کا انکار کرے۔ یا جراثیم سے ناواقف شخص ماہرین فن کی تحقیق کا انکار اور اُن کی تکذیب کرے۔ بلکہ عالم الغیب کا انکار اس سے بھی زیادہ احمقانہ اور خلاف انصاف ہے۔

رہا یہ امر کہ یہ کتاب غیب سے آرہی ہے یا نہیں؟ یا بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یا نہیں۔ اس سے انکار کا تو کسی حق نہیں ہے اسلئے کہ انکار کی کوئی بنیاد ہونا چاہئیے، جو مفقود ہے۔ البتہ ایک اجنبی اس سے انکار کر سکتا ہے اور اس دعوے کا ثبوت طلب کر سکتا ہے قرآن مجید اجنبی کے اس مطالبہ کو پورا کرتا ہے اور بکثرت واضح اور مسکت دلائل اس بات کے ثبوت میں پیش کرتا ہے کہ وہ کلام الٰہی ہے جو منصف مزاج کے لئے باعث تسکین و اطمینان ہو سکتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ اگر اس مدعا پر ایک بھی دلیل نہ ہو تو بھی اسکا کلام رب العالمین اور کتاب الٰہی ہونا یقینی طور پر ثابت کرتا ہے۔ اسلئے کہ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے جس کے لئے کسی خارجی ثبوت کی ضرورت نہیں قرآن مجید کو دیکھو۔ وہ خود اپنے کلام ربانی ہونے کی دلیل قوی اور برہان جلی ہے۔ "آفتاب آمد دلیل آفتاب"۔ آفتاب کے لئے کسی دلیل و برہان کی احتیاج نہیں ہے۔ اسکی طرف دیکھنا ہی کافی ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کا مطالعہ خود اس حقیقت کو آشکار کرنے کے لئے کافی ہے کہ وہ مخلوق کا کلام نہیں ہے بلکہ خلاق عالم اِلٰہ العٰلمین کا کلام ہے۔ اسم اشارہ ذٰلِکَ سے احقر کے نزدیک

کی طرف اشارہ ہے اسلئے کہ اسم اشارہ کا استعمال مشاہد ومحسوس کے
ئے ہوتا ہے۔ اور ذوق لسانی کا بیان ہے کہ اس طرز کلام میں مشاہد
کو دعوت مشاہدہ دینے کا نکتہ بھی بعض اوقات ملحوظ ہوتا ہے۔

مثلاً کوئی ایسا کام درپیش ہو جس کے انجام دینے کے لئے
سی قوی آدمی کی ضرورت ہے۔ ہم ایک قوی الجثہ انسان کو دیکھ کر
کہ سکتے ہیں کہ یہ شخص اس کام کو انجام دے سکتا ہے مقصد یہ ہوتا
ہے کہ اس شخص کے قوی جسم کو دیکھ کر تم خود اس نتیجہ پر پہونچوگے کہ
وہ اس کام کو انجام دینے کی قابلیت رکھتا ہے[1]۔ اسی طرح یہاں بھی
بات سے اشارہ ہے کہ اس کتاب کو دیکھ لو تم خود اس نتیجہ پر
پہونچوگے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی ہے اور یہ کلام اللہ تعالیٰ کا
ہے۔ اسمیں کسی شک وشبہہ کی گنجایش نہیں ہے۔

قرآن مجید کوئی مخفی نوشتہ اور راز سربستہ نہیں ہے۔
محض سینہ بسینہ منتقل ہو۔ اسکی دعوت کسی قوم، نسل یا ملک کے
ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ سارے عالم انس وجن کیلئے عام ہے
یہ کتاب عزیز منزل قرب ورضاء الٰہی تک تو انہیں لوگوں
پہنچاتی ہے جو تقوے کا خراج اسے ادا کریں، جسکا ادنیٰ مگر سب سے
اسکی صداقت کا یقین کامل ہے۔

یہ کتاب مبین هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ کے ساتھ

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ (البقرہ)
(قرآن مجید سب لوگوں کے لئے منبع ہدایت اور ہدایت کی واضح دلائل کا مجموعہ اور فرقان ہے")

ہے۔ اسکی دعوت عام ہے، اور اسکا ایک وصف یہ بھی ہے کہ وہ
انکار کی بیماری کا بھی علاج کرتی ہے، اور جو شخص اس کی
متوجہ ہو اُسے اس تقویٰ تک پہونچانے کے اسباب بھی فراہم کرتی ہے
جو اس سے استفادے کیلئے لازم ہے۔ یعنی ایسے دلائل قاہرہ، اور
براہین واضحہ ہر شخص کے سامنے پیش کرتی ہے جو اسے ایمان ویقین
کی دولت سے بہرہ ور کردینے کے ضامن ہوتے ہیں۔ البتہ ایک قسم
کا تقویٰ عام بخشش سے فائدہ اُٹھانے کے لئے بھی ضروری ہے اور وہ
تقویٰ ہے ہٹ دھرمی، لعنت اور ضد سے۔ اور اس معنی کے اعتبار سے
وہ "ھدی للناس" ہونے کی حالت میں بھی "ھدی للمتقین" رہتی
ہے۔ بیک وقت اسمیں یہ دونوں اوصاف جمع ہیں۔ دونوں میں
نہ کوئی تعارض ہے نہ تخالف۔

قرآن مجید کا استدلالی اور برہانی رنگ عجیب اور بے مثال
خصوصیات کا حامل ہے۔ منجملہ اُن کے ایک خصوصیت "بینات"
ہونا بھی ہے۔ یعنی اسکے دلائل میں کوئی اُلجھاؤ اور پیچیدگی نہیں ہے
بلکہ وہ فطرت انسانی کے مطابق ہونے کی وجہ سے بالکل واضح روشن
اور صاف ہیں۔

مطابقت فطرت کے علاوہ اسکی خصوصیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے
کہ دنیا میں قبول دلیل کے اعتبار سے اذہان کی مختلف قسمیں ہیں
مثلاً کسی کا ذہن خالص اُصولی استدلال کو زیادہ قبول کرتا ہے
بخلاف اسکے بعض اذہان عملی اور واقعاتی دلائل سے زیادہ متاثر
ہوتے ہیں۔ علیٰ ہذا اس اعتبار سے انسانی ذہن کے دوسرے اقسام
بھی نکلتے ہیں۔ قرآن مجید نے جو دلائل بیان فرمائے ہیں اور حق و
صداقت کی جو نشانیاں واضح فرمائی ہیں۔ ان میں ذہن وفکر کے
سب اقسام کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ کتاب مبین میں مختلف اقسام
کے دلائل وبراہین نظر آتے ہیں۔ ایک دلیل ایک قسم کے ذہن کے
لئے زیادہ بیّن واضح اور صاف ہے۔ دوسرے قسم کے ذہن کے لئے
یوں سب ہی بینات ہیں۔ لیکن اذہان کی صلاحیتوں کے لحاظ سے
اثر میں کم وبیش کا فرق ہوتا ہے۔

گمراہی کے دو سبب ہوتے ہیں، ایک تو یہ کہ کوئی دیدہ ودانستہ

---

[1] اس نکتہ ذوقی کی ایک واضح نظیر آیۂ کریمہ اهذا الذي يذكر آلهتكم ہے ۱۲ منہ

راہ حق چھوڑ کر باطل کی راہ اختیار کرے۔ دوسرا یہ کہ حق و باطل اسکے ذہن میں اس طرح اُلجھ جائیں کہ دونوں میں امتیاز کرنے سے قاصر ہوجائے۔ قسم اوّل کے افراد پر تو قرآن مجید واضح دلائل کے ذریعہ سے حجت تمام کردیتا ہے۔ قسم دوم کی مشکل اپنی صفت "الفرقان" کے ذریعہ سے آسان کردیتا ہے۔ یعنی قرآنی بیانات ایسے روشن اور صاف ہیں جو حق کو باطل سے بالکل جدا کردیتے ہیں، جو شخص اس کتاب مبین میں غور کرے گا اُسے دونوں راستوں میں کوئی اشتباہ باقی نہیں رہ سکتا۔ بلکہ راہ حق راہ باطل سے اس طرح جدا نظر آئے گی جس طرح نور ظلمت سے ممتاز ہوتا ہے۔

مسلمانوں میں جو فرق باطلہ پیدا ہوئے اُن کے درمیان یہ چیز بطور قدر مشترک ملتی ہے کہ اُنہوں نے قرآن مجید کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ اگر کسی کو قدرے وابستگی ہوئی بھی تو اُسنے اسکی صفت "الفرقان" کی طرف نظر نہیں کی۔ ورنہ اہلسنت والجماعت کے علاوہ جتنے فرقے مسلمانوں میں پیدا ہوئے ہیں وہ اگر اپنے عقائد باطلہ کو قرآن مجید کے سامنے اس حیثیت سے پیش کریں کہ فرقان حمید حق و باطل کو الگ الگ کردینے کی کسوٹی ہے۔ تو انہیں صاف نظر آئے گا کہ انکے عقائد یا تو محض باطل ہیں۔ یا حق و باطل سے مرکب ہوکر نتیجۃً باطل ٹھہرتے ہیں۔

حق و باطل جب مخلوط کردئے جائیں اور کوئی انسانی ذہن اسکے مجموعہ کو (جو بحیثیت مجموعی باطل ہی ہوتا ہے) قبول کرلے تو فرقان حمید دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کردیتا ہے اور یہ واضح کردیتا ہے کہ اسمیں حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ مثلاً حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ یہود کو سخت عداوت تھی اور انہوں نے حضرت ممدوح کو صلیب دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ بالکل حق اور واقعہ ہے۔ مگر مسیحی یہود کی تلقین سے متاثر ہوکر اسکے ساتھ اسکے بھی قائل ہیں کہ حضرت ممدوح کو صلیب دی گئی۔ اس طرح

اُنہوں نے حق کے ساتھ باطل کی آمیزش کی اور ایک ایسا عقیدہ اختراع کیا جو حق و باطل سے مرکب ہے۔

فرقان حمید نے دونوں عقیدوں کو ایک دوسرے سے [illegible] فرماکر بتادیا کہ یہود کی مخالفت اور اُن کے فیصلے کا عقیدہ [illegible] لیکن صلیب مسیح علیہ السّلام کا عقیدہ غلط اور خلاف واقعہ ہے [illegible] حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے [illegible] مکان ہی سے زندہ مع انکے جسد اطہر کے آسمان پر اٹھالیا۔ [illegible] شخص کو صلیب دی گئی وہ دوسرا شخص تھا، جسے خرق عا[دت کے] طور پر صورۃً حضرت ممدوح کے ہوبہو مشابہ بنادیا گیا تھا۔ [illegible] افراد یا گروہوں میں کسی ایسے مسئلے میں اختلاف ہو جس کا [illegible] قرآنی موضوع سے ہے۔ کتاب حکیم دونوں کے درمیان فی[صلہ] فرمادیتی ہے اسلئے کہ:

انّہ لقولٌ فصلٌ وّما هُوَ بالهزل (الطارق) — بیشک وہ (قرآن مجید) فی[صلہ کرنے] والی بات ہے اور وہ کوئی [ہنسی کی] بات نہیں ہے۔

دنیا میں جو مذاہب باطلہ پائے جاتے ہیں اُن کی دو قسمیں [ہیں۔] ایک تو وہ ہیں جن کی بنیاد کتاب الٰہی اور وحی ربانی پر قا[ئم نہیں] ہیں۔ بلکہ فلسفہ یا مکاشفہ پر قائم ہے یا محض اوہام و خرافا[ت پر] جیسے مشرکین خواہ وہ عرب کے مشرکین ہوں یا عجم و ہند کے [ان] سب کو تو قرآن مجید نے الذین لا یعلمون میں شمار کیا [ہے] یعنی جاہل محض قرار دیا ہے۔ تاہم ان کے عقائد باطلہ کی پو[ری] پوری اور مدلل و مبرہن تردید فرمائی ہے۔

دوسری قسم میں وہ مذاہب داخل ہیں جنھیں قرآن حکیم [نے] "اہل کتاب" کا خطاب دیا ہے یعنی جن کے دین کی بنیاد کسی کتا[ب] الٰہی اور وحی ربانی پر قائم ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ اس قسم [کے] دو ہی گروہ اس وقت دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ یعنی یہود و [نصاریٰ]

ان دونوں مذہبوں کی بنیا د اصل وحقیقت کے لحاظ سے وحی ربانی اور کتاب الٰہی پر قائم ہے۔ لیکن چونکہ اُنہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے انکار کیا اسلئے کفر میں مبتلا ہوئے۔ اسکے علاوہ ان کی کتابیں بھی گم ہوگئیں۔ ان میں تحریف ہوگئی۔ اور وہ ہدایت ورشد سے بہت دور جا پڑے۔ لیکن اُصولی طور پر مسلمانوں کی طرح وہ بھی اسے تسلیم کرتے ہیں کہ سرچشمۂ ہدایت کتاب الٰہی اور وحیٔ ربانی ہی ہوسکتی ہے۔

ان جماعتوں کی گمراہی کے اسباب میں ایک بڑا سبب ان کا باہمی اختلاف ہے۔ ان کے مختلف فرقے ہیں جو بعض بنیادی مسائل میں بھی ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ اور اس اختلاف کے شور وشر میں حق اس طرح گم ہوگیا ہے کہ اسکا پتہ لگنا سخت دشوار ہے عدم صدانے ان کی جستجو کا جذبہ بھی ان میں مردہ کردیا ہے اسلئے اگر کسی کے یہاں اسکی جھلک نظر بھی آتی ہے۔ تو دوسرا اسے تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔

قرآن مجید ان کے مرض کا علاج پیش کرتا ہے۔ یعنی اپنی شان "قول فصل" ظاہر فرما کر ان کے باہمی بنیادی اختلافات کا فیصلہ فرما دیتا ہے اور غلطیوں کی طرف اشارہ فرما کر صحیح اور حق بات بیان فرما دیتا ہے۔ جسکی مثال اوپر پیش کیجا چکی ہے۔

یہی نہیں بلکہ مسلمانوں میں فرقہ باطلہ پیدا ہوگئے اگرچہ وہ نزول قرآن کے بعد پیدا ہوئے ہیں لیکن قرآن حکیم علیم وخبیر ذات کا قرآن ہے اسلئے اُسکا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ اسکا وصف "قول فصل" ان فرق باطلہ پر اور اہل حق یعنی اہلسنت والجماعت کے درمیان فیصلہ کرنے میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ جو شخص کسی فرقہ باطلہ کے عقائد اسکے سے واقف ہو اور اس نظر سے قرآن حکیم کا مطالعہ کرے وہ اس حقیقت کا مشاہدہ کرے گا کہ یہ کتاب مبین اس فرقہ کے باطل عقائد وخیالات کی بھی تردید وبیخ کنی کر رہی ہے اور اپنے وصف موصوف کی وجہ سے اہلسنت کے حق میں فیصلہ کر رہی ہے۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ لکھتا ہوں۔

سورۂ فاتحہ میں آیت کریمہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ بارہا پڑھی اور اس تخصیص کی توجیہات بھی جو مفسرین کرام نے ذکر فرمائی ہیں وہ بھی پڑھیں۔ لیکن اسماعیلی مذہب کے ایک محقق کی ایک کتاب پڑھ کر اس کی ایک نئی توجیہ سمجھ میں آئی۔ ان کی کتاب نے ایک نیا انکشاف کیا کہ اسماعیلی مذہب میں ایک امام قائم القیامۃ کا عقیدہ بھی ہے۔ جو ان کے عقیدۂ باطلہ کے بموجب قیامت کا سارا انتظام کرے گا۔ اور اُس دن کا سارا انتظام اسی کے ہاتھ میں ہوگا۔ اس عقیدہ باطلہ کو دیکھتے ہی ذہن منتقل ہوا کہ قرآن عظیم نے اس فرقہ باطلہ کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اسکی اس فاسد رائے کی تردید فرمادی ہے۔ اور شروع ہی میں "مالک یوم الدین" ارشاد فرما کر ان کے اس باطل عقیدے کی گنجائش ہی کا خاتمہ فرمادیا۔ گویا یہ فیصلہ فرمادیا کہ اس گروہ کا مندرجہ بالا عقیدہ باطل وضلال ہے۔ اور اہلسنت ہی حق پر ہیں۔ جن کا عقیدہ یہ ہے کہ نظم عالم ہو یا نظم قیامت، اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں ہے

قرآن مجید سراپا حقانیت وصداقت ہے لیکن باوجود اسکے اگر کوئی اس سے لاپرواہی برتے اور اعراض کرے تو حق تعالےٰ جل شانہ اپنی رحمت سے اُسے ایسے واقعات وحقائق یاد دلاتے ہیں جو اسکے لئے عبرت ونصیحت حاصل کرنے کا ذریعہ ہوسکتے ہیں اسی حکمت ومصلحت سے اُنہوں نے اپنی کتاب کا یہ وصف بھی بیان فرمایا ہے انہٗ تذکرہ (سورۃ المدثر) بیشک قرآن مجید یاد دہانی ہے۔

قرآن مجید ایسی قوموں کے حالات بیان فرماتا ہے جنہوں نے احکام الٰہی اور پیغام انبیاء سے روگردانی کی۔ پھر ان کے بُرے انجام کا تذکرہ فرماتا ہے۔ اس کے پہلو بہ پہلو اللہ تعالےٰ کے مطیع و

فرمانبردار بندوں اور اُن کے نیک و خوشگوار انجام کی خبر بھی سناتا ہے۔ مگر شان تذکرہ صرف یہیں تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ اسکی اور بھی صورتیں ہیں۔ منجملہ اسکے ایک اہم صورت یہ ہے کہ وہ انسانی فطرت کو بیدار کرتا ہے۔ اور اُس کی زبان سے اپنے پیش کردہ حقائق کا اعتراف کراتا ہے۔ اسلئے کہ حقائق کا اعتراف فاطر السموٰت والارض نے فطرت انسانی میں ابتدا ء خلقت ہی میں ممزوج کر دیا تھا یہ غفلت و نسیان کے پردوں میں مستور ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید پردوں کو چاک کر کے دکھا دیتا ہے۔ کہ یہ تمھاری عین فطرت ہے۔

تذکرہ ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم عبادت و اطاعت الٰہی کے نفسیاتی محرکات کو بھی پیدا کرتا ہے اسلئے کہ وہ بشیر بھی ہے اور نذیر بھی ہے۔ ارشاد حق ہے

کتابا فصلنا آیاتہ قرآنا عربیا لقوم یعلمون بشیرا ونذیرا (حم السجدہ)	قرآن مجید ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں بہت واضح ہیں اور وہ سمجھنے اور جاننے والوں کیلئے عربی زبان میں نازل فرمایا گیا ہے۔ وہ بشارت بھی دیتا ہے اور ڈراتا بھی ہے۔

یعنی مومنوں نیکو کاروں کو جنت، انعامات آخرت اور رضائے الٰہی کی خوش خبری دیتا ہے۔ اور کافروں کو بدکاروں کو اللہ تعالےٰ کے غضب اور عذاب آخرت سے ڈراتا ہے۔

انسان کا فطری خاصہ ہے کہ وہ ہر کام کے انجام کے لحاظ سے اُسکے کرنے نہ کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ بشرطیکہ وہ سلیم الفطرت ہو۔ اگر کسی چیز کا انجام اچھا ہو تو وہ اُسے اختیار کرتا ہے اور اگر برا ہو تو اس سے احتراز کرتا ہے۔ اسی طرح فطرتاً نفع کا طالب ہے۔ حصول منفعت یا دفع مضرت یہی دونوں چیزیں اُسے عمل پر آمادہ کرتی ہیں قرآن مجید بشارت و انذار یا بالفاظ دیگر ترغیب و ترہیب کے

ذریعہ سے یہ دونوں نفسیاتی محرکات عمل پیدا فرما دیتا ہے۔

اس بارے میں یہ نکتہ بھی ملحوظ خاطر رہے تو مفید ہوگا کہ منفعت اور دفع ضرر کی خواہش تو ہر انسان کو فطرتاً ہوتی ہے اور بکثرت منفعتیں اور مضرتیں ایسی ہیں، جن میں ہر شخص منفعت و مضرت تسلیم کرتا ہے۔ مگر ان سے متاثر ہونے میں، طبائع میں فرق ہوتا ہے۔ جسکا سبب اختلاف ذوق ہے۔ البتہ مصائب اگر ہوں تو اُن سے تاثر میں معتد بہ فرق نہیں ہوتا۔ یہی حکمت ہے کہ حکیم نے ایمان و عمل صالح کے منافع متعدد انواع کے ذکر فرمائے کفر و بدعملی کے نقصانات کا تذکرے میں زیادہ تنوع سے کام نہیں لیا ہے۔ اگرچہ اسمیں تنوع ہے۔ مگر اتنا نہیں۔ جہاں تک بشارت و ترغیب کا تعلق ہے قرآن مجید کا اعجاز اس حیثیت سے بھی ظاہر ہوتا ہے یعنی باوجود یکہ افراد انسانی مذاق کے لحاظ سے باہم بہت مختلف ہیں لیکن کتاب مبین پر اس اعتبار سے نظر کرو تو ہر مذاق کے افراد کے لئے ترغیب و تبشیر کا پورا سامان پاؤگے۔

یہی نہیں بلکہ اس اعتبار سے خود ایک فرد انسانی کے مختلف احوال کی رعایت اس کتاب عظیم میں ملے گی۔ اسلئے کہ شخص واحد کی رغبت میں بھی اختلاف احوال سے بعض اوقات اختلاف واقع ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے اس قسم کے متعدد حالات کی بھی رعایت فرمائی ہے اور ہر حالت کے مناسب انعامات و منافع کا تذکرہ فرمایا ہے۔ یہ بات کلام ربانی کے علاوہ کسی کلام میں نہیں ہو سکتی مذاق انسانی کے اس اختلاف کا ایسا کامل استقرا ء بھی تخلیق کے بس سے بالکل باہر ہے۔ چہ جائیکہ اسکی کامل رعایت۔

وصول الی اللہ کے لئے محض رغبت ہی کافی نہیں ہے عقل و بصیرت کی بھی حاجت ہے۔ قرآن کریم اس ضرورت کو بھی پورا کرتا ہے۔

ھذا بصائر للناس و ھدی	یہ قرآن مجید لوگوں کے لئے

وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوقِنُونَ (الجاثیہ)　　و الش مندی پیدا کرنے اور ہدایت کا ذریعہ ہے اور اہل یقین کے لئے رحمت کا موجب ہے۔

اس کتاب کا ایک عجیب وصف عالی یہ ہے کہ یہ اپنا مطالعہ کرنے والوں میں عقل معاد اور آخرت کی فہم و بصیرت پیدا کرتی ہے۔ عقل معاد کے مقابلہ میں عقل معاش ہے۔ اول کا مفہوم ہے اُمور آخرت کی سمجھ اور عقل۔ دوسرا لفظ دنیاوی زندگی کے مسائل کو سمجھ کر ظاہر کرتا ہے۔ عقل و فہم کی یہ دو جداگانہ قسمیں ہیں جنکا ادراک تجربات سے ہو سکتا ہے برابر مشاہدہ ہوتا ہے کہ ایک شخص دنیا کے معاملات میں تو بہت ہوشیار ہے۔ مگر آخرت کے معاملات میں بالکل کودن ہے۔ علیٰ ہٰذا اسکے برعکس حالت رکھنے والے افراد بھی ملتے ہیں۔ پہلی قسم کے افراد کی دنیا میں اکثریت ہوتی ہے۔ آج یورپ و امریکہ کے باشندے اسکا ایک نمایاں نمونہ ہیں معتد بہ عقل معاد رکھنے والے صرف وہی اشخاص ملیں گے جن کا تعلق قرآن حکیم سے ہے اور جو اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے مگر قرآن مجید کی طرف توجہ کرتے ہیں، انہیں بھی یہ کتاب کریم کلیتہً محروم نہیں رکھتی۔ اتنی بصیرت اُنہیں بھی عطا فرماتی ہے کہ اگر چاہیں اور انصاف سے کام لیں تو ایمان کی دولت سے مشرف ہو سکتے ہیں۔ لیکن ایمان و یقین کے بغیر عقل و فہم معتد بہ کارآمد نہیں ہوتی۔ اسکے کمزور ہاتھ باب رحمت کھولنے کی طاقت سے محروم ہوتے ہیں اور بغیر رحمت حق کے راہ حق کا قطع کرنا محال ہے۔ اسلئے کہ قرآن کریم عام طور پر ہدایت و بصیرت کا سبب ہونے کے باوجود رحمت صرف اہل ایمان و یقین کے لئے ہے۔

ایمان و ایقان رکھنے والوں کے لئے کتاب کریم سراپا رحمت و رافت ہے۔ اس پر ایمان لاتے ہی، مومن کی طرف رحمت حق متوجہ ہو جاتی ہے۔ اسکا علم حاصل کرتا ہے تو رحمت کی بارش تیز ہو جاتی ہے، علم پر عمل کرتا ہے تو تیز تر ہو جاتی ہے۔ رحمت الٰہی کی حد و نہایت نہیں ہے۔ اسلئے کون بیان کر سکتا ہے کہ یہ ابر بہاراں روح مومن کو کس حد تک سیراب کرتا ہے۔

کلام الٰہی سارے عالم کے لئے ہے اسمیں خطاب مومن کو بھی ہے اور کافر کو بھی۔ لیکن دونوں کا رنگ الگ الگ ہے۔ کافر کو خطاب یا تو عتاب آمیز ہے یا اسکی تفہیم کی غرض سے۔ مگر مومن کو خطاب مخصوص صفت رحمت کا مظہر اور اسی سے ناشی ہے۔ اگرچہ کافر کو ایمان کی طرف بلانا بھی ایک قسم کی رحمت ہی سے ناشی ہے۔ لیکن وہ رحمت عام ہے۔ رحمت خاصہ مومن ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ رحمۃ لقوم یوقنون کا ایک مفہوم یہ بھی ہے۔

قرآن کریم کا وصف صرف عقل و دانش پیدا کرنا یا اُس میں اضافہ کرنا ہی نہیں بلکہ وہ سراپا نور بھی ہے۔

وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا (الشوریٰ)　　لیکن ہم نے اسے (قرآن مجید کو) نور بنایا جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت فرماتے ہیں۔

قرآن مجید خود بھی روشن ہے اور روشنی بخش بھی یہی معنی نور کے ہیں وہ ایک طرف مومن کے قلب اُسکی روح اور عقل کو منور کر دیتا ہے۔ دوسری طرف وصول الی اللہ کے راستہ کو روشن اور واضح کر دیتا ہے مکائد نفس و شیطان اور اُن سے بچنے کے طریقے صاف صاف نظر آنے لگتے ہیں۔ معرفت الٰہیہ سے قلب معمور ہو جاتا ہے۔ حقائق و معارف آفتاب و ماہتاب سے زیادہ واضح ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ وہ نور ہے نور افشاں ہے اور نور افزا۔ نور سے فائدہ بھی زندہ ہی اُٹھا سکتا ہے۔ مردے کیلئے نور و ظلمت دونوں یکساں ہیں۔ اس واقعہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل آیت کریمہ پر نظر کیجئے

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (الشوریٰ)　　اور اس طرح ہم نے آپ کی جانب ایک روح یعنی اپنا حکم بھیجا۔

تو اعجاز قرآن پر ایمان تازہ ہوجائے گا۔ ارشاد ہے کہ قرآن روح و جان ہی ہے۔ یہی زندگی ہے جس شخص نے اسے حاصل کرلیا وہی زندہ ہے اور جو اس سے محروم ہے، وہ مردہ ہے۔

زندگی اور روح ہونے کے کیا معنی ہیں؟ اسے معلوم کرنے کے لئے یہ سمجھ لیجئے کہ روح تو ایک ایسی شے ہے جس کے ادراک سے ہم بالکل قاصر ہیں لیکن اسکے آثار سے ہم جانتے ہیں۔ اور آثار حیات ہی سے ہم وجود حیات کے قائل ہوتے ہیں۔ احساس، حرکت وغیرہ یہ آثار حیات ہیں۔ مگر ان آثار کی ایک نوع تو مادی زندگی تک محدود ہے۔ مثلاً کھانا، پینا، سانس لینا وغیرہ۔ قرآن مجید کی نظر میں وہ حیات جس کے یہ آثار ہیں، حقیقی حیات نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے بقا نہیں ہے۔ حقیقی زندگی کے آثار ذکر و عبادت الٰہی، اطاعت حق معرفت ربانی ہیں جو روح کے حقیقی اور پائدار آثار ہیں۔

قرآن مجید اس معنی کے لحاظ سے روح ہے۔ جب یہ انسان میں سرایت کرجاتا ہے تو اس سے اُن آثار کا صدور ہونے لگتا ہے۔ اور یہی وہ حقیقی زندگی ہے جو صرف کتاب حکیم ہی سے پیدا ہوسکتی ہے۔ منکر مردہ ہوتا ہے، لیکن اگر وہ چشم انصاف سے دیکھے تو یہ روح اس کے قلب میں داخل ہوجاتی ہے۔ اور اسکا پہلا اثر ایمان و یقین کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسکے بعد جس قدر کتاب الٰہی سے متعلق پڑھتا جاتا ہے اور اسی روح رواں اور جان جان کے لئے قلب مومن جگہ خالی کرتا جاتا ہے۔ اسی قدر اسکے آثار حسنہ ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ مومن مجسم نمونہ قرآن بن کر قرب و رضائے الٰہی کے مدارج علیا پر فائز ہوجاتا ہے۔

قرآن مقدس روح ہے۔ اور جانوں کی جان اور روح کی روح رواں ہے۔ اسے بقاء دوام بھی حاصل ہے اسلئے اسکے آثار نافعہ کی بھی حد و نہایت نہیں۔ اسکی خیر و منفعت کے بقائے دوام اور روز افزونی کے وصف کو اس طرح ظاہر فرمایا گیا

وھذا کتاب انزلناہ مبارک مصدق الذی بین یدیہ (الانعام)

یہ کتاب (یعنی قرآن مجید) جسے ہم نے نازل فرمایا ہے مبارک ہے اور دوسری کتب الٰہیہ (توراۃ و...) کی تصدیق کرنے والی ہے۔

برکت کے معنی ہیں، اللہ کی جانب سے خیر کثیر۔ قرآن مجید خود بھی مبارک ہے اور ہمیشہ مبارک رہیگا۔ اس سے مومن کو جو خیر کثیر حاصل ہوتی ہے وہ اس مادی دنیا تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ اسکا کامل ظہور تو موت کے بعد آنے والی ابدی زندگی ہی میں ہوگا۔ آج یہ علم و معرفت کی جو نعمتیں عطا فرماتا ہے اُن میں مرنے کے بعد اور اضافہ ہوگا۔ یہ اور اسکے ثمرات یعنی قرب الٰہی اور نعیم آخرت کے درجات ہمیشہ ہمیش حاصل ہوتے رہیں گے۔

صفت برکت کے ساتھ اسمیں یہ وصف بھی ہے کہ وہ گزشتہ کتب الٰہیہ کی تصدیق کرتا ہے۔ اسکی یہ صفت ایک طرف تو اسکی صداقت کی دلیل ہے۔ دوسری طرف اس واقعہ کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ آخری کتاب ذاتی طور پر مبارک ہونے کے علاوہ جملہ کتب الٰہیہ کی برکتوں کی جامع بھی ہے۔

قرآنی ہدایت و برکت سے کامل فائدہ اُٹھانا اور اس سے مکمل حیات حقیقی حاصل کرنا آسان ہے مگر جو چیز اسے سخت دشوار بنا دیتی ہے وہ امراض باطنی ہیں۔ قرآن کریم اس رکاوٹ کو دور کرنے کا بھی دعویٰ کرتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين ولا يزيد الظالمين الا خسارا

اور ہم ایسا قرآن مجید نازل فرماتے ہیں جو اہل ایمان کے لئے شفا اور رحمت کا سبب ہے۔ البتہ ظالموں کے نقصان و خسارے میں اضافہ ہی ہوجاتا ہے۔

امراض باطنیہ مثل کبر، عجب، حب جاہ، حب مال وغیرہ خباثت

یہ رذائل نفس ایمان کے باوجود قرآن مجید کو اپنی روح بنا لینے اور اسکے انوار و برکات سے کامل طور پر منتفع ہونے کی راہ میں دیوار بن کر حائل ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص قرآن حکیم سے امداد طلب کرے تو کلام ربانی اس دیوار کو مسمار کر دیتا ہے۔ اور اسے توڑ کر قلب کے قلعہ پر قبضہ کر لیتا ہے۔

باطنی و روحانی امراض کی تفصیل، ان کے علل و اسباب، انکی علامتیں اور ان کا علاج۔ یہ سب باتیں آپ کو قرآن مجید کے صفحات میں ملیں گی۔ جو شخص اس کتاب عظیم پر ایمان رکھتا ہے وہ اگر اپنے نفس کا چہرہ اس کے آئینہ میں دیکھے اور اس طبیب ربانی کو اپنا معالج بنائے تو قرآن حکیم یقیناً اُس کے لئے شفا و رحمت ثابت ہوگا۔

رہے اس سے اعراض اور انکار کرنے والے تو ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی زخمی معالج کا بتایا ہوا مرہم بھی زخم پر نہ لگائے اور اسکی ہدایت کے خلاف زخم کو کھجائے۔ اس کا نتیجہ شفا سے محرومی اور مرض میں اضافہ کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ اور یہ خسارہ میں اضافہ ہونا نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

یہ قرآن مبین کی مقدس زبان سے اُسکے چند اوصاف کا تذکرہ ہے۔ کتاب عظیم نے اپنے اور بھی اوصاف حسنہ بیان فرمائے ہیں اس مختصر مضمون میں ان کا استقصار مقصود نہیں ہے ان سب کا تذکرہ تو ایک ضخیم کتاب کا طالب ہے، لیکن کلام ربانی کے انہیں اوصاف کو اگر ہم بار بار سوچیں اور ان سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں۔ تو حقیقی زندگی اور اپنی خلقت کے مقصد تک سہولت و آسانی کے ساتھ پہونچ سکتے ہیں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ من انزل علیہ الکتٰب المبین و علیٰ اتباعہ اجمعین ط

قرآن مجید بحیثیت معجزہ

(بقیہ مضمون صفحہ ۳۵)

قرآن پاک آج بھی معجزہ ہے

قرآن پاک ان سب پہلوؤں سے جس طرح اب سے پونے چودہ سو برس پہلے کی دنیا کے لئے معجزہ تھا بالکل اسی طرح وہ آج کی دنیا کے لئے بھی معجزہ ہے۔ اور ہم اسکو ہاتھ میں لے کر ساری دنیا کو پکار کر کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت چونکہ قیامت تک کے لئے ہے اسلئے اللہ تعالےٰ نے آپ کے اس معجزہ کو بھی قیامت تک باقی اور روشن رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اور ختم دنیا تک پیدا ہونے والے سب انسانوں کے لئے یہ اللہ کی حجت ہے۔ جس کو کوئی شک و شبہ ہو وہ ذرا سے غور و فکر سے کام لے کر اطمینان حاصل کر سکتا ہے۔ اور صداقت اور سچائی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔

اس کے بعد بھی جو لوگ سوچنا اور دیکھنا نہیں چاہتے، وہ وہی ہیں جنہیں اپنے اللہ کو راضی کرنے اور اپنے انجام کی کوئی فکر نہیں ہے۔ اسلئے اُن کا انجام جہنم کے ابدی عذاب کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

اسلام

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب کو نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ
اُن کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

اقبال

افادات حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدظلہٗ

قرآن کے فضائل و اوصاف

صحابۂ کرام اور بزرگان دین کے اقوال و اعمال کی روشنی میں

قرآن کے اوصاف

(قرآن شریف) محبوب کا کلام ہے۔ آقا کا فرمان ہے۔ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا شرف بھی اسکے برابر نہیں ہو سکتا۔ نیز دنیا کے جس قدر کمالات ہیں وہ آج نہیں تو کل زائل ہونے والے ہیں لیکن کلام پاک کا شرف و کمال دائمی ہے۔ کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ قرآن شریف کے چھوٹے چھوٹے اوصاف ایسے ہیں کہ انکا کے لئے ان میں کا ہر ایک کافی ہے۔ چہ جائیکہ اسمیں وہ تمام اوصاف کامل طور پر پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اسکا حسن تالیف حسن سیاق الفاظ کا تناسب، کلام کا ارتباط۔ گزشتہ اور آئندہ واقعات کی اطلاع۔ لوگوں کے متعلق ایسے طعن کہ وہ اگر اسکی تکذیب کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں۔ جیسے کہ یہود کا باوجود ادعائے محبت کے موت کی تمنا نہ کر سکنا۔ نیز سننے والے کا اس سے متاثر ہونا۔ پڑھنے والے کا کبھی نہ اکتانا۔ حالانکہ ہر کلام خواہ وہ کتنا ہی پیارا دل کو معلوم ہو، مجنون بنا دینے والے محبوب کا خط ہی کیوں نہ ہو، دن میں دس دفعہ پڑھنے سے دل نہ اکتا جائے تو بیس دفعہ سے اکتا جائے گا بیس سے نہ سہی چالیس سے اکتا جائے گا۔ بہر حال اکتا وے گا۔ مگر کلام پاک کا رکوع یاد کیجئے۔ دو سو مرتبہ پڑھئے۔ چار سو مرتبہ پڑھئے۔ عمر بھر پڑھتے رہئے کبھی نہ اکتا وے گا۔ اگر کوئی عارض پیش آجاوے تو وہ عارضی ہوگا اور جلد زائل ہونے والا۔

کلام پاک کی فضیلت

اللہ تعالےٰ شانہ کے کلام کو سب کلاموں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی خود حق تعالیٰ شانہ کو تمام مخلوق پر۔

کلام پاک اصل دین ہے

کلام پاک اصل دین ہے۔ اسکی بقا و اشاعت پر ہی دین کا مدار ہے۔ اسلئے اس کے سیکھنے سکھانے کا افضل ہونا ظاہر ہے۔ البتہ کمال اسکا یہ ہے کہ مطالب و مقاصد سمیت سیکھے اور ادنےٰ درجہ اسکا یہ ہے کہ فقط الفاظ سیکھے۔ ایک حدیث سے ملا علی قاری نے نقل کیا ہے کہ جس شخص نے کلام پاک حاصل کر لیا۔ اس نے علوم نبوت کو اپنی پیشانی میں جمع کر لیا۔

خدا سے محبت کی نشانی

سہل تستری فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ اُس کے کلام پاک کی محبت قلب میں ہو۔

بچوں کو قرآن کی تعلیم دینا

شرح احیاء میں اُن لوگوں کی فہرست میں جو قیامت کے ہولناک دن زیر عرش کے سایہ کے نیچے رہیں گے ان لوگوں کو بھی شمار کیا ہے جو مسلمانوں کے بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیتے ہیں

نیز ان لوگوں کو بھی شمار کیا ہے جو بچپن میں قرآن شریف سیکھتے ہیں اور بڑے ہو کر تلاوت کا اہتمام کرتے ہیں۔

تلاوت قرآن پر خدا کی بخشش و عنایت

ابو سعید رضؓ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ حق سبحانہٗ و تقدس کا یہ فرمان ہے کہ جس شخص کو قرآن شریف کی مشغولی کی وجہ سے ذکر کرنے اور دعائیں مانگنے کی فرصت نہیں ملتی اسکو سب دعائیں مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں۔

قرآن کا ماہر

حضرت عائشہ رضؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ قرآن کا ماہر ان ملائکہ کے ساتھ ہے جو میر منشی ہیں اور نیکو کار ہیں۔

قرآن کا ماہر وہ کہلاتا ہے جس کو یاد بھی خوب ہو اور پڑھتا بھی خوب ہو اور اگر معانی و مراد پر بھی قادر ہو تو پھر کیا کہنا۔ ملائکہ کے ساتھ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی قرآن شریف کو لوح محفوظ سے نقل کرنے والے ہیں اور یہ بھی اسکا نقل کرنے والا اور پہنچانے والا ہے۔ تو گویا دونوں ہی ایک مسلک پر ہیں۔ یا یہ کہ حشر میں ان کے ساتھ اجتماع ہوگا۔

اٹک اٹک کر پڑھنے والے کا اجر

ملا علی قاریؒ نے طبرانی اور بیہقی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ جو شخص قرآن شریف پڑھتا ہے اور وہ یاد نہیں ہوتا تو اسکے لئے دوہرا اجر ہے اور جو اسکو یاد کرنے کی تمنا کرتا ہے لیکن یاد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ مگر وہ پڑھنا بھی نہیں چھوڑتا تو حق تعالے شانہٗ اس کا حفاظ ہی کے ساتھ حشر فرمائیں گے

قوت حافظہ میں زیادتی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے احیاء میں نقل کیا ہے کہ تین چیزیں حافظہ کو بڑھاتی ہیں (۱) مسواک (۲) روزہ (۳) تلاوت کلام اللہ شریف کی

قرآن پاک کی شفاعت

جن لوگوں نے اس (کلام اللہ شریف) کی رعایت کی۔ اسکا حق ادا کیا۔ اس پر عمل کیا۔ اُن کی طرف سے دربار حق سبحانہٗ میں (قرآن پاک) جھگڑے گا اور شفاعت کرے گا۔ ان کے درجے بلند کرائے گا۔

ملا علی قاری نے بروایت ترمذی نقل کیا ہے کہ قرآن شریف بارگاہ الٰہی میں عرض کرے گا کہ اسکو جوڑا مرحمت فرمائیں۔ تو حق تعالےٰ اسکو کرامت کا تاج مرحمت فرمائیں گے۔ پھر وہ زیادتی کی درخواست کریگا تو حق تعالیٰ شانہٗ اکرام کا پورا جوڑا مرحمت فرمائیں گے۔ پھر وہ درخواست کرے گا کہ یا اللہ آپ اس شخص سے راضی ہو جائیں تو حق سبحانہٗ و تقدس اس سے رضا کا اظہار فرمائیں گے۔ اور جن لوگوں نے اسکی حق تلفی کی ہے ان سے اس بارے میں مطالبہ کرے گا کہ میری کیا رعایت کی۔ میرا کیا حق ادا کیا۔

قرآن کا حق

شرح احیاء میں امام صاحب سے نقل کیا ہے کہ سال میں دو مرتبہ ختم کرنا قرآن شریف کا حق ہے۔

قرآنی علوم

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اگر علم چاہتے ہو۔ تو قرآن پاک کے معانی میں غور کرو۔ اسمیں اولین و آخرین کا علم ہے۔

فہم قرآن کے شرائط

کیمیائے سعادت میں لکھا ہے کہ قرآن کی تفسیر تین شخصوں پر ظاہر نہیں ہوتی۔ اول جو علوم عربیہ سے واقف نہ ہو۔ دوسرے وہ شخص جو کسی کبیرہ پر مصر ہو یا بدعتی ہو کہ اس گناہ اور بدعت کی وجہ سے اسکا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے معرفت قرآن سے قاصر رہتا ہے۔ تیسرے وہ شخص کہ کسی اعتقادی مسئلہ میں ظاہر کا قائل ہو۔ اور کلام اللہ شریف کی جو عبارت اس کے

خلاف ہو۔ اس سے طبیعت اُچٹتی ہو اس شخص کو بھی فہم قرآن سے حصّہ نہیں ملتا۔

ترتیل

ترتیل لغت میں صاف اور واضح طور سے پڑھنے کو کہتے ہیں اور شرح شریف میں کئی چیزوں کی رعایت کے ساتھ تلاوت کرنے کو کہتے ہیں۔ اوّل حرفوں کا صحیح نکالنا یعنی اپنے مخرج سے پڑھنا تاکہ طا کی جگہ تا اور ضاد کی جگہ زا نہ نکلے۔ دوسرے وقوف کی جگہ پر اچھی طرح سے ٹھہرنا تاکہ وصل اور قطع کلام کا بے محل نہو جائے تیسرے حرکتوں میں اشباع کرنا یعنی زیر زبر پیش کو اچھی طرح سے ظاہر کرنا۔ چوتھے آواز کو تھوڑا سا بلند کرنا تاکہ کلام پاک کے الفاظ زبان سے نکل کر کانوں تک پہونچیں اور وہاں سے دل پر اثر کریں۔ پانچویں آواز کو ایسی جگہ سے درست کرنا تاکہ اُس میں درد پیدا ہو جائے اور دل پر جلدی اثر کرے۔ چھٹے تشدید اور مد کو اچھی طرح سے ظاہر کیا جاوے کہ اس کے اظہار سے کلام پاک میں عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ اور تاثیر میں اعانت ہوتی ہے ساتویں آیات رحمت و عذاب کا حق ادا کرے۔ یہ سات چیزیں ہیں جن کی رعایت ترتیل کہلاتی ہے۔

ترتیل سے پڑھنے کی فضیلت

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں ترتیل سے القارعہ، اور اذا زلزلت پڑھوں یہ بہتر ہے اس سے کہ بلا ترتیل سورۂ بقرہ اور آل عمران پڑھوں۔

بچوں کو قرآن کی تعلیم دلانے کی فضیلت

معاذ جہنیؓ نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے اور اُس پر عمل کرے اُسکے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی آفتاب کی روشنی سے بھی زیادہ ہوگی۔ اگر وہ آفتاب تمھارے گھروں میں ہو پس کیا گمان ہے تمھارا اُس شخص کے متعلق جو خود عامل ہے۔

جمع الفوائد میں طبرانی سے نقل کیا ہے کہ حضرت انسؓ نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص اپنے بیٹے کو ناظرہ قرآن شریف سکھائے اُسکے سب اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور جو شخص حفظ کرائے اُس کو قیامت میں چودھویں رات کے چاند کے مشابہ اُٹھایا جائے گا اور اس کے بیٹے سے کہا جائے گا پڑھنا شروع کر جب بیٹا ایک آیت پڑھے گا باپ کا ایک درجہ بلند کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ اسی طرح تمام قرآن شریف پورا ہو جائے۔

حفظ قرآن کی فضیلت:

قرآن شریف کو حفظ کیا کرو اسلئے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس قلب کو عذاب نہیں فرماتے جسمیں کلام پاک محفوظ ہو۔ یہ حدیث اپنے مضمون میں صاف اور نص ہے۔ جو لوگ حفظ قرآن شریف کو فضول بتلاتے ہیں۔ وہ خدارا ان فضائل پر بھی غور کریں کہ یہی ایک فضیلت ایسی ہے جس کی وجہ سے ہر شخص کو حفظ قرآن پر جان دیدینا چاہئے اسلئے کہ کون شخص ایسا ہو گا جس نے گناہ نہ کئے ہوں۔ جس کی وجہ آگ کا مستحق نہ ہو۔

ویران گھر

جس شخص کے قلب میں قرآن شریف کا کوئی حصّہ بھی محفوظ نہ ہو وہ بمنزلہ ویران گھر کے ہے (دارمی وحاکم)

تلاوت قرآن کی برکت واثر اہل وعیال اور مکان پر

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جس گھر میں کلام مجید پڑھا جاتا ہے اسکے اہل وعیال کثیر ہو جاتے ہیں۔ ایسی خیر و برکت بڑھ جاتی ہے ملائکہ اسمیں نازل ہوتے ہیں اور شیاطین اس گھر سے نکل جاتے ہیں۔ اور جس گھر میں تلاوت نہیں ہوتی۔ اسمیں تنگی اور بے برکتی ہوتی ہے ملائکہ اس گھر سے چلے جاتے ہیں شیاطین اسمیں گھس جاتے ہیں

آنکھوں کی روشنی میں اضافہ ———

قرآن شریف کا دیکھ کر پڑھنا نگاہ کے لئے مفید بتایا جاتا ہے ابو عبیدؓ نے حدیث مسلسل نقل کی ہے کہ جسمیں ہر راوی نے کہا ہے کہ مجھے آنکھوں کی شکایت تھی تو اُستاد نے قرآن شریف دیکھ کر پڑھنے کو بتایا۔

تلاوت کا نور ———

شرح احیاء میں معرفتہ ابو نعیم سے نقل کیا ہے کہ حضرت انس رضی نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جن گھروں میں کلام پاک کی تلاوت کی جاتی ہے وہ مکانات آسمان والوں کے لئے ایسے چمکتے ہیں جیسے کہ زمین والوں کے لئے آسمان پر ستارے۔

تقرب کا سب سے بہتر ذریعہ ———

امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ میں نے حق تعالیٰ شانہٗ کی خواب میں زیارت کی تو پوچھا کہ سب سے بہتر چیز جس سے آپ کے دربار میں تقرب ہو، کیا چیز ہے؟ ارشاد ہوا کہ احمد میرا کلام ہے۔ میں نے عرض کیا کہ سمجھ کر یا بلا سمجھے۔ ارشاد ہوا کہ سمجھ کر پڑھے یا بلا سمجھے دونوں طرح موجب تقرب ہے۔

قرآن پاک سننا پڑھنے سے افضل ہے۔ ———

بعض علماء کا فتویٰ ہے کہ قرآن پاک کا سننا پڑھنے سے بھی زیادہ افضل ہے۔ اسلئے کہ قرآن پاک کا پڑھنا نفل ہے اور سننا فرض ہے۔ اور فرض کا درجہ نفل سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔

قرآن کا آواز سے یا آہستہ پڑھنے کا معیار ———

کلام اللہ شریف کا بعض اوقات میں آواز سے پڑھنا افضل ہے جہاں دوسروں کی ترغیب کا سبب ہو اور انہیں دوسرے کے سننے کا ثواب بھی ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات آہستہ پڑھنا افضل ہوتا ہے، جہاں دوسروں کو تکلیف ہو۔ یا ریا کا احتمال ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ اسی وجہ سے زور سے اور آہستہ دونوں طرح پڑھنے کی مستقل فضیلتیں بھی آئی ہیں۔ کہ بعض اوقات یہ مناسب ہوتا تھا اور بعض اوقات وہ افضل تھا۔

قرآن پر عمل نہ کرنے کا وبال۔ ———

بخاری شریف کی اس طویل حدیث میں جس میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بعض سزاؤں کی سیر کرائی گئی ہے ایک شخص کا حال دکھلایا گیا جس کے سر پر ایک پتھر اس زور سے مارا جاتا تھا کہ اسکا سر کچل جاتا تھا۔ حضورؐ کے دریافت فرمانے پر بتلایا گیا کہ اس شخص کو حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنا کلام پاک سکھلایا تھا مگر اس نے نہ شب کو اسکی تلاوت کی نہ دن میں اس پر عمل کیا۔ لہٰذا قیامت تک اسکے ساتھ یہی معاملہ رہے گا۔

حافظ قرآن کا فریضہ: ———

جب کوئی شخص علوم نبوت سے نوازا جائے تو نہایت ضروری ہے کہ وہ اس کے مناسب بہترین اخلاق پیدا کرے اور بُرے اخلاق سے احتراز کرے۔

فضیل بن عیاضؒ کہتے ہیں کہ حافظ قرآن اسلام کا جھنڈا اُٹھانے والا ہے۔ اس کے لئے مناسب نہیں کہ لہو ولعب میں لگنے والوں میں لگ جاوے۔ یا غافلین میں شریک ہو جاوے یا بیکار لوگوں میں داخل ہو جاوے۔

قرآن سے طلب دنیا ———

جو لوگ قرآن شریف کو طلب دنیا کی غرض سے پڑھتے ہیں۔ اُن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ عمران بن حصین کا ایک واعظ پر گزر ہوا جو تلاوت کے بعد لوگوں سے کچھ طلب کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر اُنہوں نے انا للہ پڑھی۔ اور فرمایا کہ میں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص تلاوت کرے اُسکو جو مانگنا ہو اللہ سے مانگے عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو پڑھنے کے بعد لوگوں سے بھیک مانگیں گے۔

مولانا محمد ہادی قاسمی

"قرآن" ــــ اور مشاہیرِ عالم

نزولِ قرآن سے پہلے دنیا میں تین مشہور آسمانی کتابیں (توریت، زبور، انجیل) اور کچھ صحیفے اُتارے گئے جنہوں نے مختلف خطوں اور علاقوں کے نوعِ انسان کو انسانیت کا صحیح سبق پڑھایا اور کفر و شرک اور جملہ معاصی کی ظلمتوں سے نکال کر نورِ وحدانیت اور مالکِ حقیقی کی اطاعت پر جھکایا، اور بہت سے قلوب کو منور کیا لیکن ــــ ان تمام کتابوں میں کسی کو دوامی دستور العمل ہونے کی سند نہ ملی، اور نہ اُن کی صحیح تعلیم ہی باقی رہی۔ بلکہ اہلِ زمانہ کی تحریف (ردوبدل) سے اُن کی ہدایت کا روشن ماہتاب چراغِ سحری بن کر بے نور ہوگیا۔

بالآخر وحیِ الٰہی کی آخری کتاب قرآن پاک کا آفتاب عالمتاب اپنے پورے آب و تاب کے ساتھ طلوع ہوا جو تا قیامت غروب نہ ہوگا اور نہ کبھی گہن میں آئے گا۔ قرآن کو جنات و انسان کے درمیان دوامی مکمل دستورِ زندگی ہونے کی سند بھی دی گئی۔ اور اسکے سر پر عمومی دعوت و ذریعہ ہدایت ہونے کا سہرا بھی باندھا گیا۔

قرآن پاک نے تمام پہلی آسمانی کتابوں پر بیک وقت قلمِ نسخ کھینچ دیا۔ اور رہتی دنیا تک کے لئے تمام جن و بشر کی زندگی کے ہر شعبہ کا مکمل لائحہ عمل اور دستورِ حیات بننے کا مقام حاصل کر لیا جسکو اللہ تعالےٰ نے قرآن حکیم کی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین ہونے کے لئے پسند کر لیا) آیتِ مبارکہ سے صراحتاً بیان فرمایا ہے۔

قرآن مجید کی صداقت اور اُسکا آسمانی کتاب ہونا۔ پھر اُسکا علمبردارِ رشد و ہدایت ہونا۔ قرآن کے اعجاز و جامعیت اور اس کے ہر مضمون کے درست و حق ہونے سے مسلّم ہے۔ چنانچہ جس وقت قرآن پاک صداقت اور اُسکے آسمانی کتاب ہونے میں دشمنانِ قرآن نے شکوک و شبہات کا اظہار کیا تو پہلی بار اللہ تعالےٰ نے

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۱ھ (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ اگر جنات و انسان سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ قرآن کے مثل کوئی کتاب پیش کریں تو باوجود ایک دوسرے کے مددگار ہونے کے اس کام سے عاجز رہیں گے)

کی آیت کریمہ سے ان کو خاموش کر دیا۔ اور تمام لوگ قرآن کے مثل دوسری کتاب پیش کرنے سے عاجز رہے۔ پھر جب دوبارہ مخالفین نے قرآن کی محکم آیات کے منجانب اللہ ہونے میں اظہارِ شک کیا۔ تو جناب باری تعالےٰ نے اعلانِ عام فرماتے ہوئے یہ الٹی میٹم دیدیا کہ اگر تم کو قرآن میں

ذرا بھی شبہ ہے تو اللہ تعالےٰ کے علاوہ تم اپنے تمام مددگاروں کو بلاکر اور قرآن حکیم جیسی ایک چھوٹی سی سورت بنا کر پیش کر دو۔ چنانچہ قرآن پاک ناطق ہے کہ:

اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝	اگر تم کو اس کتاب میں جسکو ہم نے اپنے بندہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر اتارا ہے، ذرا بھی شبہ ہے تو ایک سورت اس جیسی پیش کر دو اگر تم سچے ہو اور اللہ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلالو۔ اگر تم نہ کر سکے اور ہرگز نہیں کر سکتے تو پھر تم کو اس آگ سے بچنا چاہیئے، جس کے ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اور جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

"تاریخ شاہد ہے واقعات گواہ ہیں کہ زمانہ نزول قرآن سے لیکر آج تک قرآن پاک کے مثل پوری کتاب پیش کرنے کو کون کہے بلکہ اسکی ایک چھوٹی سی سورت کے مماثل کوئی نہ انفراداً پیش کر سکا اور نہ اجتماعاً ـــــ حالانکہ ہزاروں فصیح و بلیغ عربی دانوں نے اس دنیا میں جنم لیا۔ اور لے رہے ہیں۔ اور وہ قرآن کے مخالف بھی رہے ہیں اور مخالف رہیں گے بھی۔

ظاہر ہے کہ اگر کبھی کسی قرن یا زمانہ میں کوئی قرآن کا مماثل کوئی جزء پیش کیا گیا ہوتا تو اسکے ناقل ضرور ہوتے۔ اسلئے کہ قرآن کے ماننے والے ہمیشہ تھوڑے رہے ہیں اور قرآن سے مخالفت رکھنے والے کثیر رہتے چلے آئے ہیں، پھر بھی لوگ عاجز رہے۔" تاریخ کی یہ کھلی شہادت، قرآن کی صداقت اور اسکی حقانیت کیلئے کافی ہے۔

علاوہ ازیں جو دشمن قرآن رہے ہیں وہی دلدادہ قرآن ہوئے عمر بن خطابؓ جیسا دشمن رسول اور دشمن قرآن۔ شجاعت کا پیکر امیر حمزہ جیسا جری اور باہمت، اور دوسرے بڑے بڑے علم و فن والے قرآن کی صداقت و حقانیت دیکھ کر ایمان لانے پر مجبور ہوئے۔ حتیٰ کہ قریش کے فصاحت و بلاغت کے مایہ ناز شعراء، اس وقت جبکہ قرآن کریم کی سب سے چھوٹی سورت، سورہٴ کوثر خانہ کعبہ کے دروازے پر آویزاں کی گئی۔ تو اسکا مقابلہ کرنے کے بجائے اس کے تحت مَا هٰذَا كَلَامُ الْبَشَرِ لکھنے پر خود کو مجبور پایا۔ کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے بلکہ کسی مافوق الفطرت ہستی کا ازلی کلام ہے۔

صرف بشر ہی قرآن کے سامنے نہ جھکے بلکہ جنوں نے بھی قرآن کی صداقت اور اسکے عجائب سے بھرپور مضامین پر سر دھنا اور ایمان لاکر حلقہ گوش اسلام ہوئے۔ جس کی طرف قرآن نے

اِذْ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ	جناتوں کی ایک جماعت نے قرآن پاک کو سنا تو کہا کہ ہم نے ایک انوکھا قرآن سنا جو بھلائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے ہم اس پر ایمان لائے اور اللہ کے ساتھ ہرگز کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

سے اشارہ کیا ہے۔ غرض جو مخالف تھے، وہی موافق بنے اور قرآن کے تابع ہوئے اور اسکے فضائل و صداقت پر ایمان لائے اور قرآن کی حمایت کے لئے شمشیر بکف ہو کر نکلے۔ اور اپنے جان و مال کی بازی لگا دی۔

ہم ذیل میں غیر مسلم مشاہیر کے اقوال نقل کرتے ہیں جنہوں نے قرآن کی صداقت و فضیلت اور اسکے آسمانی کتاب ہونے کا خود اقرار کیا ہے۔ اور انہوں نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ تمام دنیا بلا فرق مذہب و ملت قرآن کی تعلیمات کی محتاج ہے جسکو دیکھ کر کہنا پڑے گا کہ قرآن پر ایمان لانا یقیناً حق اور واجب ہے،

اور اسکا انکار عین گمراہی اور جہل ہے۔

ڈاکٹر گستاؤلی بان فرانسیسی : قرآن دلوں میں ایسا زندہ اور پر زور ایمانی جوش پیدا کرتا ہے کہ پھر کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں باقی رہتی　(ذکری مصر ۴۲)

ڈاکٹر جانسن : قرآن کے مطالب ایسے مناسب اور عام فہم ہیں کہ دنیا ان کو آسانی سے قبول کر سکتی ہے۔ پر افسوس ہمارا یہی قصور ہے کہ دنیا ہم کو دیکھ کر اس سے نفرت کرتی ہے۔

مسٹر عمانوئل ڈی۔ انش : قرآن کی روشنی یورپ میں اس وقت نمودار ہوئی جب تاریکی محیط ہو رہی تھی اور قرآن ہی سے یونان کی مردہ عقل اور علم کو زندگی ملی۔

جان جاک رلیساک جرمنی فلاسفر : جس وقت قرآن پیغمبر کی زبان سے منکر سنتے تھے تو بیتاب ہو کر سجدے میں گر پڑتے تھے اور مسلمان ہو جاتے تھے۔

مسٹر اسٹینلی لین پول : قرآن میں سب کچھ موجود ہے جو ایک بڑے مذہب میں ہونا چاہیئے اور جو ایک بزرگ انسان (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) میں موجود تھا۔

مسٹر جے ٹی ٹبالی : قرآن نے بیحد و بیشمار انسانوں کو اعتقاد و چال چلن میں پختہ کار بنایا ہے اور سائنس کی دنیا نے قرآن کی ضرورت کو اور زیادہ واضح دیا ہے۔

اتچ جی۔ ویلز : قرآن نے مسلمانوں کو ایسے مواخاۃ کے بندھن میں باندھ رکھا ہے جو نسلی اور زبانوں کے فرق کی پابند نہیں ہے۔

پادری والرشن ڈی۔ ڈی ۔ قرآن کا مذہب امن و سلامتی کا مذہب ہے۔

مسٹر رچرڈسن : غلامی کی مکروہ رسم مٹانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہندوستان سترقرآن سے بدل دیا جائے۔

ڈین اسٹینلی : قرآن کا قانون بے شبہ بائبل کے قانون سے زیادہ مؤثر ہے۔

اخبار نیر الیسٹ : اگر ہم قرآن کی عظمت و فضیلت اور حسن و خوبی سے انکار کر دیں تو ہم عقل و دانش سے بیگانہ ہونگے۔

سر ایڈورڈ ڈینی سن راس۔ سی۔ آئی۔ ای : قرآن شریف اسبات کا مستحق ہے کہ یورپ کے گوشہ گوشہ میں پڑھا جائے۔

مسٹر آرنلڈ وایٹ : قرآن نے مسلمانوں کو جنگ آرائی بھی سکھائی ہے اور ہمدردی و خیرات و فیاضی بھی۔ قرآن نے وہ اُصول فطرۃً پیش کئے ہیں کہ سائنس کی بڑھتی ہوئی ترقیاں اس کو شکست نہیں دے سکتیں۔

ڈاکٹر موریس فرانسیسی : قرآن کی سب سے بڑی تعریف اسکی فصاحت و بلاغت ہے۔ نیز مقاصد کی خوبی اور مطالبہ کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے قرآن کو تمام آسمانی کتابوں پر فوقیت حاصل ہے۔

مسٹر لڈلف کریل : قرآن میں عقائد و اخلاق کا مکمل ضابطہ قانون موجود ہے۔ وسیع جمہوریت۔ رشد و ہدایت۔ انصاف و عدالت فوجی تنظیم و تربیت اور مالیات نیز غربار کی حمایت اور ترقی کے اعلیٰ آئین موجود ہیں اور ان سب باتوں کی بنیاد ذات باری تعالیٰ کے اعتقاد پر رکھی گئی ہے۔

جارج سیل : قرآن کریم بے شبہ عربی زبان کی سب سے بہتر اور سب سے مستند کتاب ہے۔ کسی انسان کا قلم ایسی معجزانہ کتاب نہیں لکھ سکتا۔ اور یہ مُردوں کو زندہ کرنے سے بڑھا ہوا معجزہ ہے

آریونڈ میکوئل کنگ : قرآن الہامات کا مجموعہ ہے۔ اسمیں اسلام کے اُصول و قوانین اخلاق کے علاوہ روزمرہ کے کاروبار کی نسبت ہدایات موجود ہیں۔ اس لحاظ سے اسلام کو عیسائیت پر فوقیت ہے کہ مذہبی تعلیم و قانون علیحدہ چیز نہیں ہے۔

پروفیسر کارلائل : میرے نزدیک قرآن میں خلوص اور سچائی کا وصف ہر پہلو سے موجود ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اگر کوئی خوبی پیدا ہو سکتی ہے تو صرف قرآن سے۔

ڈاکٹر گبن : قرآن وحدانیت کا سب سے بڑا گواہ ہے۔ ایک موحد فلسفی اگر کوئی مذہب قبول کر سکتا ہے تو وہ اسلام ہی ہے غرض سارے جہان میں قرآن کی نظیر نہیں مل سکتی۔

الکس لئوازون فرانسیسی فلاسفر : قرآن روشن پر حکمت کتاب ہے۔ اسمیں کچھ بھی شک نہیں کہ وہ ایسے شخص پر نازل ہوا، جو سچا نبی تھا اور خدا نے اسکو بھیجا تھا۔

موسیو سیڈیو فرانسیسی : اسلام کو جو لوگ وحشیانہ مذہب کہتے ہیں اُنھوں نے قرآن کی تعلیم کو نہیں دیکھا جس کے اثر سے عربوں کی تمام بری اور معیوب عادتوں کی کایا پلٹ ہوگئی۔

موسیو کاسٹن کار : روئے زمین سے اگر قرآن کی حکومت جاتی رہے تو دنیا کا امن وامان کبھی قائم نہیں رہ سکتا (جیسا کہ دنیا کے حالات ناگفتہ بہ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں)

گوئٹے : جس قدر ہم قرآن کے قریب ہو سکتے ہیں یعنی اُسپر غور کرتے ہیں وہ اسی قدر دور کھنچتی جاتی ہے یعنی زیادہ اعلیٰ معلوم ہوتی ہے۔ وہ بتدریج فریفتہ کرتی ہے۔ پھر متعجب کرتی ہے۔ فرحت آمیز تحیر میں ڈالتی ہے۔ اور آخر کار اپنا احترام کرا کے چھوڑتی ہے اسطرح یہ کتاب تمام نظروں میں ہمیشہ زبردست اثر ڈالتی ہے۔

پاپولر انسائیکلو پیڈیا ۔ قرآن کی زبان لحاظ لفظ عرب میں نہایت فصیح ہے۔ اسکی انشائی خوبیوں نے اسے اب تک بے مثل و بے نظیر ثابت کیا ہے۔ علاوہ ازیں اسکے احکام اسقدر مطابق عقل و فطرت ہیں کہ اگر انسان انہیں چشم بصیرت سے دیکھے تو وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ کیا ان حقائق سے یورپ زدہ مسلمان سبق نہیں حاصل کریں گے۔

برٹش انسائیکلو پیڈیا : قرآن کے احکامات اس قدر مطابق عقل و حکمت ہیں کہ اگر انسان بہ نظر غائر دیکھے تو ایک پاکیزہ زندگی کا اسکو ضامن پائے گا۔ شریعت اسلام نہایت اعلیٰ درجہ کے احکام عقلی کا مجموعہ ہے۔

بابا نانک : توریت۔ زبور۔ انجیل اور وید وغیرہ سب پڑھ کر دیکھ لیا۔ لیکن ان سب میں قرآن شریف ہی قابل قبول اطمینان قلب کتاب نظر آئی ہے۔ اگر سچ پوچھو تو سچی اور ایمان کی کتاب جسکی تلاوت سے دل باغ باغ ہو جاتا ہے وہ قرآن ہی ہے۔

بابا پنڈ رنا تھ باسو ۔ تیرہ سو برس کے بعد قرآن کی تعلیم کا یہ اثر ہے کہ ایک خاکروب بھی مسلمان ہونے کے بعد بڑے بڑے خاندان کے مسلمان کی برابری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

بابو بپن چندر پال : قرآن کی تعلیم میں ہندوؤں کیطرح ذات پات کا امتیاز موجود نہیں ہے۔ نہ کسی کو محض خاندانی یا مالی عظمت کی بنا پر بڑا سمجھا جاتا ہے۔

مسز سروجنی نائیڈو : قرآن کریم غیر مسلموں سے بے تعصبی اور رواداری سکھاتا ہے۔ دنیا اسکی پیروی سے خوشحال ہو سکتی ہے۔

مہاتما گاندھی : مجھے قرآن کو الہامی کتاب تسلیم کر لینے میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں ہے۔ (تاریخ القرآن)

(ماخوذ از ادب العرب مصنفہ ڈاکٹر زبید احمد و رسالہ الفاران کراچی۔ جون ۱۹۵۹ء)

رہا یہ سوال کہ باوجود اعتراف فضیلت و حقانیت کے یہ لوگ نیز دوسرے ایمان کیوں نہیں لائے؟ تو اسکا جواب بالکل ظاہر ہے کہ دنیاوی حب جاہ اور حب مال اور باہمی عناد و ضد نیز مصالحت کثیرہ کی موافقت نے ایمان لانے سے باز رکھا جیسا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہود و نصاریٰ کے حالات سے واضح ہے کہ اپنی اولاد سے زیادہ معرفت رسول ہوتے ہوئے ایمان نہ لائے

(باقی بر صفحہ ۴۷)

مولانا محمد سالم قاسمی ۔ اُستاذ دار العلوم
معتمد عمومی مجلس معارف القرآن دار العلوم دیوبند

قرآن کریم کی روشنی میں
مذہب اسلام کا عقلی اور اصولی تعارف

"دین اسلام" قرآنی تعلیمات کی روشنی میں خدا کا آخری دین ہے۔ عالم انسانی تک خدا کے قانون کو پہنچانے والوں میں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم آخری پیغمبر ہیں۔ اور "قرآن کریم" انسانی ہدایات کے لئے ایک مکمل ترین آخری کتاب ہے۔

لیکن اس مسئلہ پر گفتگو کرنے سے پہلے ہمیں یہ جاننا ہے کہ خود مذہب کیا ہے؟ اور وہ ہماری کونسی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ غور کیجئے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عقلی اور اُصولی حیثیت سے مذہب انسان کے تین بنیادی اور فطری سوالات کا حل پیش کرتا ہے۔ ان تین سوالات کے جوابات انسانی فکر کو وہ کسوٹی مہیا کرتے ہیں جس پر کسی مذہب کو پرکھا جا سکتا ہے۔

ان بنیادی سوالات کی طبعی ترتیب اسطرح قائم ہوتی ہے۔

۱۔ مبداء ۔ یعنی انسانی زندگی کا آغاز کہاں سے ہوا؟

۲۔ معاد : یعنی انسانی زندگی کی منزل اور منتہی کہاں ہے اور کیا ہے؟

۳۔ مبداء سے معاد تک پہونچنے کے لئے کیا انسان کا کسی مخصوص طریق کار اور ضابطۂ حیات پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے؟

دنیا کے اکثر عالمی مذہبوں نے اور خصوصًا اسلام نے پہلے سوال کا ایک ہی متعین جواب دیا ہے اور وہ یہ کہ مبدا جس سے انسانی زندگی کا آغاز ہوا ہے۔ اسی کا نام خدا ہے۔ جس کے بنائے یہ کائنات بنی اور جس کے دیئے ہر موجود کو وجود کی نعمت ملی۔ کیونکہ یہ فطری قاعدہ ہے کہ ہر شے کا ظاہری وجود اُسکے علمی وجود کے تابع ہوتا ہے کسی شے کو ظاہری وجود وہی دیسکتا ہے جس کے پاس اسکا علمی وجود ہوتا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ

اور وہی ہے جو اول بار پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ (دوبارہ پیدا کرنا) اسکے نزدیک آسان ہے۔

اس قاعدے کے مطابق علم خداوندی میں ہمارا اور کل مخلوق کا وجود علمی صورتوں میں چھپا ہوا تھا لیکن جب اُس نے چاہا تو ہمیں علمی وجود سے ظاہری وجود میں نمایاں کر دیا۔ اب ہم سوچتے ہیں تو سلسلہ وجود کسی ایک ہستی پر آ کر لازمًا ختم ہو جاتا ہے۔ عقلی تقاضے کے مطابق جس کا وجود ذاتی ہو کسی کی عطا و بخشش سے نہ ہو۔ یعنی وہ ہستی اپنے وجود میں کسی کی محتاج اور اپنی بقا میں کسی کی تابع نہ ہو۔ بلکہ ہر چیز ہر لحاظ سے اس کی محتاج اور ضرورت مند ہو۔ اسی غنی اور بے نیاز و اجب الوجود ذات پر تمام موجودات کا سلسلہ جا کر ٹھہرتا ہے

فرمایا۔ یاایھاالناس انتم الفقراء الی اللہ واللہ ھو الغنی الحمید

اے لوگو! تم ہو محتاج اللہ کی طرف اور اللہ وہی ہے بے پروا سب تعریفوں والا۔

اس موجود حقیقی ہستی کا اسم ذاتی اسلام نے "اللہ" بتلایا ہے اللہ کے بارہ میں سچائی کے ساتھ کچھ جاننے کے لئے ضروری ہے کہ ہم سلامتی فکر کے ساتھ کچھ دیر تلاش و جستجو کی راہ میں قدم اٹھائیں جونہی اخلاص اور طلب حقیقت کے جذبے سے ہم چند قدم اٹھائینگے تو ہمیں کھلے طور پر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ کائنات ہست و بود اپنے وجود اور اپنی بقاء و سلامتی میں جس اصل الاصول ہستی کی محتاج ہے وہ ذات باکمال ہر جہت سے ایسے اوصاف رکھتی ہے کہ جو کسی دوسری شے کو حاصل نہیں ہیں۔

فکر و دانش کا پورا قافلہ علم جہاں آ کر ٹھہر گیا ہے وہ اسی ایک سبب "ایک علت العلل" اور ایک "اصل الاصول" کی منزل ہے۔ جس کو سائنس کا بڑے سے بڑا علمبردار ناقابل حل گتھی قرار دے چکا ہے۔ بالفاظ دیگر عقل و خرد کی اس نارسائی کا حاصل یہ نکلا کہ تخلیق کائنات بے مقصد اور بے نتیجہ بن کر رہ گئی۔ اور اس کے پیچھے بہت سے بہت ایک بے بصیرت شے کو کارفرما قوت کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا جس کا اس عالم سے اور اسکے قوانین سے، اس مخلوق سے اور اس کے مفادات سے، اس زندگی سے اور اس کے مقاصد سے کوئی عقلی اور اخلاقی رشتہ نہیں ہے۔ گویا اس عالم کے سارے حوادث یوں ہی بے ارادہ بے شعور وجود پذیر ہوتے ہیں۔ حیات و کشمکش حیات کے یہ مظاہر جو ہم اپنے چاروں طرف پاتے اور محسوس کرتے ہیں اُن کی نہ کوئی غرض ہے نہ مقصد اور اُن میں باہم نہ کوئی ربط ہے اور نہ ترتیب۔ بلکہ اتفاقات و حالات نے ان میں ربط و ترتیب کو پیدا کر دیا ہے۔

اس ناتشفی بخش اور اضطراب انگیز نظریے کے بالمقابل اسلام نے تخلیقات کا سلسلہ جہاں ختم کیا ہے وہ ذات خداوندی ہے جسے اسلام کی اصطلاح میں "اللہ" کہا جاتا ہے۔ عربی زبان کا یہ لفظ ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو ایک واجب الوجود، بے مثال، توانا ترین، قادر مطلق، اور حاکم اعلیٰ ایسی ہستی ہی کے لئے موزون ہو سکتے ہیں۔ کہ جو مادراء عقل تو ہو سکتی ہے لیکن خلاف عقل ہرگز نہیں ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

فاطر السمٰوٰت والارض جعل لکم من انفسکم ازواجا و من الانعام ازواجا یذرؤکم فیہ لیس کمثلہ شیئ وھو السمیع البصیر لہ مقالید السمٰوٰت والارض یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر انہ بکل شیئ علیم ہ

وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اسنے تمہارے لئے تمہاری جنس کے جوڑے بنائے اور (اسی طرح) مواشی کے جوڑے بنائے۔ (اور) اس (جوڑے ملانے) کے ذریعہ سے تمہاری نسل چلاتا رہتا ہے (وہ ایسا کامل ہے کہ) کوئی چیز اُس کے مثل نہیں اور وہی ہر بات کا سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ اسی کے اختیار میں ہیں کنجیاں آسمان و زمین کی جسکو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جسکو چاہے کم دیتا ہے بیشک وہ ہر چیز کا پورا جاننے والا ہے

اسلام نے جس ذات کو اللہ کہا ہے وہ ایک پہلو سے سائنس کی "علت العلل" ہی کی دوسری تعبیر ہے۔ مگر سائنسی توجیہ انسان کو سرگشتگی کے وحشتناک جنگل میں لیجا کر کھڑا کر دیتی ہے۔ اور اسکے برخلاف اسلام انسانی تلاش و جستجو کو اطمینان و سکون مہیا کرتا ہے۔ وہ انسان کو بے سہارا نہیں چھوڑتا۔ بلکہ یہ واضح اور جامع عقیدہ عطا کرتا ہے جو زندگی کے ہر مسئلہ میں انسان کا پشت پناہ اور معین و مددگار بنتا ہے کہ نہ انسان اور کائنات کی تخلیق و زندگی بے غرض و غایت ہے

اور نہ اس زندگی کے پس پشت کار فرما قوت بے بصیرت ہے اور نہ اس سے بے تعلق ہے۔ خلاصۃً اسلامی نقطۂ نظر سے "ذات الٰہی" کا تعارف ہم اس طرح کرا سکتے ہیں کہ وہ ذات جس کا وجود خود اپنا ذاتی ہو اور وہ حدوث وتغیر سے بلند وبالاتر ہو کر ازلی بھی ہو۔ اور ابدی بھی۔ اور یہ اسلئے کہ سرچشمۂ کمال وجود ہے اور وجود حقیقی اپنی ضد یعنی "عیب ونقص" کے ساتھ کبھی جمع نہیں ہو سکتا۔ بالفاظ دیگر یہ بذات خود عقل کا تقاضا ہے کہ خدا کی ذات ہر عیب سے بری، ہر نقص سے پاک ہو۔ اور تمام وجودی کمالات کا سرچشمہ ہو۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ	اور آسمانوں اور زمین جتنی غیب کی باتیں ہیں اُن کا علم خدا ہی کو ہے اور سب اُمور اسی کی طرف رجوع ہونگے۔

اور ظاہر ہے کہ ایسی سرچشمۂ کمال ذات کا کسی حد میں محدود اور کسی قید میں مقید ہونا کسی بھی اعتبار سے قابل تسلیم نہیں ہو سکتا کیونکہ لامحدود کے لئے کوئی حد بندی ممکن ہی نہیں یعنی ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ کہ وہ ایک جگہ اور دوسری جگہ نہ ہو۔ ایک خاص وقت میں ہو اور دوسرے وقت میں نہ ہو۔

کیونکہ زمان ومکان کے یہ تمام انقلاب اُسکے پیدا کردہ ہیں اس سے مغلوب ہیں۔ اسکے خالق یا اُس پر غالب نہیں ہیں۔

لامحدودیت کی اس وضاحت کے بعد یہ بات خود بخود صاف ہو جاتی ہے کہ اسلام الوہیت کے اس عقیدہ، خدا کی لامحدود ہستی اور واحد ویکتا ذات وصفات میں کسی اعتبار سے کسی کی شرکت کے تخیل کو برداشت نہیں کرتا۔ اور اس یکتا ہستی کو اس کائنات اور تمام موجودات کے لئے تنہا سرچشمۂ وجود قرار دیتا ہے۔ اور عقل، نقل اور فطرت سے موید اپنے اس دعوے کو "اسلام" توحید کا عنوان عطا کرتا ہے۔

حقیقت شناس نگاہیں یہاں پہونچکر اس حقیقت کو بڑی آسانی ے پہچان لیتی ہیں کہ دنیا کے دیگر مذاہب کے الٰہیاتی تصورات سے اسلام کا فلسفۂ الٰہیات "توحید کامل" ہی کے مقام پر آکر الگ ہو جا[تا] ہے۔ کیونکہ ایک مافوق الفطرت ہستی کا قادر اور خالق کی حیثیت سے تمام مذاہب عالم نے اعتراف واقرار کیا ہے۔ لیکن اسلام اس ذات واحد کو جس عقلی، علمی، اور فطری تفصیل کے ساتھ فطری تقاضوں کی روشنی میں بے مثل، بے مثال اور یکتا تسلیم کرتا ہے۔ وہ صرف اسی کی خصوصیت ہے۔

عام طور پر اقوام عالم نے ذات وصفات خداوندی کے بلند ترین عقیدہ کو اپنے فکر و ذہن کے محدود تصورات کی گرفت میں لانے کے لئے کسی تشخص کی ایجاد کو ضروری سمجھا۔ اور ظاہر ہے کہ خدا کی ذات بیچون اور صفات بیچگون کیلئے جب مادی ذہن وفکر تشخصات قائم کرے گا تو وہ مادی ہی ہونگے۔ جو یقیناً اس کے مقام عظمت سے انتہائی فروتر اور حقیر ہونگے۔

یہی وجہ ہے کہ بعض طبقات نے ذات خداوندی سے صفات کی قطعاً نفی تو کر دی۔ لیکن تشخص پسند ذہنوں کی پیاس بجھانے کے لئے اُنہیں بھی اپنے بے صفات خدا کے لئے اجسام واصنام میں حلول کے بعید از عقل اور دور از کار خاکے تراشنے پڑے۔

اسی طرح بعض طبقات نے خدا کو ایک غضبناک شہنشاہ کا روپ دے کر اپنی تشخص پسندی کا مظاہرہ کیا ہے جو ان کے تشخص کی خاطر بعض دیگر طبقات نے اپنے ذوق فکر ونظر کے تحت خدا کی ذا[ت] کو رحم وکرم کا ایسا سراپا قرار دیا کہ اسکے لئے "باپ" کے تصور کا سہارا لینا پڑا۔

"اسلام" نے ان سارے تشخصات سے الگ ہو کر خدا کی ذات کے بارے میں جسم وجسمانیت کے ہر صورت، ہر شبیہہ، ہر مثال اور ہر تعین وتشخص سے انکار کرتا ہے۔ اور انسانی فکر و ذہن کو

خدا کے بارے میں تمام صفات کمال کا جامع اور حقیقی اور وہ ہر عیب ونقص سے پاک و منزہ ہونے کی تعلیم دے کر ایسی یقین آفریں منزل عطا کرتا ہے کہ جسمیں مادی تشخص کے لئے کوئی مقام ہی باقی نہیں رہ جاتا۔ اور اسکی ذات کی ہمہ گیر اور ہمہ صفت موصوف حقیقت کسی تشخص کو قبول کر ہی نہیں سکتی۔

البتہ "صفات خداوندی" کے لئے اسلام نے کچھ تشخیصات اور تعینات ضرور دیے ہیں۔ مگر وہ بھی انسانی ذہن و فکر کے تراشیدہ تمام مادی تشخصات سے یکسر جدا اور کلیتًا ممتاز ہیں۔ یعنی اسلام نے خدائی صفات کی بالکلیہ نفی کی ہے کہ جس سے وہ محض ایک بے شعور قوت و طاقت بن کر رہ جائے اور نہ ان صفات کے اقرار و اعتراف کے لیے رحم یا غضب کے مادی مظاہر کو جائز قرار دیا کہ جس سے خدا کا اپنی جلوہ گری میں اپنی ہی مخلوق کا محتاج ہوتا لازم آجائے بلکہ اسلام نے خدائی صفات کے تشخص کی وہ لطیف اور حکیمانہ صورت اختیار کی کہ جسمیں اس ذات واحد کی یکتائی و بے چگونی کی پوری پوری رعایت بھی ہے۔ اور اسی کے ساتھ اسمیں تعینات کی وہ نشاندہی بھی ہے کہ جو انسانی علم اور اعمال کی تہذیب و تکمیل کے لئے ناگزیر تھی۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ "اسلام" خدا کے ان صفاتی تعینات کو تعلیم اخلاق کے عنوان سے پیش کرتا ہے اور بواسطہ صفات اس پر اخلاقی تعلیم کا مقصد انسانیت کو مرتبۂ کمال عطا کرنا اور انسانی عقل کو اپنی ذات عظیم کی معرفت کاملہ بخشنا ہے یہی حقیقت کبریٰ ہے نبی کریم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان جامع کلمات میں انسانیت کو ہدایت بخشی کہ

تخلقوا باخلاق اللّٰہ — اپنے اندر اللہ کے اخلاق پیدا کرو۔

اگرچہ اس کے یہ اخلاق و اوصاف لامحدود ہیں۔ لیکن تم ان میں سے اسی کی بخشش و عطا سے ایک محدود حصّہ پا سکتے ہو۔ مثلاً اسکی ذات کی ایک صفت کمال "خالقیت" ہے کہ وہ ہر شے کو عدم محض سے وجود میں لاتا ہے۔ تمہیں معدوم کو موجود کر دینے کی قدرت تو اسلئے نہیں دی گئی کہ تمہارا اعتراف بندگی خدا کے حضور میں برقرار رہے۔ لیکن تم موجودات میں ترکیب و تحلیل کے ذریعہ اُسکی صورت و ہیئت میں تبدیلیاں کر کے اس سے نئے نئے منافع حاصل کر سکتے ہو۔ اور مادہ کی صورتوں اور ہیئتوں میں یہ تبدیلی بھی تمہاری بساط کے بقدر اللہ کی صفت خالقیت میں سے تمہارا حصّہ ہے۔ وہ رزاق مطلق ہے لیکن تم رزق رسانی کا وسیلہ بن کر اس صفت و خلق سے حصّہ لے سکتے ہو۔ وہ ذرہ ذرہ پر محیط علم کے باوجود ستار العیوب ہے۔ تم وسائل و ذرائع سے حاصل کردہ محدود علم کے ساتھ اگر عیب پوشی کرو گے تو خدائی خلق و صفت سے یہ مشابہت تمہارا کمال شمار ہوگی۔

اسی طرح تم اسکے اخلاق و صفات میں اپنی بندگی کی حدود شناسی کے ساتھ جتنا حصّہ لے سکو وہ تمہیں مثالی انسان بنا دینے کا واحد ذریعہ ثابت ہونگی۔ اسلئے تم کریم و رحیم بھی بنو۔ اور جواد و سخی بھی۔ تم حکیم و علیم بھی بنو۔ اور غنی و ہادی بھی۔ تم ظاہر و باطن میں پاکیزگیاں پیدا کر کے صفت قدوسیت سے بھی حصہ لو اور امن عام کے داعی بن کر صفت "اسلام" سے بھی موصوف ہو۔

بہرحال اسلام نے صفات ربانی کے تعینات تعلیمات اخلاق کی صورت میں پیش کئے ہیں۔ جمادات و نباتات کی صورتوں اور شکلوں میں نہیں اسی لئے جس حد تک انسان ان اخلاق و صفات ربانی کو اپنے اندر سمو لیتا ہے۔ وہ اسی درجہ میں عام انسانوں کی سطح سے بلند تر شمار ہونے لگتا ہے۔ چنانچہ اسلام نے انسانی مساوات کے درس کامل کے باوجود انسانوں میں باہمی فرق مراتب کو بھی تسلیم کیا ہے، لیکن ان [illegible] کی بنیاد اُنے ذات پات کی اونچ نیچ کے پست تخیل کو بنانے کے بجائے

اسکو قرار دیا ہے کہ جو خدا اوندی اوصاف و اخلاق اپنے اندر زیادہ پیدا کریگا وہ خدا اور خدا کے بندوں کے نزدیک اونچا اور بلند شمار ہوگا۔ اور جو ان اوصاف و کمالات میں حصہ دار نہیں بنے گا یا کم سے کم حصہ لے گا وہ اسی درجہ میں نیچا اور پست بنجائیگا۔

اور اخلاقی کمال کی وجہ سے کسی کو بلند سمجھنا اور اخلاقی انحطاط کی وجہ سے کسی کو پست سمجھنا یہ ایک فطری ضابطہ ہے۔ اور اسکو کمال انسانیت کا ایک مستقل اُصول بنا کر پیش کرنا اسلام کے دین فطرت ہونے کی ایک مستقل دلیل ہے

بہر حال تعلیمات اسلام کی روشنی میں اس ذات بے مثال کے ان اوصاف بے مثال کو مان لینے کا عقلی تقاضا یہ ہے کہ جب وہی خالق اور وہی سب کچھ ہے تو لائق طاعت و عبادت بھی صرف اُسی کی ذات ہے، جب وہی رازق ہے تو شکر گزاری اور منت شناسی کا مستحق بھی وہی ہے۔ جب وہی غالب و قہار ہے تو اُسی سے مدد طلب کی جائے، جب وہی عزیز و حکیم ہے تو اعتماد کے لائق بھی وہی ہے، جب وہی علیم و قدیر ہے تو خلوت و جلوت میں اُسی کی رضا جوئی ضروری ہے۔ جب وہی ہادی ہے تو اُسی کی رہنمائی پر سر تسلیم خم کرنا لازمی ہے۔ اور جب وہی سب کی پناہ گاہ ہے، تو اسی کے زیر سایۂ رحمت آنے کی جدوجہد ناگزیر ہے۔

توحید کامل کا یہ تصور اور عقیدہ اسلام نے دیا ہے۔ اس عقیدہ توحید سے پیدا شدہ اُصول تو یہ ہے کہ انسانی فکر و ذہن کی آسودگی، یکسوئی، دلجمعی اور خیالات و تصورات کی مرکزیت میں نہاں ہے اور تمام صفات کمال کی جامع واحد ہستی کو مرکز قلب و نظر بنانا جزوی کمال رکھنے والی ہستیوں کو اپنی متاع قلب و نظر سپرد کر دینے سے بہر اعتبار معقول او رقابل قبول ہے۔

اسی توحید کا عطا کردہ دوسرا اُصول عباداتی توحید کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ یعنی اب تنہا وہی ذات اسکی مستحق ٹھہرتی ہے

کہ اُسکے سامنے سر جھکایا جائے اور اُس کے در پر ہاتھ اُٹھایا جا[illegible]
اور جس طرح وہ ذات لاشریک ہے اُس کی عبادت بھی ہر[illegible]
شرک سے پاک رہنی ضروری ہے۔ عبادت الٰہی میں نہ صو[illegible]
اعتبار سے شرک کی آمیزش ہو نہ حقیقت کے لحاظ سے نہ اپنے[illegible]
عنوان سے اسمیں شرک کا رنگ جھلکتا ہو۔ نہ معنوی اعتبا[illegible]
شرک ٹپکتا ہو۔ کیونکہ عباداتی توحید کا حق اسکے بغیر ادا[illegible]
ممکن نہیں۔

یہی توحید اُصولی طور پر قلب و دماغ کی پاک دا[illegible]
خلوت و جلوت میں فکر و خیال کی نگرانی کی تعلیم پیش کرتی[illegible]
یعنی انسان اپنے ذاتی حقوق کی ادائیگی میں دوسروں کے حقوق کی[illegible]
منزل کو ہاتھ سے نہ دے۔ عقیدہ کی یہی نوعیت انسان کو نف[illegible]
اخلاق سے ہم کنار کر سکتی ہے جسکا خلاصہ اس کے سوا کچھ نہی[illegible]
وہ اپنے، دوسروں کے، اور خدا کے حقوق کی امانت میں خی[illegible]
نہیں کرے گا۔ اور اس طرح عالم انسانی کے لئے وہ اپنے[illegible]
کو سراپا رحمت و برکت بنا کر پیش کر سکے گا۔ جسکی وجہ یہ ہے کہ تو[illegible]
کی مرکزیت، نظم و ضبط اور آفاقیت و ہمہ گیری رکھتی ہے[illegible]
شرک اپنی فطرت کے اعتبار سے دوئی، تفریق اور انتشار[illegible]
اپنے سے جدا نہیں کر سکتا۔ اور عقیدہ و فکر کے یہ دونوں رُخ[illegible]
زندگی میں بہر حال رونما ہو کر رہتے ہیں۔ اور معاشرہ کا خمیر[illegible]
یا توحید میں سے جس تصور پر اُٹھتا ہے وہ معاشرہ اپنی اقدار[illegible]
اُسی فکر کا عکاس بن جاتا ہے۔

چونکہ اسلام الہامی اور آسمانی تعلیمات کا آخری نقش[illegible]
مکمل ہے اور اسی دعوے کیساتھ اُس نے اپنی دعوت کو پیش کی[illegible]
اسلئے اُس نے تعلیم توحید کو مرتبہ کمال پر پہونچا دیا۔

اسلام کا نظام تصوف

اس توحیدی عقیدۂ کامل[illegible]
"تصوف" کا جو نظام[illegible]

ہو سکتا ہے، اُسمیں قطعاً اسکی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ انسان کا
...عنی کمال ساری خدائی کو ترک کر دینے پر مضمر سمجھا جائے۔ کیونکہ
...ت واحد کو بہر اعتبار مرکز قلب و نظر بنانے والا کائنات کی تمام
...ترتوں سے ربط و ضبط رکھنے کے باوجود بھی ایک مالک و خالق کو راضی
...ر سکتا ہے۔ اسلئے اسلام کا نظام تصوف گوشہ گیری اور عزلت
...زینی کا مرہون منت نہیں ہے۔ بلکہ پیغمبر اعظم محمد رسول اللہ صلی
...اللہ علیہ وسلم نے خدا طلبی کیلئے ترک دنیا کو انسانیت کے حق میں نقصان
...دہ کر ہمیشہ کیلئے ختم فرما دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

...رہبانیۃ فی الاسلام — اسلام میں ترک دنیا کا کوئی وجود نہیں۔

اسکے برخلاف تصوف کے کسی بھی شرک آمیز خیالی نقشے میں
...ک آمیزی اُس وقت تک نہیں کیجا سکتی جب تک ساری دنیا سے
...ہر قسم کے علائق ختم نہ کر لئے جائیں۔ کیونکہ معبودوں کی کثرتوں
...عابد کی وحدت و تنہائی اسکو اسکا موقع فراہم نہیں کر سکتی۔
...تمدنی و تمدنی ضروریات کو ترک کر کے بغیر ان سب کے حقوق ادا
...کئے جن کو اُسنے اپنے فکر و ذہن میں معبودیت کا مقام دے رکھا ہے
...جس طرح توحیدی یا اسلامی تصوف میں خدا تک واصل ہونے
...منازل طے کرنے میں خدا کی اطاعت اور خدائی کی خدمت ضروری
...اسی طرح مشرکانہ نظام تصوف میں معبودوں اور اُن کے
...ان کی کثرتوں کے عابدانہ تجزیے کے لئے ترک دنیا مقصدی حیثیت
...ہوتا ہے۔ اسلئے اسلامی تصوف کا خلاصہ "خدمت خلق اور
...اطاعت خالق واحد" قرار پاتا ہے۔ جس کا جوڑ عزلت گزینی اور
...ترک دنیا سے کسی طرح نہیں قائم ہو سکتا۔

...م کا نظام عمل و عبادت

مذہب توحید یا اسلام اپنے نظام عمل و عبادت میں بھی توحید کی مکمل حفاظت کرتا ہے۔

اسلام کی اصطلاح میں عبادت "ذلّت مطلقہ" کو اختیار کرنے کا نام ہے لیکن کائنات کی سب سے معزز مخلوق "انسان" اپنی ذلت و عاجزی کا اقرار و اعتراف "عزت مطلقہ" رکھنے والی ہستی ہی کے آگے کر سکتا ہے۔

اسلامی نظام عبادت میں نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ وغیرہ تمامتر افعال و اعمال اپنی فکری حیثیت میں توحید اور اپنی عبادتی حیثیت میں عجز و انکسار، خاکساری و تواضع کے جامع ترین مظاہر ہیں۔ یعنی ظاہری یا باطنی کسی بھی لحاظ سے ان میں اگر توحیدی روح مضمحل ہو جائے تو یہ اسلامی اعمال نہیں رہیں گے۔ اور ان میں سے عجز و انکسار اگر نکل جائے تو یہ عبادت نہیں رہینگے بالفاظ دیگر اسلامی نقطہ نظر سے اعمال کی حقیقت توحید و عجز قرار پاتی ہے۔

اسلام کی پیش کردہ یہی توحید نظام اخلاق میں بھی جلوہ گر ہوتی ہے اور اسکی بنیاد بھی یہی ہے کہ قلب انسانی کو خدا نے اپنے کمالات کی جلوہ گری کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ اسی لئے قلب انسانی کو تمام اعضا پر فضیلت تسلیم کی گئی ہے۔ فرمایا گیا۔

الا فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب (الحدیث)	یاد رکھو جسم انسانی میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے اگر وہ درست رہتا ہے تو سارا بدن درست رہتا ہے اور وہ خراب ہو جاتا ہے، تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے دیکھو وہ "دل" ہے۔

اس بنیاد پر خدائی حقوق کی ادائیگی میں اخلاق مندی یہ ہے کہ ظاہر و باطن اور خلوت و جلوت میں قلب و زبان اطاعت گزاری سے معمور رہیں۔ انسانی حقوق میں اخلاق مندی یہ ہے کہ جائز حقوق میں قول و عمل پر نگران رکھے کہ اسمیں کسی بھی وقت معاد پر معاش یا فکر آخرت پر

تعصب سے کسی کی دل شکنی نہ ہونے پائے اور اپنے حق میں اخلاق مندی یہ ہے کہ عقل کو دل پر

فکر دنیا غلبہ حاصل نہ کرنے پائے۔

اسلام نے سب سے پہلے اعتقادی توحید پر زور دیا ہے، کہ ہر گمراہی اور ہر بدعملی کا آغاز دہیں سے ہوتا ہے، اسکے بعد وہ عملی توحید پر اصرار کرتا ہے۔ تاکہ انسان زندگی کے ہر موڑ پر اُسی ایک ذات کو حاضر و ناظر جانے اور قول و فعل کی کسی مہلک لغزش کا کھٹکا نہ ہوجائے۔

عملی توحید کا آغاز دراصل انسانی معاملات سے ہوتا ہے، اور معاملات کی ضرورت وہیں پیش آتی ہے جہاں چند انسانوں پر مشتمل کوئی معاشرہ موجود ہو۔ اس لحاظ سے اسلام معاشرتی توحید پیدا کرتا ہے۔ وہ معاشرہ کی تعمیر اسی توحیدی تصور کے تحت کرتا ہے جو اسلام کا نقطۂ آغاز ہے۔ اس نے گوشہ گیری اور ترک لذات کو حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ معاشرہ کی بنیاد دو وحدتوں پر قائم کرتا ہے۔ وحدتِ الٰہ اور وحدتِ آدم۔

عقیدۂ وحدتِ الٰہ انسانی معاشرہ میں روحانی اور معنوی یکرنگی پیدا کرتا ہے اور عقیدۂ وحدتِ آدم مساوات و اُخوت کے جذبہ کے ساتھ احترام انسانیت کا درس مکمل بنتا ہے۔ اور پھر تمدنی زندگی کی بنیاد دوش یعنی نکاح و معاملات اور تعلقات و روابط کی اسلامی توحیدی اقدار کے سائے میں آبیاری کرتا ہے۔ لیکن اُس نظام مدنیت میں اسبات کی پوری رعایت رکھی گئی ہے کہ افراد کے انسانی حقوق میں اجتماعیت رکاوٹ نہ بنے اور اجتماعی مقاصد کی تکمیل کو فرد کی آزادی بے معنی نہ بنا سکے۔ یعنی وحدت اجتماعی افراد کی کثرتوں میں گم نہ ہوجائے۔ اور فرد کی قرار واقعی وحدت اجتماعیت کی بھینٹ نہ چڑھ جائے۔ بالفاظ دیگر فرد کو اپنی تکمیل میں اجتماعیت سے کشمکش کی نوبت نہ آنے پائے۔ اور اجتماعیت مقصدی اعتبار سے فرد کو اپنی راہ کا سنگ گراں نہ بننے دے اور یہ بات اس کے بغیر ممکن نہیں کہ فرد اور جماعت اپنے اپنے دائرہ کار میں کسی ایک

سچائی کے آگے اپنے کو جواب دہ قرار دیں اور اطاعت و فرمانبرداری کسی ایک سچائی کی لازم جانیں۔

اسلام نے فرد و جماعت کی اطاعت و انقیاد کا مرکز بہر اعتبار اللہ کی ذات کو قرار دے کر، معاشرۂ انسانی میں جس توحید کی تخم ریزی کی ہے وہ من و تو کے ہر فرق اور کہتری و بہتری کے ہر احساس سے بالاتر ہے، چنانچہ سیاسیات میں اسنے مرکزیت قائم کی جسے اسلامی اصطلاح میں امارت کہتے ہیں۔ اور امیر اسی اجتماعی وحدت کا مرکزی محور ہے۔ مگر اس مرکزیت کو بھی شورائی، اور جمہوری انداز عطا کیا تاکہ معاشرہ نظام عدل و مساوات کے اصولوں پر پابند رہ سکے۔ پھر یہ امارت و سیاست بھی ذاتی اغراض اور گروہی مقاصد کے تابع نہ ہو۔ بلکہ صرف خدائے واحد کے لئے ہو۔ یعنی اس امارت کے تحت صلح و جنگ، اور تمام نظم و نسق محض خوشنودی خدا کے نقطہ نظر سے ہو۔

اس توحیدی نظام سیاست میں امیر کی امارت، اُسکا عدلیہ اور انتظامیہ اور عدل و نظم کے ذمہ دار حکام و عوام سب اسی مقصد کے تحت اپنے فرائض کی تکمیل کریں۔ اسمیں امیر کی اطاعت ہر فرد کے لئے فرض قرار دیگئی تاوقتیکہ وہ امیر اسلام کے بنیادی اُصول کی صراحتہً خلاف ورزی کا مرتکب نہ ہو۔ اور امیر کے لئے یہ لازمی قرار دیا گیا کہ وہ بادیانت اہل الرائے سے مشورہ لے تاکہ سیاسی نظام شخصی استبداد کا شکار نہ ہوجائے۔ پھر امیر کی مجلس مشاورت ایڈوائزری کونسل کے انتخاب میں بھی یہ پہلو ملحوظ رکھا گیا کہ وہ اپنے فضل و کمال، خدا پرستی، پرہیزگاری، علمیت و صلاحیت اور فہم و دیانت میں اسلام کے مطلوبہ معیار پر پورے اُترتے ہوں اس محدود مگر قابل اعتماد جمہوریت کے تصور سے عوام کی بے قید جمہوریت اور جہلا کی اصلاح ناشناس اکثریت کے مضر اثرات پیدا ہونے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔

عبادات میں یہ کمال توحید کی براہ راست ایک ہی ذات کو معبود سمجھا جائے اور آدمی ہر آن اُسی کی طرف متوجہ رہے باہمی معاملات اور معاشرتی اُمور میں وحدت فکر یہ کہ اُس خدائے واحد کی اطاعت سے انحراف نہ ہو جائے۔ اور اس بات میں امیر کو خدا کا نائب اور ظل قرار دے کو سخت ترین ذمہ داریاں اُسکے سپرد کر دی گئیں۔ اس طرح فرد کی صالحانہ ترقی، معاشرہ کی توحیدی رنگ میں تعمیر اور سیاسی تنظیم کے جن تین دائروں میں انسانی زندگی پروان چڑھتی ہے۔ اسلام نے ان تینوں دائروں کیلئے توحیدی پرواز کی برقراری اور فردہ اجتماع کی کل رعایت کے ساتھ ایک معقول اور فطری نظام متعین کر دیا۔

اب سوال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ توحید کے اس عقلی نظریہ اور اسکی جامع تفصیلات کو سمجھنے کا قابل یقین ذریعہ کیا ہو۔ کیونکہ ہر انسان اپنی عقلی تگ و دو سے توحید کے اس مکمل نقشے کو معلوم نہیں کر سکتا۔ اب یہاں بھی سلامتی ذہن کے ساتھ تھوڑا سا غور و فکر مسئلے کی راہ کشادہ کرتا ہے۔

عقل و دانش جب ہمیں یہ بتاتی ہے کہ خالق کائنات نے انسان کی تمام جسمانی اور مادی ضروریات کا سروسامان اُس کے آس پاس پیدا کیا ہے تو یہی عقل یہ کہتی ہے کہ بالکل اسی طرح یہ بات لازمی ہے کہ انسان کی روحانی اخلاقی اور ذہنی غذائیں بھی ضرور فراہم کی گئی ہونگی۔ انسان کی اس اہم ترین اور بنیادی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اللہ نے دنیا میں اپنے خاص پیغمبروں کو مبعوث فرمایا ہے یہ پیغمبر پوری نوع انسانی کے وہ گل سرسبد ہیں جو انسانی کمالات کے جامع اور بہترین اخلاقی فضائل کے حامل ہوتے ہیں یہ ہی برگزیدہ انسان دنیا میں اللہ کی ہدایت لے کر آئے تاکہ ان کے ذریعہ لوگوں کی انفرادی و اجتماعی غلطیوں کی اصلاح ہو اور وہ فوز و فلاح کی وہ راہ اختیار کریں جو بالیقین اُن کے لئے مفید ہو۔

انبیاء علیہم السلام میں ایسے اوصاف پورے کمال کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں جو دوسروں میں نہیں ہوتے۔ یعنی ان کی فطرت خود غرضی سے، ان کے قلوب بہیمیت اور نفسانیت سے، اور ان کے دماغ غلط افکار سے اور اُن کے ہاتھ پاؤں غلط اعمال سے پاک ہوتے ہیں ان کا دامن ہر لغزش سے محفوظ ہوتا ہے تاکہ وہ انسانیت کبریٰ کا معیار بن کر سامنے آئیں اور جس طرز زندگی کی وہ دعوت پیش کر رہے ہیں خود اُن کی زندگی اس پر شاہد ہو۔ اور وہ اپنے دلوں میں روشن شمع ربانی کی روشنی میں قافلہ انسانیت کو لیکر چلتے ہیں۔

آفرینش عالم سے ہر خطے اور ہر قوم میں یہ شمع ہدایت روشن ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ جب انسانیت اپنے علمی اور فکری کمال تک پہونچ گئی تو الہامی صداقتوں کا آخری نامۂ ہدایت (قرآن کریم) ریگستان عرب میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر چودہ سو برس پیشتر نازل ہوا۔ اور گزشتہ چودہ صدیاں جس طرح اسکی صداقت پر گواہ بنتی رہیں اسی طرح قیامت تک آنے والے سالہا سال بھی اسکی صداقت پر گواہ بن کر آتے رہیں گے۔

بہرحال اسلام کے پیش کردہ نظام کی بنیاد خوف خدا اور یقین آخرت پر ہے کیونکہ نفس توحید اس وقت تک نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی۔ جب تک آخرت کا تصور اس کے ساتھ وابستہ نہ ہو۔ توحید کے دلائل کتنے ہی عقلی اور مستحکم کیوں نہ ہوں۔ انسانی زندگی پر اثر انداز نہیں ہو سکتے جب تک اسکے پس پشت یہ یقین کارفرما نہ ہو۔ کہ توحید کے اقرار و عدم اقرار کے عملی نتائج بالآخر ظاہر ہو کر رہیں گے اور عقیدۂ آخرت کے قابل تسلیم ہونے کے دیگر دلائل کے علاوہ فطری سلامتی رکھنے والوں کے لئے سب سے بڑی دلیل اس سوال اور اُسکے جواب میں نہاں ہے کہ جب کہ اس زمانہ میں ہماری زندگی علت و معلول کے ایک خاص ضابطے میں جکڑی ہوئی ہے اور یہ ضابطۂ فطرت کا مطالبہ بھی ہے اور عقل کا تقاضا بھی تو ضروری ہے کہ یہ ہی ضابطہ اخلاقی اور روحانی طور پر بھی نافذ ہو۔

آخر جب ہم دیکھتے ہیں کہ آگ کا خاصہ جلا ڈالنا ہے۔ زہر کی فطرت جان لے لینا ہے۔ اور تلوار کی دھار کاٹ ڈالتی ہے تو پھر لازماً اچھے اعمال کا نتیجہ اس دنیا میں ہمیشہ اچھا اور بُرے اعمال کا نتیجہ ہر وقت بُرا ہی نکلنا چاہیئے۔ لیکن بسا اوقات جھوٹے مکار اور عیار لوگ بڑی عزت و شہرت پاتے ہیں اور بڑا عیش و آرام اُنہیں میسر آتا ہے اسکے بالمقابل سچے اور بھلے لوگ تنگی اور مصیبت میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں، آخر علت و معلول کا ضابطہ یہاں کام کیوں نہیں کرتا؟ کیوں ایسا نہیں ہوتا کہ جب ایک شخص جھوٹ بول رہا ہوتا ہے تو اسی آن اسکی زبان باہر نکل پڑے۔ اور جب ایک شخص کسی مظلوم پر ہاتھ اُٹھا رہا ہو اُسی گھڑی اُس کے ہاتھ ٹوٹ کر گر پڑیں۔ بلاشبہ یہ ایک سوال ہے لیکن اسی سوال کو حل کرنے کے لئے ذرا سے تامل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ علت و معلول کے اس ضابطے کے باوجود یہ عالم عالم طبعی ہے اور صرف طبعی قوانین ہی کی تکمیل کی گنجائش اپنے اندر رکھتا ہے۔ زندگی کے اخلاقی اور روحانی پہلو اتنے عظیم، وسیع اور اُن کے نتائج اتنے دیر طلب ہوتے ہیں کہ اس عالم آب و گل کی تنگ دامانی اُن کا تحمل نہیں کر سکتی۔ اسلئے فطرۃً عقل ہی یہ بھی مطالبہ کرتی ہے کہ کوئی ایسا عالم ضرور ہو کہ جہاں طبعی نہیں، اخلاقی قوانین ہی کی کارفرمائی ہو۔ جس جگہ حق اور ناحق میں امتیاز ہو سکے جہاں سچ میں وزن ہو اور جھوٹ بے وزن ہو۔ ظلم کی سزا ہو اور مظلوم کی دادرسی ہو۔ حق سربلند ہو اور باطل سرافگندہ ہو۔ جہاں کھلی آنکھوں اخلاقی نتائج نظر آسکیں۔

عقل اور فطرت کے اس مطالبہ کو اسلام نے عقیدۂ آخرت کا عنوان دے کر پورا کیا ہے۔ کیونکہ وہ دینِ فطرت ہونے کا مدعی ہے۔ اسلام نے اس عالمِ نو کو عالمِ آخرت کا نام دیا ہے جہاں اس دنیا میں گزاری ہوئی زندگی کے بُرے اور بھلے نتائج سامنے آئیں گے اور ان ہی نتائج کے پیش نظر اسلام نے انسان کو ایک صراط مستقیم مہیا کی ہے یہ صراط مستقیم وہی توحیدی ضابطۂ حیات ہے۔ جس کی تفصیل اوپر بیان کی گئی ہے۔

چنانچہ توحید کا یہی ہمہ گیر تصور جسے اسلام نے پیش کیا ہے اگرچہ اپنے مزاج و قوام کے لحاظ سے مذہبی نوعیت رکھتا ہے لیکن عملاً وہ انسانی سماج اور پوری نوعِ انسانی کو وحدتِ فکر و عمل بخشنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ توحید انسانی محبت و عقیدت کا مرکز خدا کی ذات کو قرار دیتی ہے اور یہ مرکز سارے انسانوں کو ایک رشتہ میں اس طرح پرو دیتا ہے جس طرح لڑی کے دانے۔ ایک خدا کی بندگی۔ ایک قانون کی پابندی ایک رسول کی پیروی۔ ایک کتاب سے ہدایت یابی۔ اور ایک منزل یعنی آخرت کی طرف پورے قافلۂ انسانیت کی پیش قدمی کا تصور ہی کتنا ولولہ انگیز، حیات افروز اور مسرت خیز ہے جو قافلہ اس طرح گامزن ہوگا اسکے افراد طبعی اور فطری اختلافات کے باوجود ایک ہی کلمۂ جامعہ پر اکٹھے ہونگے وہ متفقہ اخلاقی قدروں کے قائل ہونگے اور یکساں فطری بنیادوں کے حامل ہونگے۔ اور ان کی زندگی مشرق و مغرب اور رنگ و نسل کے اختلافات کے باوجود تنظیم و اتحاد کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی ہوگی۔

بہرحال خلاصہ یہ کہ اسلامی عقیدۂ توحید، مبداء، رسالت اور معاد تینوں دائروں میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے توحید اسلام کی بنیادی دعوت ہے رسالت اس دعوت کی تبلیغ و ابلاغ ہے اور معاد اس دعوت پر عمل پیرا ہونے یا نہ ہونے کا اچھا یا برا انجام ہے۔

اسلام کے مقاصد کا یہ ایک اجمالی جائزہ ہے جو ڈیڑھ ہزار برس سے عالمِ انسانی میں وحدتِ مقصد اور وحدتِ انسانیت کا واحد علمبردار ہے اور آج بھی اسکے پیغام میں وہی جاذبیت اور وہی کامرانی پنہاں ہے۔ لیکن اسے صرف ایسے انسانی گروہ کی ضرورت ہے جو اپنی اور سارے انسانی گروہ کی دائمی فلاح و بہبود کے نصب العین کا بے غرضانہ عشق رکھتا ہو اور اقوام عالم کو اس محبت اور اُخوت سے بھرپور نظام حیات دینے کے لئے نسلی قومی جغرافیائی حدبندیوں سے آزاد ہونے کیلئے جا

صلا بیتاب ہو تا کہ وہ ہ ضمیر لالہ میں روشن چراغ آرزو کر دے ٭ چمن کے ذرّے ذرّے کو شہید جستجو کر دے

عبدالقیوم مظاہری:

قرآن

ایک صحیفۂ انقلاب

چھٹی صدی عیسوی تاریخ عالم کا وہ تاریک ترین دور ہے جسمیں انسانی فضائل ومحاسن کے تمام خاکوں میں رذائل کا رنگ ورو غن چڑھ گیا تھا۔ انسانی قدریں زوال کے آخری نقطہ پر پہونچ گئی تھیں۔ مشرکانہ اعمال ورسوم، مادیت، نفس پرستی، لادینیت اور توہم پرستی کا دور دورہ تھا۔ کیا عرب کیا عجم؛ ہر ایک اپنی قوت و بساط کے موافق خدا فراموشی کے ان میدانوں میں ایک دوسرے سے بازی لیجانے کی کوشش کر رہے تھے۔ طغیانی وسرکشی ہر چہار سمت سے انسانی دل ودماغ پر مسلط تھی۔ مشرق سے مغرب تک پورے ربع مسکون پر جہالت کی تاریکیاں چھائی ہوئی تھیں۔ دنیا کے آباد حصے اگرچہ مختلف مذاہب کے نام لیواؤں سے یکسر خالی نہ ہوئے تھے مگر مذاہب کی صحیح تعلیمات اور اُن کی روشنی کافور ہو چکی تھی۔

آئیے! اس زمانہ کے مذاہب پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے چلیں تاکہ ہم قرآن حکیم کی تعلیمات اور اُسکے معجزانہ روحانی انقلاب کا صحیح معنوں میں تصور کر سکیں۔

یہ دیکھئے ایران وخراسان اور کابل وترکستان ہیں۔ اس پورے رقبہ پر نیز عرب کے ایک حصے پر مجوسی مذہب کا دور دورہ ہے ہمارے ہندوستان کے گنگ وجمن کے سرسبز اور شاداب علاقہ پر بھی یہی مجوسیت نئی شکل وصورت میں رائج ہے اور یہ دیکھئے شام وعراق ہے، وہ افریقیا ہے کوچک اور افریقہ ویورپ ہیں۔ دنیا کے اس وسیع وعریض حصے، اور عرب کے بعض حصوں پر عیسائی مذہب حکمرانی کر رہا ہے۔

چین اور جاپان منگولیا اور منچوریا تبت اور جزائر شرق نیز ہندوستان کے ایک حصے پر بدھ مذہب سایہ فگن ہے۔ عرب کے بعض حصے اور شام کے کچھ قطعات یہودیت کا گہوارہ بنے ہوئے ہیں۔ حکمائے یونان، حکمائے مصر، حکمائے کلدانی۔ اور حکمائے ایران وہندان سارے مذاہب سے یکسو ہو کر اپنا راگ الگ الاپ رہے ہیں ان کے لئے مذہب اور مذہب کی کوئی بات اس وقت تک قابل تسلیم اور لائق عمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ عقل کی کسوٹی پر پوری نہ اُترے ان کو کسی مذہب اور کسی نبی سے کوئی سروکار نہیں۔ اگر یہ کچھ باتوں کی تصدیق کرتے ہیں تو اسلئے نہیں کہ فلاں مذہب یا فلاں نبی نے اسکی تعلیم دی ہے، بلکہ اسلئے کہ ان کی عقل اس بات کے صحیح ہونے پر گواہ ہے۔

خاص ملک عرب میں یہودیت اور نصرانیت بھی ہے۔ مجوسیت اور الحاد بھی۔ مکۂ مکرمہ مشرکین کی خاص جولانگاہ بنا ہوا ہے۔ ہمارے خیال میں دنیا کے آباد حصوں میں تقریباً یہی مذاہب رائج تھے لیکن اگر یہ کہا جائے کہ سارے مذاہب رسوم باطلہ اور کورانہ تقلید کے سوا اور کچھ نہ تھے تو بالکل صحیح ہوگا۔ عقائد، عبادات اور اخلاق جو ایک مذہب

کے بنیادی اُصول ہو سکتے ہیں اُن پر پوری طرح جہالت کا رنگ چڑھ چکا تھا جس کے نتیجہ میں انسانیت ذلیل ہو رہی تھی۔

ان سارے مذاہب سے توحید جیسا بنیادی عقیدہ بالکل معدوم ہو چکا تھا۔ اور اگر کہیں پر اُسکا وجود کسی درجہ میں تھا بھی تو اسمیں اتنی تراش خراش کر لی گئی تھی کہ سیکڑوں مذاہب باطلہ اور ادیان کاذبہ نمودار ہو گئے تھے۔

عبادات کا معاملہ چند بے جان اور بے روح رسومات کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اخلاق کی پستی کا یہ عالم تھا کہ انسان بہائم سے کسی طرح ممتاز نہ تھا۔

ایسے عالم میں قرآن کریم کا نزول ہوا۔ نزول قرآن کا وقت اور اسکی ہمہ گیر تعلیمات ہی اس امر کا بیّن ثبوت ہیں کہ یہ کلام کسی مافوق الفطرۃ ہستی کا کلام ہے۔ یہ کلام کسی انسان کا ہرگز نہیں

دنیائے انسانیت کے مذاہب میں جو تغیر اور تبدل رونما ہوا تھا جس کے سبب سے مذہب، رسومات اور خرافات کے سوا کچھ نہیں رہ گئے تھے۔ وہ عقیدۂ توحید کا غلط تصور تھا۔ کسی نے خدا کی ذات کا اقرار کیا تو اس تصور کے ساتھ کہ ایک خدا بھلا اس سارے جہان میں کیونکر خدائی کے سارے فرائض انجام دے سکتا ہے۔ اسلئے اُس نے خدائی کا کام اتنے خداؤں کے سپرد کر دیا۔ کہ عقل و خرد حیران و ششدر ہو کر رہ گئی۔ کسی نے تین اور کسی نے دو کا راگ الاپا۔ کسی نے اس سے بڑھ کر خدا کو انسان کے صف میں لا کر کھڑا کرنے کا کام انجام دیا۔ یہاں تک کہ بعض مقرب بارگاہ شخصیت سے خدا کی کشتی کا قائل ہو جانا بھی اُن کے خیال میں عقیدۂ توحید میں مزاحم نہ ہوا۔

نقش و صورت کی پرستش اور پہاڑوں دریاؤں حتیٰ کہ درختوں اور بیجان پتھروں کی پوجا ان نادانوں کے خیال میں انسانیت اور عقیدۂ توحید کے منافی نہ ہوا۔ وہ اصنام پرستی کی اس بری لت میں ایسے مبتلا ہو گئے تھے کہ ان کے نزدیک جاندار اور بے جان کا فرق مٹ چکا تھا۔ ہر خشک و تر جس کو اُن کے اپنے واہمہ نے تراش لیا ہو بس معبود ہونے کے لئے کافی تھا۔ انسانیت کی ایسی ذلت اور پامالی شاید ہی چشم فلک نے اور کبھی دیکھی ہو۔

قرآن حکیم نے اپنی سب سے پہلی وحی میں گو مخاطب حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا ہے۔ مگر اسمیں خدا کی خدائی اور اسکی ذات کا صحیح تصور پیش کر کے اس غلط اور لغو عقیدہ پر کاری ضرب لگائی ہے۔

اقراء باسم ربك الذی خلق ۔ خلق الانسان من علق ۔ اقراء وربك الاکرم الذی علم بالقلم ۔ علم الانسان مالم یعلم

پڑھ اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا ہے۔ بنایا آدمی کو جمے ہوئے خون سے۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم سے۔ سکھایا آدمی کو جو نہ جانتا تھا۔

اس دور جہالت میں توحید کی تعلیم اور اُسکے پیش کرنے کا بہترین راستہ متعین کرنا یہ وہ مشکل کام تھا جس سے عقل انسانی عاجز ہو چکی تھی۔ یہ قرآن حکیم کی معجزانہ شان تھی کہ اس نے اس مشکل کو نہایت آسان کر دیا۔ اس نے دلائل آفاق و انفس سے خدا کی ذات اور اُس کے وجود پر ایسے دلائل قائم کئے کہ جن کے آگے عقل انسانی نے اپنا سر تسلیم خم کر دیا۔ سنریهم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسکم افلا تبصرون ۔

قرآن کریم نے سارے بنی نوع انسان کو دعوت دی کہ زمینوں اور آسمانوں کی خلقت میں، دن اور رات کے اختلاف میں۔ اتھاہ سمندروں میں۔ نفع بخش کشتیوں کے اسفار میں۔ بارش کے برسنے اور پھر اس سے مردہ زمین میں زندگی کے پیدا ہو جانے میں۔ قسم قسم کے چوپایوں اور ہواؤں کے چلنے میں۔ زمین اور آسمان کے درمیان بغیر کسی سہارے کے بادلوں کے ٹھہرے رہنے میں، اگر غور و فکر سے کام

...جائے تو خدا کی خدائی کی عجیب قدرت کاملہ نظر آئے گی۔

...ان فی خلق السموات والارض
...اختلاف اللیل والنہار
والفلک التی تجری فی البحر
بما ینفع الناس وما انزل
اللہ من السماء من ماء فاحیا
به الارض بعد موتها وبث فیها
من کل دابة وتصریف الریاح
والسحاب المسخر بین السماء
والارض لآیات لقوم یعقلون
(بقرہ رکوع ۱۹)

بیشک آسمان اور زمین کے پیدا
کرنے میں اور دن رات کے بدلتے
رہنے میں اور کشتیوں میں جو کر لیکر
چلتی ہیں دریا میں لوگوں کی کام کی
چیزیں اور پانی میں جس کو کہ اتارا
اللہ نے آسمان سے پھر جلایا اس سے
زمین کو اسکے مرنے کے بعد اور پھیلائے
اسمیں سب قسم کے جانور اور ہواؤں
کے بدلنے میں اور بادل میں جو کہ
تابعدار ہے اسکے حکم کا۔ درمیان
زمین اور آسمان کے۔ بیشک ان
سب چیزوں میں نشانیاں ہیں
عقلمندوں کے لئے۔

پہاڑوں اور دریاؤں کو غور و فکر کی نظر سے دیکھ کر خدا کی ہستی تک رسائی حاصل کیجا سکتی ہے۔

والقی فی الارض رواسی
ان تمید بکم وانہارا وسبلا
لعلکم تہتدون ۝ وعلامت و
بالنجم ہم یہتدون ۝ افمن
یخلق کمن لا یخلق افلا
تذکرون　(نحل ۲)

اور اُس نے زمین پر پہاڑ رکھ دیئے
تاکہ وہ تم کو لے کر ڈگمگانے نہ
لگے۔ اور اُس نے نہریں اور راستے
بنائے تاکہ تم منزل مقصود تک پہنچ
سکو اور بہت سی نشانیاں بنائیں
اور تاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم
کرتے ہیں سو کیا جو شخص پیدا کرتا
ہو اُس جیسا ہو جائے گا جو پیدا نہیں
کر سکتا۔ پھر کیا تم نہیں سمجھتے؟

کائنات عالم میں نظر دوڑاؤ۔ اور اسکی کسی چھوٹی سے چھوٹی مخلوق پر غور و فکر کر کے دیکھو کہ اسمیں خدائے قادر نے کیا کیا عجائب رکھ چھوڑے ہیں۔

واوحی ربک الی النحل ان
اتخذی من الجبال بیوتا
ومن الشجر ومما یعرشون
ثم کلی من کل الثمرات فاسلکی
سبل ربک ذللا یخرج من
بطونها شراب مختلف الوانه
فیه شفاء للناس ۝ ان فی
ذلک لآیة لقوم یتفکرون
(نحل)

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے
جی میں یہ بات ڈالی کہ تو پہاڑوں
میں گھر بنالے اور درختوں میں
اور جو لوگ گھر بناتے ہیں اُن میں
پھر ہر قسم کے پھلوں سے چوستی پھر
پھر اپنے رب کے راستوں میں چلنا
جو آسان ہیں۔ اسکے پیٹ سے
پینے کی ایک چیز نکلتی ہے جس کی
رنگتیں مختلف ہوتی ہیں کہ اسمیں
لوگوں کے لئے شفا ہوتی ہے اسمیں
ان لوگوں کے لئے بڑی دلیل ہے
جو سوچتے ہیں۔

یہ نظام شمسی و قمری جو کائنات عالم کو محیط ہے اگر اس میں غور کیا جائے تو یہ بھی خدا کے وجود اور اسکی قدرت قاہرہ کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

والشمس تجری لمستقر لها
ذلک تقدیر العزیز العلیم
والقمر قدرناه منازل حتی
عاد کالعرجون القدیم ۝ لا
الشمس ینبغی لها ان تدرک
القمر ولا اللیل سابق النهار
وکل فی فلک یسبحون۔
(یٰسین)

اور ایک نشانی آفتاب ہے کہ وہ
اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے
یہ اندازہ باندھا ہوا ہے اُس خدا
کا جو بڑا زبردست علم والا ہے
اور چاند کیلئے منزلیں مقرر کیں
یہاں تک کہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے
کھجور کی پرانی ٹہنی۔ نہ آفتاب کی
مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ
رات دن سے پہلے آ سکتی ہے اور دونوں
ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔"

یا پھر تم اتنا تو کر ہی سکتے ہو کہ اپنی ہی خلقت کے بارے میں ذرا غور کر لو تو خدا کی قدرت اور اُس کے وجود سے انکار کرنا تمہارے لئے آسان نہ ہوگا۔

الذی احسن کل شیئ خلقہ	وہ ذات جس نے جو چیز بنائی خوب
وبدأ خلق الانسان من	بنائی اور انسان کی پیدائش
طین ثم جعل نسلہ من سللۃ	مٹی سے شروع کی۔ پھر اسکی نسل
من ماء مھین ثم سوٰہ	کو خلاصۂ اخلاط یعنی ایک بیقدر
ونفخ فیہ من روحہ وجعل	پانی سے بنایا۔ پھر اس کے اعضاء
لکم السمع والابصار والافئدۃ	درست کئے اور اسمیں اپنی روح
قلیلاً ما تشکرون (سجدہ)	پھونکی اور تم کو کان اور آنکھیں اور
	دل دیے۔ تم لوگ بہت کم شکر
	کرتے ہو (یعنی نہیں کرتے)

غرضکہ قرآن کریم نے اثبات توحید میں ایسا طریقہ اختیار کیا ہے جو انسانی ذہن اور اُس کی عقل کے بالکل قریب تھا اس کے دلائل اتنے سادہ اور موثر ہوتے کہ ایک عامی آدمی کے لئے ان کے سمجھنے میں کسی قسم کی پیچیدگی اور دشواری پیش نہیں آتی تھی یہی وجہ ہے کہ زیادہ عرصہ گزرنے نہ پایا تھا کہ قرآن کریم کے موحدانہ عقیدے سے خلقت نے فیض حاصل کرنا شروع کر دیا۔ یہ ایک ایسا عقیدہ تھا جو فطرت انسانی سے قریب تر تھا۔ چند ہی سال میں دیکھا گیا کہ جہالت اور توہم پرستی کی ساری گرہیں ایک ایک کرکے کھل گئیں، ہر چھوٹے بڑے کے دل میں یہ بات اُتر گئی کہ "خدا اور اسکی قدرت" ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔ اور پھر وہ ایسے موحد بن گئے کہ ہر چیز بلاواسطہ خدائے قدوس کی بارگاہ سے طلب کرنے لگے۔ حتیٰ کہ جوتیوں کا تسمہ بھی اگر ٹوٹتا تو اُسے خدا ہی سے طلب کرتے۔ وہ ظاہر و باطن دونوں میں خدا سے ڈرنے والے ہو گئے حیات بعد الممات کے ایسے قائل ہوئے جیسے وہ اُس دنیا میں بیٹھے ہوئے آخرت کے مناظر کا مشاہدہ کر رہے ہوں۔

انسان کی مذہبی اور روحانی زندگی میں ایمانیات وعقائ
کے بعد دوسرا درجہ عبادت و اعمال کا ہے۔ اس جگہ اتنا سمجھ لینا چا
کہ عبادت کا دارومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ انسان کا ذہن اور اس
عقیدہ معبود کے بارے میں بالکل صحیح اور درست ہو۔ دراصل معتدل
عقیدۂ توحید ہی عبادات میں اخلاص اعمال میں روح پیدا کرتا ہے
گزری ہوئی ملتوں اور قوموں کی تاریخ رہنے دیجئے۔ اگر آپ افر
کی زندگیوں کا مطالعہ ذرا گہری نظر سے کریں تو آپ اس حقیقت سے
انکار نہیں کر سکتے کہ جن افراد کا عقیدۂ توحید غیر معتدل اور شرکا
انداز کا ہوتا ہے اُن کی عبادات اور طاعات میں جگہ جگہ شرک کے د
دھبے نظر آتے ہیں، اسکے برخلاف جو لوگ وحدانیت کے صحیح معن
میں قائل ہوتے ہیں اُن کی عبادات اور طاعات کا دامن ان
داغ دھبوں سے یکسر پاک و صاف ہوتا ہے۔

اب آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ نزول قرآن یا اس سے پہلے زمانہ
جبکہ انسان صحیح معنوں میں خدا کے وجود یا اس کی قدرت کا قائل
نہ تھا یا زبانی اعتبار سے قائل تو تھا۔ لیکن اسپر وہم و خیال کا تس
ہو چکا تھا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ اسکے عبادات کا تصور اور اُس
طور و طریق جہالت اور ضلالت کے سوا وحدانیت کے آئینہ دار ہو
اور مشرکانہ افعال سے منزہ اور پاک رہتے۔

ان کے عقیدۂ فاسد ہی کا یہ ایک منطقی نتیجہ تھا کہ انہوں نے
خدا کی بندگی اور اسکی عبادت میں ہر اُس چیز کو حصہ دار بنا لیا تھا
جس سے اُن کے نفع نقصان، راحت و تکلیف یا پھر کسی قسم کی حاج
روائی کا واہمہ ہو گیا تھا۔ پہاڑوں اور دریاؤں کی پوجا
دار درختوں اور بھانت بھانت کے بتوں کی پرستش جن سے اُن
زندگی کے فوائد و مصالح کسی نہ کسی اعتبار سے وابستہ تھے۔ سب ا
واہمہ کی کرشمہ سازی ہی تو تھی؛ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو
تخصیص چھٹی صدی عیسوی ہی کے ساتھ نہیں تھی۔ بلکہ ہم آج بھی

حقیقت کا مشاہدہ اپنے گردوپیش کی قوموں میں کر سکتے ہیں۔ نزول قرآن کے وقت لوگوں میں عبادت کے مختلف طریقے رائج تھے۔ کسی نے خدا کی تجلی روشن آگ میں ملاحظہ کی اور اسی کے سامنے جھک گیا۔ کسی نے خدا کی قوت اور اسکی قدرت کو دریاؤں اور پہاڑوں میں دیکھا اور انہیں کے آگے جھک گیا۔ کسی نے بیجان اور بے روح پتھروں کے آگے سر نیاز خم کر دیا۔ انسان تھا کہ تاریکیوں اور توہم پرستی کے اس جال میں ایک درماندہ شکار کی طرح مقید تھا۔ جس سے ظاہری اسباب کی بنا پر نجات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تجلی الٰہی کا مہبط اعظم کعبۂ مقدس جو درحقیقت حضرت آدم علیہ السلام کی تمناؤں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی موحدانہ بنیادوں پر استوار تھا۔ تقریباً تین سو ساٹھ بتوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔

قرآن حکیم نے غیر اللہ کی پرستش پر بے لاگ تنقید کی اور بتایا کہ عبادت صرف ایک خدا کی ہونی چاہیئے۔ اور یہی قرین قیاس و عقل بھی ہے۔ ایک سے زائد معبودوں کی عبادت عقل کے خلاف اور قیاس میں نہ آنے والی بات ہے۔

هل من خالق غير الله — کیا کوئی اللہ کے سوا بنانے والا ہے
يرزقكم من السماء والأرض — وہ تم کو آسمان اور زمین سے روزی
لا إله إلا هو فأنى تؤفكون — دیتا ہے اس کے سوا کوئی معبود
(فاطر) — نہیں، پھر کہاں اُلٹے جاتے ہو۔

یعنی یہ مانتے ہوئے کہ پیدا کرنا اور روزی عطا کر کے زندہ رکھنا سب اللہ کے قبضہ اور اختیار میں ہے۔ پھر معبودیت کا استحقاق کسی دوسرے کو کدھر سے ہو گیا۔ جو خالق و رزاق حقیقی ہے اسی کو معبود بھی ہونا چاہیئے۔

لو كان فيهما آلهة إلا الله — اگر ہوتے ان دونوں (زمین اور
لفسدتا (انبیاء) — آسمان) میں اور معبود سوائے اللہ کے
تو دونوں (زمین و آسمان) خراب ہوجاتے

تعدد الٰہ کے ابطال پر یہ نہایت پختہ اور واضح دلیل ہے، جو قرآن کریم نے اپنے مخصوص انداز میں پیش کی ہے۔ عامی سے عامی آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اگر آسمان و زمین میں ایک سے زائد خدا ہوتے تو آسمان و زمین کا یہ نظام کبھی کا درہم برہم ہو جاتا۔ ورنہ ایک خدا کا بیکار یا ناقص اور عاجز ہونا لازم آتا ہے۔ جو شان خدائی کے منافی ہے۔

قرآن حکیم نے انسان کو بتایا کہ بت ایک قسم کی گندگی اور نجاست کا دوسرا نام ہے۔ لہٰذا اس سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے۔

فاجتنبوا الرجس من — تم لوگ گندگی سے یعنی بتوں سے
الأوثان (الحج) — (بالکل) کنارہ کش رہو۔

بت پرستوں کو مخاطب کر کے قرآن حکیم میں کہا گیا کہ تم یہ احمقانہ حرکت کیوں کرتے ہو؟ کیا پتھر کی بیجان مورت جو تم نے خود اپنے ہاتھوں سے تراش لی ہے پرستش کے لائق ہو گئی۔ اور جو اللہ تمہارا اور تمہارے ہر ایک عمل و معمول کا نیز ان پتھروں کا پیدا کرنے والا ہے اس سے کوئی سروکار نہ رہا۔ پیدا تو ہر چیز کو وہ کرے اور بندگی دوسروں کی ہونے لگے۔ پھر دوسرے بھی کیسے جو مخلوق در مخلوق ہیں۔ آخر یہ کیا اندھیر ہے؟

أتعبدون ما تنحتون والله — کیوں پوجتے ہو جنہیں خود آپ
خلقكم وما تعملون (صفت) — تراشتے ہو۔ اور اللہ نے بنایا تم
کو اور جن کو تم بناتے ہو۔

قرآن حکیم نے بتایا کہ معبود کو جن صفات کا حامل ہونا چاہیئے وہ ساری کی ساری اللہ پاک کی ذات میں موجود ہیں۔ لہٰذا عبادت و بندگی خاص اسی اللہ کی کرنی چاہیئے۔

هو الله الذي لا إله إلا — وہ اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی
هو عالم الغيب والشهادة هو — نہیں۔ ظاہر اور پوشیدہ کو خوب
الرحمن الرحيم هو الله الذي — جانتا ہے وہ بڑا مہربان رحم والا
لا إله إلا هو الملك القدوس — ہے۔ وہ اللہ جس کے سوا کسی کی

السلام المؤمن المہیمن
العزیز الجبار المتکبر سبحان
اللہ عما یشرکون
(حشر)

بندگی نہیں وہ بادشاہ ہے پاک ذات سب عیبوں سے سالم یعنی سب نقائص اور کمزوریوں سے پاک اور سب عیبوں اور آفات سے سالم۔ نہ کوئی برائی اسکی بارگاہ عالی تک پہونچی ہے اور نہ پہونچ سکتی ہے وہ امان دینے والا پناہ میں لینے والا۔ زبردست دباؤ والا صاحب عظمت، پاک ہے اللہ ان کے شریک بنانے سے۔

قرآن کریم نے بتایا کہ ان دلائل کے ظہور کے بعد بھی۔ اگر کوئی بدنصیب اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتا تو اُس کے لئے جہنم کا عذاب ہے۔

ان الذین یستکبرون
عن عبادتی سیدخلون
فی جھنم داخرین (مومن)

بیشک جو لوگ تکبر کرتے ہیں میری بندگی سے اب داخل ہونگے دوزخ میں ذلیل ہو کر۔

قرآن کریم کی تعلیم کا یہ نتیجہ ہوا کہ لوگ ایک خدا کی عبادت کرنے لگے وہ بت پرستی کے چکر سے نکل کر خدا پرستی میں ایسے منہمک ہوئے کہ پھر ہر اس چیز سے یکسر بیزاری کا اظہار کرنے لگے جسمیں ذرہ برابر شرک کی بو آتی تھی۔ اُن کے لئے خدا پرستی سے ہٹنا اور بت پرستی کی جانب عود کرنا ایسا ہی مشکل ہو گیا تھا۔ جس طرح تھنوں سے نکلے ہوئے دودھ کا پھر واپس ہونا دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہی معبودان باطل جو صدیوں سے خدائے پاک کی مقدس تجلی گاہ میں اپنا ڈیرہ جمائے ہوئے تھے خود ان لوگوں کے ہاتھوں باہر نکالے اور پھینکے گئے جن کے آباؤ اجداد نے صدیوں ان کی پوجا کی تھی۔

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ تاریخی جملہ بھی یاد کر لیجئے جبکہ حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے اُنھوں نے فرمایا تھا کہ "چونکہ حضور اقدس صل[ی] اللہ علیہ وسلم کو میں نے یوں ہی بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے اسلئے اُن ک[ی] اتباع میں تجھے بوسہ دے رہا ہوں۔ ورنہ میں خوب جانتا ہوں کہ تو ا[یک] بیجان پتھر کے سوا کچھ بھی نہیں۔"

پتھر تو خیر ایک بیجان چیز ہے خود نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم [کے] بارے میں اُن کا خیال بالکل پاک وصاف تھا۔ اس موقع پر حضرت [سیدنا] ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وہ تاریخی خطبہ یاد کیجئے جو آنحضرت کی و[فات] پر آپ نے دیا تھا کہ "جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی عبادت اور بندگی کرتا [تھا] اُسے سمجھ لینا چاہیئے کہ اُسکے خدا کی وفات ہو گئی۔ لیکن جو خدائے پاک کی عبادت کرتا تھا اُسکو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ زندہ ہے کبھی مرنے وا[لا] نہیں۔" چند ہی روز میں ایسے انقلاب کا نمودار ہو جانا۔ دراصل تعلیم قرآنی کی ایک معجزانہ شان تھی۔

اخلاق حسنہ انسان کی وہ صفت ہے۔ جس کے بغیر وہ صحیح م[عنوں] میں انسان کہلانے کا مستحق بھی نہیں ہوتا۔ کسی مذہب کی صداقت [کا] اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ اس میں اخلاق کی تعلیم کہاں تک [ہے] دراصل نزول قرآن کے وقت جتنے مذاہب تھے اُن کے خط وخال اتنے بوسیدہ ہو گئے تھے کہ ان کی صحیح تعلیمات کا اندازہ لگانا بالکل ناممکن [تھا] آج بھی جو کتابیں منزل من اللہ کہی جاتی ہیں اگر ہم ان میں اخلاق کی تلاش وجستجو کریں تو ہمیں مایوس ہی ہونا پڑے گا۔ اسکے برخلاف قرآن حکیم نے اخلاق حسنہ کی جگہ جگہ نہ صرف تعلیم ہی دی بلکہ تاکید بھی کی ہے۔ اخلاقی زندگی کا وہ کونسا گوشہ ہے جسے قرآن نے تشنہ چھوڑا ہو۔ اور اسکی طرف رہنمائی نہ کی ہو۔ ان تعلیمات کو دیکھ کر بجا طور [پر] کہا جا سکتا ہے کہ قرآن حکیم نے اخلاق کی وہ جامع تعلیم دی ہے جو اُسکی معجزانہ شان کی کھلی ہوئی دلیل ہے اور اسکے کلام الٰہی ہونے کا بین ثبوت ہے۔ ہم اس جگہ چند آیات بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔ ورنہ سا[را] قرآن اخلاق کی تعلیم سے بھرپور ہے۔

تمہارا ہر عمل ہر قول، ہر فعل حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور قول و فعل کے مطابق ہونا چاہیئے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (الاحزاب) — تمہارے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے۔

انصاف کرنا ایک اچھی خصلت ہے اللہ پاک کو انصاف کرنے والے لوگ بہت پسند ہیں۔

واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین — اور انصاف کرو بیشک انصاف کرنے والوں کو اللہ تعالی پسند فرماتے ہیں۔

کسی موقع اور کسی حال میں یہ نیک خصلت تم سے جدا نہونی چاہیے معاملہ دوست سے ہو۔ یا دشمن سے۔

لا یجرمنکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی (المائدہ) — اور کسی خاص لوگوں کی عداوت تم کو اس پر باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل نہ کرو عدل کیا کرو کہ وہ تقوی سے زیادہ قریب ہے۔

مضحکہ اور تمسخر افراد کا ہو یا اقوام کا بہرحال بُری چیز ہے اس کے نتائج اچھے نہیں ہوتے۔

یا ایہا الذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیرا منہم ولا نساء من نساء الی بالالقاب (الحجرات) — اے ایمان والو نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیئے کیا عجب ہے کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ ان (ہنسنے والوں) سے خدا کے نزدیک بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیئے کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے لقب سے پکارو

چوری۔ دغابازی، غصب، رشوت، خیانت کے ذریعہ مال حاصل کرنا خصلت بد ہے۔ اس سے بالکلیہ پرہیز کرنا چاہیئے۔

لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بہا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون (البقرہ) — اور ناحق ایک دوسرے کا مال آپس میں مت کھاؤ اور نہ پہونچاؤ اُن کو حاکموں کے پاس کہ کھا جاؤ کوئی حصہ لوگوں کے مال میں سے ظلم کرکے اور تم کو معلوم ہے۔

یہ آیت اخلاق اور حسن معاشرت کے لئے اصل اصول ہے اکثر باہمی جھگڑوں کا یہی چیزیں سبب بنتی ہیں جن سے منع کیا گیا ہے۔

زناکاری، شراب خوری، جوا، اور جوے کی ہر قسم سوسائٹی میں طرح طرح کی بدعنوانیوں کو فروغ دیتی ہے۔

لا تقربوا الزنی (بنی اسرائیل) — زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔

انما الخمر والمیسر والانصاب رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون (المائدہ) — بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے، تیر یہ سب گندگی کی باتیں، شیطانی کام ہیں بس بچو ان سے تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اترانے اور شیخیاں مارنے سے آدمی کی کچھ عزت نہیں بڑھتی۔ بلکہ ذلیل و حقیر ہوتا ہے۔ سامنے نہیں تو پیچھے لوگ اس کو بُرا کہتے ہیں، قرآن نے اس سے منع کیا۔

لا تمش فی الارض مرحا ان اللہ لا یحب کل مختال فخور (بنی اسرائیل) — اور زمین پر اتراتا مت چل۔ بیشک اللہ کو کوئی اترانے والا اور بڑائی جتانے والا بالکل نہیں بھاتا۔

دنیا میں جو سختیاں پیش آئیں اُن کو تحمل اور اولوالعزمی سے برداشت کرنا چاہیئے۔ شدائد سے گھبرا کر ہمت ہار دینا حوصلہ مند

بہادروں کا کام نہیں۔

واصبر علیٰ ما اصابک — جو تجھ پر آن پڑے برداشت کر
ان ذالک من عزم الامور — بےشک یہ ہیں، ہمت کے کام
(بنی اسرائیل)

قرآن حکیم نے بتلایا کہ خدا کا دیا ہوا مال بڑی نعمت ہے۔ جس سے عبادت میں دلجمعی نصیب ہوتی ہے۔ بہت سی اسلامی خدمات اور نیکیاں کمانے کا موقع ہاتھ آتا ہے۔ اسکو بیجا اُڑانا ناشکری ہے اور آدمی ناشکری کر کے شیطان سے مشابہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح شیطان نے خدا کی بخشی ہوئی قوتوں کو عصیان و نافرمانی میں خرچ کیا۔ اسنے بھی حق تعالےٰ کی دی ہوئی نعمت کو نافرمانی میں اُڑایا۔

ان المبذرین کانوا اخوان — فضول خرچی کرنے والے بیشک شیطان
الشیٰطین وکان الشیطٰن — کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے
لربہ کفورا (بنی اسرائیل) — رب کا ناشکرا ہے۔

اسکا یہ مطلب بھی نہیں کہ آدمی بخل پر کمربستہ ہو جائے۔ بخیلی اسلام میں بری خصلت شمار کی گئی ہے۔ اسکے نتائج دنیا و آخرت دونوں میں خراب ہو سکتے ہیں۔ قرآن کریم نے میانہ روی کی تعلیم دی ہے

ولا تجعل یدک مغلولۃ — اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی
الیٰ عنقک (بنی اسرائیل) — گردن کے ساتھ

ناپ تول میں کمی کرنے سے سارا نظام درہم و برہم ہو جاتا ہے قرآن کریم نے قوم شعیب کی ہلاکت کی وجہ یہی بتائی۔ وہ اسی عملی گناہ میں مبتلا تھے۔ لہٰذا اس اُمت کو اس سے بچنے کی تاکید کی۔

واوفوا الکیل اذا کلتم وزنوا — جب ناپ کر دینے لگو، تو پوری ناپ
بالقسطاس المستقیم ذالک — دو۔ (کمی نہ کرو) اور سیدھی ترازو
خیر واحسن تاویلا — سے تولو۔ یہ بہتر ہے اور اچھا ہے
(بنی اسرائیل) — انجام کے اعتبار سے۔

یعنی گو دغا بازی سے اول اول خوب نفع معلوم ہوتا ہے لیکن بعد میں لوگ جب خبردار ہو جاتے ہیں، تو معاملہ سے پرہیز کرتے ہیں اور تجارت میں نکاسی کی صورتیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ اس کے برخلاف سچائی سے معاملہ کرنے والا بظاہر پہلے کم نفع کماتا ہے۔ مگر بعد میں لوگوں کے دلوں میں اسکی سچائی کا سکہ جم جاتا ہے۔ پھر اسکی تجارت دن دونی رات چوگنی ترقی کرتی ہے۔

بے تحقیق بات زبان سے نکالنا یا اسکی اندھا دھند پیروی کرنا آدمی کو ذلیل اور طرح طرح کے خطرات میں ڈال دیتا ہے۔ اس سے احتراز کرنا چاہیئے۔

ولا تقف ما لیس لک بہ — اور جس بات کی تجھے خبر نہیں اسکے
علم ان السمع والبصر — پیچھے مت پڑ۔ بیشک کان اور
والفؤاد کل اولٰئک کان — آنکھ اور دل سب کی اس سے
عنہ مسئولا (بنی اسرائیل) — پوچھ ہوگی۔

یعنی آدمی کو چاہیئے کہ کان اور آنکھ اور دل و دماغ سے کام لیکر بقدر کفایت تحقیق کر کے کوئی بات منھ سے نکالے۔ یا عمل میں لائے سنی سنائی باتوں پر بے سوچے سمجھے یوں ہی اٹکل پچو کوئی قطعی حکم نہ لگائے یا عمل درآمد شروع نہ کر دے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اسمیں جھوٹی شہادت دینا، غلط تہمتیں لگانا۔ بے تحقیق خبریں سن کر کسی کے درپے آزار ہونا یا بغض و عداوت قائم کر لینا، باپ دادا کی تقلید یا رسم و رواج کی پابندی میں خلاف شرع اور ناحق باتوں کی حمایت کرنا۔ ان دیکھی یا ان سنی باتوں کو دیکھی یا سنی بتانا یہ سب چیزیں داخل ہیں۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ قیامت کے دن تمام قوٰی کے بارے میں سوال ہوگا کہ ان کو کہاں کہاں استعمال کیا تھا۔ بے موقع تو خرچ نہیں کیا تھا؟

قرآن حکیم نے بتایا کہ اگر کسی نے تم پر ظلم و زیادتی کی ہے۔

(باقی برصفحہ)

حسن علی جامعی بی اے

قرآن کی مُعجزانہ تاثیر

انسان کا ناقص علم قرآن پاک کے تمام دلفریب و دلکش پہلوؤں اور تمام خط وخال کو کامل طور پر نمایاں نہیں کرسکتا۔ اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ مجھ سا بے بضاعت ذرۂ بمقدار اس خورشید جہاں افروز کے نورگیتی کا بیان کرسکے۔ میری مثال قرآن پاک کی خوبیوں اور محاسن اور اسکے فضائل کے بیان کرنے میں ایک گلچیں کی سی ہے جہاں کہیں رنگین وشاداب پھول نظر آیا۔ اُسے اپنے گلدستہ مضامین کیلئے چن لیا۔ میری مثال ایک حقیر شہد کی مکھی کی سی ہے کہ مختلف پھلوں سے شہد کے چند قطرے اخذ کرکے ایک جگہ جمع کردیے۔

قرآن پاک کی ان معجزانہ خوبیوں میں سے ایک اسکی بے پناہ تاثیر ہے۔ قرآن پاک کی اس معجزانہ تاثیر وتسخیر کا دوست ودشمن موافق ومخالف، شاہ وگدا۔ عالم وجاہل، حکیم وفلسفی۔ شاعر ومتکلم محدث ومفسر، شاعر وادیب، غرضیکہ ہر صنف اور ہر نوع کا آدمی، معترف ہے۔ عشق ومحبت کے ایسے پیکر ہوئے ہیں جنہوں نے قرآن پاک کی صرف ایک آیت سے متاثر ہوکر اپنا سرمایہ حیات قربان کردیا! قرآن پاک کی اس خارق عادت تاثیر اور اس جاذبانہ قوت واثر سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکا۔ بہت سے قریش مکہ صرف قرآن پاک کو سنکر ہی حلقہ بگوش اسلام ہوگئے تھے۔ اسکی فصاحت کا اثر نہ صرف اُسے ہوتا ہے جو عربی پڑھا ہو بلکہ جس وقت قرآن خوش آوازی سے پڑھا جاتا ہے آدمی تو آدمی جانور کو بھی سکتہ ہوجاتا ہے۔

وہ شعرائے عرب جنہوں نے اپنی پرزور اور وجد انگیز نظموں کی وجہ سے عرب کو اپنا گرویدہ بنا رکھا تھا اور جن کا دعوےٰ تھا کہ ان سے بہتر روئے زمین پر کوئی ایسے اشعار موزوں نہیں کرسکتا۔ انہوں نے قرآن مجید کی چھوٹی سی صورت سے متاثر ہوکر ہزاروں کو اسلام کے سچے اور پرجوش شیدائیوں میں سے بنادیا۔

کفار مکہ نے جب دیکھا کہ قرآن پاک کا حسن کلام اُس کے ظاہری ومعنوی اوصاف، اسکی عربیت، اس کے الفاظ کی شیرینی وحلاوت اس کا پسندیدہ وعجیب اسلوب اور بدیع طرز بیان ہر شخص کو اپنا گرویدہ بنائے چلا جاتا ہے۔ تو انہوں نے اپنے آدمیوں کو آنحضرت اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس جانے سے روکا کہ مبادا ان کے کان میں قرآن شریف کی آیت پڑجائے اور وہ اس پر فریفتہ ہوکر اپنے دین کو چھوڑدیں۔ یا پھر لوگوں کو باز رکھنے کی یہ تدبیر کرتے کہ شور وغل اور ہنگامہ برپا کرکے لوگوں کو سننے نہ دیتے۔

اب ذیل میں چند تاریخی شواہد بیان کئے جاتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے عہد مبارک سے لیکر اس زمانہ تک قرآن پاک کی تاثیر نے دنیا میں کیسے کیسے حیرت انگیز انقلابات برپا کئے

آنحضرت صلعم پر تلاوت قرآن کا اثر!

اللہ کے کلام سے سب سے زیادہ متاثر ہونے والا وجود آنحضرت کی ذات گرامی تھی۔ آنحضرت صلعم جب قرآن کی تلاوت فرمایا کرتے تھے

تو آپ کا چہرہ خوف الٰہی سے متغیر ہوجاتا تھا۔ اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے۔ اور گریہ طاری ہوجاتا۔ کبھی ایک آیت کو بار بار پڑھتے۔ اور روتے۔ حتیٰ کہ رات کو مخلوق خدا راحت کے بستروں پر آرام کرتی اور آپ خدا کے سامنے کھڑے ہوکر کلام الٰہی نہایت وجدانی حالت سے تلاوت فرماتے رہتے۔ حتیٰ کہ آپ کے پاؤں سوج جاتے تھے۔

ایک روز آنحضرت صلعم قرآن کی تلاوت کرتے کرتے اس آیت پر پہنچے،

ان تعذبھم فانھم عبادک　　اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ
وان تغفرلھم فانک انت　　تیرے ہی بندے ہیں اور اگر
العزیز الحکیم (المائدہ ۱۱۸)　　تو ان کی حفاظت کرے تو بیشک
تو غالب حکمت والا ہے۔

آپ کی حالت متغیر ہوگئی۔ اور بار بار اسی آیت کو تلاوت فرماتے رہے۔

طفیل بن عمرو دوسی کا ایمان لانا۔

طفیل بن عمرو دوسی قبیلہ دوس کا ایک مشہور شاعر تھا جب مکہ آیا تو کفار مکہ نے ان سے کہا کہ تم اس شخص (آنحضرت صلعم) کا کلام (قرآن) ہرگز ہرگز نہ سننا کیونکہ اسکا کلام جادو کا اثر رکھتا ہے کہیں تم پر بھی یہ جادو نہ چل جائے۔ طفیل بن عمر دوسی کہتے ہیں کہ مجھ کو کفار قریش نے اس درجہ مجبور کیا کہ میں اس امر کے لئے تیار ہوگیا کہ نہ میں آنحضرت صلعم سے قرآن مجید سنوں گا اور نہ آپ سے بات کروں گا چنانچہ جب میں حج کے وقت کعبہ سے گزرنے لگا تو اپنے کانوں میں کپڑا ٹھونس لیا کہ مبادا کہیں میرے کان میں آپ کے کلام کی بھنک پڑ جائے۔ آنحضرت اس وقت نماز صبح ادا فرما رہے تھے۔ میں تھوڑی دیر کیلئے ٹھہر گیا اور سوچا کہ آخر میں بھی ایک زبردست شاعر ہوں اور سحر کو جان سکتا ہوں، مجھ کو اس کلام کے سننے سے کیا چیز مانع ہے۔ اگر یہ کلام اچھا ہوگا تو اسکو قبول کروں گا اور اگر معاذ اللہ خراب ہوگا تو اسے چھوڑ دوں گا۔ جب میں نے کانوں سے کپڑا نکالا اور اُن آیات کو سنا جو آپ نماز میں تلاوت فرما رہے تھے تو مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ میں دربار نبوت میں حاضر ہوا اور عرض کیا واللہ ما سمعت قولا احسن منہ (خدا کی قسم میں نے اس سے بہتر نہ کوئی کلام سنا اور نہ اس سے اچھا پایا۔

چنانچہ میں فوراً مشرف باسلام ہوگیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا جوش ایمانی

حضرت ابوبکر صدیقؓ کفار مکہ کی ایذا رسانیوں سے عاجز ہو کر ہجرت حبشہ کے ارادہ سے مکہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ ابن دغنہ حضرت ابوبکر صدیق کو راستہ سے لوٹا لایا۔ اور کہا کہ آج سے کوئی شخص آپ سے تعرض نہ کرے گا۔

جب کفار کو یہ معلوم ہوا کہ ابن دغنہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ذمہ دار ہوگیا ہے۔ تو وہ اس کے پاس گئے اور کہا کہ خیر ہم تیرے ذمہ دار بن جانے کے سبب صدیقؓ سے تعرض نہ کریں گے مگر ابوبکر صدیق سے تمہیں اتنا ضرور کہہ دینا ہوگا کہ اپنے گھر میں عبادت کریں اور نماز دل میں چپکے چپکے جو چاہیں پڑھیں بلند آواز سے پڑھ کر ہمیں مصیبت میں نہ ڈالیں کیوں کہ وہ آواز سے قرآن پڑھتے ہیں تو ہماری عورتوں اور بچوں پر اثر ہوتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق اس عہد کو زیادہ دنوں تک نہ نباہ سکے چند ہی دنوں میں جوش اسلامی نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس شرط سے آزاد کردیا اور پھر اپنے سابقہ طریقہ سے نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ قرآن پاک باواز بلند تلاوت کرنے لگے۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ کفار کی عورتیں اور بچے اُن پر پروانہ وار نثار ہونے لگے۔

قرآن کی تلاوت کے وقت کفار کا شور وغل

کفار مکہ نے جب دیکھا کہ مسلمان باوجود منع کرنے کے اور ہر قسم کے مصائب میں مبتلا ہونے کے قرآن پاک کی آواز بلند تلاوت کرنے سے باز نہیں آتے اور اُن کے بھائی بند قرآنی آیات کو سن کر بلا اختیار اسلام

کی طرف کھنچے جاتے ہیں اور روکے سے نہیں رکتے تو انھوں نے قرآن پاک کے اثر سے خود کو اور اپنے بھائی بندوں کو محفوظ و مصئون رکھنے کے لئے یہ تہیہ کیا کہ جہاں قرآن پاک کی تلاوت ہو وہاں شور و غل مچایا جائے۔

وقال الذین کفروا لاتسمعو لھٰذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون ؎
اور کفار یہ کہتے ہیں کہ وحی کو نہ سنا کرو اور اس کے پڑھتے وقت شور و غل کیا کرو کہ شاید تم جیت جاؤ۔

مگر باوجود ان کوششوں کے قرآن پاک کی بے پناہ تاثیر ان پر ایسی غالب آئی کہ سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اور کوئی شور و غوغا کرنے والا اس خطہ میں باقی نہ چھوڑا۔

حضرت جبیر بن مطعم کا مشرف بہ اسلام ہونا

حضرت جبیر بن مطعمؓ جب جنگ بدر میں گرفتار ہو کر آئے تو آنحضرتؐ کو یہ آیتیں پڑھتے ہوئے پایا۔

ام خلقوا من غیر شیئ ام ھم الخالقون، ام خلقوا السمٰوٰت والارض بل لا یوقنون ام عندھم خزائن ربک ام ھم المصیطرون ؎
کیا وہ خود بخود پیدا ہو گئے یا وہ خود پیدا کرنے والے ہیں یا انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کو بنایا ہے نہیں وہ یقین کرتے کیا اُن کے پاس خزانے تیرے رب کے ہیں یا وہی داروغہ ہیں۔

حضرت جبیرؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں سنتے ہی نہ معلوم میرا دل کہاں پرواز کر گیا اور میں مشرف باسلام ہو گیا۔ (بخاری)

نضر بن حارث کا نعرۂ حق

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نضر بن حارث کلاہ نے کہا کہ اے قریش تم پر ایسا وقت کبھی نہ آیا تھا۔ محمد صلعم کم عمر تھے تو سب سے بہتر تھے اور سب سے زیادہ راست گو اور بڑے امانت دار۔ اب آپ کے بنا گوش میں بال سفید نکلے اور لائے وہ جو لائے تم انہیں کہتے ہو کہ ساحر ہے، واللہ وہ ساحر نہیں۔ ہم نے ساحروں کا منتر اور اُن کے گنڈوں کو دیکھا ہے تم کہتے ہو کہ وہ شاعر ہے واللہ وہ شاعر نہیں ہے ہم شعر بولتے ہیں اور بہت سے شاعروں کا کلام سنتے ہیں اور شعر کا ہرج اور رجز جانتے ہیں۔ تم کہتے ہو اُس پر شیطان اُترتا ہے واللہ اُس پر شیطان نہیں اُترتا۔ ہم نے اُن لوگوں کو بھی دیکھا ہے جن پر شیطان آیا ہے۔ اور اُس نے گلا دبا دیا ہے، وسوسہ اور پریشانی بھی اُسمیں نہیں ہے۔ واللہ وہ بہت بڑا امر لایا ہے تم اسمیں تامل کرو اور خوب دریافت کرو (ابو نعیم و بیہقی)

حضرت عثمان بن مظعون کا حلقہ بگوش اسلام ہونا۔

حضرت عثمان بن مظعون سے مروی ہے کہ جب میں نے یہ آیتیں سنیں:

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون ؎
خدا عدل۔ احسان۔ اور حسن سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور بدکاری برائی اور ظلم سے روکتا ہے وہ اسلئے نصیحت کرتا ہے، کہ شاید تم نصیحت پکڑو۔

تو فوراً اسلام میرے دل میں گھس گیا اور میں حلقۂ بگوش اسلام ہو گیا (مسند ابن حنبل)

قرآن کا اثر ولید بن مغیرہ پر۔

ولید بن مغیرہ ایک بہترین محقق شاعر تھا اور کسی کو قصائد و رجز اور اشعار میں اپنا مثیل نہیں سمجھتا تھا۔ متعصب بھی بلا کا تھا۔ اسے اسلام سے دلی دشمنی تھی۔ ابوجہل کے ساتھ شامل ہو کر اس نے جس جس طرح مسلمانوں کو تکلیف پہونچائی ہے اُس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایک دفعہ کفار قریش نے اسے دولت و ثروت کی طمع دلا کر

قرآن جیسا کلام پیش کرنے پر مجبور کیا تو اُس نے عاجز و لاچار ہو کر قرآن مجید کے آگے اپنی گردن کو خم کر کے یوں حقانیت کی آواز کو بلند کیا۔

"اے قریش! تم نے اسکو (آنحضرتؐ کو) ساحر کہا۔ واللہ وہ ہرگز ساحر نہیں۔ میں نے سحر اور جھاڑ پھونک دیکھا ہے تم نے اسکو شاعر کہا۔ خدا کی قسم وہ شاعر نہیں۔ میں شعر کے ہر صنف کا ماہر ہوں۔ تم اسکو (معاذ اللہ) مجنون کہتے ہو، خدا کی قسم وہ مجنون نہیں۔ میں نے جنون اور اس کی کیفیت کو دیکھا ہے۔ اے قریش! اپنی حالت پر غور کرو۔ واللہ یہ کوئی امر عظیم ہے جو تمھارے لئے نازل کیا گیا ہے۔"

حضرت ابوذر غفاریؓ اور اُن کے بھائی انیسؓ کا قبول اسلام!

حضرت انیسؓ قبیلہ غفار کے شاعر تھے۔ آنحضرتؐ کی نبوت کا چرچا سن کر پوشیدہ پوشیدہ مکہ آئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن پاک کی چند آیات سن کر اپنے وطن لوٹ گئے۔ اور اپنے بھائی ابوذر غفاریؓ سے ان الفاظ میں اپنے تاثرات کو بیان کیا

یقولون شاعر، کاھن، ساحر	لوگ آپ کو شاعر، کاہن، ساحر کہتے ہیں۔ لیکن میں نے
لقد سمعت قول الکھنۃ فما ھو	کاہنوں کا کلام سنا ہے، یہ
بقولھم ولقد وضعت قولہ علی	کاہنوں کا کلام نہیں۔ میں نے
اقراء الشعراء فما یلتئم علی	آپ کے کلام کو انواع شعر پر
لسان احد بعدی انہ شعر	پرکھا تو اب یہ کوئی کہنے نہ پائے
وانہ لصادق وانھم لکاذبون	کہ وہ شعر ہے۔ خدا کی قسم آپ سچے اور وہ جھوٹے ہیں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ خود مکہ تشریف لائے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد ذوق ایمانی نے اتنا جوش مارا کہ عین حرم کے اندر آپ نے نہایت بلند آہنگی سے اعلان کیا:

"اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمد عبدہ ورسولہ"

اس اعلان کی بدولت آپ کی جان بچنی مشکل ہو گئی۔

سوید بن صامت کا ایمان لانا:

سوید بن صامت جو قبیلہ اوس کا ایک ممتاز شخص تھا اور فصاحت و بلاغت میں بڑی شہرت کا مالک تھا۔ قوم نے اُسے کامل کے لقب سے ملقب کیا تھا۔ ایک دفعہ مکہ میں آیا۔ اور اتفاق سے آنحضرت صلعم سے اسکی ملاقات ہو گئی۔ آنحضرت صلعم نے اُسے اسلام لانے کی دعوت دی۔ اس نے اسپر کہا شاید آپ کے پاس وہی ہے جو میرے پاس ہے آپنے فرمایا تیرے پاس کیا ہے اُس نے کہا حکمت لقمان۔ آپ نے فرمایا سناؤ۔ اُس نے کچھ اشعار پڑھے۔ آپ نے فرمایا یہ اچھا کلام ہے لیکن میرے پاس قرآن مجید ہے۔ جو اُس سے بہتر و افضل ہے۔ اور ہدایت و نور ہے۔ پھر آپنے قرآن مجید اس کو سنایا، اُس نے قرآن مجید سن کر اقرار کیا کہ واقعی یہ ہدایت و نور ہے اور ایمان لے آیا۔ اس ایمان کی دولت کو ہمراہ لے کر جب وہ یثرب پہونچا تو قوم خزرج نے آپ کو اسی جرم کی بنا پر قتل کر ڈالا۔

ولید بن مغیرہ کا اعتراف:

ولید بن المغیرہ المخزومی اپنے کنبہ کا سردار تھا۔ اور اپنی قوم میں فصیح ترین شخص تھا۔ وہ کفر کی حالت میں آنحضرتؐ کے صحابہ کے پاس آیا اور کہا کہ مجھ کو قرآن شریف میں سے کچھ سنائیے چنانچہ قرآن عزیز سنا اور بے اختیار پکار اُٹھا "نہ یہ کلام بشر ہے اور نہ یہ شعر کے قبیل سے ہے۔

ولید بن مغیرہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا۔ اور قرآن کے متعلق سوال کیا۔ پس جب قرآن اُسے سنایا گیا تو قریش کے پاس گیا اور کہا "عجیب ہے وہ کلام جو ابن ابی کبشہ کہتے ہیں قسم ہے خدا کی۔ نہ وہ شعر ہے نہ جادو اور نہ مجنونانہ بات ہے بلکہ وہ کلام الٰہی ہے۔"

نوٹ: ابن ابی کبشہ آنحضرت صلعم کو کہا کرتے تھے۔ ایک تو اس لحاظ سے کہ آنحضرت صلعم کی دایہ حلیمہؓ کے شوہر کو بھی 'ابو کبشہ' کہتے تھے دوسری وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلعم سے بہت پہلے ایک شخص ابو کبشہ نامی لوگوں کو بت پرستی سے روکا کرتا تھا۔ اس نسبت سے آپ کو ابن ابی کبشہ کہہ دیا۔

ولید بن مغیرہ کی زبان سے قرآن کی تعریف۔

ولید بن مغیرہ آنحضرت صلعم سے یہ آیت:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ	تحقیق اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے عدل کا اور احسان کا اور قرابتوں کو دینے کا اور منع کرتا ہے بےحیائی سے اور نافرمانی سے اور حکم عدولی سے اور نصیحت کرتا ہے تم کو تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

پڑھتے ہوئے سنا تو کہا:

"خدا کی قسم یہ کلام شیریں ہے۔ اور اس میں حسن وخوبی ہے۔ یہ سرتاسر سرسبز وشاداب درخت ہے جو نیچے سے ہرا اور اوپر سے بھرا ہے۔ انسان کی یہ طاقت نہیں کہ ایسا کلام کہہ سکے۔"

عتبہ بن ربیعہ کا عجیب وغریب واقعہ۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک دفعہ مکہ کے دارالندوہ میں ابوجہل اور رؤسائے قریش جمع ہو کر یہ مشورہ کرنے لگے کہ آنحضرت صلعم کی تحریک روز بروز بڑھتی چلی جارہی ہے۔ کسی ایسے شخص کو تلاش کرنا چاہیئے جو سحر وکہانت اور شعر میں بھی ملکہ رکھتا ہو کہ آنحضرت کے کلام کو پرکھا جائے کہ وہ کیا ہے؟ عتبہ بن ربیعہ بولے کہ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ اگر تم اجازت دو تو جاؤں۔ چنانچہ عتبہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور کچھ شرائط صلح پیش کیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں سورۂ فصّلت کی تلاوت شروع کردی۔ آپ دو چار آیات ہی پڑھنے پائے تھے کہ عتبہ بن ربیعہ نے آپ کے دہن مبارک پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا قرابت کا واسطہ بس کرو۔ جب عتبہ دربار رسالت سے لوٹا تو سیدھا گھر گیا اور کئی روز تک باہر نہ نکلا۔ آخرکار ابوجہل اسکے پاس پہونچا اور کہا۔ "کیوں عتبہ تم بھی آنحضرت صلعم کے پاس جاکر پھسل گئے۔ عتبہ نے کہا کہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں سب سے زیادہ دولت مند ہوں مجھ کو دولت کا لالچ نہیں ہوسکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے جو کلام سنایا اس میں عذاب الہٰی کی دھمکی تھی۔ میں نے اُن کو قرابت کا واسطہ دے کر چپ کرایا مجھے ڈر ہے کہ کہیں عذاب تم پر نہ آجائے۔"

حضرت ضماد ازدی کا ایمان لانا۔

ضماد ازدی بن ثعلبہ یمن کے رہنے والے تھے اور جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے۔ یہ سن کر کہ محمدؐ (نعوذ باللہ) دیوانے ہوگئے ہیں آپ کے علاج کے لئے آئے۔ آپؐ نے ان کے روبرو مختصر الفاظ میں اللہ کی حمد بیان کی۔ اور کلمہ شہادت پڑھا۔ وہ سن کر متحیر رہ گئے۔ انہوں نے تین دفعہ آپ سے یہی کلام دوہرا کر سنا اور بالآخر پکار اٹھے:

"خدا کی قسم میں نے کاہنوں کی بولی اور جادوگروں کے منتر اور شاعروں کے قصائد سنے ہیں۔ لیکن تمہارا کلام کچھ اور ہی ہے۔ یہ تو سمندر کی تہہ تک میں اثر کرے گا محمدؐ! خدارا ہاتھ بڑھاؤ کہ میں اسلام کی بیعت کروں۔"

نجاشی شاہ حبش پر قرآن کی تاثیر:

دربار حبش میں نجاشی شاہ حبش کے روبرو حضرت جعفر طیارؓ نے سورۂ مریم سنائی۔ بادشاہ پر ایسی تاثیر ہوئی کہ وہ رونے لگا اور کہا:-

"محمدؐ تو وہی رسول ہیں، جن کی خبر یسوع مسیح نے دی تھی اللہ کا شکر ہے۔ مجھے ان کا زمانہ ملا۔"

قرآن پاک نے اس واقعہ کو خود ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰۤی اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ۔
(المائدہ ۵-۸۳)

اور جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر نازل ہوا تو اے مخاطب تو ان کی آنکھوں کو دیکھتا ہے کہ ان سے آنسو جاری ہیں اسلئے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے ۔ کہتے ہیں کہ ہمارے رب ہم ایمان لائے سو تو ہم کو گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے ۔

مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت اور اس سے پہلی آیت نجاشی بادشاہ حبش اور اُس کے درباریوں کے حق میں نازل ہوئیں ۔

نجاشی نے یہ بھی کہا :

” خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں ۔ “

اسکے بعد حضرت جعفر طیار رضؓ سے عیسیٰ کی نسبت جو عقیدہ قرآن اور اسلام کا سنا تو زمین سے ایک تنکا اُٹھا کر کہا ۔

” واللہ ! جو تم نے کہا عیسیٰ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ۔ “

لبید بن ربیعہ کے اسلام لانے کا واقعہ :

لبید بن ربیعہ یمنی نے جو بہت بڑا فصیح و بلیغ شاعر تھا ۔ اپنے قصیدہ کو بوجہ کمال فصاحت کے خانہ کعبہ پر آویزاں کیا ہوا تھا ۔ اس زمانہ میں خانہ کعبہ پر آویزاں کرنے سے یہ غرض ہوا کرتی تھی کہ یہ کلام فصاحت میں بے مثل ہے ۔ تاکہ صاحب کلام کی لوگ عزت کریں ۔ لبید پہلے سخن بت پرست تھا ۔ اور اپنی پرزور اور موزوں طبیعت سے سب کو نیچا دکھا چکا تھا جب قرآن نازل ہونا شروع ہو گیا تو اس کے دعویٰ باطل کو توڑنے کے لئے قرآن مجید کی ایک چھوٹی سی صورت کعبہ پر آویزاں کر دی گئی ۔ جونہی اُسے خبر لگی وہاں پہونچا اور دیکھ کر نہایت شرمسار ہوا ۔ اور معاً یقین ہو گیا کہ یہ کلام ، کلام خدا ہے ۔ چنانچہ دائرہ اسلام میں داخل ہو کر آنحضرت صلعم کے فدائیوں میں شامل ہو گیا ۔

سورہ کوثر کے متعلق تفاسیر میں مذکور ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو عرب کے فصحا و بلغا دیکھ کر حیران رہ گئے ۔ اور سب شعراء وادبا نے کعبہ کے پردے سے اپنے اپنے کلام اُتار لئے اور پھر کسی کو اُسکے اوپر لکھنے کا حوصلہ نہ ہوا ۔ ایک بڑے فصیح و بلیغ نے اسکا مقابلہ قوت بشریہ سے باہر سمجھتے ہوئے اُسکے اوپر یہ لکھ دیا ۔

ماھذا قول البشر　　یہ بشر کا کلام نہیں ہے ۔

حضرت عمر پر قرآن کا اثر قبل از اسلام

حضرت عمر رضؓ سے ایک روایت مسند ابن حنبل میں ہے ۔ فرماتے ہیں کہ ایک شب میں آنحضرت صلعم کو چھیڑنے کو نکلا ۔ آپ بڑھ کر مسجد حرام میں داخل ہو گئے ۔ اور نماز شروع کر دی ۔ اور نماز میں سورہ الحاقہ قرأت فرمائی ۔ میں کھڑا سنتا رہا ۔ اور قرآن کے نظم اور اسلوب نے مجھے محو حیرت کر دیا ۔ اپنے دل میں یوں کہا ۔

فجعلت اعجب من تالیف القرآن فقلت ھذا واللہ شاعر کما قالت قریش

قرآن کے اسلوب و نظم سے میں حیرت میں تھا ۔ دل میں کہا خدا کی قسم یہ شاعر ہے جیسا کہ اور اصحاب قریش کہا کرتے تھے ۔

ابھی میں اسی خیال میں تھا کہ آپ نے یہ کلام پڑھا ۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ ۙ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِیْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۙ (الحاقہ)

یہ ایک بزرگ قاصد کا کلام ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ، تم بہت کم ایمان رکھتے ہو ۔

حضرت عمر رضؓ کہتے ہیں کہ اس پر میں نے کہا کہ یہ تو کاہن ہے ۔ میرے دل کی بات جانتا ہے اس پر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ

یہ کاہن کا کلام بھی نہیں ۔ تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو یہ تو جہانوں کے

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الحاقہ) پروردگار کی طرف سے اُترا ہے

آپ نے یہ سورت آخر تک مکمل فرمائی جس کو سن کر

فَوَقَعَ الْاِسْلَامُ فِیْ قَلْبِیْ کُلَّ مَوْقِعٍ میرے دل میں اسلام نے پوری طرح گھر کر لیا۔

حضرت عمر فرماتے ہیں کہ باوجود اس بات کے جوش عداوت نے مجھے اسلام کا اعلان نہ کرنے دیا۔

حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کا واقعہ !

حضرت عمر فاروق رضؓ کے قبول اسلام کا واقعہ زبان زد خاص و عام ہے۔ ایک روز تلوار لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر کے نکلے۔ راستہ میں نعیم ابن عبد اللہ ملے اور ان کا ارادہ معلوم کر کے کہا۔ محمدؐ کو قتل کرنے کیا جارہے ہو، پہلے اپنے گھر کی خبر تو لو۔ تمھاری بہن فاطمہ اور بہنوئی سعید دونوں محمدؐ پر ایمان لا کر مسلمان ہو چکے ہیں، یہ سن کر ان کو سخت طیش آیا۔ اور سیدھے بہن کے گھر پہونچے۔ اتفاقاً وہ اور اُن کے شوہر اور اصحاب رسول میں سے ایک شخص حضرت خبابؓ جو اُن کو قرآن پڑھا رہے تھے۔ اوراق ہاتھ میں لئے ہوئے سورہ طٰہٰ پڑھ رہے تھے کہ یکایک یہ آن پہونچے۔ وہ ان کی آہٹ پاکر چھپ گئے اور ورق کو چھپا لیا۔ جب دریافت کرنے پر کچھ نہ بتایا۔ تو حضرت عمر نے اپنے بہن اور بہنوئی کو لہولہان کر دیا۔

بہن بولی: "عمر! تمھارے جی میں جو آئے سو کرو۔ اسلام کا نشہ ایسا نہیں جو چڑھ کر اتر جائے۔ اب ہم اسلام کبھی نہیں چھوڑ سکتے بہن کا یہ استقلال دیکھ کر حضرت عمر کو بڑی حیرت ہوئی۔ اور نرم آواز سے پوچھنے لگے کہ "اچھا بتلاؤ تم کیا پڑھ رہے تھے۔ میں بھی سنوں"۔ بیچاری ڈرتے ڈرتے وہ ورق اٹھا لائیں اور بہت کچھ عہد و اقرار لے کر وہ ورق ان کے ہاتھ میں دیا۔ حضرت عمر نے ورق ہاتھ میں لیا۔ سورہ طٰہٰ پر نظر پڑی۔ زبان اس پاک سورہ کے تکلم سے شروع ہو گئی۔ جب پڑھتے پڑھتے اس آیت پر پہنچے:

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ہم ہی اللہ ہیں، ہمارے سوا کوئی معبود نہیں۔ بس ہماری ہی عبادت کیا کرو۔ اور ہماری یاد کے لئے عبادت کیا کرو۔

بے اختیار دل اُٹھے کہ کیا اچھا کلام ہے۔ اسی وقت حضرت خبابؓ کے ہمراہ بارگاہ نبوت میں پہونچے۔ اور کلمۂ طیبہ پڑھ کر دولت اسلام سے مالا مال ہو گئے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد حرم کعبہ میں پہونچ کر علانیہ کہہ دیا کہ میں تو محمد صلعم اور اُن کے خدا پر ایمان لے آیا ہوں۔ اور تمام دن مشرکوں سے مار پیٹ میں گزرا۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد صرف ۴۰ تھی۔ اور یہ سب مسلمان اس قدر مغلوب اور مقہور تھے کہ گھر کے اندر چھپ کر نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضؓ نے سب سے پہلے اصرار کیا کہ کعبہ میں چل کر کھلے بندوں نماز پڑھی جائے۔

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضؓ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلعم کی وفات پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آئتیں پڑھیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

(الآخر)

تو میرے پاؤں کانپنے لگے اور میں زمین پر گر پڑا (بخاری)

حضرت عمرؓ کے متعلق ایک واقعہ اس طرح منقول ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس کسی نے قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ

حضرت عمر نے سنتے ہی نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گئے۔ لوگ آپ کو اٹھا کر گھر میں لے گئے۔ اور یہ خدائے بزرگ و برتر کے خوف سے ایک ماہ تک بیمار رہے۔

حضرت فضیل بن عیاض پر قرآن کا اثر۔

حضرت فضیل بن عیاض سلف صالحین میں سے ایک نہایت مشہور بزرگ اور باکمال صوفی گزرے ہیں۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ یوں لکھا ہے کہ وہ ڈاکہ زنی میں مشہور تھے۔ اور ایک عورت سے اُن کو عشق بھی تھا۔ ڈاکہ کا مال اسی کو دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ڈاکہ کے لئے ایک قافلہ پر گئے۔ وہاں ایک شخص قرآن پڑھ رہا تھا چھپ کر سننے لگے جب اس آیت پر پہونچے۔

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا	کیا وقت نہیں پہونچا ایمان والوں
تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ	کو کہ گڑگڑا دیں اُن کے دل اللہ
وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا	کی یاد کے لئے اور اُس کے لئے
یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا	جو حق سے اُترا۔ اور اُن لوگوں
الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ	کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب
الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ	دی گئی۔ پھر اُن پر لمبا زمانہ گزر
وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ	گیا۔ تو اُن کے دل سخت ہو گئے
(حدید۔ ۵۷۔ ۶)	اور ان میں سے بہت سے
	نا فرمان ہیں۔

حضرت فضیل دیوانہ وار چیخ مار کر دوڑنے لگے اور اپنی حالت پر انتہا درجہ نادم ہوئے۔ اور تمام خرافات سے توبہ کر کے فوراً ایمان لے آئے۔ باقی زندگی انتہا درجہ کے زہد و اطاعت میں گزاری

قرآن پاک کی تلاوت سن کر ایک یہودی کا قبول اسلام

علامہ قوشجی ایک زبردست عالم تھے۔ مگر کریہہ الصورت تھے ایک دفعہ ایک یہودی عالم سے اُن کا ایک مہینہ تک مناظرہ ہوتا رہا یہودی عالم نے علامہ کی کسی پیش کردہ دلیل کو تسلیم نہ کیا۔ ایک روز یہی یہودی عالم علامہ قوشجی کے پاس ایسے وقت آیا جبکہ وہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔ یہودی عالم دروازے کے پاس کھڑا ہو کر قرآن سننے لگا۔ قرآن عزیز نے اس کے قلب پر ایسا اثر کیا کہ زیادہ دیر اس سے صبر نہ ہو سکا۔ اسی وقت علامہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام میں داخل ہو گیا۔ علامہ قوشجی نے دریافت فرمایا کہ آج آپ کو کونسا ایسا داعیہ پیش آیا جو آپ اسلام لانے پر مضطر ہو گئے۔ یہودی عالم نے کہا کہ قرآن عزیز نے میرے قلب پر ایسا اثر کیا کہ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

(تفسیر نور اللہ شوستری)

ابو مقنع نے کہا کہ جب میں نے قرآن کے معارضہ میں لکھنا شروع کیا تو اس دور میں میرا گزر ایک ایسے بچے کی طرف ہوا، جو یہ آیت پڑھ رہا تھا۔

وَقِیْلَ یٰٓاَرْضُ ابْلَعِیْ	اے زمین اپنا پانی پی لے اور
مَآءَكِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ	اے آسمان تھم جا۔ اور پانی
وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ	کا چڑھاؤ اُتر گیا۔ اور حادثہ
الْاَمْرُ (ہود۔ ۱۱۔ ۴۴)	انجام پا گیا۔

اس آیت کو سنتے ہی میں نے جو کچھ لکھا تھا مٹا دیا۔ اور کہا کہ گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ قرآن ایسا کلام نہیں ہے کہ اسکا معارضہ کیا جا سکے اور نہ ہی بشر کا کلام ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ کی محویت قرآن۔

یزید بن کمیت کہتے ہیں کہ ایک رات نماز عشاء میں علی بن حسین موذن نے سورۂ اذا زلزلت الارض پڑھی۔ امام ابو حنیفہ بھی مقتدیوں میں تھے۔ پس جب نماز پوری ہو چکی اور لوگ چلے گئے تو میں نے دیکھا کہ امام ابو حنیفہ ابھی بیٹھے ہوئے ہیں اور متفکرانہ سانس بھر رہے ہیں۔ میں نے خیال کیا کہ اس تفکر کی حالت میں آپ کا دل میری طرف مشغول ہو کر اکھڑ نہ جائے۔ اسلئے مناسب ہے کہ میں چلا جاؤں۔ پس میں بھی چلا گیا۔ اور چراغ جس میں تھوڑا سا تیل تھا اُسی طرح جلتا چھوڑ دیا۔ صبح ہونے پر میں پھر نماز کے لئے مسجد آیا۔ تو دیکھا کہ آپ ابھی کھڑے ہوئے ہیں اور اپنی ریش مبارک

کو پکڑے ہوئے سورہ زلزال کے مضمون کو پیش نظر رکھے ہوئے جناب باری میں ان الفاظ سے تضرع کر رہے ہیں

یامن یجزی مثقال ذرۃ	اے اللہ تو جو ہر شخص کو اسکی ذرہ بھر
خیر خیراً و یامن یجزی مثقال	نیکی کے بدلے جزا دیگا اور اے اللہ
ذرۃ شی شراً اجر النعمان	تو جو ہر شخص کو اسکی برائی کے بدلے
عبدک من النار و ما یقرب	سزا دے گا اپنے نعمان بندے کو
منہا من السوء و ادخلہ	دوزخ سے پناہ دے اور نعمان
فی سعۃ رحمتک	برائیوں سے جو دوزخ کے قریب کر دیتی ہیں اسکو اپنی رحمت کی فراخی میں لیلے

یزید بن کمیت کہتے ہیں کہ میں نے صبح کی اذان کہی اور ابھی چراغ ٹمٹا رہا تھا اور آپ کھڑے عجز و زاری کر رہے تھے بس جب میں اندر داخل ہوا تو آپ مجھ سے کہنے لگے کہ کیا چراغ لینا ہے (یعنی بجھانے کے لئے آپ کے خیال میں ابھی عشاء ہے)

میں نے کہا: "میں نے تو صبح کی اذان بھی کہہ دی:

آپ نے فرمایا: "تو نے جو کچھ دیکھا ہے اُسے چھپائے رکھیو" پھر آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور اسی اوّل شب کے وضو سے نماز فجر ادا کی۔

حضرت امام شافعی کا عشق قرآن:

حضرت امام شافعیؒ نے چھ سال کی عمر میں قرآن حکیم حفظ کیا تھا۔ اور ہمیشہ تلاوت کرتے رہتے تھے۔ خاصکر رمضان شریف میں جس طرح سخاوت کثرت سے کرتے تھے۔ اوسی طرح تلاوت بھی بہت کیا کرتے چنانچہ ایک دن رات میں دو قرآن اور سارے رمضان میں ساٹھ قرآن ختم کیا کرتے تھے جو سارات کے وقت بہت عبادت کیا کرتے تھے اور نماز تہجد میں بہت لمبی قرأت پڑھا کرتے۔

حسین بن علی کرابیسی کہتے ہیں کہ میں امام شافعیؒ کے پاس اسی دن تک رہا۔ اور آپ کے پاس ہی سوتا رہا۔ آپ رات کا تیسرا حصہ جتے رہتے اور نماز پڑھتے اور ہر رکعت میں پچاس آیتیں پڑھتے اور رحمت کی آیت پر پہونچتے تو اپنے لئے اور تمام مومن مرد و عورت کے لئے رحمت کا سوال کرتے۔ اور عذاب کی آیت پر عام مومن مرد و عورت کے لئے خدا سے پناہ مانگتے۔

عبداللہ بن حنظلہ کے پاس ایک شخص نے پڑھا۔

لہم من جہنم مہاد و من فوقہم غواش	کافروں کے لئے دوزخ سے بچھونا ہے اور اُن کے اوپر سے بالاپوش ہیں۔

حضرت عبداللہ یہ سن کر رونے لگے۔ حکایت کرنے والا بیان کرتا ہے کہ میں نے خیال کیا گویا جان تن سے جدا ہو گئی، پھر وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

حاضرین نے کہا "اے اُستاد بیٹھ جائیے"۔

جواب دیا اس آیت کی ہیبت نے مجھے بیٹھنے سے باز رکھے ہوئے ہے

حضرت جنیدؒ کے سامنے کسی نے پڑھا

ان قلنا قلنا بک و ان	اے خدا اگر ہم کہتے ہیں، تیری مدد سے
فعلنا بتوفیقک فاین	کہتے ہیں۔ اور اگر ہم کرتے ہیں تو
القول والفعل	تیری امداد سے کرتے ہیں، بس قول اور فعل کہاں ہے۔

حضرت شبلیؒ سے ذکر ہے کہ کسی نے آپ کے سامنے پڑھا۔

واذکر ربک اذا نسیت　اور یاد کر اپنے پروردگار کو جب تو بھول جائے۔

اس پر آپ نے فرمایا کہ " یاد کرنے کی شرط نسیان میں ہے اور سب عالم ذکر میں ہے"۔ یہ کہہ کر نعرہ مارا اور بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو کہا " مجھے اس دل سے تعجب ہے جو خدا کا کلام سنے اور اپنی جا رہے اور اُس جان سے مجھے تعجب ہے جو خدا کا نام سنے اور باہر نہ آجائے۔

مشائخ میں سے ایک کہتے ہیں کہ ایک وقت میں خدا کا کلام پڑھتا تھا

واتقوا یوماً ترجعون فیہ الی اللہ ط — اور اس دن سے ڈرو کہ اسمیں خدا کی طرف پھیرے جاؤ گے۔

ایک ہاتف نے آواز دی کہ زیادہ نرم پڑھو۔ کیونکہ اس کی ہیبت سے چار جن جاں بحق ہو گئے ہیں۔

حضرت علی ہجویریؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں شیخ ابوالعباس سقانیؒ کے پاس آیا۔ اُن کو اس حال میں پایا کہ پڑھ رہے تھے۔

"ترجمہ: بیان کی اللہ نے مثال خرید کردہ بندہ کی کہ وہ کسی چیز پر نفع و نقصان سے طاقت نہیں رکھتا۔"

اور رو رہے تھے اور نعرہ مارتے تھے۔ یہاں تک کہ میں نے سمجھا کہ دنیا سے گزر گئے۔ میں نے کہا شیخ! یہ کیا حال ہے؟ جواب دیا کہ گیارہ سال ہوئے ہیں کہ میرا ورد یہاں تک پہونچا ہے اور اس جگہ سے آگے میں نہیں گزر سکتا۔

ابوالعباس سے کسی نے پوچھا کہ آپ ہر روز کتنا قرآن پڑھتے ہیں جواب دیا کہ اس سے پہلے رات دن میں دو ختم کرتا تھا اور اب چودہ سال ہوئے کہ ابھی سورۂ انفال میں آج پہنچا ہوں۔

ابوالعباس قصاب نے ایک قاری سے قرآن پڑھنے کو کہا۔ قاری نے پڑھا۔

"ترجمہ۔ اے عزیز (کہا یوسف کے بھائیوں نے) پہنچی ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو سختی اور لائے ہم پونجی حقیر۔"

پھر کہا پڑھو۔ پڑھا:

"ترجمہ۔ کہا (برادران یوسف نے) اگر اس نے (بن یمین) چوری کی ہے پس تحقیق اس سے پہلے اس کے حقیقی بھائی نے بھی چوری کی تھی۔"

اُنہوں نے پھر پڑھنے کو کہا تو یہ پڑھا:

"آج کے دن تم پر کوئی سرزنش نہیں اللہ تم کو بخشے اور وہ تمام رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔"

اسکے بعد فرمایا: "بارخدایا میں ظلم میں یوسف کے بھائیوں سے زیادہ ہوں اور تو کرم میں یوسف سے زیادہ ہے۔ میرے ساتھ وہ کر جو یوسف نے اپنے جفاکار بھائیوں سے کیا۔"

ابی اوفی بن ازارہؓ بزرگ صحابیوں میں سے ہوئے ہیں۔ اللہ ان سے راضی ہو۔ لوگوں کی امامت کیا کرتے۔ ایک دفعہ ایک آیت پڑھی تو اتنا اثر ہوا کہ نعرہ مارا اور جان دیدی۔ ابوجعفر تابعین میں سے ہوئے ہیں۔ حضرت صالح مریؒ نے ان کے پاس ایک آیت پڑھی تو وہ بیخود ہو کر دنیا سے کوچ کر گئے۔

حضرت ابراہیم نخعی روایت کرتے ہیں کہ میں کوفہ کے ایک گاؤں میں جا رہا تھا۔ ایک بوڑھی عورت کو نماز میں کھڑے دیکھا۔ نیکی کی نشانیاں اُس پر ظاہر تھیں۔ یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ ہوئی۔ تبرک کے طور پر میں نے اسکو سلام کیا۔ مجھ سے پوچھا قرآن جانتا ہے۔ میں نے جواب دیا جانتا ہوں۔ کہنے لگی کوئی آیت پڑھو۔ میں نے آیت پڑھی۔ سن کر ایک آواز نکالی اور دیدار کے استقبال کے لئے جان کو بھیج دیا۔

ابی طواری کے بیٹے احمد روایت کرتے ہیں کہ جنگل میں ایک جوان کو میں نے دیکھا سخت گودڑی پہنے ہوئے ایک کنوئیں کے سر پر کھڑا ہوا تھا۔ مجھے کہا اے احمدؒ! وقت پر آیا ہے۔ کیونکہ مجھے سماع چاہیئے تاکہ جان دوں۔ کوئی آیت پڑھو۔ خداوند تعالیٰ اس آیت کو میری زبان پر لایا۔

"ترجمہ بتحقیق جنہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پس اُس پر ثابت قدم رہے۔"

سن کر کہا، "اے احمدؒ! خدا کی قسم تو نے وہی آیت پڑھی ہے، جو فرشتہ اس وقت میرے پاس پڑھتا تھا۔ یہ کہا اور اسی وقت جان کو خدا کے حوالے کر دیا۔

مالک بن دینار نے ایک رات اس آیت کو پڑھ پڑھ کر صبح کر دی۔

"ترجمہ: کیا خیال رکھتے ہیں جنہوں نے کمائی ہیں برائیاں۔

(باقی بر صفحہ ۱۰۰)

مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی :

دستورِ مملکت قرآن کی روشنی میں

دستور اور قانون میں فرق

قبل اسکے کہ آیات متعلقہ دستور کی تفسیر پیش کیجائے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دستور اور قانون میں فرق واضح کردیا جائے۔ کیونکہ عموماً لوگ اس سے واقف نہیں ہیں، بلکہ دونوں چیزوں کو ایک سمجھتے ہیں اور اسکی وجہ سے طرح طرح کے اشکالات میں اُلجھ جاتے ہیں۔

دستور نام ہے نظام حکمرانی اور حکومت کے بنیادی اصولوں کا کہ کسی سلطنت کو کس طرح چلایا جائے۔ اسکی دفعات اس طرح کی ہوتی ہیں مثلاً اقتدار اعلیٰ کس کا ہے۔ صدر مملکت کا عزل و نصب کس کے اختیار میں ہے۔ اس کا تقرر کن اُصول پر کیا جائے۔ صدر کے اوصاف کیا ہوں؟ اُس کے فرائض کیا ہوں؟ طرز حکومت پارلیمانی ہو یا صدارتی، شخصی ہو یا جمہوری؟ قانون سازی کا اختیار کس کو ہو اور کن اُصول و شرائط پر وغیرہ ذالک۔

اور قانون ملک کے شعبہ جاتی نظام اور اُس کی تفصیلات سے متعلق ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ دستور قانون سے بالکل ایک مختلف چیز ہے۔

دوسری ایک بات اور سمجھ لینا ضروری ہے وہ یہ کہ قرآن مجید تمام اقوام عالم کے لئے، تمام شعبہائے زندگی کے واسطے ایک مکمل ہدایت نامہ ہے اسمیں دستور مملکت کے اُصول بھی ہیں۔ قانون کے تمام انواع و اصناف بھی۔ اصلاح اعمال اور اخلاق کے لئے ہدایتیں بھی۔ عبادت گذاری کے طریقے بھی۔ تمدن و معاشرت کے بہترین اُصولوں کی تعلیم بھی ہے۔ خلوت و جلوت کے آداب بھی۔ عالم ارواح عالم عنصر کی پیدایش اجرام فلکیہ اور نجوم و ثوابت و سیارات اور اُصول طب کے متعلق اہم معلومات بھی اور تاریخ اقوام و ملل بھی۔

لیکن اسکا حکیمانہ اسلوب انسانی تصانیف سے بہت بالا ہے نہ اسکو فن تاریخ کی کتاب یا کوئی قصہ و ناول کہا جاسکتا ہے نہ فن طب کا قرابادین۔ نہ فن نجوم یا فلسفہ و ریاضی کا مجموعہ کہہ سکتے ہیں نہ کوئی مرتب دستور و قانون۔ وہ ایک عجیب و غریب نظام حیات اور نسخہ شفا ہے جسکا ایک ایک لفظ دل کی گہرائی میں اُترتا اور اپنا اثر دکھاتا ہے۔

وہ یاد کرنے اور تلاوت کرنے کے لئے اتنا آسان ہے کہ پانچ برس کا بچہ پورا حفظ کرسکتا ہے، اور اسکے احکام و مواعظ اتنے سادہ پیرایہ میں ہیں کہ معمولی سمجھ کا آدمی بھی ادنیٰ کوشش کرکے سمجھ سکتا ہے ساتھ ہی اس کے مضمرات و غوامض اتنے عمیق ہیں کہ چودہ سو سال کی طویل مدت میں لاکھوں علمائے اُمت نے اپنی پوری عمریں اس کی

تھاہ معلوم کرنے میں گزار دی مگر نہ پاسکے۔ بلکہ اپنی اپنی فہم و فراست اور غور و تدبر کے موافق ہر شخص نے حصّہ پایا اور قیامت تک پاتے رہیں گے یہی وہ میدان ہے جسمیں ماہر کتاب اللہ دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں، یہ کہنا جہالت کے سوا کچھ نہیں کہ "قرآن صرف ملّاؤں کی جاگیر نہیں ہر مسلمان کا حق اسمیں مساوی ہے" کیونکہ یہاں جاگیر کا سوال نہ کبھی ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ بلاشبہ حق تو سب کا ہے مگر ایسا ہی جیسے وزارت عظمیٰ اور صدارت مملکت ایک جمہوری ملک میں، ہر باشندۂ ملک کا حق ہے مگر اس حق کو حاصل وہی کرتے ہیں جو اُس کے شرائط کو پورا کریں۔ ایک گدھا گاڑی ہانکنے والا جاہل بغیر کسی تعلیم و صلاحیت حاصل کئے ہوئے یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے وزیر اعظم کیوں نہیں بنایا گیا۔ ایسے ہی وہ لوگ جنہوں نے قرآن کو سمجھنے کے لئے عمر کے پچاس سال میں سے پچاس دن بھی نہ خرچ کئے ہوں یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم بھی قرآن کو ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسے ماہرین قرآن و سنت جن کی عمریں اسی میدان کی سیاحت میں گزر رہی ہیں۔

قرآن مجید کی ترتیب بھی عام انسانی تصانیف کی ترتیب سے بالکل مختلف ہے۔ ایک قصہ لیا جاتا ہے اسکے ٹکڑے ٹکڑے پورے قرآن میں بکھرے ہوئے ہیں، مکرر سہ کرر آتے ہیں، بلاشبہ اس کلام ربانی کی سورتوں اور آیتوں میں کوئی گہرا ربط ہے اور اسی وجہ سے وہ دلوں پر قبضہ جماتا ہے۔ اسکو جتنا پڑھئے طبیعت اُکتانے کے بجائے ذوق و شوق اور بڑھتا ہے۔ گو اس ربط و ترتیب کا ہماری فہم احاطہ نہ کرسکے۔ اسکی مثال چمن بندی سے پیدا شدہ سبزی اور پہاڑی اور بکھری مناظر کی سینریوں سے دیجا سکتی ہے۔ کہ آخر الذکر میں بظاہر کوئی ربط نہیں ہوتا ایک طرف پہاڑ کی اونچی چٹان کھڑی ہے وہ بھی کسی خاص سانچہ میں ڈھلی ہوئی نہیں۔ اور دوسری طرف گہرا غار ہے لیکن اس کا یہ ظاہری بے ربطی اپنے اندر وہ دلربا ربط رکھتی ہے۔ کہ اعلیٰ سے اعلیٰ چمن بندی بھی اسکو نہیں پا سکتی۔

اس تمہید سے آپنے سمجھ لیا ہوگا کہ قرآن کریم اس زمانہ کے مروجہ دساتیر کی طرح کوئی دفعات پر مشتمل مرتب دستور کی کتاب نہیں، اسمیں دستوری مسائل بھی مختلف سورتوں کی مختلف آیتوں میں بکھرے ہوئے ہیں، میں اس وقت دستوری مسائل سے متعلقہ آیات کو بلحاظ ترتیب قرآنی اس طرح بیان کر رہا ہوں کہ وہ کسی قدر دستوری ترتیب سے قریب ہوجائے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اس وقت پیش نظر کسی مکمل دستور کی تدوین نہیں۔ بلکہ صرف اُن دفعات دستور کا بیان ہے جو براہ راست قرآن مجید سے ثابت ہیں۔ مکمل دستور اسلامی اور اسکی پوری دفعات مدون کرنا ہوں تو آیات کے ساتھ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی قولی و عملی تشریحات و تعلیمات کو ساتھ ملاکر آسانی کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ دین کے تمام مسائل کا ماخذ اصلی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ واللہ الموفق والمعین

حکومت کے اغراض و مقاصد

دفعہ ۱:—

(الف) تمام باشندگان ملک کو عدل و اعتدال پر قائم کرنا

(ب) مملکت سے داخلی اور خارجی فتنہ و فساد کو دفع کرنا،

(ج) مسلمانوں کے لئے اقامت نماز اور ادائے زکوٰۃ کا انتظام

(د) لوگوں کو بھلائیوں پر آمادہ کرنے اور برائیوں سے روکنے کا انتظام۔

آیت نمبر ۱: وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ

(ترجمہ) ہم نے اپنے رسولوں کو معجزات دیکر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتارا تاکہ لوگ عدل و اعتدال پر قائم ہوجائیں۔

اس آیت میں انبیاء علیہم السلام جو زمین پر اللہ کی خلافت کے حامل اور نظم و سیاست ملک کے ذمہ دار ہیں اُن کو دو چیزیں عطا فرمانے کا ذکر ہے۔ ایک کتاب جو معاش و معاد کے اصول صحیحہ کی رہنمائی کرنے والی ہے۔ دوسرے میزان جو اُن اصول کو عملی جامہ پہنانے والے ذرائع و وسائل کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مادی ترازو بھی اُتاری جس میں اجسام تلتے ہیں اور عقلی ترازو بھی جسے عقل سلیم کہتے ہیں اور اخلاقی ترازو بھی جسے صفت عدل و انصاف کہا جاتا ہے اور سب سے بڑی ترازو دین حق ہے جو خالق و مخلوق کے حقوق کا ٹھیک ٹھیک تصفیہ کرتا ہے۔ اور جسمیں بات پوری تلتی ہے، نہ کم نہ زیادہ (حواشی شیخ الاسلام) اور پھر دونوں چیزوں کے عطا فرمانے کی حکمت و غرض یہ بتلائی گئی ہے کہ لوگ عدل و اعتدال پر قائم ہو جائیں۔

آیت نمبر ۲۔ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۚ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (سورۂ بقر پارہ ۲)

ترجمہ: داؤد نے جالوت (لشکر کفار کے سردار) کو قتل کر دیا اور ہم نے داؤد کو حکومت اور حکمت (نبوت) عطا کر دی، اور اسکو جو کچھ اللہ نے چاہا سکھا دیا۔ اور (اگر اس طرح سلطنت قائم کر کے اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو دوسروں پر ظلم کرنے سے نہ روکتے تو زمین میں فساد ہو جاتا۔ مگر اللہ تعالیٰ جہان والوں پر احسان و انعام کرنے والے ہیں" (اسلئے حکومت و سلطنت قائم کر دی کہ فساد نہ ہو)

روح المعانی میں ہے:۔

وفي هذا تنبيه على فضيلة الملك وانه لولاه ما استتب امر العالم ولهذا قيل الدين والملك توأمان (ص ۱۷۴ ج ۲)

(ترجمہ) اس آیت میں ملک و سلطنت کی فضیلت پر تنبیہ ہے کہ اگر دنیا میں نظام حکومت و سلطنت قائم ہونے کا دستور نہ ہوتا تو نظام عالم درہم و برہم ہو جاتا۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ دین اور حکومت دو جوڑواں بچے ہیں"

اور چونکہ حکومت و سلطنت کا اہم مقصد فتنہ و فساد کو روکنا ہے اسلئے عادۃ اللہ یہ جاری ہے کہ حکومت و سلطنت بعض اوقات کفر کے ساتھ تو جمع ہو جاتی ہے لیکن ظلم و فساد کے ساتھ جمع ہو کر نہیں رہ سکتی۔

اسی لئے فرشتوں نے انسان کی خلافت و حکومت کیخلاف جو وجہ بارگاہ حق تعالیٰ میں پیش کی وہ یہ نہ تھی کہ انسان کفر و بت پرستی کرے گا۔ بلکہ یہ کہا گیا کہ وہ فساد و خونریزی کرے گا۔ کیونکہ کفر و شرک اپنی ذات میں اگرچہ فساد و خونریزی سے بڑا جرم ہے۔ لیکن نظم مملکت کے لحاظ سے فساد و خوں ریزی اشد ہے۔

آیت نمبر ۳۔ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (بقر۔ آیت ۲۱۵، پ ۱۷ رکوع ۱۲)

ترجمہ۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں تو یہ لوگ قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ۔ اور نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور بُرے کاموں سے منع کریں۔

اس آیت میں واضح طور پر دنیا کی سلطنت دینے کی غرض مذکورہ چار کام بتلائے ہیں۔ نماز کی اقامت۔ زکوٰۃ کا انتظام، اچھے کاموں کا حکم، بُرے کاموں سے روکنا۔

طرز حکومت

دفعہ ۲ —

حاکم حقیقی صرف اللہ رب العٰلمین ہے۔ زمین کی حکومت بنی آدم کو بطور امانت و نیابت سپرد کی جاتی ہے۔ قرآن کریم کی آیات ذیل اسپر شاہد ہیں۔

آیت نمبر۴: وَلِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْہِنَّ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (پارہ ۷، رکوع ۷)
ترجمہ: اسی کا ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا اور تمام چیزوں کا جو آسمان اور زمین میں ہیں اور وہی ہے ہر چیز پر قادر۔

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ
ترجمہ۔ حکم کسی کا نہیں سوائے اللہ کے۔

آیت نمبر۵: فَسُبْحَانَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ
ترجمہ۔ پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ملک کی ہر چیز ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹ جاؤ گے۔

آیت نمبر۶: قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ
ترجمہ: آپ یہ کہئے کہ اے اللہ ملک وسلطنت کے مالک تو جس کو چاہتا ہے ملک وسلطنت عطا کرتا ہے۔ اور جس سے چاہتا ہے، چھین لیتا ہے۔

آیت ۷۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً
ترجمہ۔ (اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے وقت فرمایا کہ) "میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔

ان مضامین کی آیات قرآن کریم میں بے شمار ہیں۔ صرف چند پر اکتفا کیا گیا۔

دفعہ ۳

اسلامی مملکت میں کتاب وسنت کے خلاف کوئی قانون نہ پاس ہو سکتا ہے نہ باقی رکھا جا سکتا ہے۔ نہ کتاب وسنت کے خلاف کوئی انتظامی حکم دیا جا سکتا ہے۔

سورۂ مائدہ پارہ ۶ میں تین آیات قریب قریب ہیں۔

آیت نمبر۸: وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ
ترجمہ۔ اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اللہ نے اتارا سو وہی لوگ کافر ہیں۔

آیت ۹۔ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ
اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اللہ نے اتارا سو وہی لوگ ظالم ہیں۔

آیت نمبر۱۰۔ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ
ترجمہ۔ اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ نازل کیا اللہ نے سو وہی لوگ ہیں نافرمان۔

معنی یہ ہیں کہ اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام سے جو شخص اعتقادی طور پر مخالفت کرے کہ ان کو حق وصحیح نہ مانے وہ کافر ہے اور جو اعتقادی طور پر حق ماننے کے باوجود عملاً فیصلہ اس کے خلاف دیں وہ ظالم اور نافرمان ہیں۔

ان تینوں آیتوں میں عنوان بیان یہ اختیار کیا گیا ہے کہ جو شخص خدا کے نازل کردہ احکام کے خلاف حکم کرے وہ کافر فاسق ظالم ہے مثبت طور پر یہ نہیں فرمایا کہ ایسا قانون جو اللہ نے نازل نہیں کیا اس کے موافق فیصلہ کرنے والے کافر ظالم فاسق ہیں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ جن امور میں اللہ تعالیٰ نے بالواسطہ یا بلاواسطہ رسول کوئی حکم نازل نہیں فرمایا۔ اسنے ایسے معاملات میں انسانی قانون سازی کی گنجائش دیدی۔ یعنی جس معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے کوئی قانون نازل فرما دیا اس کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جا سکتا۔

لیکن جن معاملات میں اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ یا بواسطہ رسول کوئی قانون نازل ہی نہیں فرمایا۔ وہاں انسان کو اختیار ہے کہ اپنے ملک زمانہ اور ماحول کے مقتضیات پر نظر کرکے باہمی مشورے سے جیسا چاہیں قانون بنالیں۔ اس خاص عنوان کے ذریعہ جمہور کو دائرۂ مباحات کا ایک وسیع میدان دیدیا گیا جس میں وہ اپنی مرضی کے موافق قانون سازی کر سکتے ہیں۔

نیز سورۂ حشر کی آیت:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا — ترجمہ۔ جو دے تم کو رسول سو لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو۔"

اس سے معلوم ہوا کہ بواسطۂ رسول جو احکام بھیجے جائیں وہ بھی ما انزل اللہ کے حکم میں ہیں۔ اسلئے کتاب یا سنت رسول کے خلاف قانون سازی ممنوع ہے۔

آیت ۱۱ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ (مائدہ پارہ ۶) — ترجمہ۔ اب کیا حکم چاہتے ہیں کفر کے وقت کا۔ اور اللہ سے بہتر کون ہے حکم کرنے والا یقین کرنے والوں کے واسطے۔

قرآن کریم میں اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں سب کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

دفعہ ۴

اگر کسی قانون کے متعلق عوام اور حکام میں اختلاف ہو کہ وہ موافق شریعت ہے یا خلاف شرع۔ تو اسکا فیصلہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کر کے کیا جائیگا جس کی عملی صورت ماہرین کتاب وسنت کے فیصلہ کو آخری فیصلہ قرار دینا ہے۔ خواہ ماہرین شریعت کا کوئی مستقل بورڈ بنایا جائے یا ایسے حضرات کو اسمبلی میں یا عدالت میں لیا جائے۔ ان میں سے جو صورت خطرات سے پاک سمجھی جائے اسکو اختیار کیا جائے۔

آیت نمبر ۱۲۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (سورۂ نساء) — ترجمہ۔ اے ایمان والو کہا مانو اللہ کا اور کہا مانو رسول اللہ کا اور اپنے حاکموں کا بھی جو تم میں سے (یعنی مسلمان) ہوں پھر اگر تمھارے آپس میں کسی حکم کے متعلق اختلاف ہوجائے تو اسکو حوالہ کرو اللہ اور رسول کے اگر تم اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔

آیت میں اولی الامر کا لفظ اپنے مفہوم لغوی کے اعتبار سے ہر اس جماعت کو شامل ہے جس کے ہاتھ میں قوم کی باگ اور اجتماعی نظام ہو۔ وہ علما بھی ہوسکتے ہیں۔ اور حکام وامرا بھی۔ صحابہ و تابعین کی ایک جماعت نے اس جگہ اولی الامر سے حکام ہی کا مراد ہونا بیان فرمایا ہے۔ اسی کے موافق ترجمہ حاکموں سے کیا گیا۔

اللہ ورسول کے حوالے کرنے کا مطلب اس کے سوا نہیں ہوسکتا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے تمام نزاعات کے فیصلہ کا معیار قرار دیا جائے۔ اور اُسکی عملی صورت تمام فنی (ٹیکنیکل) مسائل کی طرح یہی ہوسکتی ہے کہ ماہرین کتاب وسنت کے فیصلہ کو آخری فیصلہ مانا جائے۔

دفعہ ۵

(الف) طرز حکومت جمہوری شورائی ہوگا۔

(ب) امیر مملکت کا عزل ونصب جمہور کے اختیار میں ہوگا جسکو وہ اپنے نمائندوں (اہل حل وعقد) کے ذریعے استعمال کریں گے۔

آیت نمبر ۱۳۔ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (شوریٰ۔ پ ۲۵) — ترجمہ۔ اور کام کرتے ہیں آپس کے مشورہ سے

آیت نمبر ۱۴ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ (آل عمران پ ۴) — (ترجمہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے کہ) اُن سے (یعنی صحابہ سے) مشورہ لے کام میں۔ پھر جب قصد کر چکا تو اسکام کا تو پھر بھروسہ کر اللہ پر اللہ کو محبت ہے توکل والوں سے۔

پہلی آیت میں بتلایا گیا ہے کہ مسلمانوں کے کام مشورہ سے ہونا چاہئیے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی عملی تشریح سے ظاہر ہے کہ کہ اس سے مراد مہمات اُمور ہیں معمولی کاموں کو مشورہ پر موقوف رکھنا فضول بھی ہے اور موجب تکلیف بھی۔ اور مہمات اُمور میں سب سے اہم وہ کام ہیں جن پر ملت کی اجتماعی زندگی کا مدار ہے یعنی اُمورِ سلطنت جنمیں اہم الامور امیر مملکت کا عزل ونصب ہے۔

دوسری آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ کو صحابہ کرام سے مشورہ لینے کا حکم ہے۔ آپ بوجہ وحی الٰہی اگرچہ اس کے محتاج نہ تھے مگر تعلیم اُمت کے لئے آپ کو بھی اس کا امر فرمایا گیا چنانچہ آپ کا عمل ہمیشہ اس پر رہا۔ اور آپ کے بعد یہ سنت جاری ہوئی اور خلافت راشدہ کی تو بنیاد ہی شوریٰ پر قائم تھی۔

باقی رہیں شوریٰ کی تفصیلات کہ مجلس شوریٰ (اسمبلی) کس طرح مرتب کیجائے ارکان شوریٰ میں اختلاف ہو تو فیصلہ کثرت رائے سے کیا جائے یا امیر کی صوابدید پر۔ یہ تفصیلات رسول کریم کے ارشادات تعالیٰ سے ثابت ہیں جو اس وقت موضوع بیان سے خارج ہیں۔ مکمل دستور مرتب کرنا ہو تو ان روایات حدیث کو شامل کرنا ضروری ہوگا۔

دفعہ ۶

حکومت کے مروجہ طریقوں میں سے صدارتی طرز حکومت اسلام کے مزاج اور اُصول سے قریب تر ہے۔

آیت نمبر ۵۔ يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ

ترجمہ۔ اے داؤد ہم نے آپ کو زمین کا خلیفہ بنا دیا سو آپ لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ اللہ کے نازل کئے ہوئے قانون کے مطابق کیا کریں۔

اس آیت میں حکم وفیصلہ کی ذمہ داری خلیفۂ وقت (امیر المومنین) پر ڈالی گئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ پارلیمانی طرز میں امیر مملکت پر کوئی ایسی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ یہ صرف صدارتی طرز میں ہو سکتی ہے

علاوہ ازیں مذکور الصدر آیت نمبر ۱۲ میں اسلامی ریاست کے اولوالامر کا مسلم ہونا شرط ہے۔ اور موجودہ دنیا میں اس شرط پر عمل صدارتی طرز حکومت میں بآسانی ہو سکتا ہے جسمیں ولایت امر اور اقتدار اعلیٰ صدر مملکت کا ہوتا ہے۔ اس کے لئے مسلمان ہونے کی شرط عملاً مہمل ہے۔ بخلاف پارلیمانی نظام کے کہ اسمیں صدر مملکت محض ایک نمائشی چیز ہوتا ہے۔ اصل اقتدار صرف پارلیمان کو ہوتا ہے اور پوری پارلیمان میں کسی غیر مسلم کو شامل نہ کرنا عملاً دشوار ہے۔ اسلئے بھی صدارتی طرز حکومت اُصول اسلام سے قریب تر ہے۔

حکومت کے فرائض

دفعہ ۷

ہرگاہ کہ حکومت کے تمام عہدے تمام اموال وخزائن حکام کے ہاتھ میں بطور امانت ہیں۔ وہ ان کے مالک ومختار نہیں اور ان امانتوں کے اہل ومستحق جمہور عوام (باشندگان مملکت) ہیں۔ اسلئے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ

(الف) ان امانتوں کے مستحقین کو تحقیق وتلاش کرکے پہنچائے۔

(ب) ہر امانت اُس کے مستحق کو پہنچائے۔ غیر مستحق کے قبضہ سے بچائے۔

دفعہ ۸

مقدمات کا فیصلہ بلا امتیاز مذہب ورنگ ونسل ووطن پورے انصاف کے ساتھ کرے۔

دفعہ ۹

انصاف مفت ہونا چاہیئے۔ اصحاب معاملہ سے کسی قسم کا معاوضہ

کورٹ فیس وغیرہ وصول نہ کرے۔

آیت نمبر ۱۶: اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا
(سورۂ نساء پارہ ۵)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ تم کو اس کا حکم دیتے ہیں کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچایا کرو۔ اور یہ کہ جب لوگوں کا تصفیہ کیا کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ کیا کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ تم کو جس بات کی نصیحت کرتے ہیں وہ بات بہت اچھی ہے۔ بلاشک اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں۔ خوب دیکھتے ہیں۔

دفعہ ۷ سے دفعہ ۹ تک کے تمام مضامین اس آیت سے ثابت ہیں اور عنوان بیان میں ان اللہ یامرکم کے اختیار کرنے سے اسکی طرف بھی اشارہ ہے کہ امر و حکم اصل میں صرف اللہ کا ہے۔ دنیا کے امیر و رئیس سب مامور ہیں، اس سے دفعہ ۲ مذکور الصدر کا مضمون بھی ثابت ہوگیا۔

اس سے پہلے یہ سمجھنا ہے کہ لفظ امانات جو بصیغہ جمع لایا گیا ہے اس سے کس کس قسم کی امانتیں مراد ہیں۔ ہماری زبان میں عموماً امانت اس مال کو کہتے ہیں جو کسی معتمد کے پاس حفاظت کے لئے رکھا جائے۔ لیکن عربی زبان میں امانت کا مفہوم اس سے بہت عام ہے۔ کسی شخص نے کسی کو رازدار بنا کر کوئی راز کہہ دیا اسکو بھی حدیث میں امانت فرمایا گیا ہے ارشاد ہے المجالس بالامانۃ اسی طرح مشورہ لینے والے کو مشورہ دینا بھی حدیث میں امانت قرار دیا ہے کہ اپنے نزدیک جو بات مفید و صحیح ہو اسکے خلاف مشورہ دینا خیانت ہے۔ حدیث میں ہے المستشار موتمن یعنی جس سے کوئی مشورہ لیا جائے وہ امین ہے اس کو صحیح مشورہ دینا چاہیئے۔ اسی مفہوم عام کے اعتبار سے حدیث میں فرمایا گیا ہے لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَۃَ لَہٗ جس میں امانت داری نہیں اسکا ایمان نہیں۔ اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے۔ ان الامانۃ نزلت فی جذر قلوب المومنین یعنی صفت امانت اللہ تعالیٰ نے مومن کے دل میں مستحکم دی ہے۔

ان تمام ارشادات سے معلوم ہوا کہ جس طرح مالی امانت ایک امانت ہے اسی طرح جس چیز کی ذمہ داری کسی شخص پر عائد ہو وہ بھی امانت ہے۔ انہیں مختلف اقسام امانات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے امانات بصیغہ جمع لایا گیا ہے۔ اور اسی لئے آیت مذکورہ میں امانات کی تفسیر یہ کی گئی ہے:-

ان الامانات جمع امانۃ یعم الحقوق المتعلقۃ بذمم من حقوق اللہ تعالیٰ وحقوق العباد وقد روی ما یدل علی العموم عن ابن عباس وابی وابن مسعود والبراء بن عازب وابی جعفر وابی عبد اللہ (روح المعانی)

یعنی امانات امانت کی جمع ہے جو تمام حقوق واجبہ کو عام اور شامل ہے خواہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد اور امانات کے یہ عام معنی حضرات صحابہ کی ایک عظیم جماعت سے منقول ہیں۔ مثلاً ابن عباس ابی بن کعب۔ ابن مسعود، براء بن عازب ابوجعفر ابوعبداللہ وغیرہ۔

دوسری بات اس آیت میں یہ سمجھنا ہے کہ یامرکم کا خطاب کس کو ہے۔ اس میں بعض حضرات نے تمام مسلمانوں کو خواہ حکام ہوں یا عوام اس خطاب میں شامل قرار دیا ہے۔ اور بعض حضرات نے اسکا مخاطب خاص حکام اور سلطنت کے ذمہ داروں کو قرار دیا ہے، حضرت زید بن اسلم وغیرہ نے خاص حکام کے مخاطب ہونے کو ترجیح دی ہے جس کا قرینہ یہ ہے کہ اسی آیت کا دوسرا جز مقدمات کے فیصلے سے متعلق ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مقدمات کا فیصلہ عوام کا کام نہیں۔ نیز اس کے بالمقابل دوسری آیت یا ایھا الذین آمنوا سے شروع ہوتی ہے جس کا مخاطب عام مومنین کا ہونا ظاہر ہے، تو مقابلہ کا تقتضا یہ ہے کہ پہلی آیت کا مخاطب خاص حکام ہوں اور دوسری کا عوام۔ اسی لئے حضرت زید بن اسلم رضؓ نے فرمایا:

ان ھذا الخطاب لولاۃ الامر	یہ خطاب خاص اولو الامر (حکام)
ان یقوموا برعایۃ الرعیۃ	کو ہے کہ وہ حفاظت رعیت کا مکمل
وحملھم علی موجب الدین	انتظام کریں۔ اور اُن کو مقتضیات
والشریعۃ وعدوا من	دین اسلام کا پابند بنائیں امانات
ذلک تولیۃ المناصب مستحقیھا	میں اسکا بھی شمار کیا ہے کہ عہدے
(روح صفحہ ۶۴ ج ۵)	صرف اُن کے مستحقین کو دیئے جائیں

علاوہ ازیں یہ خطاب خواہ حکام کے لئے مخصوص ہو یا عوام و حکام دونوں کو عام و شامل ہو۔ بہرحال حکام و امراء کا اس خطاب میں شامل ہونا سب کے نزدیک مسلم اور متفق علیہ ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آیت میں امانات سے مراد تمام ذمہ داریاں اور جملہ حقوق واجبہ ہیں۔ جن میں حسب تصریح حضرت زید بن اسلم حکومت کے عہدے بھی شامل ہیں۔

آیت کا شان نزول بھی اسی کا موید ہے۔ کیونکہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے قدیم دربان عثمان بن طلحہ رضؓ سے بیت اللہ کی کنجی طلب فرمائی۔ اور دروازہ کھول کر اندر تشریف لیجانے کا ارادہ کیا۔ اس وقت چند حضرات صحابہ حضرت ابن عباس رضؓ و حضرت علی رضؓ نے یہ درخواست کی کہ جس طرح حرم کعبہ کا عہدہ سقایہ (یعنی آب زمزم کا انتظام) پہلے سے اُن کے سپرد تھا۔ اسی طرح یہ عہدۂ حجابت (دربانی) بھی اُن کے حوالہ کر دیا جائے۔ اور بیت اللہ کی کنجی اُن کے سپرد کر دیجائے اسپر آیت مذکورہ نازل ہوئی جس میں عہدہ حجابت اور دربانی کو ایک امانت قرار دے کر صاحب امانت یعنی عثمان بن طلحہ رضؓ کو واپس کرنے کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا۔ اور جب بیت اللہ شریف کے اندر سے فارغ ہو کر نکلے تو یہ آیت آپ کی زبان پر تھی۔ اور اس کے ارشاد کے مطابق آپنے کنجی عثمان بن طلحہ کو واپس فرمائی اور انہیں کو عہدۂ حجابت پر برقرار رکھا۔

ظاہر ہے کہ حضرت عباس رضؓ و حضرت علی رضؓ کی درخواست چار پیسے قیمت کی کنجی کے لئے نہ تھی۔ بلکہ عہدۂ حجابت کے واسطے تھی۔ اسی عہدے کو قرآن میں امانت سے تعبیر کر کے صاحب امانت کو واپس دینے کی تلقین کی گئی۔ معلوم ہوا کہ حکومت کے عہدے بھی امانات میں داخل ہیں۔

آیت مذکورہ کی تفسیر اور صحیح مفہوم معلوم کرنے کے بعد اس کے مضامین کا تجزیہ کیا جائے تو نظام مملکت کے متعلق اُمور ذیل مستفاد ہوتے ہیں۔

(الف)

حکومت کے تمام اموال و خزائن اور عہدے اور منصب حکام اور امراء کے ہاتھ میں بطور امانت ہیں وہ ان کے مالک و مختار نہیں۔

(ب)

یہ امانتیں اگرچہ حکام کے قبضہ میں ہیں لیکن ان امانتوں کا اہل اور مستحق کچھ اور لوگ یعنی جمہور و عوام ہیں۔ جیسا کہ لفظ الیٰ اَھۡلِھَا سے واضح ہے۔

(ج)

لفظ الیٰ اَھۡلِھَا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر شخص ہر امانت کا اہل نہیں۔ لوگوں کی صلاحیتیں مختلف ہیں۔ حاملین امانت کا فرض ہے کہ ہر امانت کے اہل کو پہچانیں اور اُس کو پہنچائیں۔

(د)

اَنۡ تُؤَدُّوۡا سے امانتوں کے پہنچانے کی ذمہ داری حاملین امانت (حکام) پر ڈالی گئی ہے۔ یہ نہیں کہ کوئی مستحق درخواست یا مطالبہ لے کر آئے تو دیدو۔ یعنی لوگوں کو اپنی امانت وصول کرنے کے بجائے امینوں کو ایصال امانت کی تلقین کی گئی ہے۔

(ہ)

او۔۔۔ کہ امانت کا اس کے مستحق اہل کو پہنچانا فرائض حکومت میں داخل ہوا تو غیر مستحق نااہل کو دیدینا خیانت ہوئی۔

اس تجزیہ کے بعد یہ سمجھنا سہل ہوگیا کہ آیت مذکورہ کے ابتدائی ایک جملہ سے دستور مملکت کی دفعات ذیل ثابت ہوگئیں۔

۱۔ مملکت کا اقتدار اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کا ہے جیسا کہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ کے الفاظ سے ثابت ہے۔

۲۔ اسلامی ریاست کے امیر یا صدر کی حیثیت ایک نائب امین کی حیثیت ہے۔ اسکے ہاتھ میں جو کچھ سلطنت کے خزائن یا عہدے اور منصب ہیں، وہ بطور امانت کے اُس کے قبضہ میں ہیں، وہ ان کا مالک ومختار نہیں۔

۳۔ جو امانتیں حکومت کے سپرد کی گئی ہیں اُن کے اہل (یعنی بعطائے الٰہی مالک ومستحق) جمہور عوام ہیں۔

حکام کی ذمہ داری ہے کہ عہدوں کی تقسیم میں ہر عہدہ کے اہل ومستحق کو خود تلاش کرے کوئی عہدہ کسی نااہل غیر مستحق کو سپرد نہ کرے عوام کے حقوق عوام کو پہنچانا خود حکومت کی ذمہ داری ہے۔ درخواست ومطالبہ پر ادائے حقوق کا مدار رکھنا اپنے فرض میں کوتاہی اور بہت سی انتظامی خرابیوں کا موجب ہے، آیت میں اِلٰی اَھْلِھَا سے یہ مفہوم ثابت ہے۔

یہاں تک آیت مذکورہ کے پہلے جملہ کی تشریح تھی۔ دوسرے جملے وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ میں لفظ بَیْنَ النَّاسِ فرمایا گیا ہے بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ عدل وانصاف میں کسی مذہب وملت یا نسل ورنگ یا خطہ یا صوبہ کا امتیاز روا نہیں۔ سب کے ساتھ یکساں معاملہ کرنا فرض ہے۔ پھر عدل وانصاف کے خلاف کسی انسان کو آمادہ کرنے کے عموماً تین سبب ہوا کرتے ہیں۔ ایک کسی فریق کی دشمنی دوسرے اپنی کوئی ذاتی غرض۔ تیسرے کسی فریق کی دوستی۔ قرآن کریم نے ان تینوں اسباب ظلم کو دفع کرنے کے لئے دو مستقل آیتیں نازل فرمائیں ایک سورہ مائدہ میں ہے وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا یعنی تمہیں کسی قوم کی دشمنی وبغض انصاف کے خلاف کرنے پر آمادہ نہ کردے۔ اور دوسری سورہ نساء میں کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ یعنی تم انصاف پر خوب قائم رہنے والے اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو۔ اگرچہ اپنی ہی ذات کے خلاف ہو۔ یا والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے خلاف ہو۔"

اور جبکہ عدل وانصاف کو حکومت کے فرائض میں داخل کیا گیا تو اہل معاملہ سے اُس پر کوئی معاوضہ (کورٹ فیس وغیرہ) لینا رشوت وحرام ٹھہرا۔ جیسے کوئی سرکاری ملازم اپنی ڈیوٹی ادا کرنے کے لئے اہل معاملہ سے معاوضہ طلب کرے۔

آیت کی مذکور الصدر تفصیل سے واضح ہوگیا کہ دستور مملکت کی دفعہ ۲۔۷۔۸۔۹ اسی ایک آیت سے بوضاحت ثابت ہوگئیں۔

دفعہ ۱۰

حکومت کا فرض ہے کہ کسی باشندۂ ملک کی جائز آزادی کو سلب نہ کرے جب تک اُس پر کوئی جرم ثابت نہ ہو اور اُس کو صفائی کا موقع نہ دیا جائے۔

ظاہر ہے کہ بلا اثبات جرم کسی شخص کو سزا دینا یا قید کرنا عدل وانصاف کے خلاف ہے اور قرآن مجید کی بیشمار آیات عدل وانصاف کی تاکید کے لئے نازل ہوئی ہیں، مذکور الصدر آیات میں سب سے پہلی آیت میں نیز سورہ نساء کی آیت ۱۶ میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے۔ نیز ارشاد ہے۔

آیت نمبر ۱۔ یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ

ترجمہ:۔ اے ایمان والو اللہ کی پوری پابندی کرنے والے انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو۔ اور کسی خاص گروہ کی عداوت

عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى
تمہیں اس پر باعث نہ ہوجائے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل ہی کیا کرو کہ وہ تقوے کے زیادہ قریب ہے۔ (مائدہ رکوع ۲ پارہ ۶)

اس آیت میں واضح کردیا گیا ہے کہ کوئی آدمی جو تمہاری پارٹی یا تمہاری قوم کا بھی نہ ہو۔ اُسکے ساتھ بھی انصاف لازم ہے۔

آیت نمبر ۱۸: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ (نساء پارہ ۵)
ترجمہ۔ اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم رہنے والے اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو۔ اگرچہ اپنی ہی ذات کے خلاف ہو۔ یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے خلاف ہو۔

تنبیہ: خلاف انصاف فیصلہ کرنے پر تین چیزیں کسی انسان کو آمادہ کرسکتی ہیں۔ ایک کسی فریق کی دشمنی و بغض۔ دوسرے اپنی ذاتی اغراض۔ تیسرے کسی فریق کی دوستی و محبت آیت نمبر ۱۷ میں پہلے سبب کی جڑ کاٹ دی گئی۔ اور آیت نمبر ۱۸ میں دوسرے اور تیسرے سبب کی۔

آیت نمبر ۱۹: وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (مائدہ پارہ ۶) (ترجمہ) اور اگر آپ غیر مسلموں کے معاملہ میں فیصلہ کریں تو انصاف سے کریں۔ بیشک اللہ دوست رکھتا ہے انصاف کرنے والوں کو۔

قرآن کریم نے بار بار اس پر زور دیا ہے کہ کوئی شخص کتنا ہی شریر، ظالم، بدمعاش کیوں نہ ہو۔ مگر اس کے حق میں بھی ہمارا دامن عدالت ناانصافی کی چھینٹوں سے داغدار نہ ہونے پائے۔

اسی وجہ سے حضرت فاروق اعظم رض نے ارشاد فرمایا واللہ لَا يُؤْسَرُ رَجُلٌ فِي الْإِسْلَامِ إِلَّا بِالْعُدُوْلِ (موطا امام مالک کتاب الشہادۃ صفحہ ۳۰۰) یعنی بخدا اسلام میں کسی آدمی کو قید نہ کیا جائیگا جب تک اس کے خلاف عدول یعنی ثقہ لوگوں کی شہادت سے جرم ثابت نہ ہوجائے۔ (کذا فی شرح الزرقانی ص ۴۰۰ ج ۳)

اس سے ثابت ہوا کہ محض پولیس کی رپورٹ پر کسی کو قید نہیں کیا جاسکتا۔ جب تک اُسپر باقاعدہ عدالت میں ثقہ اور قابل اعتم[اد] شہادتوں سے جرم ثابت نہ کردیا جائے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ [م]لزم کو حراست میں نہ لیا جائے اور اسکو بھاگ جانے کا موقع د[یا] بلکہ حاصل یہ ہے کہ حراست میں لینے کے بعد اُسکے جرم کی تحقیقات [illegible] کسی باقاعدہ عدالت کے سامنے اس کا جرم ثابت کرنے سے پہلے اس[ے] کسی معینہ مدت کے لئے قید نہیں کیا جاسکتا۔ تا تحقیقات حراست میں رکھنا اس کے منافی نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی ایسا مجرم ہے کہ اُس کے جرم کے افشا[ء] [illegible] ملک و ملت کے لئے کوئی خطرہ ہے تو اسکا بیان عدالت کے بند کمرے میں لیا جاسکتا ہے۔ اور مقدمہ کی کارروائی کو بصیغہ راز رکھا جا[illegible]

دفعہ ۱۱

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ ہر مسلمان باشندہ ملک کو ضرور[یات] دین سے واقف کرنے کا انتظام کرے۔

آیت نمبر ۱ میں اسلامی حکومت کی غرض یہ تبلائی گئی ہے کہ [illegible] عدل و اعتدال پر قائم ہوجائیں۔ اور ظاہر ہے کہ احکام شرعیہ [illegible] واقفیت کے بغیر لوگوں کا عدل و اعتدال پر قائم رہنا ممکن نہیں اس لئے اس غرض کو پورا کرنے کے لئے ضروریات دین کی جبری [illegible] دینے کا فریضہ حکومت پر عائد ہوتا ہے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے خود بنفس نفیس اس خدمت [illegible] انجام دیا اور ارشاد فرمایا اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا۔ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں) دوسری مسلم بستیوں میں معلمین بھیجنے کا بھی معمول رہا۔ ہجرت سے پہلے بھی جب مدینہ طیبہ میں کچھ لوگ مسلمان ہوگئے، [illegible] آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر رض کو اُن کی تعلیم ک[illegible]

...اسلام کا سب سے پہلا مدرسہ مدینہ میں قائم فرما دیا۔ خلفائے
...ین میں جن حضرات کو صوبوں کا عامل بنا کر بھیجتے تھے اُن پر
...انوں کو ضروریات دین کی تعلیم کی ذمہ داری بھی ہوتی تھی۔

دفعہ ۱۲ ـــــــ

مملکت کے لئے لازم ہونا چاہیئے کہ مسلمانوں میں سے جغرافیائی
...ی نسلی اور لسانی اور اسی قسم کے دوسرے غیر اسلامی تعصبات
...ر کرنے اور ملت اسلامیہ کی وحدت و استحکام کے لئے کوشش کرے

...یت نمبر ۱۹۔ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ
...ؤْمِنٌ ط (ترجمہ) اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تم سب کو پیدا کیا
پھر تم میں دو گروہ ہو گئے ایک مومن ایک کافر۔

...یت نمبر ۲۰۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ ...خْوَةٌ — ترجمہ۔ بیشک مسلمان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

...یت نمبر ۲۱۔ جَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا ...قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ ...كْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ

آیت نمبر ۱۹ میں بتلا دیا گیا کہ قوموں کی تقسیم ایمان و کفر سے
...وتی ہے۔ آیت ۲۰ میں بتلا دیا گیا کہ مسلمان خواہ کسی ملک و وطن کا
...شندہ ہو کوئی زبان بولتا ہو وہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں
آیت نمبر ۲۱ میں واضح کر دیا گیا کہ جغرافیائی اور قبائلی امتیازات
...ق تعالٰے نے صرف تعارف کے لئے رکھے ہیں، حقوق اور درجات
...تقسیم ان بنیادوں پر نہیں ہو گی اور نہ ان بناؤں پر قومیت کی
...حدت و جدائی موقوف ہے۔

دفعہ ۱۳ ـــــــ

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ غیر مسلم باشندگان ملک کی جان
...ل آبرو کی اسی طرح حفاظت کرے جس طرح مسلمان کی کیجاتی ہے

آیت نمبر ۲۲۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ — اے ایمان والو! اپنے عہد و پیمان کو پورا کرو۔

آیت نمبر ۲۳۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (معارج) — ترجمہ۔ اور وہ لوگ اپنی امانتوں اور وعدوں کی رعایت کرتے ہیں

ان دونوں آیتوں میں کئے ہوئے معاہدات کی پابندی سب مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو غیر مسلم کسی اسلامی حکومت کے شہر میں ہیں۔ اُن سے قولی یا عملی طور پر اس کا معاہدہ ہوتا ہے کہ ان کی جان، مال، آبرو کی حفاظت کی جائے گی۔
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس معاملہ میں نہایت واضح اور موکد ہیں۔ حدیث میں ہے۔
من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة وان ريحها يوجد من مسيرة اربعين عاما۔ یعنی جو شخص کسی معاہد کو قتل کر دے اُس کو جنت کی خوشبو تک نصیب نہیں ہو گی۔ حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت تک پہونچتی ہے۔
اور ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جو شخص کسی معاہد پر ظلم کرے قیامت کے روز اسکی طرف سے ظالم کیخلاف میں پیروی کروں گا"۔

دفعہ ۱۴ ـــــــ

جو معاہدہ کسی قوم یا ملک یا جماعت سے کر لیا جائے اُس کی پوری پابندی حکومت پر لازم ہے، ظاہراً یا باطناً اسکی کسی شرط کے خلاف کرنا جرم ہے۔ جب تک کہ معاہدہ کی میعاد پوری نہ ہو جائے۔ یا اس معاہدہ کو باقاعدہ ختم نہ کر دیا جائے۔
آیات مندرجہ ۱۹۔ و ۲۰ اس پر شاہد ہیں اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق سخت تاکیدی احکام دیئے ہیں۔ ترمذی اور ابوداؤد میں سلیم بن عامر کی روایت ہے کہ حضرت امیر معاویہ رض

...ر اسلام کا سب سے پہلا مدرسہ مدینہ میں قائم فرمادیا۔ خلفائے ...شدین میں جن حضرات کو صوبوں کا عامل بنا کر بھیجتے تھے اُن پر ...مانوں کو ضروریات دین کی تعلیم کی ذمہ داری بھی ہوتی تھی۔

دفعہ ۱۲

مملکت کے لئے لازم ہونا چاہیئے کہ مسلمانوں میں سے جغرافیائی ...ی نسلی اور لسانی اور اسی قسم کے دوسرے غیر اسلامی تعصبات ...دور کرنے اور ملت اسلامیہ کی وحدت و استحکام کے لئے کوشش کرے

...یت نمبر ۱۹۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ ...مِنٌ (ترجمہ) اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تم سب کو پیدا کیا پھر تم میں دو گروہ ہو گئے ایک مومن ایک کافر۔

...یت نمبر ۲۰۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ ...خْوَةٌ — ترجمہ۔ بیشک مسلمان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

...یت نمبر ۲۱۔ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا ...قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ ...كْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ

آیت نمبر ۱۹ میں بتلادیا گیا کہ قوموں کی تقسیم ایمان و کفر سے ...وتی ہے۔ آیت ۲۰ میں بتلادیا گیا کہ مسلمان خواہ کسی ملک و وطن کا ...شندہ ہو کوئی زبان بولتا ہو وہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں آیت نمبر ۲۱ میں واضح کر دیا گیا کہ جغرافیائی اور قبائلی امتیازات ...ق تعالٰے نے صرف تعارف کے لئے رکھے ہیں، حقوق اور درجات ...ی تقسیم ان بنیادوں پر نہیں ہوگی اور نہ ان بناؤں پر قومیت کی ...حدت و جدائی موقوف ہے۔

دفعہ ۱۳

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ غیر مسلم باشندگان ملک کی جان ...ال آبرو کی اسی طرح حفاظت کرے، جس طرح مسلمان کی کیجاتی ہے

آیت نمبر ۲۲۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ — اے ایمان والو! اپنے عہد و پیمان کو پورا کرو۔

آیت نمبر ۲۳۔ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (معارج) — ترجمہ۔ اور وہ لوگ اپنی امانتوں اور وعدوں کی رعایت کرتے ہیں

ان دونوں آیتوں میں کئے ہوئے معاہدات کی پابندی سب مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو غیر مسلم کسی اسلامی حکومت کے شہر میں ہیں۔ اُن سے قولی یا عملی طور پر اس کا معاہدہ ہوتا ہے کہ ان کی جان، مال، آبرو کی حفاظت کی جائے گی۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس معاملہ میں نہایت واضح اور مؤکد ہیں۔ حدیث میں ہے۔

من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة وان ريحها يوجد من مسيرة اربعين عاما۔ یعنی جو شخص کسی معاہد کو قتل کردے اُس کو جنت کی خوشبو تک نصیب نہیں ہوگی۔ حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت تک پہونچتی ہے۔

اور ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جو شخص کسی معاہد پر ظلم کرے قیامت کے روز اسکی طرف سے ظالم کیخلاف میں پیروی کروں گا۔"

دفعہ ۱۴

جو معاہدہ کسی قوم یا ملک یا جماعت سے کرلیا جائے اُس کی پوری پابندی حکومت پر لازم ہے۔ ظاہراً یا باطناً اسکی کسی شرط کے خلاف کرنا جرم ہے۔ جب تک کہ معاہدہ کی میعاد پوری نہ ہو جائے۔ یا اس معاہدہ کو باقاعدہ ختم نہ کر دیا جائے۔

آیات مندرجہ ۱۹ و ۲۰ اس پر شاہد ہیں اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق سخت تاکیدی احکام دیئے ہیں۔ ترمذی اور ابوداؤد میں سلیم بن عامر کی روایت ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضؓ

اور رومی غیر مسلموں میں ایک معین میعاد تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ
تھا۔ حضرت معاویہ رضؓ نے یہ صورت کی اندرون میعاد اپنا لشکر سرحد
روم تک پہونچا دیا۔ اور میعاد صلح ختم ہوتے ہی دشمن پر حملہ کر دیا۔
عین اُس وقت جبکہ اسلامی لشکر حضرت معاویہ کی سرکردگی میں فاتحانہ
بڑھ رہا تھا۔ پیچھے سے ایک آواز آئی ہے اللہ اکبر اللہ اکبر
وفاءٌ لا غدر یعنی اللہ اکبر اللہ اکبر مسلمانوں کو عہد پورا کرنا چاہئے
عہد شکنی جائز نہیں۔ حضرت معاویہؓ نے پھر کر دیکھا تو عمرو بن عبسہ
صحابی ہیں۔ اُن سے دریافت کیا تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ من کان بینہ وبین قوم
عہد فلا یحلن عہدا ولا یشدنہ حتی یمضی امدہ
او ینبذ الیہم علی سواء قال فرجع معاویۃ بالناس
(مشکوٰۃ باب الامان)

"یعنی جس شخص کا کسی دوسری قوم سے معاہدہ صلح کا ہو تو معاہدہ
کی میعاد گزرنے سے پہلے کسی سامان کو باندھے نہ کھولے یا کہ اس
معاہدہ کو باقاعدہ واپس کر دیا جائے۔"

مطلب یہ تھا کہ میعاد صلح کے اندر لشکر کشی کر کے سرحد روم
تک لے آنا یہ بھی ایک گونہ معاہدہ کی خلاف ورزی ہے۔ حضرت
معاویہؓ نے یہ سنکر لشکر کو واپسی کا حکم دے دیا۔ اور سب واپس ہوگئے

دفعہ ۱۵۔

کسی غیر مسلم کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ بلکہ
اس کو اپنی مذہبی رسوم کی ادائیگی میں مکمل آزادی ہوگی۔

آیت نمبر ۲۴۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (بقرہ)

ترجمہ۔ دین میں زبردستی نہیں ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔

دفعہ ۱۶

حکومت کی ذمہ داری ہے کہ ملک کی وہ دولت جس میں سب کے
حقوق مساوی ہیں اُن کی تقسیم اس طرح کرے کہ تمام اہل ملک اور
ان کی آئندہ نسلیں اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ ایسا نہ ہو کہ اس
دولت پر صرف سرمایہ دار قبضہ کر لیں یا اس طرح تقسیم ہو کہ کچھ لوگ
سرمایہ دار بن جائیں اور دوسرے محروم رہ جائیں۔

آیت ۵۔ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (سورۂ حشر پارہ ۲۸)

ترجمہ۔ جو کچھ اللہ اپنے رسول کو دوسری بستیوں کے لوگوں سے دلوا دے وہ اللہ کا حق ہے اور رسول کا اور قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور غریبوں کا اور مسافروں کا۔ تاکہ وہ تمہارے سرمایہ داروں کے قبضہ میں نہ آجائے۔

اس آیت میں اُس مال و دولت کا ذکر ہے جو بغیر جنگ و جہاد
کے مسلمانوں کے ہاتھ آجائے۔ جس کو اصطلاح میں "فے" کہا جاتا
ہے۔ اسمیں چونکہ فوج یا مجاہدین کو کوئی محنت اُٹھانا نہیں پڑی۔
اسلئے یہ اموال ان میں تقسیم نہ کئے جائیں گے۔ بلکہ تمام مسلمانوں کے
حقوق ان میں مساوی ہوں گے۔ (احکام القرآن جصاص وہدایہ)

اسی طرح جنگ و جہاد کے ذریعہ حاصل شدہ غیر منقولہ جائدادوں کا
کا بھی حسب فرمان فاروق اعظم واتفاق رائے جمہور صحابہ کا بھی یہی
حکم ہے۔ کہ وہ صرف مجاہدین کا حق نہیں۔ ان میں تمام موجودہ و آئندہ
آنے والے مسلمانوں کے حقوق ہیں۔ (احکام القرآن للجصاص)

پھر ان اموال میں جو تفصیل ان آیات میں مذکور ہے اسمیں اللہ
تعالی کا حق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اموال عہد رسالت میں خاص رسول کے
اختیار و تصرف میں رہیں گے۔ پھر ممکن ہے کہ یہ اختیار مالکانہ ہو اور احتمال
ہے کہ محض حاکمانہ ہو۔ بہرحال اللہ تعالے نے ان اموال کے متعلق آپ
کو اگلی آیت میں ہدایت فرمادی کہ وجوباً یا ندباً فلاں فلاں مصارف میں
صرف کئے جائیں۔ آپ کی وفات کے بعد یہ اموال امام اور امیر المومنین

اختیار و تصرف میں جائیں گے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب
خلیفہ ہے۔ لیکن اسکا تصرف مالکانہ نہیں ہوگا بلکہ حاکمانہ ہوگا وہ
ان اموال کو مسلمانوں کے مصالح عامہ اور عام ضروریات میں صرف
کرے گا۔ (بیان القرآن وغیرہ)

دفعہ ۱۷ ــــــــ

انفرادی ملکیتیں جو جائز طریقوں سے حاصل کیگئی ہوں وہ کسی سے
بلا حق سلب نہ کی جائیں گی۔

آیت نمبر ۲۶ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ	ترجمہ۔ اے ایمان والو! نہ
اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ	کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس
بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ	میں ناحق مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی
تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ	خوشی سے
مِّنْکُمْ (سورۂ نساء ع ۵۔ پ ۵)	

قرآن کی بیشمار آیات ہیں۔ جو شخصی ملکیت کے احترام کو واجب قرار
دیتی ہیں مثلاً لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ اِلٰٓی اَمْوَالِکُمْ وَلَا تُؤْتُوا
السُّفَھَآءَ اَمْوَالَکُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ قِیٰمًا اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ
اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا (الآیۃ) وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ
بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِھَآ اِلَی الْحُکَّامِ لِتَاْکُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ
النَّاسِ (البقرہ وغیر ذالک)

اسی مضمون کو حدیث میں فرمایا ہے اَلَا لَا یَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ
مُسْلِمٍ اِلَّا عَنْ طِیْبِ نَفْسٍ مِّنْہُ (خبردار کسی مسلمان کا مال بغیر
اس کی رضامندی کے حلال نہیں ہو سکتا۔)

اسی وجہ سے جمہور فقہائے اُمت کا ضابطہ اس معاملہ میں وہ ہے
جو قاضی ابو یوسف رح نے کتاب الخراج میں لکھا ہے۔ کہ لیس للامام
ان یخرج شیئًا من ید احد الا بحق ثابت معروف
(کتاب الخراج ص ۵۴ ج ۲) یعنی امیر المومنین کے لئے جائز نہیں کہ کسی کے قبضہ سے
کوئی چیز نکال لے بجز اس کے کہ اس کے خلاف کوئی حق ثابت و معروف ہو۔

ایک مرتبہ سلطان مصر ملک الظاہر بیبرس نے مصر کی زمینوں کے
متعلق یہ قانون نافذ کرنا چاہا تھا۔ کہ "جو لوگ ان زمینوں پر قابض ہیں
وہ اپنی ملکیت کا ثبوت پیش کریں۔ اگر ایسا ثبوت نہ پیش کرسکینگے
تو یہ زمین بحق حکومت ضبط کرلی جائے گی۔ اس زمانہ کے عام علماء اور
شیخ الاسلام محی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کے اس تصرف
کو ناجائز قرار دیا۔ اور اُن کو یہ قانون واپس لینا پڑا۔ (شامی)

صدر مملکت کے اوصاف

دفعہ ۱۸ ــــــــ

(ا) مسلمان ہو۔ کافر نہ ہو
(ب) نیک عمل ہو، فاسق معلن نہ ہو۔
(ج) علمی اور عملی قابلیتوں میں ممتاز سمجھا جاتا ہو۔
(د) اپنے زمانہ کی سیاست سے بخوبی واقف ہو۔

مذکورۂ سابق آیت سورۂ نساء ع ۱۲ میں جہاں عوام کو اولو
الامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے
کہ اولوالامر مسلمان ہوں۔ (اولی الامر منکم) یعنی وہ امیر جو مسلمانوں
میں سے ہوں اور خارجی فتنے کی روک تھام کرسکے۔

آیت نمبر ۲۷ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ	(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے ابراہیم سے
لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ	فرمایا کہ میں آپ کو لوگوں کا مقتدا
ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی	بناؤں گا اُنہوں نے عرض کیا کہ
الظّٰلِمِیْنَ ہ	میری اولاد میں سے بھی (یہ درجہ
	عنایت کیجئے) اللہ تعالیٰ نے
	فرمایا کہ میرا عہدہ خلاف ورزی
	کرنے والوں کو نہ ملے گا۔

خلاف کرنے کا انتہائی درجہ کفر ہے، دوسرا فسق و فجور، اس سے

معلوم ہوا کہ کافر یا فاسق معلن کو مقتدا اور امیر مملکت نہیں بنایا جا سکتا
ان دونوں آیتوں سے امیر مملکت کا وصف (الف و ب) بوضاحت
ثابت ہوگیا

اور یہ بات جیسے مذکور الصدر آیات قرآنی سے ثابت ہے،
خود عقلی اور فطری بھی ہے۔ کہ جو سلطنت کسی خاص نظریہ اور اصول
پر بنائی گئی ہو۔ اُسکا سربراہ کار اُس شخص کو نہیں بنایا جا سکتا جو
اس نظریہ اور اُصول ہی سے اتفاق نہ رکھتا ہو۔

آج کی جمہوریت نواز دنیا اور جمہوریت کے بڑے بڑے
علمبردار بھی اس اُصول سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں
ہوسکتے۔ اگر امریکہ کی جمہوریت کا صدر کسی اشتراکی عقیدہ رکھنے
والے کو نہیں بنایا جا سکتا۔ تو اسلامی حکومت میں خدا و رسول کے
منکر کو صدر مملکت بنانے کے کوئی معنی نہیں ہوسکتے۔

الغرض آیات مذکورہ سے وصف الف و ب کا ضروری
ہونا ثابت ہوگیا۔

آیت نمبر ۲۸۔

قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۭ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَاۗءُ

ترجمہ۔ جب بنی اسرائیل کے کسی نبی نے اُن کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے لئے طالوت کو بادشاہ بنا دیا ہے تاکہ تم اُس کے زیر علم اپنے مخالفین سے جہاد کرو تو وہ کہنے لگے کہ طالوت کو ہم پر حکمرانی کا حق کیسے حاصل ہوسکتا ہے۔ حالانکہ نسبت اُن کے ہم حکمرانی کے زیادہ مستحق ہیں اور اُن کو تو کچھ مالی وسعت بھی نہیں دی گئی ان پیغمبر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے مقابلہ میں اُن کو منتخب فرمایا ہے اور علم وجسامت میں اُن کو زیادتی دی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنا ملک جسکو چاہیں دیں اور وہی علیم و خبیر ہیں"

اس آیت میں طالوت کے حکمران ہونے کی اہلیت میں سب سے
پہلی بات تو یہ فرمائی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کا انتخاب فرمایا ہے
دوسری بات یہ تبلائی کہ اُن کے دو وصف بھی ایسے ہیں جنکی وجہ سے
وہ مستحق حکمرانی سمجھے گئے۔ اور وہ دو یہ ہیں۔ (۱) علم میں اُن کا
دوسروں سے ممتاز ہونا۔ (۲) جسمانی قوت وطاقت میں ممتاز ہونا جسکا
نتیجہ عملی امتیاز ہوتا ہے۔ اسلئے آیت مذکورہ سے وصف (ج) واضح
طور پر ثابت ہوگیا۔ اور یہی آیت ذیل سے بھی ثابت ہے۔

آیت ۲۹۔ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۣ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ۔
(سورۂ سجدہ پارہ ۲۱)

ترجمہ۔ اور ہم نے اُن (بنی اسرائیل) میں سے بہت سے مقتدا بنا دیے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے جب کہ وہ لوگ صبر کئے رہے اور ہماری آیتوں کا یقین رکھتے تھے۔

حضرت علی رض کا ارشاد ہے کہ ایمان میں صبر کا وہ درجہ ہے جو
درجہ سر کا باقی بدن کے مقابلہ میں ہے۔ اور اس پر استدلال میں یہ
آیت پڑھی۔ پھر فرمایا۔ لما اخذوا براس الامر صاروا رؤسا
قال بعض العلماء بالصبر والیقین تنال الامامۃ فی الدین
یعنی ان لوگوں نے جب کہ راس الامر (صبر) کو اختیار کر لیا تو رؤسا
اور مقتدا بن گئے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ صبر و یقین ہی کے ذریعہ
دین کی امامت حاصل ہوسکتی ہے (ابن کثیر ص ۴۶۳ ج ۳)

صبر عملی قوت کا اعلیٰ مقام ہے۔ اور یقین علمی قوت کا اعلیٰ درجہ ہے
اسلئے معلوم ہوا کہ قوم کا مقتدا اور پیشوا بننے کے لئے یہ دو وصف
ہونے چاہیئے۔

اسلئے آیت مذکورہ سے وصف (ج) واضح طور پر ثابت ہوگیا۔

آیت نمبر۲ مذکورالصدر میں حکومت کا مقصد دفع فتنہ وفساد قرار دیاگیا ہے ظاہر ہے کہ جس شخص میں اسکی اہلیت وصلاحیت نہ ہو اُسکو صدر مملکت بنانا بیکار ہے۔ اس لئے اُس سے اوصاف امیر میں سے (وصف د) ثابت ہوگیا۔

یہ قرآن کریم کی چند آیات ہیں۔ جو مختصر وقت اور معمولی غور و فکر سے دستوری مسائل پر مشتمل نظر آئیں۔ ان میں بھی دستور مملکت کی اہم دفعات تقریباً آگئی ہیں۔ پورا غور وفکر اور مکمل تحقیقات کی جائے تو بہت ممکن ہے کہ باقی دستوری مسائل بھی قرآن کریم سے ثابت ہوجائیں۔

اور اصل یہ ہے کہ تمام اسلامی احکام، دستور۔ قانون میں قرآن کریم ایک اشارہ کرتا ہے اور اسکی تشریح وتبیین رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے قول وفعل سے فرماتے ہیں۔ اسلئے مکمل دستور اسلامی وہی ہوسکتا ہے جو قرآن کریم کی آیات اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے تعامل سے ثابت شدہ اصول پر مبنی ہو۔

مگر اس وقت پیش نظر تدوین دستور نہیں۔ بلکہ درس قرآن کے سلسلہ میں ایک خاص مضمون کی آیات کی یکجا تفسیر کرنا ہے تاکہ قرآن کو سرسری طور پر پڑھنے والے مسلمان دیکھ سکیں کہ براہ راست قرآن مجید سے کس قدر اہم دفعات دستور ثابت ہیں۔ اور دستور ساز اسمبلی کے وہ ممبران جو علماء کی دستوری تجاویز کو محض ملاؤں کے قیاسات سمجھ کر نظر انداز کرنا چاہتے ہیں۔ قرآن کریم کے ارشادات پر مطلع ہوکر دنیا و آخرت کی ذمہ داری محسوس کریں۔

واللہ الموفق والمعین

قرآن : دلائل کی روشنی میں

(بقیہ صفحہ ۱۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا واقعہ۔ یا حضرت نجاشی کی غائبانہ اطاعت تاریخ کے ایسے واقعات ہیں، جو کبھی بھلائے نہیں جاسکتے۔ حضرت عثمان غنی رضؓ کے متعلق منقول ہے کہ وہ اپنے دروازے پر قرآن بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے جس سے بہت سے لوگ مسلمان ہوگئے۔ اسی پر تو کفار مکہ نے حضورؐ سے حضرت عثمان کے اس فعل کی شکایت بھی کی تھی۔

حضرت جبیر بن مطعمؓ جو رؤساء قریش میں تھے اپنے اسلام لانے کا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ مغرب کی نماز کا وقت تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سورۂ والطور پڑھ رہے تھے میں اُدھر سے گزرا تو سننے لگا جب آپ اس آیت پر پہنچے اَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ۔ یعنی کیا یہ لوگ بغیر خالق کے پیدا ہوگئے یا وہ خود اپنے کو خالق خیال کرتے ہیں) تو میرا دل ایک دم دہل اُٹھا۔ اور پورے جسم پر لرزش سی طاری ہوگئی۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ اُسی وقت آکر مسلمان ہوگیا۔

نجاشی بادشاہ حبش نے ایک جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کرنے کے لئے مکہ معظمہ بھیجی تھی۔ ان لوگوں نے جب یہاں پہونچکر حضور کی زبان سے آیات قرآنیہ سنیں تو بیساختہ سب رو پڑے یہ واقعہ خود قرآن مجید میں بھی نقل کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ

ان لوگوں نے جب آیات قرآنیہ سنیں تو اے نبی آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ انکشاف حق کی بناء پر سب ایک دم رو پڑے

خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ قرآن حکیم خدا کی آخری کتاب ہے اور ہر قسم کے دلائل و براہین سے اُن کا دامن لبریز ہے۔

قرآن مجید کے متعلق دلچسپ اعداد و شمار

یہ سب اعداد و شمار فقیہ ابو اللیث سمر قندی ؒ نے اپنی کتاب "بستان المحدثین" میں مشہور استاد تجوید عبد العزیز بن عبد اللہ سے نقل کئے ہیں۔

سورتیں	۱۱۴	رکوعات	۵۴۰	ر	۱۱۷۹۳
اعشار کوفی	۴۲۳	اعشار بصری	۶۲۳	ز	۱۵۹۰
اخماس "	۸۴۷	اخماس "	۱۲۴۶	س	۵۸۹۱
آیات کوفی	۶۲۳۶	آیات بصری	۶۲۱۶	ش	۲۲۵۳
" شامی	۶۲۵۰	" مکی	۶۲۱۲	ص	۲۰۱۳
" مدنی	۶۲۱۴	" عامہ	۶۶۶۶	ض	۱۶۰۷
کلمات			۸۶۴۳۰	ط	۱۲۷۴
حروف			۳۲۱۲۶۵	ظ	۸۴۲
زبر			۵۳۲۴۲	ع	۹۲۲۰۰
زیر			۳۹۵۸۲	غ	۲۲۰۸
پیش			۸۸۰۴	ف	۸۴۹۹
نقطے			۱۰۵۱۸۴	ق	۶۸۱۳
مد			۱۷۷۱	ک	۹۵۲۲
تشدیدات			۱۲۵۲	ل	۳۴۳۲
الف			۴۸۸۷۲	م	۲۶۵۳۵
ب			۱۱۲۲۸	ن	۲۶۵۶۰
ت			۱۱۹۹	و	۲۵۵۳۶
ث			۱۲۷۶	ه	۱۹۰۷۰
ج			۳۲۷۳	لا	۳۷۲۰
ح			۹۷۳	ء	۴۱۱۵
خ			۲۴۱۶	ی	۲۵۹۱۹
د			۵۶۴۲	مع عند المتقدمین ۱۵	مع عند المتاخرین ۱۸
ذ			۴۶۹۷	سجدے اختلافی ۱۵	سجدے اتفاقی ۱۴

مولانا محمد جمیل الرحمن سیوہاروی

قرآن کا معاشی نظام

اشتراکیت و سرمایہ داری کی موجودہ اصطلاحات کی روشنی میں

مشین کی ایجاد نے دنیا کو ناگفتہ بہ معاشی مشکلات میں مبتلا کر دیا ہے۔ محنت و سرمایہ کے سوال نے آج جو اہمیت اختیار کر لی ہے اُسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں اشتراکیت و سرمایہ داری کے دو جدا جدا نظریے قائم ہو گئے ہیں۔ ایک کا دعویٰ ہے کہ سرمایہ کبھی فرد واحد کی ملکیت نہیں بلکہ قوم کی ملک ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ نہیں آج تک ذاتی ملکیت کا جو رواج چلا آیا ہے، وہی صحیح ہے۔ لیکن چونکہ دنیا میں محنت کش مزدور اور کسان زیادہ ہیں اسلئے اشتراکیت کے اُصول ہی زیادہ عام ہو رہے ہیں۔ ہندوستان میں چونکہ غربت و افلاس عام ہے، اسلئے یہاں بھی اشتراکیت نے اپنی جگہ بنا لی ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے اشتراکیت پسند نوجوان لینن اور مارکس کے اشتراکی نظریوں میں اتنے غرق ہیں کہ وہ مسئلہ کی اصل نوعیت پر بہت کم غور کرتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے سامنے سوال یہ ہونا چاہیئے کہ چونکہ روس میں ایسا ہو رہا ہے اور چونکہ کارل مارکس اور لینن نے ایسا کیا ہے۔ اسلئے ہمیں بھی ایسا کرنا چاہیئے۔ بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ ہماری موجودہ مشکلات کو حل کرنے کا بہترین طریقہ کیا ہے۔ ہمیں سوچنا چاہیئے کہ آیا موجودہ معاشی مرض کا علاج ہمارے دامن میں ہے یا نہیں اگر ہے تو پھر اسکی کیا ضرورت ہے کہ ہم لینن اور اسٹالن کے سامنے بھیک کا دامن پھیلائیں۔ خصوصاً اشتراکی نوجوانوں کو تو اس طرف غور کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے جن کو قدرت نے مسلمان ماں باپ کے گھر میں پیدا کیا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس قسم کے نوجوان صرف روس ہی کیطرف نہ دیکھا کریں بلکہ کبھی کبھی یثرب و بطحا کی جانب بھی نظر ڈال لیا کریں۔ کہ نور ہدایت کا جو طوفان اُن کو یہاں دکھائی دے گا اُسکا عشر عشیر بھی روس کی خاک میں نہ ملے گا۔

ذیل میں مولانا جمیل الرحمٰن صاحب نے اسی نقطۂ نظر کے ماتحت اختصار کے ساتھ اسلام کے معاشی نظام کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے جس سے معلوم ہوگا کہ اسلام نے عیسائیت کے دلدادوں کی طرح سرمایہ کی پرورش کرنے کو جائز نہیں رکھا ہے اور اسلئے مذہب سے بے تعلق ہو کر ایک معاشی نظام بنانے کی جو ضرورت یورپ والوں کو پیش آئی اسکی ضرورت کم از کم مسلمانوں کو نہیں ہے۔

(ادارہ)

اسلام نے جائداد منقولہ و غیر منقولہ میں شخصی ملکیت اور اس ملکیت میں مالکانہ تصرف کا حق ایک محدود دائرہ میں تسلیم کیا ہے۔ اور

اسلام کے بیان کردہ ذرائع آمدنی مثلاً تجارت وراثت۔ ہبہ۔ مزدوری کاشتکاری وغیرہ وغیرہ ذرائع سے جو دولت بھی حاصل ہوتی ہے۔ اُس پر

شخصی ملکیت کا قانون نافذ ہوجاتا ہے۔ اور پھر اُسی شخصی ملکیت کے نتیجہ میں عشر و زکوٰۃ، مہر و نفقات، خراج وغیرہ مختلف ٹیکس اشخاص پر عائد ہوتے ہیں۔ اور جس طرح جائداد منقولہ میں یہ شخصی تملک معتبر ہے ٹھیک اُسی طرح جائداد غیر منقولہ میں اسلام کا قانون ملکیت نافذ ہے۔ چنانچہ اسلام کے متفقہ اور مشہور قانون شفعہ کی بنیاد اسی پر قائم ہے۔

قرآن عظیم نے سورۃ الکہف میں جس باغ کا تذکرہ فرمایا ہے اُسکی ملکیت باغ کے زمینداروں کی جانب فرمائی ہے اور اسلئے یہ کہنا صحیح ہے کہ اسلام نے شخصی ملکیت آئینی حیثیت سے تسلیم کیا ہے لیکن اسی کے ساتھ کتاب و سنت اور ائمہ کے اجماعی مذہب کے پیش نظر یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام نے شخصی ملکیت کو تسلیم کرنے کے ساتھ ہر موقع پر دو اُصول ملحوظ رکھے ہیں۔

اوّل یہ کہ دولت کی پیداوار کے ذرائع کسی ایک ہی طبقہ میں سمٹ کر نہ رہ جائیں۔

دوسرے یہ کہ شخصی اور ذاتی سرمایہ میں عوام کا مستقل اور معقول حصہ آئینی حیثیت سے موجود رہے۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

كيلا تكون دولة بين الاغنياء منكم — تاکہ دولت تمھارے سرمایہ داروں میں سمٹ کر نہ رہ جائے۔

اور ——

فی اموالهم حق معلوم للسائل والمحروم — تمھاری دولت میں غریب اور فقیر کا بھی حق ہے۔

نیز پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے۔

تؤخذ من اغنياءهم وترد الى فقرائهم — دولتمندوں سے لیکر غریبوں میں بانٹ دیا جائے۔

ایک اور مقام پر قرآن عظیم نے فرمایا ہے۔

الذين يكنزون الذهب والفضة ولا ينفقونها في سبيل الله فبشرهم بعذاب اليم (سورۂ توبہ) — جو لوگ سونے اور چاندی کو سرمایہ بنا کر رکھتے ہیں اور اُس کو خدا کے بتلائے ہوئے راستہ میں (قوم کے ضرورتمند طبقہ پر) خرچ نہیں کرتے ہیں اُن کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔

اس ارشاد ربانی کی بنا پر اسلام کے ایک مشہور صحابی ابوذر غفاریؓ کا عقیدہ یہ تھا کہ معمولی ضروریات زندگی کے علاوہ اسلام میں قطعاً سرمایہ داری جائز نہیں ہے۔ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس مسئلہ میں حضرت ابوذر کے تقریباً ہمنوا تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ وہ معمولی ضروریات کو چار ہزار درہم یعنی مروجہ سکہ سے تخمیناً ایک ہزار روپیہ سالانہ میں محدود سمجھتے تھے۔ اس سے زائد سرمایہ اُن کے نزدیک بھی جائز نہ تھا۔ بلکہ اس کو قوم کے ضرورتمند طبقہ پر صرف کردینا ضروری تھا۔

اسلام کی مشہور شخصیت امام ضحاک ان "معمولی ضروریات" کا تخمینہ اس سے کچھ زیادہ یعنی ڈھائی ہزار روپیہ فرماتے ہیں۔ (اتحاف السادة للزبیدی و شرح احیاء العلوم جلد ۸ ص)

لیکن یہ واضح رہے کہ ان حضرات کا یہ اختلاف اُصولی نہ تھا۔ بلکہ اپنے اپنے تجربہ کے مطابق ضروریات زندگی کو دیکھتے ہوئے ایک تخمینہ تھا۔ جسے ہر شخص ہر زمانہ میں جس طرح چاہے کر سکتا ہے۔

جمہور علماء اسلام کے نزدیک یہ امر متفق علیہ ہے کہ قرآن عظیم نے اُس سرمایہ کی شدید مذمت کی ہے جس میں سے قوم کے ضرورتمند افراد کے لئے زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کی معقول مقدار نہ نکالی جائے۔

جائداد غیر منقولہ کے بارے میں مالکانہ تصرف کے لحاظ سے ائمہ کے حسب ذیل اقوال مذکور ہیں۔

(امام حسنؒ، طاؤسؒ اور اصمؒ کے نزدیک جائداد صحرائی میں کسی ایک شخص کو صرف اتنی ہی زمین پر کاشت کرنے کا حق حاصل ہے، جتنی زمین

ہیں وہ بذات خود کاشت کر سکے۔ اس سے فاضل اراضی کو بدون معاوضہ دوسروں کو دیدینا ضروری ہے۔

(طحطاوی جلد ۲ و حواشی الموطا للامام محمد وغیرہ)

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے خیال میں خود کاشت کی اسامی زمین کا تعین حکومت کی تجویز پر منحصر ہے۔

(مبسوط سرخسی جلد ۱۳۔ صفحہ ۲۴)

امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ ایک مقررہ لگان کے عوض زمینداری کو جائز سمجھتے ہیں۔

(طحطاوی وغیرہ)

دیگر علماء کے نزدیک لگان اور بٹائی کی دونوں صورتیں جائز ہیں۔ (عالمگیریہ و عام کتب)

لیکن ان تمام حضرات کے نزدیک کاشتکار زبردست مراعات کا ہر وقت مستحق ہے۔ مثلاً آفات سماوی و ارضی کی بنا پر بقدر نقصان لگان خود بخود کم یا معاف ہوتا رہے گا۔ ایک ہی سال کا لگان رہتے ہوئے بعض حادثات کی بنا پر مدت کاشت معاہدے سے زائد ہو سکے گی۔ وغیرہ وغیرہ (عالمگیریہ و قاضی خان)

جائداد منقولہ میں ملکیت کے لحاظ سے ذیل کی قسم کی اراضی ذاتی ملکیت کے ماتحت نہیں آسکتی۔

۱۔ وہ چراگاہ جو آبادی کے متصل ہو۔
۲۔ وہ زمین جس کے درختوں کی لکڑی جلانے کے کام آئے۔
۳۔ نمک کی کان۔
۴۔ دریا

(فتاویٰ عالمگیریہ و کتاب احیاء الاموات)

مستقل طور پر اسلام نے چار چیزوں میں ہر انسان کا اشتراکی حق تجویز کیا ہے۔ (۱) قدرتی پانی (۲) خود رو گھاس (۳) کان کا نمک (۴) جلانے کی لکڑیاں، جو خود رو درختوں سے لیجائیں اور آگ۔

پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

الناس شرکاء فی ثلث فی الماء والکلاء والنار	تمام انسان ان تین چیزوں میں مشترک ہیں، پانی میں، گھاس میں، آگ میں۔ (ہدایہ)

ابوداؤد کی روایت میں اس سوال کے جواب میں کہ

ما الشئ الذی لا یحل منعہ	وہ کیا چیز ہے جسکا روکنا جائز نہیں

آپ نے فرمایا الملح یعنی نمک۔

صاحب نہایہ نے لکھا ہے کہ آگ سے مراد وہ خود رو درخت ہیں جن کی لکڑی جلانے کے کام میں آئے۔

اسلام نے سونے چاندی کے زیور اور نقد اور سامان تجارت میں زکوٰۃ یعنی سرمایہ کا چالیسواں حصہ، عوام اور قوم کے حاجت مند طبقہ کے لئے سالانہ ٹیکس کی حیثیت سے مسلمانوں کے ذمہ تجویز کیا ہے۔ زکوٰۃ کا فلسفہ یا اس تجویز کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ اسلام دولت کو محفوظ سرمایہ بنانے کی اجازت نہیں دیتا ہے۔

فرض کیجئے ایک شخص (مسلمان) اپنی ابتدائی عمر میں چالیس لاکھ یا چالیس کروڑ یا کسی بڑے سے بڑے سرمایہ کا مالک بنتا ہے تو اسلام کے قانون زکوٰۃ کے تحت از روئے حساب سالانہ چالیسواں حصہ نکالتے رہنے کے اعتبار سے یہ تمام کا تمام سرمایہ تقریباً پچاس سال کے اندر اندر اُس کے ہاتھ سے نکل کر عوام تک پہونچ جائے گا۔ معلوم رہے کہ انسان کی عمر طبعی ساٹھ یا پینسٹھ سال ہوتی ہے۔ اور پندرہ سال تک وہ ایک غیر مختار ہونے کی حیثیت سے دوسروں کی سرپرستی میں گزارتا ہے لہٰذا ہوش و خود مختاری کے اس پورے دور میں پچاس سال تک اسلام ایک مسلمان کو یہ اجازت تو دیتا ہے کہ وہ حدود شرعیہ میں رہ کر قیام زندگی کے لئے اس سرمایہ سے فائدہ حاصل کر سکے۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ وہ دولت کی کسی بھی مقدار کو محفوظ سرمایہ بنا کر چھوڑ دے بلکہ فی اموالہم حق معلوم (اُن کے مال میں غریبوں کا حق ہے) کے قانون کی بنا پر ایک سرمایہ دار اپنی عمر طبعی سے پہلے ہی اس مال کو عوام تک پہنچا دینے

پر مجبور ہے۔

واضح رہے کہ سرمایہ کی شمال میں یہ مقدار جمہور کے خیال کے پیش نظر ہے ورنہ ابوذر غفاریؓ اور علی مرتضیٰ وغیرہ حضرات کے مسلک کے پیش نظر تو سرمایہ کی ایک محدود و متعین مقدار کے علاوہ باقی کل سرمایہ عوام کی ملکیت ہو۔

سلمان کی پیداوار میں بارانی اور آب پاشی کے فرق سے دسواں اور بیسواں حصہ (عشر) عوام کا حق تجویز کیا گیا ہے۔

مویشیوں کی معتدبہ تعداد پر مختلف اصناف کے لحاظ سے مختلف حصہ زکوٰۃ کے نام سے عوام کیلئے مقرر کیا گیا ہے۔

تلقی اور احتکار یعنی تجارت کے وہ طریقے جو عوام پر اثر انداز ہوں اور جن میں سامان ضرورت کو ضرورت کے باوجود گرانی کے انتظار میں روک لیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح کسی تجارتی جماعت کا نرخ پر اس طرح قابو پا لینا جس سے عوام متاثر ہوتے ہوں تجارت کے یہ تمام پہلو اسلام میں قانونا جرم ہیں۔ اور حکومت کے ذمہ ان کی نگرانی تجویز کی گئی ہے۔

(ہدایہ و قاضیخاں و عام کتب)

اگر عوام پر کوئی حادثہ آجائے یا وہ سخت مفلس ہو جائیں تو سرمایہ داروں کو بلا قیمت سامان زندگی مہیا کرنے پر مجبور کیا جائیگا

(الحسبہ فی الاسلام لابن قیمؒ)

اسی طرح کسی معاشی حادثہ کو روکنے یا عوام کو پریشانی سے محفوظ رکھنے کے لئے سرمایہ داروں کی دولت کو جبراً صرف کرنا ضروری ہوگا (فتاویٰ عالمگیریہ بیان کری الانہار کتاب الشرب)

اسلام کے مذکورۂ بالا نظریات کی روشنی میں جو اجمالی طور پر پیش کئے گئے ہیں حسب ذیل نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

"اسلام نے شخصی ملکیت کو تسلیم کرنے کے باوجود ہر موقع پر سرمایہ میں عوام کا معقول حصہ تجویز کیا ہے حتیٰ کہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام نے اپنے معاشی نظام میں، عوام کی ضروریات کا بہت بڑی حد تک سرمایہ داروں کو ذمہ دار قرار دیا ہے۔"

لہٰذا ان تمام امور کے پیش نظر یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ اسلام کے نظام معیشت کو اگرچہ موجودہ عہد کی غیر فطری اور ناکام اشتراکیت یا انسانیت سوز سرمایہ داری کی اصطلاح سے معنون کرنا درست نہیں ہے، تاہم اس نے کافی حد تک اعتدال کے ساتھ اشتراکی ضروریات کو پورا کر دیا ہے۔

قرآن کی معجزانہ تاثیر (بقیہ صفحہ ۸۰)

کہ ہم کر دینگے اُن کو برابر اُن کے جو یقین لائے اور کئے بھلے کام، ایک سا اُن کا جینا اور مرنا۔ بہت برا ہے جو کہ وہ ٹھہرتے ہیں۔

ہمس بن منہال ایک ماہ میں تین مرتبہ قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے اور جو آیات نہ سمجھتے تو رجوع کرتے اور دوبارہ پڑھتے۔

حضرت فضیل کا قول ہے جب رات میرے سامنے آتی ہے تو اول اسکی درازی سے مجھے خوف آتا ہے مگر میں قرآن شروع کر دیتا ہوں تو اپنی حاجت پوری بھی نہیں کرتا کہ صبح ہو جاتی ہے۔

حضرت عکرمہ جب قرآن کھولتے تھے تو اُن پر غشی طاری ہو جاتی اور فرماتے "ھو کلام ربی"

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے تاثر قلبی کی کیفیت ان کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آنحضرت صلعم کے سامنے اسطرح بیان کی (ترجمہ) "وہ ایک نرم دل پست آواز آدمی ہیں جب قرآن پڑھتے ہیں تو زار و زار رونے لگ جاتے ہیں"

ایک دفعہ حضرت عمر نماز میں سورہ یوسف پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہونچے (ترجمہ کہا دیکھو بنی) نہیں شکایت کرتا میں اپنی رنج اور مصیبت کی مگر اللہ ہی کیطرف اور جانتا ہوں اللہ سے وہ کہ تم نہیں جانتے۔

ایک دفعہ عبداللہ بن عمر یہ آیت پڑھ رہے تھے (ترجمہ) اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور ان سب پر آپکو گواہ لائیں گے۔ اس پر آپ اسقدر روئے کہ داڑھی اور گریبان تر ہو گیا۔

مولانا امین احسن اصلاحی:

قرآن: اور حکومت الٰہیہ کا قیام

یہ بات میرے علم میں پہلی بار آرہی ہے کہ غیر اسلامی حکومتوں کے مسلمانوں کے لئے رہنما اصول "اختیار انفع اور دفع اضر" کا اصول ہے۔ میں ایک سیدھے سادھے مسلمان کی طرح یہ عقیدہ رکھتا ہوں ہر جگہ کے مسلمانوں کیلئے رہنمائی دینے والی کتاب قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید اللہ کے ایک ایسے ہی بندے پر اترا ہے جو ایک غیر اسلامی حکومت میں پیدا ہوا۔ اسی کے اندر جوان ہوا۔ اور اسی کے اندر اُسنے کام شروع کیا۔ اس قرآن نے کہیں بھی یہ نہیں بتایا ہے کہ غیر اسلامی حکومتوں میں بسنے والے مسلمانوں کے لیے رہنما اصول "اختیار انفع و دفع اضر" کا اصول ہے۔ وہ اسکو سامنے رکھ کر ان غیر اسلامی حکومتوں کے ساتھ معاملہ کرنے کے کیلئے اپنا لائحہ عمل بنالیا کریں۔ ہر غیر اسلامی ماحول میں مسلمانوں کا لائحہ عمل یہ ہے کہ وہ اللہ کے بندوں کو اللہ ہی کی بندگی اور اُسی کی اطاعت کی دعوت دیں۔ اور اس ماحول میں جو کام نیکی اور بھلائی کے ہو رہے ہوں ان میں شریک ہوں اور جو کام برائی کے ہوں، اُن سے بچا بچا کر اللہ کے بندوں کو روکنے کی کوشش کریں۔

قرآن میں مسلمانوں کا یہی مشن بتایا گیا ہے کہ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر (تم بہترین جماعت ہو جو لوگوں کی نیکی کی دعوت دینے اور برائی سے روکنے کے لئے اٹھائے گئے ہو) اس مشن کا تقاضا یہ ہے کہ جس غیر اسلامی حکومت کے اندر بھی مسلمان موجود ہوں وہاں وہ اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کردیں کہ وہ اس حکومت کے ہر اچھے کام کے دل وجان سے ساتھی ہیں صرف برائی کے کام ایسے ہیں جن سے وہ خود بھی بچتے ہیں اور اللہ کے دوسرے بندوں کو بھی بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لائحہ عمل پر چلکر تھوڑے تھوڑے مسلمانوں نے کفر وجاہلیت کے بڑے بڑے علاقوں کو اسلام کے نور سے منور کردیا۔ اگر وہ اختیار انفع اور دفع اضر کے فلسفہ کی روشنی میں اپنا لائحہ عمل بنانے والے ہوتے تو اپنے ماحول میں موقع پرست اور ابن الوقت مشہور ہو کے رہ جاتے۔ اور کوئی اُن کی بات بھی پوچھنے والا نہ ملتا۔

اس طرح کے موقع کبھی اسلام کے مشن کے لئے کوئی مفید کام نہیں کرسکتے۔ بلکہ اندیشہ ہے کہ اپنی اس پالیسی سے اگر وہ ایک کو اپنا دوست بنانے میں کامیاب ہونگے تو دس کو اپنا دشمن بنالیں گے اور اس طرح اپنے آپ کو بھی اور اپنے ساتھ اسلام کے نام کو بھی سخت نقصان پہونچائیں گے۔

یہاں اس بات کی طرف اشارہ کردینا بھی ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ خیال غلط فہمی پر مبنی ہے کہ کسی غیر اسلامی حکومت کا ہر جزو اور ہر کام حرام ہی ہوتا ہے اور اس سے تعاون کی ہر شکل ناجائز ہے ایک غیر اسلامی حکومت بھی معروف اور منکر دونوں قسم کے اجزا اور دونوں ہی طرح کے کاموں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ معروف میں تعاون اس وجہ سے بدی نہیں بن جائے گا کہ وہ معروف ایک غیر اسلامی

حکومت کے ہاتھوں انجام پا رہا ہے۔

اسی طرح ایک اور حقیقت کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے وہ یہ کہ ہر غیر اسلامی حکومت کا درجہ اسلام میں ایک ہی نہیں ہے۔ ایک غیر اسلامی حکومت تو وہ ہے جو اسلام اور مسلمانوں کی دشمن ہے اور ایک غیر اسلامی حکومت وہ ہے جس میں مسلمانوں کو از روئے آئین و قانون حقوق حاصل ہیں ان دونوں قسم کی حکومتوں کے ساتھ اندر کے مسلمانوں کے بھی اور باہر کے مسلمانوں کے بھی تعلق کی نوعیت الگ الگ ہے۔ اس فرق کو عقل بھی تسلیم کرتی ہے اور اس فرق کو اسلام نے بھی تسلیم کیا ہے۔

علاوہ ازیں، اس سلسلہ کی ایک اور بنیادی حقیقت بھی ہر مسلمان کے پیش نظر رہنی چاہیئے۔ وہ یہ کہ اسلام کے اصولوں پر ایک خالص اسلامی حکومت کے قیام کی ذمہ داری ایک آزاد اسلامی معاشرہ پر عائد ہوتی ہے جو مسلمان غیر اسلامی حکومتوں کے اندر رہتے بستے ہیں اُن کے اوپر اسلام کی طرف سے صرف یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی بندگی اور اُس کے نبیوں اور رسولوں اور اُسکے آخری رسول محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دیں اور اُن کے سامنے اسلام کی تعلیمات کی خوبیاں واضح کریں۔ اسلامی حکومت کے قیام کی دعوت کے نہ غیر مسلم مخاطب ہیں اور ہر جگہ اور ہر حالت کے اندر اسلام مسلمانوں ہی پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ حکومت الٰہیہ کے قیام کی دعوت لیکر اُٹھیں۔

یہ سارے اُصول قرآن و سنت میں بیان ہوئے ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی دعوت اور اقامت دین کی جد و جہد میں ان کو ملحوظ رکھا ہے۔ لیکن اس زمانہ میں عام طور پر لوگ اس ترتیب و تدریج کی حکمت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے جو انبیاء علیہم السلام کے طریق کار کے اندر پائی جاتی ہے۔ البتہ یہ کرتے ہیں کہ جب اپنی بے تدبیری اور بے ترتیبی کی وجہ سے اُلجھنوں میں پھنستے ہیں تو "اختیار انفع اور دفع اضر" حکمت عملی اور اختیار اهون البلیتین وغیرہ کے سوا کچھ نہیں

قرآن، ایک صحیفہ انقلاب

(بقیہ صفحہ ۳۰)

اور تم اس سے بدلہ لینا چاہو تو بدلہ لینے میں تم حد سے تجاوز نہیں کر سکتے بدلہ تو لے سکتے ہو۔ مگر زیادتی کرنے کا تم کو کوئی حق نہیں ہے۔ اور یہی عقل و حکمت کا تقاضا ہے۔ لیکن اگر تم اس ظلم یا زیادتی پر صبر کر لو۔ تو یہ بہتر ہے۔ اس کے فوائد دنیا و آخرت میں تم کو حاصل ہونگے۔

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم فهو خير للصابرين (النحل)	اور اگر بدلہ لینے لگو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمھارے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے۔ اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھی بات ہے۔

یہ اور اس قسم کی صدہا آیات کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ قوم جو انحطاط کے آخری نقطہ پر پہونچ چکی تھی، اخلاق حسنہ سے متصف ہو کر بام ترقی پر پہونچ گئی۔ وہ جہاں پہونچے اور جدھر سے گزرے لوگ صرف اُن کو اور اُن کے اخلاق فاضلہ کو دیکھ کر ان کے گرویدہ اور شیدا ہو گئے۔ قوموں نے اپنی قسمت کا فیصلہ اُن کے ہاتھوں میں دیدیا۔ یہ حقیقت ہے کہ صحابہ کرام کے ذریعہ اسلام جتنا وسیع ہوا۔ اُس میں اُن کے اخلاق فاضلہ کو زیادہ دخل تھا جسکی تعلیم اُن کو قرآن نے دی تھی۔

دراصل قرآن حکیم وہ زندہ کتاب اور انقلابی صحیفۂ الٰہی ہے جس نے صدیوں پرانے تخیلات و توہمات کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیے اور اسکی جگہ ایسے عقائد اور ایسے اعمال کی بنیاد رکھی جن کے نتائج بہت دور رس اور ہمہ گیر ثابت ہوئے، حتیٰ کہ ہم آج کہہ سکتے ہیں کہ عالم کے کسی گوشہ میں اگر کوئی ذرہ خیر کا وجود ہے۔ تو وہ تعلیمات قرآنی کی نورانی شعاعوں سے منور ہے۔

بقیہ صفحہ [illegible] پر

مولانا احتشام الحسن کاندھلوی

پروردگارِ عالم نے
قرآن عظیم کیوں نازل فرمایا؟

آج ہم ہر نوع کے بلایا، مصائب اور مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں، ہر طرف سے ہم پر یلغار ہے۔ پیداوار کی کمی، ذرائع معاش کا فقدان، بیرونی اور اندرونی سازشیں۔ دشمنوں کے پیہم حملے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا کوئی نگہبان ہی نہیں۔ ہر طرف تباہی و بربادی ہے

"خدا ہو مہرباں تو دشمن اپنا آسماں کیوں ہو"

یہ خداوند عالم، خالق کائنات سے غفلت اور طغیانی و سرکشی ہی کا نتیجہ تو نہیں کہ ساری خدائی طاقتیں ہمارے خلاف ہیں۔ از راہِ کرم ربانی پروردگار عالم نے اپنے بندہ اور اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی کتاب قرآن مجید اسی لئے نازل فرمائی۔ تاکہ وہ حق و باطل اور صحیح و غلط میں فرق و امتیاز کر دے اور تمام جہانوں اور تمام جہان والوں کو گمراہی اور بدراہی کے برے انجام سے آگاہ و خبردار کردے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

تبارك الذى نزل الفرقان　　بابرکت ہے وہ ذات جس نے
على عبده ليكون للعالمين　　نازل کی حق و باطل میں تفریق
نذيرًا (سورۃ الفرقان)　　کرنے والی کتاب اپنے بندہ (محمد)
پر تاکہ وہ تمام جہانوں کو گمراہی
کے انجام سے ڈرائیں۔

جس بابرکت ذات نے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید اور فرقان حمید نازل فرمایا۔ آسمانوں اور روئے زمین پر اصلی بادشاہت اُسی کی ہے، اسی کا ملک ہے اور اسی کی سلطنت و حکومت ہے کوئی اسکا شریک اور ساجھی نہیں ہے اُسی نے ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے اور اندازہ کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔

کیا اس بنیادی حقیقت میں بگاڑ ہی ہماری تباہی اور بربادی کا باعث نہیں ہے؟

اس کے لئے ہمیں اپنی زندگی کا جائزہ لینا ہوگا۔ اپنے معتقدات پر نظر ڈالنی ہوگی۔ اگر ہم نے اس معبود برحق کو چھوڑ کر اوروں کی خدائی قبول کر رکھی ہے جنہوں نے نہ ہمیں پیدا کیا ہے اور نہ کوئی چیز پیدا کر سکتے ہیں، جب وہ خود مخلوق ہیں اور یا دوسرے انسانوں کی مصنوعات ہیں۔ اور وہ بالکل بے بس و مجبور ہیں۔

خود اپنے حق میں دفع ضرر اور جلب منفعت پر قدرت نہیں ہے موت و حیات، وجود و فنا میں کسی قسم کا انہیں کوئی اختیار نہیں ہے، تو پھر ان کی خدائی، عبادت و بندگی۔ عظمت و کبریائی اور اطاعت و فرمانبرداری کیسی؟

اگر انھیں گمراہیوں میں ہم اب تک مبتلا ہیں تو اسکا بنیادی انجام وہی ہے جو آنکھوں سے نظر آرہا ہے۔ پہلے بھی سرکش قومیں اسی سرکشی سے تباہ و برباد ہوئی ہیں اور اب بھی یہ کوئی مستبعد بات نہیں

ارشاد خداوندی ہے۔

* وکاین من قریۃ عتت عن امر ربھا ورسلہ فحاسبناھا حسابا شدیدا وعذبناھا عذابا نکرا فذاقت وبال امرھا وکان عاقبۃ امرھا خسرا

اور کتنی آبادیاں، نافرمانی کی انہوں نے اپنے پروردگار اور اسکے رسولوں کے حکم سے پس گرفت کی ہم نے اُن کی سخت گرفت اور چکھایا ان کو انوکھا عذاب، پس چکھ لیا اُنہوں نے اپنے کئے کا وبال اور ہے اسکا انجام کار خسارہ۔

تاریخ کے اوراق قوموں کی تباہی کی داستانوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ آج بھی آثار قدیمہ ان کی بخوبی شہادت دے رہے ہیں۔ حقائق وواقعات پر پردہ ڈالا جا سکتا ہے ان کو کالعدم نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن مجید کی یہ تنبیہ وآگاہی کسی جماعت یا قوم یا کسی ملک یا کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ قرآنی ہدایات اور تنبیہات تمام جہانوں اور تمام جہان والوں اور تمام انسانوں کے لئے ہیں اسی لئے قرآن مجید کو لانے والا رسول تمام بنی نوع انسان کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ جس کی ہدایت وره نمائی تمام انسانوں کے لئے ہے کسی خاص گروہ اور فرقہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے

ارشاد خداوندی ہے۔

* وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا

اور (اے محمد) نہیں بھیجا ہم نے تمہیں مگر سب انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر

* قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا

(اے محمد) اعلان کردو کہ اے انسانو! بیشک میں اللہ کا رسول ہوں۔ تم سب کی طرف۔

رسول خدا حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم تو تمام انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ تاکہ تمام نوع انسانی کو راہ یابی اور حق پرستی کے انعام و اکرام کی بشارت سنائیں اور اُن کو گمراہی اور بدراہی کے بُرے انجام سے آگاہ کریں۔ اور آپ کی طرف قرآن مجید اسی لئے وحی کیا گیا ہے تاکہ آپ اس کے ذریعہ لوگوں کو گمراہی کے بُرے انجام سے آگاہ فرمادیں۔ اور تمام انسانوں تک قرآن مجید کا پیغام پہونچادیں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

* قل اوحی الی ھذا القرآن لانذرکم بہ ومن بلغ

(اے محمد) اعلان کردو کہ میری طرف یہ قرآن اس لئے وحی کیا گیا تاکہ میں تمہیں بھی گمراہی کے انجام سے آگاہ کروں۔ اور اُن کو بھی جن تک یہ قرآنی دعوت پہونچے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مراد اہل مکہ ہیں۔ اور جس شخص کو بھی یہ قرآن کا پیغام پہونچ جائے تو قرآن مجید اس کے حق میں گمراہی کے انجام سے آگاہ کرنے والا ہے (درمنثور)

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ اس آیت سے استدلال فرمایا کرتے تھے کہ جہاں بھی قرآن مجید پہونچ گیا تو وہ اُس قوم کے لئے حق کا داعی ہے اور گمراہی کے انجام سے آگاہ کرنے والا ہے۔ اور یہ قرآن مجید عرب اور عجم دونوں کے حق میں حق تعالیٰ کا نذیر ہے (درمنثور)

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد شاہان عجم کو اسلام کی دعوت دی اور قرآن مجید کا اصل پیغام اُن تک پہونچایا۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آیت اوحی الی ھذا القرآن لانذرکم بہ ومن بلغ نازل ہوئی تو

ارشاد خداوندی ہے۔

* وکاین من قریۃ عتت عن امر ربھا ورسلہ فحاسبنٰھا حسابًا شدیدًا وعذبنٰھا عذابًا نکرا فذاقت وبال امرھا وکان عاقبۃ امرھا خسرا

اور کتنی آبادیاں، نافرمانی کی انہوں نے اپنے پروردگار اور اسکے رسولوں کے حکم سے پس گرفت کی ہم نے اُن کی سخت گرفت اور چکھایا ان کو انوکھا عذاب، پس چکھ لیا انہوں نے اپنے کئے کا وبال اور ہے اسکا انجام کار خسارہ۔

تاریخ کے اوراق قوموں کی تباہی کی داستانوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ آج بھی آثار قدیمہ ان کی بخوبی شہادت دے رہے ہیں۔ حقائق وواقعات پر پردہ ڈالا جا سکتا ہے ان کو کالعدم نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن مجید کی یہ تنبیہ و آگاہی کسی جماعت یا قوم یا کسی ملک یا کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ قرآنی ہدایات اور تنبیہات تمام جہانوں اور تمام جہان والوں اور تمام انسانوں کے لئے ہیں ہی لئے قرآن مجید کو لانے والا رسول تمام بنی نوع انسان کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا ہے، جس کی ہدایت و رہنمائی تمام انسانوں کے لئے ہے کسی خاص گروہ اور فرقہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے

ارشاد خداوندی ہے۔

* وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس بشیرًا ونذیرًا

اور (اے محمد) نہیں بھیجا ہم نے تمہیں مگر سب انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر

* قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا

(اے محمد) اعلان کردو کہ اے انسانو! بیشک میں اللہ کا رسول ہوں۔ تم سب کی طرف۔

رسول خدا حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم تو تمام انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ تاکہ تمام نوع انسانی کو راہ راست اور حق پرستی کے انعام و اکرام کی بشارت سنائیں اور اُن کو گمراہی اور بدراہی کے بُرے انجام سے آگاہ کریں۔ اور آپ کی طرف قرآن مجید اسی لئے وحی کیا گیا ہے تاکہ آپ اس کے ذریعہ لوگوں کو گمراہی کے بُرے انجام سے آگاہ فرمادیں۔ اور تمام انسانوں تک قرآن مجید کا پیغام پہونچادیں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

* قل اوحی الی ھذا القرآن لانذرکم بہ ومن بلغ

(اے محمد) اعلان کردو کہ میری طرف یہ قرآن اس لئے وحی کیا گیا تاکہ میں تمہیں بھی گمراہی کے انجام سے آگاہ کروں۔ اور اُن کو بھی جن تک یہ قرآنی دعوت پہونچے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مراد اہل مکہ ہیں۔ اور جس شخص کو بھی یہ قرآن کا پیغام پہونچ جائے تو قرآن مجید اس کے حق میں گمراہی کے انجام سے آگاہ کرنے والا ہے (درمنثور)

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ اس آیت سے استدلال فرمایا کرتے کہ جہاں بھی قرآن مجید پہونچ گیا تو وہ اُس قوم کے لئے حق کا داعی ہے اور گمراہی کے انجام سے آگاہ کرنے والا ہے۔ اور یہ قرآن مجید عرب اور عجم دونوں کے حق میں حق تعالیٰ کا نذیر ہے (درمنثور)

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد شاہان عجم کو اسلام کی دعوت دی اور قرآن کا اصل پیغام اُن تک پہونچایا۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں کہ جب آیت اوحی الی ھذا القرآن لانذرکم بہ ومن بلغ نازل ہوئی

ول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ اور قیصر اور نجاشی اور
بر بادشاہ کو خطوط بھیجے جن میں ان کو اللہ عز وجل کی طرف
عوت دی (در منثور)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بعض قیدی پیش کئے گئے تو آپ نے
ن سے دریافت فرمایا۔ کیا تمہیں اسلام کی دعوت دی گئی ؟
اُنھوں نے عرض کیا "نہیں"
آپ نے اُن کو رہا کر دیا پھر یہ آیت پڑھی واوحی الی ھذا
القرآن لانذرکم بہ ومن بلغ۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا ان کو
ا کردو تاکہ یہ اپنے ٹھکانوں پر پہونچ جائیں کیوں کہ ان کو اسلام
کی دعوت نہیں دی گئی ہے۔ (در منثور)

اس سے معلوم ہوا کہ اصل چیز قرآنی دعوت اور قرآنی پیام کا
چھوٹوں بڑوں اور عوام و خواص تک پہونچانا ہے۔ اور دیگر قوموں
ور فرقوں کو قرآنی ہدایات اور قرآنی تعلیمات سے روشناس کرانا ہے
یونکہ جس تک قرآنی پیغام اور مقاصد پہونچ گئے۔ اُس نے گویا زمانۂ
رسالت کو پالیا۔ اور بالمشافہ آپ سے احکام خداوندی اور ہدایات
بانی سن لیں۔ اور آپ نے اسکے حق میں حق رسالت ادا فرمادیا اور
پنی ذمہ داری سے سبک دوش ہوگئے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو یہ قرآن پہونچگیا وہ ایسا ہے کہ
گویا میں نے اس سے بالمشافہ بات کرلی۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی

واوحی الی ھذا القرآن لانذرکم بہ و
من بلغ　(در منثور)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن مجید کے نسخے دوسروں کے ہاتھوں
میں دیدیئے جائیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ قرآنی تعلیمات اور ہدایات کو
اس طرح اُن تک پہونچایا جائے کہ وہ قرآنی مقاصد کو اچھی طرح سمجھ
لیں اور جس مقصد کے لئے قرآن مجید نازل کیا گیا ہے وہ پورا
ہوجائے۔ اور حق تعالیٰ کی حجت اور رسول کو بھیجنے کا مقصد تمام
ہوجائے۔

حضرت محمد بن کعب قرضی آیۃ واوحی الی ھذا القرآن
لانذرکم بہ ومن بلغ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جس شخص تک
قرآن مجید پہونچ گیا۔ حتیٰ کہ اُس نے اُس کے مقصد اور مفہوم کو سمجھ لیا
تو وہ شخص ایسا ہے کہ گویا اُس نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا۔

ایک روایت میں ہے جس شخص کو قرآن ایسی طرح پہونچ گیا
کہ اس نے اسکو سمجھ لیا اور اسکی عقل میں آگیا تو وہ اس شخص جیسا ہے
جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آپ سے
بات کی (در منثور)

چودھویں صدی کے کسی بھٹکے ہوئے انسان کو اس مقام تک
پہونچادینا کوئی معمولی بات ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا سعادت ہوسکتی ہے
کہ اس کے ذریعہ کار نبوت انجام پائے۔

کوئی غیر مسلم مانے یا نہ مانے حق بات کو قبول کرے یا نہ کرے
مسلمانوں کی ذمہ داری تو صرف اتنی ہے کہ حق بات اور خدائی پیغام
جو اُن تک پہنچا ہے اُس کو دوسروں تک پہونچادیں۔ اور کسی کو اس
کلمۂ حق کی دعوت سے محروم نہ رکھیں۔ ہدایت اللہ تعالےٰ کے قبضہ
میں ہے۔ اسی کا اللہ و رسول کیجانب سے حکم دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے آیۃ واوحی الی
ھذا القرآن لانذرکم بہ ومن بلغ کی تفسیر میں مروی ہے
کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے تم اللہ تعالےٰ کی
طرف سے دوسروں کو پہنچاتے رہو۔ کیونکہ جس شخص کے پاس اللہ تعالےٰ
کی ایک آیت بھی پہونچ گئی تو اُسکے پاس اللہ تعالیٰ کا حکم پہونچ
گیا (در منثور از ابن جریر وغیرہ)

اور امام حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا ہے اے لوگو! تم دوسروں کو پہنچاتے رہو چاہے کتاب اللہ کی ایک ہی آیت ہو۔ کیونکہ جس شخص کو کتاب اللہ کی آیت بھی پہونچ گئی۔ اُس کو اللہ کا حکم پہونچ گیا۔ اب چاہے وہ اس حکم کو قبول کرے یا ترک کرے　　(درمنثور از ابن جریر)

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلغوا عنی ولو آیۃ ×
تم میری جانب سے دوسروں کو پہونچا دو چاہے ایک ہی آیت ہو۔

یہ ہے تبلیغ کا اصل منصب۔ جس سے بڑی حد تک لاپرواہی برتی جارہی ہے۔ حالانکہ دین اسلام کی اشاعت عمومیت اور مسلمانوں کی ترقی وعروج۔ اسی سے والبتہ ہے اور اسی مقصد حیات کے لئے تمام انبیاء اور رسولوں کو بھیجا گیا ہے۔ اور یہی وہ مقصد وحید ہے جس کی انبیاء اور رسولوں کے سردار حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے تکمیل فرمائی ہے۔ پروردگار عالم کا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ

یاأیها الرسول بلغ ما أنزل الیك من ربك
فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ ط

اے رسول دوسروں کو پہونچا دو جو تمہارے طرف
تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے
اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو اس کی رسالت کا
حق ادا نہیں کیا۔

اب آپ کی نبوت ورسالت عام تھی۔ تمام انسانوں کے لئے تھی۔ اور ہمیشہ کے لئے تھی۔ اسلئے آپ نے دوسروں تک پہونچانے کی ذمہ داری کو اُمت کے افراد و اشخاص کے ذمہ عائد فرمایا کہ جس شخص کو بھی جو قرآنی حکم معلوم ہوا۔ وہ اس کو دوسروں تک پہونچا دے تاکہ خدائی احکام اس کی مخلوق تک برابر پہونچتے رہیں۔ اور آپ کی رسالت و نبوت کی عمومیت کا دائرہ برابر وسیع ہوتا رہے اور جس مقصد کے لئے انبیاء سابقین بھیجے گئے ہیں۔ ختم نبوت کی وجہ سے وہ مقصد فوت نہ ہونے پائے۔

اسلئے اُمت محمدیہ کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کے مشابہ قرار دیئے گئے ہیں۔ اور علماء اُمت کو انبیاء کرام کا وارث اور جانشین بنایا گیا ہے۔

تبلیغ کے اس اعلیٰ منصب کے بعد جو اصل مقصود ہے۔ پھر مسلمانوں میں احکام خداوندی کی تبلیغ اور دینی باتوں کی تعلیم ہے جو محض تذکیر ویاددہانی کا مرتبہ رکھتی ہے۔ کیونکہ مسلمان دعوت اسلام کو قبول کرلینے کے بعد اب خود احکام خداوندی کے معلوم کرنے کا مامور اور مکلف ہے۔ اگر وہ اس سے غافل ہے تو دوسروں کے لئے اس کی یاددہانی ضروری ہے۔

فذکر ان الذکری تنفع المؤمنین (تم یاددہانی
کرتے رہو بیشک یاددہانی مومنوں کو نفع دیتی ہے

مسلمانوں کی تعلیم و تذکیر اور ان تک احکام خداوندی کی تبلیغ بھی دین کی بہت بڑی خدمت ہے۔ اور اس دور پر فتن میں جبکہ مسلمان اسلامی امور کو اختیار کر رہے ہیں اور اسلامیات سے غفلت ولاپرواہی برت رہے ہیں انکی ضرورت اور اہمیت یقیناً بڑھ جاتی ہے۔ مگر ایک ادنیٰ مقصد کی وجہ سے اعلیٰ مقصد کو بالکل نظرانداز نہیں کیا جاسکتا اور تمام انبیاء کرام کے متفقہ مقصد کو بالکل نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ ممکن کہ ملت اسلامیہ کے زوال وانحطاط کا اصل باعث یہی ہو کہ اُس نے اپنی زندگی سے اس اعلیٰ مقصد کو بالکل خارج کردیا ہے جو اس کا فرض منصبی بنایا گیا ہے۔ اور اسی سے اسکا عروج وفروغ والبتہ ہے۔ غرض جس مقصد کے لئے پروردگار عالم نے قرآن مجید کو روئے زمین پر نازل فرمایا ہے اور جس مقصد کی ادائیگی کی ذمہ داری افراد اُمت پر رکھی گئی ہے اسکی ادائیگی سے سبکدوشی بھی ملت کے لئے ضروری ہے اسی کی جانب متوجہ کرنا مقصود ہے۔ وما علی الرسول الا البلاغ وسلام علی المرسلین

مولانا ابوالحسن علی ندوی

قرآن کی پیشین گوئیاں

قرآن کریم کا ایک اعجاز اسکی پیشین گوئیاں ہیں۔ معجزہ اسی چیز کو کہتے ہیں جو خارق عادت طریقہ پر خدا کی قدرت سے کسی پیغمبر کی تصدیق کیلئے ظاہر ہو۔ اور انسانی عقل اسکی توجیہ و تعلیل سے قاصر ہو۔ جن حالات میں یہ پیشین گوئیاں کی گئی ہیں اور جس طرح ان کا ظہور ہوا وہ ایک معجزہ ہے۔ ان پیشین گوئیوں میں اعجاز کے دو پہلو نمایاں ہیں۔ ایک ان (بظاہر) ناموافق حالات میں بعید از قیاس اور اہم واقعات کا محض علم و اطلاع۔ دوسرے ان اطلاع کے عین مطابق ان کا ظہور و وقوع۔

ان پیشین گوئیوں میں سب سے زیادہ صاف و صریح، اور محیر العقول پیشین گوئی غلبہ روم کی پیشین گوئی ہے۔ یہ پیشین گوئی ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

الٓمٓ ۔ غلبت الروم فی ادنی	اہل روم ایک قریب کے موقع
الارض وھم من بعد غلبھم	میں مغلوب ہو گئے اور وہ اپنے مغلوب
سیغلبون ۔ فی بضع سنین	ہونیکے بعد عنقریب ۳ سے لیکر نو سال
للہ الامر من قبل ومن	تک کے اندر اندر غالب آجائیں گے
بعد ویومئذ یفرح المؤمنون	پہلے بھی اختیار اللہ ہی کو تھا اور بعد
بنصر اللہ ینصر من یشاء	کو بھی اور اس روز مسلمان اللہ تعالیٰ
وھو العزیز الرحیم ۔ وعد	کی اس امداد پر خوش ہونگے وہ جسکو چاہے
اللہ لا یخلف اللہ وعدہ	غالب کر دیتا ہے اور وہ زبردست ہے
ولکن اکثر الناس لا	اور مہربان ہے اسکا وعدہ فرمایا ہے
یعلمون ۔ یعلمون ظاھرا	اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ اپنے وعدے
من الحیوۃ الدنیا وھم عن	کیخلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں
الآخرۃ ھم غافلون ط	جانتے یہ لوگ صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں

اور آخرت سے بالکل بے خبر ہیں

اس پیشین گوئی کا اسلوب اور سیاق و سباق بتاتا ہے کہ اس کو قرآن اور آنحضرت صلعم کے ایک معجزہ اور ان دونوں کی صداقت کے ایک ثبوت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اور یہ بالکل غیر معمولی اور غیر مادی واقعہ ہے۔ اسلئے کہ رومیوں کا یہ غلبہ اُن کی انتہائی مغلوبیت کے بعد ہوا ہے۔ اسلئے آیت کی ابتدا میں دو جگہ ان کی مغلوبیت کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس واقعہ کی غرابت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ واقعہ نو سال کے اندر اندر پیش آئے گا۔ جو ایک برباد شدہ سلطنت اور ایک زوال پذیر قوم کے اُبھرنے اور فاتح کو مفتوح بنانے کے لئے ناکافی مدت ہے آیات کے دوسرے حصہ میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ یہ واقعہ خارق عادت طریقہ پر ظاہری آثار و قرائن کے بالکل خلاف اور عام انسانی قیاسات و توقعات کے برعکس ظہور پذیر ہوگا۔ چنانچہ پہلے فرمایا للہ الامر من قبل ومن بعد جسمیں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کو ہر وقت اختیار ہے۔ اسکو غالب کو مغلوب۔ اور مغلوب کو غالب۔ مردہ کو زندہ اور زندہ کو مردہ کرنے کچھ دیر نہیں لگتی۔ اسکے لئے

کسی وقت کی کوئی قید نہیں اور ساز گار حالات کا انتظار نہیں
وہ دن رات ایسے تصرفات کیا کرتا ہے۔

قل اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء
وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من
تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر تولج اللیل
فی النہار وتولج النہار فی اللیل وتخرج الحی من المیت
وتخرج المیت من الحی وترزق من تشاء بغیر حساب
(آل عمران ۳)

پھر آگے چلکر فرمایا کہ یہ واقعہ محض خدا کی مدد کا نتیجہ ہوگا۔
اور مسلمان ایرانیوں کے مقابلہ میں رومیوں کے قریب ہونے کی
وجہ سے کفار کے طنز و تعریض کی وجہ سے اسی درجہ بلکہ اس سے
زائد مسرور ہوں گے جتنے وہ رومیوں کی شکست سے محزون ہوئے

ویومئذ یفرح المومنون بنصر اللہ ط

ممکن ہے کہ اس سے خود مسلمانوں کی اس عظیم الشان اور
فیصلہ کن فتح کی طرف اشارہ ہو جو بدر کے میدان میں ٹھیک
اُس دن پیش آئی جس دن رومی ایرانیوں پر غالب ہوئے (ابن جریر
بروایت ابن عباس) اس پر یہ خیال ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ
رومی عیسائیوں کی مدد کیوں کرے گا (جسکی چاہے وہ مدد کرے)
اور اپنی ان صفتوں کا ذکر کیا جن کا اس محیر العقول واقعہ سے خاص
تعلق ہے۔ اور اس کے امکان ظہور کے لئے ایک دلیل کے طور پر ہیں

وھو العزیز الرحیم ط (وہ غالب اور رحم والا ہے)

اس واقعہ کے ظہور میں ان دونوں صفتوں کا ظہور ہوا۔
ایرانیوں کے لیے جو اپنی فتح کے نشہ میں سرشار تھے۔ عزت و غلبہ
خداوندی کا اور رومیوں کے لئے جن کا قلب اور جسم زخموں سے
چور چور تھا۔ اور اُن کی سلطنت سکرات میں موت کی سسکیاں لے
رہی تھی۔ اس کے پچاس ہزار آدمی قید اور ان کی قوم طرح طرح
سے ذلیل کیجا رہی تھی۔ رحمت الٰہی کا ظہور تھا۔ پھر ان مسلمان
کے لئے جن کو ایرانیوں کے مقابلہ میں رومیوں کی شکست سے ر
ہو چکا تھا۔ شادمانی کا پیام تھا۔ اور خود اُن کے آیندہ غلبہ ک
پیشین گوئی، اور اسکا اشارہ تھا۔ پھر اسکی اور تاکید فرمائی ا
تخلف نہیں ہوسکتا۔ پھر آخری طور پر یہ بتادیا کہ یہ واقعہ انسان
ظاہری معلومات اور روزمرہ کے تجربات کے خلاف پیش آئے گا۔ بہ
سے لوگ اس کے وقوع سے پہلے اس کی تصدیق کرنے سے عاجز ہو
اور اپنے ظاہری علم سے اس پر قیاس نہ کرسکیں گے۔

ولکن اکثر الناس لا یعلمون ہ یعلمون ظاہرا م
الحیوۃ الدنیا وھم عن الآخرۃ ھم غافلون ط

اب ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ وہ کیا ناموافق اور تاری
حالات تھے جنہیں رومیوں کا غلبہ ایسا مستبعد اور بعید از قیاس
گیا۔ کہ قرآن نے اس کو اس اہمیت کے ساتھ بیان کیا اور اس
قدرت خداوندی اور صداقت قرآنی کی ایک نشانی کے طور پر پ
کیا۔ ایک غلام قوم کا آزاد ہوجانا۔ ایک دبی ہوئی قوم کا ابھر
اور ایک سلطنت کا دوسری سلطنت کو زیر کرلینا تاریخ کا کوئی نا
اور مستثنیٰ واقعہ نہیں ہے۔ لیکن قرآن نے اس واقعہ کو ایک غیر م
واقعہ کے طور پر بیان کیا ہے۔

اسلئے ہمیں سب سے پہلے اس ماحول کو دیکھنا ہے جسم
اس واقعہ نے ایک معجزہ کی حیثیت اختیار کرلی۔ کیا واقعی رومی
مغلوب درماندہ اور نیم جان ہورہے تھے اور ایرانیوں نے اتنی عظ
فتح حاصل کرلی تھی اور رومی علاقوں اور صوبوں میں اتنی مستحکم سلط
قائم کرلی تھی کہ نو برس کے عرصہ میں پانسے کا پلٹ جانا۔ مفتوح ک
فاتح بن جانا ایک نہایت غیر معمولی واقعہ ہے۔ واقعہ کے ظہور
خدا کی قدرت کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔ کیا اس کے سوا اسکی کوئی عق
توجیہ نہیں ہوسکتی؟ اس سوال کا جواب ہم یوروپین مورخین کے

کے بیانات سے دیں گے۔ اس بیان میں ہمارا ماخذ مشہور انگریز مؤرخ وادیب "نگین" کی "تاریخ زوال روما" ہے۔

ایرانی حملے کے اسباب

خسرو[1] نے (جو نوشیرواں کا پوتا اور ہرمز کا بیٹا ہے) بہرام گور سے بھاگ کر جو ہرمز کو اتار کر ساسانی تخت پر قابض ہو گیا تھا۔ روم میں پناہ لی[2]۔ یہ شہنشاہ مارس[3] کی حکومت کا زمانہ تھا۔ اس نے ایرانی شہزادہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور شاہانہ اکرام سے پیش آیا۔ اور اپنا بیٹا بنا لیا۔ اور مشہور رومی جنرل نارسز کی ماتحتی میں ایک فوج بھیجی۔ جس نے خود ایرانیوں کی مدد سے سنہ ۵۹۱ء میں خسرو کو اسکے آبائی تخت پر بٹھا دیا۔ خسرو مارس کے اس احسان کا ممنون رہا اور اس کو اپنا محسن باپ سمجھتا رہا۔

شہنشاہ مارس کی زندگی تک ایرانی اور رومی سلطنتوں میں دوستانہ تعلقات رہے اور اس احسان کی وجہ سے رومی سلطنت کو سیاسی اور مادی فوائد حاصل ہوئے۔ سنہ ۶۰۲ء میں فاکس (Phocos) نامی ایک فوجی سردار نے شہنشاہ کے خلاف بغاوت کی اور اس کو اور اسکے خاندان کو نہایت سنگدلی اور بیدردی سے قتل کر کے قسطنطنیہ کے تخت پر بیٹھا۔ بازنطینی اور ایرانی سلطنتوں کے دوستانہ تعلقات اور مراسم کے مطابق نئے رومی شہنشاہ نے شہنشاہ ایران کو اپنی تخت نشینی کی اطلاع کی۔ اور خسرو کے دربار میں اپنا سفیر لیلیس (Lilius) نامی کو بنا کر بھیجا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے شہنشاہ ایران کے محسن مارس اور اُن کی اولاد کے سر فاکس کے سامنے پیش کئے تھے۔ جب یہ رومی سفیر شہنشاہ ایران کے دربار میں حاضر ہوا اور خسرو کو واقعہ کی تفصیلات معلوم ہوئیں۔ تو وہ سخت برافروختہ ہوا۔ سفیر کو قید کر دیا اور نئی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اعلان کر دیا کہ وہ اپنے باپ اور محسن کا انتقام لے گا۔

اس شریفانہ جذبۂ انتقام کو ماگیوں اور صوبجات کے ایرانی گورنروں کے مذہبی اور قومی تعصبات نے اور مشتعل کیا اور خسرو نے سنہ ۶۰۳ء میں روم پر حملہ کیا۔ (بعثت نبوی سے سات سال قبل)

ایرانی فتوحات

فاکس نے نارسیز اعلیٰ رومی جنرل کو قسطنطنیہ کے بازار میں زندہ جلا دیا تھا۔ رومی سلطنت میں اس وقت کوئی بہتر فوجی قائد موجود نہ تھا۔ اسکے نام سے اسیریا مائیں اپنے بچوں کو ڈراتی تھیں۔ اس کے قتل کے بعد رومی فوجیں ہاتھیوں کے پاؤں سے روندی گئیں۔ خسرو نے رومیوں کی سرحدی قلعہ بندیوں کو پہلے ہی مسمار کر دیا تھا۔ اس نے دریائے فرات عبور کر کے شام کے شہروں پر قبضہ کر لیا۔ ہیرو پلس حالیس اور حلب (شام کے شہر) پر قبضہ کرتے ہوئے اس نے بازنطینی سلطنت کا شرقی دارالسلطنت انطاکیہ فتح کر لیا۔

ایرانی فتوحات کا یہ تیز سیلاب رومی سلطنت کے زوال و انحطاط اور فاکس کی ناقابلیت کی دلیل تھی۔ ایرانیوں نے اس کے بعد کیپے دوشیا[1] (Cappa Docia) کا دارالسلطنت قیساریہ طلبانی فتح کر لیا۔ اسکے بعد دمشق　　　الجلیل، شرق اردن، کی فتح کے بعد یروشلم پر قبضہ ہوا۔ مدفن مسیح (عیسائی عقیدے کے مطابق)

---

[1] عربی کی تاریخوں میں کسریٰ پرویز اور انگریزی تاریخوں میں Chosroes درج ہے۔
[2] تفصیلات کیلئے عربی و فارسی تاریخیں ملاحظہ ہوں۔
[3] عربی کتابوں میں موریقیس اور انگریزی میں (Maurice) ہے۔
مسعودی وغیرہ کے بیان کے مطابق اسکے ساتھ اپنی بیٹی ماریہ کی شادی کر دی تھی

[1] ایشیائے کوچک کا ۵۰۰ میل لمبا اور کچھ کم ۱۵۰ میل چوڑا علاقہ مرتفع جسکے شرق میں کوہ ٹارس کا پہاڑی سلسلہ اور دریائے فرات، مغرب میں گلیشیا اور لائے کونیا۔ شمال میں جانڑس اور جنوب میں کوہ ٹارس کا سلسلہ

بیلینا اور قسطنطین کے شاندار کلیسا نذر آتش ہوئے۔ تین سو برس
کی مذہبی نذریں ایک دن میں وقف عام ہوئیں۔ اصلی صلیب ایران
کو منتقل ہوگئی اور نوے ہزار مسیحیوں کا قتل عام عمل میں آیا۔

شام کے بعد مصر پر ایرانی قبضہ ہوا۔ اور حبش اور طرابلس
(الغرب) تک ایرانی مملکت کی سرحدیں پہونچ گئیں۔ رومی نوآبادیات
اور افریقہ کے مقبوضات بھی ایرانیوں کے ہاتھ آئے۔ ایرانی فاتح
سکندر کے نقش قدم پر صحرائے لیبیا کے راستے واپس آیا۔ ایرانی
فوج کے ایک حصے نے فرات سے باسفورس اور چارلسیڈن[1] تک قبضہ
کرلیا۔ اور قسطنطینہ کے بالکل سامنے دس برس تک ایرانی کیمپ نصب
رہا۔ اگر خسرو کے پاس بحری طاقت ہوتی تو وہ یورپ کے صوبوں کو
اپنی حکومت میں لے سکتا تھا۔

ہرقل کی تخت نشینی

عین جس وقت رومی سلطنت زندگی اور موت کی اس کشمکش
میں مبتلا تھی۔ افریقہ کے گورنر ہرقل (Heraclius) نے فاکس
کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اور ۶۱۰ء[2] میں فاکس کو قتل کر کے
گرتی ہوئی سلطنت روما کی باگ اپنے ہاتھ میں لی۔ حکومت سنبھالتے ہی
پہلی اطلاع جو ملی وہ انطاکیہ کا سقوط تھا۔

فاکس کے قتل سے خسرو کی آتش انتقام بجھ جانی چاہئے تھی اور
اُس کو ہرقل کا ممنون ہونا چاہئے تھا جس نے اپنے محسن کے قاتل اور
سلطنت کے غاصب کو قتل کر دیا تھا۔ مگر ایرانی شہنشاہ کی نیت بدل چکی
تھی۔ اُس نے اپنی جارحانہ کارروائیاں جاری رکھیں اور اپنی فتوحات کے
سلسلہ کی تکمیل کی۔

رومیوں کی مشکلات

۶۱۶ء میں رومی پورے طو[ر] مغلوب ہوگئے اور انہوں نے
اپنی عظیم الشان سلطنت روما ایرانیوں کے ہاتھ کھو دی۔ ان مشرقی نقص[انات]
کے علاوہ جو ایرانیوں کے ہاتھوں اسکو پہونچے تھے۔ یورپ میں غد[ر]
مچا ہوا تھا۔ آسٹریا (Istria) کی سرحد سے تھریس کی دیواروں تک
آوارس (Avars) مظالم ڈھا رہے تھے۔ جنگ اطالیہ میں جن معص[وم]
انسانوں کا خون پانی کی طرح بہا تھا وہ بھی ابھی خشک نہیں ہوا تھا۔
آوارس نے پنونیا (Pannonia) کے مقدس میدان میں مرد
قیدیوں کو قتل کر دیا۔ عورتیں اور بچے غلام بنالئے گئے۔ رومی سلطنت
قسطنطینہ کی دیواروں، یونان واٹلی اور افریقہ کے کچھ بقیہ حصوں اور
ایشیائی ساحل کے چند بحری مقامات میں صور سے طرابزن تک محدود ہو کر
رہ گئی تھی

مصر کے سقوط کے بعد سے دار السلطنت پر وبائی امراض کا
حملہ ہوا قسطنطینہ میں مصر سے غلہ آتا تھا۔ مصر کے نکل جانے کے بعد
غلہ کی درآمد بند ہوئی۔ قسطنطین کے زمانہ ۳۰۳ء سے قسطنطینہ میں
غلہ کی عام تقسیم ہوتی تھی۔ تاکہ لوگوں کے لئے قسطنطینہ میں رہنے کی
کی کشش پیدا ہو۔ ۶۱۸ء میں پہلی مرتبہ غلہ کی بندش کی وجہ سے
مجبوراً اس تقسیم کو بند کرنا پڑا۔

ہرقل کا طرز عمل

ہرقل کے سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں
کہ ہرقل میں ان اہم حوادث کے باوجود
کوئی جوش عمل اور کوئی زندگی نہیں تھی۔ اور وہ اپنی آنکھوں سے
دولت روما کے اس خاتمہ کو دیکھ رہا تھا۔ گبن لکھتا ہے کہ ہرقل
اپنی حکومت کے ابتدائی اور آخری دور میں نہایت سست و کاہل
عیش کا بندہ وہم پرست اور اپنی قوم کے مصائب کا ایک بے حمیت
اور نامرد تماشائی تھا۔

---

[1] دریائے فرات اور ساجور کے سنگم سے ۱۶ میل جنوب مغرب اس شاہراہ پر واقع
تھا جو شمالی سیریا اور　　　کو ملاتی ہے۔
(بحوالہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا)

[2] سنہ ۱۰ نبوت

قرآن کی پیشین گوئی

سنہ ۶۱۶ء میں رومتہ الکبرا کے عین اس حالت نزع میں قرآن نے پیشین گوئی کی کہ رومی نو سال کے اندر غالب ہوجائینگے گبن لکھتا ہے۔

"محمد صلعم نے ایرانی فتوحات کے عین شباب میں پیشینگوئی کی کہ چند سال کے اندر اندر رومی جھنڈے دوبارہ فتح کے ساتھ بلند ہوں گے۔ جب یہ پیشین گوئی کی گئی تھی تو اس سے زیادہ بعید از قیاس کوئی بات نہیں کہی جاسکتی تھی کیونکہ ہرقل کے ابتدائی بارہ سال سلطنت روما کی قریبی تباہی اور خاتمہ کا اعلان کر رہے تھے۔"

یہ سنہ ۵ بعثت کا واقعہ ہے، مکہ کے کفار ایرانیوں کی اس عظیم الشان فتح اور رومیوں کی اس ذلت انگیز شکست پر مسرت کے شادیانے بجا رہے تھے۔ اور ایرانیوں کی فتح کو اپنے دوستوں کی فتح اور اپنے لئے فال نیک سمجھتے تھے۔ کیونکہ ان دونوں قوموں میں شرک کا رشتہ تھا۔

جب سورۂ روم کی یہ ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں اور کفار مکہ کو اسکا علم ہوا تو انہوں نے اسکو بالکل مستبعد واقعہ سمجھ کر مسلمانوں کے ساتھ شرط کی کہ اگر رومی غالب آگئے تو وہ مسلمانوں کو کچھ اونٹ دیں گے اور اگر اس واقعہ کا ظہور نہ ہوا تو مسلمان اونٹ ہار جائیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جو شرط میں شریک تھے اس کے لئے ۵ سال کی مدت مقرر کی۔ آنحضرت ﷺ کو جب علم ہوا تو فرمایا کہ "بضع" کا لفظ تین سے نو تک بولا جاتا ہے اسلئے دس سال سے کم کی مدت مقرر کرنی چاہیئے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے ۹ سال کی شرط کی (بحوالہ ترمذی کتاب التفسیر)

پیشین گوئی کا ظہور

ان دقتوں اور مصیبتوں میں گھر کر (جن کا ذکر اوپر ہوا ہے) ہرقل نے ارادہ کیا کہ وہ قسطنطنیہ کو چھوڑ کر کارتھیج کے محفوظ مقام میں منتقل ہوجائے۔ اور اسکو اپنا مرکز بنائے۔ اس کے جہاز شاہی محل کی دولت سے اور جواہرات سے لدے ہوئے روانہ ہونے کے لئے کھڑے تھے کہ اسکو بطریق نے لڑنے پر مجبور کیا اور ہمت دلائی۔ وہ سینٹ صوفیا میں آیا اور اُس نے قسم کھائی کہ اُس کی زندگی اور موت انہیں لوگوں کے ساتھ ہے جن کو خدا نے ان کے سپرد کیا ہے۔

رومی شہنشاہ کی مغلوبیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اُسنے ایک ایرانی قائد اور چند ذمہ دار رومی عہدے داروں کے ذریعہ شاہ ایران کی خدمت میں عفو و امن کا پیغام بھیجا۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ کوئی سفارت نہیں ہے بلکہ درحقیقت یہ خود ہرقل ہے جو پابجولاں میرے تخت کے سامنے حاضر ہوا ہے۔ میں اُس وقت تک رومی شہنشاہ کو امن نہیں دے سکتا جب تک وہ اپنے مصلوب خدا کو چھوڑ کر سورج کی پرستش نہ اختیار کرے۔

لیکن چھ سال کے تجربے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اُسنے قسطنطنیہ کی فتح سے ہاتھ اُٹھالیا۔ اور ان شرائط پر رومیوں کو امان دی کہ ہر سال ایک ہزار سونے کے ٹانسٹ ایک ہزار چاندی کے، ایک ہزار ریشمی حلے ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار دوشیزہ عورتیں شاہ ایران کو خراج کے طور پر دی جائیں۔

یہ شرائط رومیوں میں اشتعال انگیزی اور غیرت و حمیت پیدا کرنے کے لئے ہرقل کو بہت مفید ثابت ہوئے۔ ہرقل نے ایک مذہبی جنگ کا اعلان کردیا۔ جنگی مصارف کے لئے اُسنے کلیساؤں کی موقوفہ جائدادوں اور آمدنیوں سے اس شرط پر قرض لیا کہ وہ مع سود کے یہ رقم واپس کردے گا۔

ہرقل میں تبدیلی

ہرقل کی افسردہ طبیعت، پست عزائم اور مردہ جسم میں ایک نئی روح پیدا ہوگئی۔ اور اس کی زندگی سراسر تبدیل ہوگئی۔ اب وہ سست و عیاش بادشاہ نہ تھا بلکہ جوان ہمت، بیدار مغز، بلند حوصلہ فاتح، اور پرجوش سپہ سالار تھا۔ جو اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کو دوبارہ حاصل کرنے اور

اپنی مردہ قوم کو زندہ کرنے کے لئے بے چین تھا۔ مورخ گبن لکھتا ہے

"جس طرح صبح و شام کا کہرا آفتاب نصف النہار کی روشنی سے پھٹ جاتا ہے۔ دفعتاً محلوں کا ارکاڈیوس میدان کا سپر بن گیا۔ ہرقل اور روم کی عزت نہایت شاندار طریقہ سے بچا لی گئی"

ہرقل کی فوجکشی اور فتوحات

ہرقل نے ایشیائے کوچک کے مغربی اور جنوبی ساحل کو اپنے بائیں طرف چھوڑتے ہوئے خلیج فارس میں اپنی فوجیں اُتار دیں بحری شہروں کے قلعوں کی مرمت کی۔ نئے رنگروٹوں کی فوجی بھرتی کی تربیت کی۔ حضرت مسیح کی معجزانہ شبیہ کی نقاب کشائی کرتے ہوئے اُس نے رومیوں سے آتش پرستوں سے انتقام لینے کی اپیل کی اور ایک موثر اور ولولہ انگیز تقریر کر کے انتقام و عداوت کی روح پھونک دی سلیشیا فتح کرنے کے بعد ہرقل نے کیپے ڈوشیا کا رخ کیا۔ بحر اسود اور آرمینیا کے پہاڑوں کو عبور کر کے ہرقل ایران کے قلب میں گھس آیا۔ پانچ ہزار منتخب سپاہیوں کے ساتھ قسطنطنیہ سے چل کر طرابزون پہونچا۔ شہر طورس اور گنذزاکا اور موزان کے علاقے فتح کر لئے۔ عیسائیوں نے ماگی کے معبد ڈھا دیئے۔ خسرو کی مورتیں حوالہ آتش کی گئیں۔ مدفن مسیح کے مقابلہ میں زراتشتر کا مولد بے حرمت کیا گیا۔ پچاس ہزار عیسائی قیدی چھڑا لئے گئے۔ ہرقل   میں داخل ہوا۔ پھر قزوین اور اصفہان کے شہروں تک آیا۔

ایرانی سلطنت خطرہ میں پڑ گئی۔ ایرانی فوجیں وادیٔ نیل اور باسفورس سے طلب کر لی گئیں۔ ہرقل نے اس لشکر جرار کو بھی شکست دی کردستان کے پہاڑوں کو طے کرنے کے بعد اس نے دجلہ کو عبور کیا اور ایک خونین جنگ کے بعد ساباط میں آیا۔ نینوا کے میدان میں فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ جس کے بعد وہ دستجرد میں داخل ہوا۔ اور مدائن سے چند میل کے فاصلہ پر پہونچ کر وہ فاتحانہ قسطنطنیہ واپس ہوا۔

پیشین گوئی کی تکمیل

ایرانی سلطنت زیر و زبر ہو گئی۔ رومیوں نے اپنے قدیم تاریخی حدود سے بھی آگے نکل کر ایرانیوں کو پامال کر دیا۔ اور سلطنت ایران کے قلب میں رومی جھنڈا الفسب کر دیا۔ اور اس طرح سنہ ۶۲۵ء میں یعنی ہجرت کے دوسرے سال غزوۂ بدر کے موقع پر ٹھیک نو برس کے اندر قرآن مجید کی یہ عظیم الشان پیشین گوئی پوری ہوئی، جس کی تکمیل کے کوئی ظاہری آثار و قرائن نہ تھے۔

ہرقل کی دوبارہ افسردگی

یورپ کے مورخ اور مصنف اس بات سے متفق ہیں کہ ہرقل کا بہترین اور سب سے نمایاں شاندار دور وہی ہے جس میں اُسنے ایرانیوں سے مقابلہ کیا۔ اور رُوما کی کھوئی ہوئی سلطنت واپس لی۔ ہرقل کے ابتدائی اور آخری دور کو اس درمیانی دور سے کچھ مناسبت نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے اسکو اسی ایک کام کے لئے زندہ اور بیدار کیا تھا۔ اس مہم کی تکمیل کے بعد پھر وہ پہلے کی طرح عیاش اور سست قیصر بن گیا۔ گبن کے قول کے مطابق اُسنے وہ صوبے جو بڑی قربانیوں اور خونریزیوں سے ایرانیوں کے ہاتھوں سے واپس لئے تھے اپنی آنکھوں کے سامنے عربوں کے حوالے کر دیئے۔

مورخ حیران ہیں کہ اس عجیب و غریب تبدیلی اور درمیان کی بیداری اور اہلیت اور آغاز و اختتام کی اس غفلت و نااہلیت کی کیا تاویل کریں۔ انہوں نے واقعات کے اس عدم تناسب اور مختلف دوروں کے اس عجیب تعارض کی مختلف تاویلیں کرنے کی کوشش کی ہے۔ گبن لکھتا ہے:

"یہ بازنطینی مورخ کا فرض تھا کہ ہرقل کی اس نیند اور بیداری کے اسباب بیان کریں۔ اتنے زمانہ کے فاصلہ سے ہم صرف یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ اسکو شخصی حیات کا حصّہ سیاسی عزم سے زیادہ ملا تھا اور یہ کہ وہ اپنی بھتیجی ارٹینیا کے فسوں انگیز جمال سے مسحور ہو رہا تھا۔"

(باقی بر صفحہ ۱۴۲)

مولانا انظر شاہ کشمیری اُستاذ دار العلوم دیوبند

مُرتب صحیفۂ الٰہی
یا — غیر مَربُوط کلام

مشہور تو یہی ہے کہ سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے ایک بالکل ہی ارزاں اور سہل الحصول نسخہ یہ ہے کہ کسی بڑے آدمی سے اُس کی رائے تحقیق اور کسی خاص فیصلہ کے بارے میں اختلاف کیجئے۔ لیجئے وہ شہرت تعارف جس کے لئے خدا جانے کتنے پاپڑ بیلنا پڑتے۔ کچھ محنت کئے بغیر آپ کو حاصل ہے۔

لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات اتنی آسان نہیں جیسا کہ سمجھ لیا گیا معقول اور مدلل اختلاف کے لئے بڑی دیدہ وری مطلوب ہے۔ ہاں یہ بات بالکل علیحدہ ہے کہ اختلاف رائے اختلاف کی ذمہ داریاں اتنی دشوار گذار نہیں جن سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہو۔ ٹھیک اس بات کو آپ اس طرح سمجھئے کہ مناطقہ نے اپنی ایک مخصوص اصطلاح "نقض" کے دو طریقے طے کئے ہیں۔ اجمالی اور تفصیلی: اجمالی نقض میں تو صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ دعویٰ تسلیم نہیں نہ انہیں مقدمات کی تعیین ضروری اور نہ خود نقض کو دلائل سے مستحکم کرنا کوئی ضروری کام۔ لیکن تفصیلی نقض کے لئے دعوے کے مقدمات جن کو تسلیم کرنے سے انکار ہے اُن کا تعین و تشخص بھی ضروری ہے اور ہر غیر مسلم مقدمہ کو نہ تسلیم کرنے کے دلائل بھی فراہم کرنا ایک ضروری اور اہم فریضہ ہے۔ پس اگر اجمالی نقض کی راہ بہت آسان نکلی۔ لیکن تفصیلی اختلاف کے لئے راہ تنگ ہی ٹھہری اور اس کے ساتھ یہ بھی لگا ئیے کہ ایسی شخصیت سے تو کوئی معمولی اور ہلکی بات نہیں جس کی جلالت علم پر ہر دور میں اتفاق رہا ہو۔

لیکن پھر بھی انصاف یہ ہے کہ بڑی سے بڑی شخصیت کے خارجی اثرات سے جو ہمارے دماغوں پر پوری طرح حاوی ہو چکے ہیں بالکل الگ ہو کر اختلاف کی اجازت دینا چاہئیے۔ اور یہ دیکھنا چاہئیے کہ یہ اختلاف صحیح حدود میں ہے کہ نہیں۔ اور پھر قرآن مجید تو ان الٰہی صحیفوں میں سے ہے جس کی تفصیل و تشریح، بیان و وضاحت، اسلوب و عبارت ترتیب و نظم، مقاصد و معارف، علوم و مراتب پر قیامت تک نئی تحقیقات کا باب کھلا ہوا ہے۔ فانیا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ "قیامت آجائے گی لیکن قرآنی علوم و معارف سے متعلق حیرت زا تحقیقات کا دروازہ بند نہ ہوگا۔"

اسلئے کسی نئی بات کو قبول کرنے سے انکار محض اسلئے نہ ہونا چاہئیے کہ وہ اگلوں کی تحقیقات کے خلاف ہے۔ بشرطیکہ اختلاف معقول ہو مدلل ہو۔ اور قرآنی علوم پر وسیع مطالعہ کے بعد صحیح حدود میں پیدا ہوا ہو اور پھر راقم الحروف جو کچھ کہنا چاہ رہا ہے وہ تو بات بھی طبعزاد یا خود اپنی کوئی تحقیق نہیں بلکہ خود اسلاف و اخلاف کے نقطۂ نظر ہمیشہ اسمیں مختلف رہے۔ اسلئے اب اختلاف کا مطلب اس سے زیادہ نہیں کہ ہمارے نقطۂ نظر اور تحقیق کے اعتبار سے اسلاف میں

فلاں جماعت کی رائے وقیع ہے اور فلاں شخص و فرد کی تحقیقات دل لگتی نہیں، گھوم پھر کر بات اب تو انھیں دوائر میں رہ گئی ورنہ صحیح اجتہاد و استنباط کے نتیجہ خیز مرحلے تو اب سامنے آتے بھی نہیں۔

تمہید تو یہ ٹھہری لیکن کہنا یہ ہے کہ عام انسانوں کی تحریر و تقریر میں بھی بے ربطی ہمارے آپ کے نقطۂ نظر سے بڑا عیب ہے یا نہیں۔ دیوانہ کلام، مجذوب کی ایک بڑ۔ آخر آپ کے یہاں ناقابل التفات کیوں ٹھہرا اسی لئے نا کہ اسکی باتوں میں کوئی تک، جوڑ، ربط اور تعلق آپ کو نظر نہیں آتا۔ کسی مشہور اور مسلم انشاء پرداز، محقق، مصلح کے کلام و تحریر میں سب سے بڑی خوبی، بلکہ افادیت کے اعتبار سے جاذب اور پرکشش کلام کا باہمی ارتباط اور بیان کی مختلف کڑیوں کا ایک دوسرے سے مربوط و پیوست ہونا ہی ہے۔

جب یہ سب کچھ ہے، اور یقیناً ہے تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ خدا تعالےٰ کے کلام میں جو اعجاز و بلاغت کا معیار، گہرائی اور گیرائی کا آئینہ دار ہے، اس میں ربط و تسلسل، ارتباط و تعلق کا انکار کیا جائے لیکن کسی اور نے نہیں، متاخرین علماء میں سے اُنہوں نے اختلاف کیا جن کی بھاری بھرکم شخصیت کے پیش نظر نام لیتے ہوئے بھی خوف ہوتا ہے کہ خدا جانے خود اس اختلاف سے کتنی پیشانیاں شکن آلود ہو جائیں گی حالانکہ راقم السطور اُن کی عقیدت و احترام میں رسمی معترفین سے زیادہ ہی ہوگا۔ لیجئے اب نام بھی سن لیجئے۔ "امام الہند الشیخ ولی اللہ الدہلوی تغمدہ اللہ بغفرانہ"۔ اپنی مشہور و معروف اُصول تفسیر پر محققانہ تصنیف "فوز الکبیر" کی ابتداء میں لکھتے ہیں۔

ولم یراع مناسبۃ فی الانتقال من مطلب الی مطلب کما ھو قاعدۃ الادباء المتاخرین بل نثر کل ما اھم القاءہ علی العباد تقدم او تاخر

حق تعالیٰ نے انشاء پردازوں کی طرح ایک مضمون سے دوسرے مضمون میں کسی مناسبت کا لحاظ نہیں رکھا بلکہ وہ اہم مضامین کو لے آتے ہیں اور آگے پیچھے ہونے کا لحاظ نہیں۔

فوز الکبیر۔ صفحہ

کا بھی کوئی فرق ملحوظ نہیں رہتا۔

بلکہ شاہ صاحب مرحوم کی نظر میں ان مفسرین کی کوششیں جو قرآن حکیم کو ایک مسلسل و مربوط کلام دکھانے کے لئے رہیں۔ نہ صرف غیر مناسب بلکہ ایک حد تک بلا وجہ کی کاوش ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں

وعامۃ المفسرین یربطون کل آیۃ من آیات المخاصمۃ وآیات الاحکام بقصۃ و یظنون تلک القصۃ سبب نزولھا (ایضاً)

عام مفسرین خواہ مخواہ ایک آیت کو دوسری آیت سے جوڑنے کی فکر کرتے ہیں اور تو اور آیات احکام اور مناظرہ کی آیات میں بھی رابطہ پیدا کرنے کے لئے کچھ واقعات شان نزول کی حیثیت سے ذکر کئے جاتے ہیں۔

اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے اپنی رائے لکھتے ہوئے ربط و ارتباط کے مسئلہ کو ایک غیر ضروری بحث قرار دے کر قرآنی مقاصد کی تفصیل کے ضمن میں ربط کی ضرورت کا انکار کیا ہے۔

یقین جانئے کہ آج سے پندرہ سولہ سال پہلے جب شاہ صاحب کی یہ تحقیق نظر سے گزری تو ذہن میں فوراً یہ سوال اُبھرا کہ اگر خدا تعالیٰ کا کلام بھی مربوط نہیں حالانکہ بے ربطی اور بے تکا پن عیب ہے تو پھر لطیور ارتباط کہاں ہوگا؟ اُس وقت سے لیکر آج تک دل شاہ صاحب کی اس "انیق تحقیق" پر کبھی مطمئن نہ ہو سکا اور پھر الحمد للہ کہ دار العلوم دیوبند میں بارہ سال کے مسلسل قرآنی علوم کی تدریس نے اپنی اس رائے کو پختہ تر کر دیا کہ قرآن حکیم نہایت مربوط، مسلسل لفظی تسلسل کے ساتھ ایک معنوی طویل و دراز زنجیر میں بندھا ہوا کلام الٰہی ہے۔

اب یہ بات تحدیث نعمت کے طور پر ہی زبان و قلم پر آتی ہے کہ چھوٹی بڑی تفاسیر سب ہی نظر سے گزریں بعض مفسرین نے تو ربط بین الآیات والسور کو اپنی تفسیر کا ایک اہم اور وقیع عنصر قرار دیا ہے متقدمین میں فخر المفسرین علامہ رازی علیہ الرحمۃ اور متاخرین میں فاضل یگانہ

صاحب "روح المعانی" نے ربط کے عنوان کو اپنی تحقیقات کا معیاری نقطۂ نظر ٹھہرا کر کافی زور قلم اسی بحث پر صرف کیا۔ اردو خواں طبقہ کے لئے حضرت مولانا تھانوی مرحوم کی "بیان القرآن" تلاش و تحقیق ربط کے سلسلہ میں ایک ممتاز تفسیر نظر آئے گی۔

حکیم الامت مرحوم کے یہاں یہ مسئلہ اس قدر اہم تھا کہ "سبق الغایات فی نسق الآیات" مستقل ایک تصنیف اس مقصد کیلئے لکھی، خود اس ذرۂ بیمقدار کی رائے میں جو قرآن حکیم اور تفسیر کے مسلسل درس و مطالعہ سے بنی، بفضلہ تعالیٰ کلام مبین اپنی خاص شان میں ایک مربوط و مسلسل صحیفۂ الٰہی نظر آیا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ بعض اوقات آیات و بیانات، مطالب و معارف میں ربط اتنا دقیق اور خفی ہوجاتا ہے کہ اسکو معلوم کرنے کے لئے مغز پاشی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ علماء نے ربط کی بحث پر قلم اٹھاتے ہوئے آیات کے باہمی ارتباط کی تین صورتیں لکھی ہیں، یعنی جلی۔ خفی اور تیسری قسم اخفیٰ[1]

اب ان ہر سہ اقسام کی تشریح بھی سن لیجئے۔

جلی: آیات و سور کے باہمی تعلق کا نام ہے جو معمولی غور و فکر کے بعد حل ہوجائے۔ جیسا کہ قرآن مجید ہی میں ارشاد ہے کہ:

یامرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر — نیکی کا حکم کرتے اور برائیوں سے روکتے ہیں۔

سب ہی جانتے ہیں کہ نیک و بد خیر و شر۔ اچھا اور برا معروف اور منکر۔ ایک دوسرے کے مقابل و متضاد صفات ہیں، جو شخص نیکیوں کی ترغیب دے وہ برے کاموں سے یقیناً منع کرے گا اسلئے معروف اور منکر کا مقابل ہر حیثیت سے واضح اور صاف ہے اور اسکے مقابل میں خفی وہ ہے جسمیں آیات کا ایک دوسرے سے جوڑ ذرا تامل اور غور و فکر کے بعد واضح ہو۔ اسکی مثال میں قرآن مجید کی یہ آیت پیش کیجا سکتی ہے۔

اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ — نماز پڑھو اور زکوٰۃ نکالو۔

نماز اور زکوٰۃ دونوں اسلامی عبادات ہیں ایک جسمانی اور دوسری مالی۔ اور اس وسیع عنوان کے تحت یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ذکر ہو سکتی ہیں۔ لیکن اگر اس پر غور کیا جائے کہ قرآن مجید عموماً ان دونوں عبادات ہی کو ایک ساتھ کیوں ذکر کرتا ہے۔ عبادات میں تو روزہ بھی آتا ہے، حج بھی۔ لیکن نماز کے ساتھ اس اہتمام سے نہ ذکر روزہ کا ہوتا ہے نہ حج کا۔ تو وہ باہمی تعلق کیا ہے جس کی بنا پر قرآن مجید ان دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ذکر کرنے کا عادی ہے؟

غور سے اگر کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ نماز ایک دعویٰ ہے اور زکوٰۃ اس دعوے کی تصدیق ——— انسان، مومن انسان جو دن بھر فرائض و نوافل، سنن موکدہ و غیر موکدہ ادا کرنے کا اہتمام کرتا ہے وہ تقریباً سورۂ فاتحہ کی مسلسل تکرار میں کچھ نہیں تو تین سو بیس بار خدا تعالیٰ کی ربوبیت کاملہ پر اپنے گہرے یقین و اعتماد کا اعلان اور اعتراف کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ میری تربیت

---

[1] علماء نے ربط کی یہی تین صورتیں ذکر کی ہیں بات زیر قلم تھی تو ابھی سانح ہوا کہ قرآن مجید میں ربط و ارتباط کے موجود ہونے کی یہ بھی ایک بڑی دلیل ہے کہ اہل علم ربط کے مفصل عنوان پر اقسام بھی زیر بحث لاتے ہیں لیکن یہ بھی معلوم ہوا کہ ارتباط اور مناسبت واضح و صاف ہونے کے بالمقابل خفی اور پوشیدہ زیادہ تر ہے، یہی وجہ ہے کہ جلی کے مقابلہ میں اجلیٰ کی کوئی قسم نہیں ہاں خفی کے ساتھ اخفیٰ کی ایک قسم لگی ہوئی ہے۔ عجب نہیں کہ بعض اہل علم خفی اور اخفا کے اسی گورکھ دھندے گھبرا کر قرآن میں مناسبت اور ارتباط کا انکار کر بیٹھے ہوں۔ لیکن دل کی گہرائیوں میں شاہ صاحب مرحوم کے ساتھ عقیدت و احترام کا جو جلی و اجلیٰ جذبہ وافر موجود ہے اسکے بعد یہ بات قلم پر آتی ہے تو دل کانپ اٹھتا ہے۔

انظر شاہ

ملازمت، زمینداری۔ دوکان و تجارت، آمدنی اور مشاہرہ سے نہیں ہو رہی ہے۔ بلکہ میرا رب مجھ کو پال پوس رہا ہے۔ دنیا کی مال و دولت، روپیہ پیسہ سے ربوبیت کا جلی اور خفی انکار کرنے کے بعد عملاً بھی اس قولی دعوے کی تصدیق مطلوب ہے، یعنی وہ زکوٰۃ دے کر واقعی اپنے اس یقین کا واضح ثبوت دے کہ میں نے تربیت کے دنیاوی سب سے بڑے وسیلے یعنی مال و متاع کو کچھ نہیں سمجھا۔ بلکہ میں معبود برحق پر اعتماد کرنے کے بعد دوسرے تمام سہاروں کو بیکار تصور کرتا ہوں۔

اور غالباً یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث میں نماز کی مقبولیت کو زکوٰۃ کی ادائیگی پر کلیتہً موقوف کر دیا گیا۔ ابوعبیدہؓ نے کتاب الاموال میں طبرانی اور ابن شیبہ کی تصدیق کے بعد یہ حدیث درج کی ہے۔

من اقام الصلوٰۃ ولم یؤد الزکوٰۃ فلا صلوٰۃ لہ

جس آدمی نے نماز تو باقاعدہ پابندی کیساتھ ادا کی مگر زکوٰۃ کی ادائیگی میں قاصر رہا تو اسکی نماز بھی قطعاً غیر مقبول ہے۔

معلوم ہوا کہ نماز اور زکوٰۃ میں عبادات کے وسیع تعلق کے علاوہ خاص قسم کا کیا ربط ہے کہ قرآن حکیم ان دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ذکر کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔

رہ گئی ربط کی تیسری صورت جو اخفیٰ کے نام سے مذکورہ بالا سطور میں بتائی گئی تھی تو یہی ربط کی سب سے زیادہ دشوار۔ عمیق اور گہری قسم ہے جسمیں دو پہلو بہ پہلو ذکر کردہ حقائق میں تعلق و مناسبت کو دریافت کرنے کے لئے کافی مغز پاشی کرنا ہوگی اسکی مثال میں قرآن حکیم کی یہ آیت پیش کیجا سکتی ہے کہ

وعلامات وبالنجم ھم یھتدون　　پہاڑ اور ستاروں سے لوگ راہ معلوم کرتے ہیں

ظاہر ہے کہ مخلوقات میں سے ایک جماد کلی یعنی پہاڑ بے حس و حرکت شے جو اپنی جگہ پر اس طرح جمی ہوئی ہے کہ غالباً قیامت سے پہلے اسکی کسی بھی حرکت پر دنیا کو اطلاع ممکن نہیں۔ اسکے ساتھ منور تابناک اشیاء میں سے ستاروں کا تذکرہ حیرت انگیز ہے اور جب اس پر غور کیجئے کہ سیارے مسلسل حرکت میں ہیں اور پہاڑوں سے حرکت کی تمام صلاحیتیں مفقود ہیں تو دونوں کا باہمی تذکرہ اور بھی غیر مناسب معلوم ہوگا۔

لیکن فکر و نظر کے بعد معلوم ہوگا کہ سفر کے لئے انسان نے بری اور بحری دو ہی راستے اختیار کر رکھے ہیں۔ دنیا تمدن اور ترقی کے تمام مراحل طے کرنے کے بعد آج بھی خشکی میں پہاڑوں سے اور بحری اسفار یا ستاروں سے سمت سفر متعین کرنے پر مجبور ہے۔ دن کے اُجالے میں اگر پہاڑ راہ نما ہیں تو رات کی اندھیریوں میں ستارے راہ نمائی کا کام کرتے ہیں۔ بس یہی دونوں کا تعلق ہے جسکی بناء پر قرآن مجید نے ان کو ایک دوسرے کیساتھ ذکر فرمایا ہے۔

ربط کی یہ وہ اقسام ثلاثہ ہیں جن کے متعلق تفصیل پیش کرتے ہوئے علامہ عبد العزیز بن عبد السلام نے اپنی مشہور تالیف کتاب الاشارہ صفحہ ۲۰۶ پر لکھا ہے کہ:

تلاش المناسبۃ والربط تکون جلیۃ وخفیۃ　　مناسبت اور ربط قرآن مجید میں ہوتا ہے ضرور لیکن کبھی واضح اور صاف اور گاہے مبہم اور غیر واضح۔

بلکہ اگر غور سے کام لیا جائے تو قرآن حکیم آیات کے درمیان ایک سورت کی ابتداء اور انتہا اور دوسری سورت کے آغاز اور اُس سے پہلی سورت کے خاتمہ میں بھی مناسبت معنوی و صوری کو پوری طرح باقی رکھنے کا اہتمام کرتا ہے۔ اپنی اس بات کو سمجھانے کے لئے قرآن حکیم ہی سے چند مثالیں پیش کرنا ضروری ہیں۔ مثلاً سورۂ فاتحہ جس سے خدا تعالےٰ کے اس پُر شوکت کلام کا آغاز ہو رہا ہے۔ کہنے کو تمام ہی اہل علم کہتے ہیں کہ پورے قرآن حکیم اور سورۂ فاتحہ میں وہی تعلق ہے جو اصل و فرع یا متن و شرح میں ہوتا ہے یعنی شرح میں تفصیل کے ساتھ انہیں مضامین

کی بحث ہوتی ہے جو اختصار و اجمال کے ساتھ متن میں زیر بحث تھے۔ مگر خود اس دعوے کے اجمال سے جب تفصیل کی طرف آیئے۔ یعنی قرآن کو سورۂ فاتحہ کی ایک شرح قرار دینے کے لئے اصل و تفصیلات میں مناسبت کو ڈھونڈھیئے تو کہنا ہوگا کہ افتتاحیہ (فاتحہ کے بعد جو سورت سب سے پہلے آرہی ہے وہ سورۂ بقرہ ہے۔ اسی فاتحہ میں خدا تعالےٰ سے بندوں نے نیک بندوں کی راہ معلوم کرانے کی درخواست کی تھی ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ سے اسی درخواست کی منظوری کی خوشخبری ہے۔ لیکن چونکہ درخواست میں صراط ان ہی لوگوں کی اپنے لئے طلب کی گئی تھی جن پر خدا تعالیٰ نے انعام اور فضل فرمایا (انعمت علیہم) قرآن نے بتایا کہ یہ لوگ جن پر اللہ تعالےٰ کا خصوصی فضل رہتا ہے قرآنی اصطلاح میں "متقین" کہلاتے ہیں۔ اسلئے سورۂ بقرہ میں ہدایت جو کہ فائدہ بخش ہوگی اور جن کے لئے ہوگی وہ اہل تقویٰ ہیں، اسی پہلو پر زور دیا گیا گویا کہ بندوں کی دعا اپنے ایک ایک جز کے ساتھ مقبول ہوگئی جنہوں نے ہدایت طلب کی وہ بھی ملی۔ اہل انعام کے لئے جو ہدایت مخصوص تھی اُسکا سوال کیا وہ بھی پورا ہوا۔

خاکسار نے قرآن مجید کے مسلسل مطالعہ کے بعد یہ بھی محسوس کیا کہ قرآن مجید اپنی اکثر اصطلاحات کی موقع بموقع تشریح بھی کرتا چلتا ہے۔ مثلاً اسی سورۂ بقرہ میں اہل تقویٰ کا ذکر آیا تو ان اللہ کے خاص بندوں کے کچھ خصوصی اوصاف جس کے نتیجہ میں وہ عام انسانوں کے ہجوم میں ممتاز و مشخص ہوسکیں ذکر کردیے گئے۔ مثلاً اہل تقویٰ وہ ہیں جو:-

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ　　یقین کرتے ہیں بن دیکھا اور
يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ　　درست کرتے ہیں نماز اور ہمارا
يُنْفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ　　دیا کچھ خرچ کرتے ہیں اور جو یقین
بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ　　کرتے ہیں جو کچھ اترا تجھ پر اور جو
مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ　　اترا تجھ سے پہلے اور آخرت کو وہ
یقینی جانتے ہیں۔

یا ایک دوسرے موقع پر عباد الرحمٰن کا ذکر آگیا۔ لیکن عباد الرحمٰن کون ہیں؟ وہ ہیں جو:

الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ　　چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں اور
هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ　　جب بات کرنے لگیں ان سے بے سمجھ
قَالُوْا سَلٰمًا وَّالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ　　لوگ کہیں صاحب سلامت اور وہ
لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا الخ　　جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے
آگے سجدے میں یا کھڑے۔ الخ

لیکن یہ بھی ہے کہ قرآن مجید تقویٰ اور اہل تقویٰ کے خصوصی اوصاف جن کی بنا پر وہ اتقیا کہلا سکیں، موقع و مناسبت کی رعایت سے بدلتا رہتا ہے۔ اور اسی طرز سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تقویٰ ایک نہایت جامع وصف ہے۔ یہ بات تو ضمنی طور پر ایک فائدہ کی حیثیت سے قلم پر آگئی ذکر تو سورۂ فاتحہ اور بقرہ کے باہمی ربط کا چل رہا تھا۔

لہ حیرت ہے کہ شاہ صاحب مرحوم نے ربط خفی پر تقریر فرماتے ہوئے اپنی اس شہرۂ آفاق تصنیف میں اس آیت پر بھی تقریر فرمائی ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ شاید شاہ صاحب مرحوم بھی قطعاً قرآن مجید میں ارتباط و تناسب کی قدروں کے منکر نہیں۔ لیکن شاہ صاحب مرحوم قرآن مجید کے بعض اجزا ایسے بھی تصور کرتے ہیں جن میں ربط و مناسبت موجود نہیں اور انہیں مقامات پر اہل علم و خبر کی وہ کوششیں، جن کے نتیجے میں آیات و مطالب، مضمون و مقاصد کو ایک دوسرے سے پیوست و مربوط کرنے کی کوشش کی گئی ہے، مرحوم شاہ صاحب کے نقطۂ نظر میں کسی تبریک و تحسین کی تو کیا مستحق ہوتیں خود قرآن مجید پر ایک ظلم ہے اگر بات یہی ہے تو شاہ صاحب کے نقطۂ نظر سے پھر بھی خود کو متفق نہیں کیا جاسکتا۔ درحقیقت قرآن کا کمال یہی ہے کہ اُسکے مطالب و معارف ربط و تسلسل، مناسبت و ارتباط کی لڑیوں میں پروئے ہوئے نظر آئیں۔ منہ

یاد ہوگا کہ انعمت علیہم کے ساتھ ذکر ان کا بھی آیا تھا جن پر خدا تعالیٰ کا عتاب ہوا اور جو راہ راست سے بھٹکے۔ یعنی جن کو قرآنی اصطلاح میں المغضوب علیہم اور الضّالین کہا گیا ہے۔ چنانچہ یہ مغضوب اور گمراہ طبقہ ایک تو وہ تھا جن کی گمراہی خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ایمان، ایمانیات، رسالت اور نبوت کے شدید انکار کی وجہ سے استحکام پکڑ رہی تھی۔ جو آپ کے اقارب و اعزہ بھی تھے اور ہم قبیلہ و خاندان بھی یعنی اہل شرک۔ اسلئے اہل تقویٰ کے متصلاً تذکرہ کے بعد گمراہ جماعتوں میں سے انہیں کو لیا اور فرمایا

ان الّذین کفروا سواء علیہم	وہ جو منکر ہوئے برابر ہے انکو
ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا	تو ڈراوے یا نہ ڈراوے وہ نہ
یومنون ٥ ختم اللہ علیٰ قلوبہم	مانیں گے مہر کردی اللہ نے انکے
وعلی سمعہم وعلی ابصارھم غشاوۃ	دل پر اور اُن کے کان پر اور اُن
ولہم عذاب الیم ٥	کی آنکھوں پر ہے پردہ اور اُن کو بڑی مار ہے۔

اہل تقویٰ جو آپؐ سے بہت زیادہ قریب تھے اور اہل شرک جو قومی خاندانی نسلی اور وطنی اعتبار سے قریب ہونے کے باوجود عقیدہ وفکر میں آپؐ سے بمراحل دور تھے ان دونوں کے ذکر کے بعد ایک ایسے گروہ کا بھی ذکر آیا جو آپؐ سے بظاہر قریب اور درحقیقت بہت دور تھا جو ایمان سے اپنا رشتہ جوڑتا تھا لیکن جن کے قلب درحقیقت کفر و انکار سے جڑے ہوئے تھے۔ یہی وہ گروہ ہے جو منافقین کا گروہ کہلاتا ہے اور جس کے متعلق قرآن نے بتایا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ	اور ایک وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں
اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ	ہم یقین لائے اللہ پر اور پچھلے
وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ	دن پر اور ان کو یقین نہیں الخ

اور پھر اس گروہ کا ذکر شروع ہوا جس کی ضلالت و گمراہی بہت پرانی اور قدامت کے گرد و غبار سے تہ بہ تہ چلی آتی تھی اور سورۂ بقرہ کا بیشتر حصہ اسی گمراہ فرقہ کی تمام ہی گمراہیوں کی مکمل تاریخ، تردید، بیان حقائق، تفصیل واقعات میں صرف ہوگیا۔ یہ تھے یہود جن کی گمراہی تمام گمراہ فرقوں سے آگے نکل چکی تھی۔ اور جن کے متعلق قرآن حکیم نے واضح طور پر بتایا کہ یہی مغضوب و معتوب ہیں۔ ضربت علیہم الذلّۃ والمسکنۃ وباءو بغضب من اللہ۔

یہود ہی وہ جماعت تھی جن کے گمراہ افکار و عقائد سے براہ راست اہل شرک متاثر ہوکر شرک و کفر، ضلالت و طغیان میں ایک دوسرے سے قریب ہو رہے تھے۔ اور دونوں اسلام کی مخالفت میں سرگرم۔ چنانچہ قرآن مجید نے بھی اس حقیقت پر توجہ دلاتے ہوئے یہود اور مشرکین کی اسلام دشمنی کے جذبہ سے پردہ اُٹھایا۔

لتجدنّ اشد الناس عداوۃ	تو پاوے گا سب لوگوں میں
للذین اٰمنوا الیہود والذین	زیادہ دشمن مسلمانوں کے
اشرکوا ط	یہود کو اور شرک والوں کو

رہ گئے نصاریٰ تو ان کے لئے یا یہود کے فکر و عقیدہ سے متاثر ہونے کا امکان تھا۔ لیکن صدیوں کی مسلسل باہمی عداوت و عناد نے اسکا کوئی امکان باقی نہیں رکھا۔ خصوصاً عیسیٰ علیہ السلام کا قتل جو یہود کے دعوے اور نصاریٰ کے یقین کے مطابق یہودیوں کے ہاتھوں ہوا۔ اور جس پر یہودی ہمیشہ فخر کرتے رہے، ان دونوں کو ایک دوسرے سے بعید تر کرنے کے لئے ایک بڑا اور تاریخی شاخسانہ تھا۔ دوسری جانب اہل شرک و کفر سے ان کی مناسبت کی کوئی راہ ہموار نہ تھی۔ ایک آسمانی مذہب پر فکراً جمع ہونے کے بعد توحید کے بنیادی تقاضوں سے بھی سرا سر منکر، اہل شرک سے اتحاد کی کونسی گنجائش رہ جاتی ہے۔ اگرچہ خود نصاریٰ کی توحید تثلیث کے شرک سے محفوظ نہ رہ سکی۔ لیکن تاہم وہ خود کو اہل توحید کہتے اور باور کرتے۔ اسلئے یہود سے نسلی عناد اُن کو قریب نہ ہونے دیتا۔ اور اہل شرک سے عقیدہ کا اختلاف اتحاد سے روکتا۔ لے دے کے مسلمان ہی تھے جن سے وہ کچھ قریب

ـت تھے۔ اسی لئے قرآن حکیم نے بھی توجہ دلائی کہ۔

ـجدن اقربهم مودة ـ اور تو پا دے گا محبت میں سب
ـین آمنوا الذین قالوا ـ سے نزدیک مسلمانوں کی وہ لوگ
ـضارىٰ ذلك بان منهم ـ جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں یہ اس
ـیسین و رهبانا وانهم ـ واسطے کہ انمیں عالم ہیں اور درویش
ـستکبرون ـ ہیں اور یہ کہ وہ تکبر نہیں کرتے ۔

لیکن اسکے باوجود کہ یہ اسلام سے عداوت و تعصب میں ہلکے تھے تمام گمراہی میں یہود و اہل شرک کے ساتھ شریک تھے ـہونیکے اعتبار سے انکا ذکر گمراہ جماعتوں کے ذیل میں آیا لیکن ـود اور مشرکین کے منفصل تذکرہ کے بعد سورہ آل عمران میں اور اسطرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین گمراہ فرقوں کی گمراہی و ـلالت کی مکمل داستان بقرہ سے شروع ہو کر آل عمران پر ختم ہوئی ـور یہ بھی ایک بڑا گہرا ربط و ارتباط ہے جس کی بنا پر بقرہ کے بعد ـصلا آل عمران کی سورت ہے قرآن مجید میں پھر یا اہل ہدایت ـتذکرہ ہے یا اہل ضلالت کا۔ ہدایت عقائد میں اور اعمال میں معاشرت میں اور پوشاک و لباس میں۔ کھانے پینے میں، اشغال و مصروفیات میں دین میں اور دنیا میں۔ چنانچہ قرآن مجید اگر احکام کا ذکر کرتا ہے تو وہ بھی ہدایت کا ایک باب ہے۔ کھانے پینے کی چیزوں کا تذکرہ اور اُن کی حرمت و حلت کا قصہ چھیڑتا ہے تو وہ راہ نمائی کا ایک نشان۔ بیوی بچوں کے ساتھ اچھی معاشرت کی تنبیہ کرتا ہے تو وہ بھی عائلی ہدایت کا سنگ میل۔ عورتوں کے حقوق یاد دلاتا ہے تو اسمیں بھی ہدایت۔ یتیموں کی تربیت اور نگرانی پر توجہ کرتا ہے تو وہ بھی ہدایت سے خالی نہیں۔ پھر انہیں اہل ہدایت کی آخرت وہاں کی نعمتیں راحتیں زیر بحث آتی ہیں تو وہ ہدایت کے ثمرات اور اُس کے خوشگوار نتائج ہیں۔ اور ان کے بالمقابل جب متضاد اوصاف زیر گفتگو ہوتے ہیں تو وہ گمراہی و ضلالت کے جلی و خفی عنوانات۔ پھر ان پر دنیا اور آخرت میں شدید عذاب گرفت کی اطلاع۔ اسی ضلالت مبین کے بدترین عواقب و نتائج ہیں۔ گویا کہ اس طرح قرآن مجید اہل ہدایت کے متعلق تفصیلات سے لبریز ہے۔ اور اہل ضلالت سے متعلق تفصیلات کا ایک تہدید آمیز مرقع۔ اور یوں پورا قرآن مجید انعمت علیہم اور المغضوب والضالین کے قصوں کی ایک مکمل داستان ہو کر فاتحہ والی صورت میں مذکور متن کی ایک کامل شرح ہے میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ خود سورتوں کی ابتداء اور انتہا میں بھی ایک گہرا ربط موجود ہوتا ہے چنانچہ سورہ بقرہ ہی کو لے لیجئے کہ اسکے آغاز میں اہل تقویٰ کے بنیادی اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد تھا

الذین یومنون بالغیب و ـ جو یقین کرتے ہیں بن دیکھا اور درست
یقیمون الصلوٰۃ و مما رزقنھم ـ کرتے ہیں نماز، اور ہمارا دیا کچھ خرچ
ینفقون ۝ والذین یومنون ـ کرتے ہیں اور جو یقین کرتے ہیں جو کچھ
بما انزل الیك وما انزل ـ اترا تجھ پر اور جو اترا تجھ سے پہلے اور
من قبلك وبالآخرة هم یوقنون ـ آخرت کو وہ یقین جانتے ہیں۔

تو سورت کے بالکل خاتمہ پر پھر ایمان اور ایمانیات کا تذکرہ، اور خاص طور پر یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور مومنین ان تمام حقائق پر مفصلاً اور قرآن مجید پر مکملاً ایمان رکھتے ہیں۔

چنانچہ ارشاد ہے۔

آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ ـ مانا رسول نے جو کچھ اترا اُس کو
اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ـ اُسکے رب کی طرف سے اور مسلمانوں
كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ ـ نے سب نے مانا اللہ کو اور اُسکے
وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ ـ فرشتوں کو اور کتابوں کو اور
بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَ ـ رسولوں کو۔ ہم جدا نہیں کرتے
قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ـ کسی کو اس کے رسولوں میں
اور بولے ہم نے سُنا، اور
قبول کیا۔

گویا کہ سورت کے آغاز میں جو اہل تقویٰ کا خاص وصف مَا اُنزِلَ مِن رَّب (یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے کل نازل شدہ شریعت) پر مکمل ایمان کا ذکر تھا۔ تو خاتمہ پر آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ تمام مومنین، تقویٰ کے اس امتیازی وصف کے مالک میں اسکا ذکر آگیا۔ عام مومنین کے لئے تقویٰ کا یہ وصف خود اہل ایمان کے لئے ایک بڑی بشارت ہے۔

اور اگر مزید غور سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سورۂ بقرہ کے آغاز میں جن گمراہ فرقوں کا ذکر تھا۔ یعنی یہود و نصاریٰ اور مشرکین خاتمہ میں مفصلاً نہیں تو مجملاً اُن کا تذکرہ آگیا۔ اللہ پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، نازل شدہ کتابوں پر ایمان۔ اور ایمان کل حقائق پر۔ اپنے صحیح خدوخال کے ساتھ اہل شرک کے فہرست عقائد سے یکسر حذف ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام میں تفریق کہ موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر ماننا۔ اور مسیح علیہ السلام کی نبوت کا انکار، یا عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر یقین اور سیدنا موسیٰ کلیم اللہ کی پیغمبری پر شبہ اور پھر سید الرسل صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت و پیغمبری سے سب کا انکار تفریق بین الرّسل کی یہ بیماری بلکہ بیماریوں کی جڑ، یہود و نصاریٰ میں مشترک طور پر موجود تھی۔ اس طرح سورۂ بقر کی ابتدا، گمراہ جماعتوں کے تفصیلی اور اجمالی تذکروں کے لحاظ سے اپنی اختتامی گفتگو سے قطعاً مربوط ہوگی۔

اسی کے ساتھ میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ خود آیات میں بھی خاص طور پر تقدیم و تاخیر کے باوجود گہرا ربط موجود ہے۔ مثلاً اسی سورہ بقرہ میں یہود کی مسلسل بے عنوانیوں کے تذکرہ کے ذیل میں یہ بھی آیا تھا کہ تم نے وعدے کئے اور توڑ دیئے حالانکہ ہم ایفاء عہد پر متوجہ کرنے کے لئے کچھ خارجی عوامل سے بھی کام لیتے رہے۔ مثلاً طور پہاڑ کو تمہارے سروں پر بلند کر دیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ یا اپنے وعدوں کو پورا کرو ورنہ یہ پہاڑ ابھی تم پر ڈال دیا جائے گا۔ تم نے خوف سے وعدہ کیا لیکن حسب دستور تم اس وعدہ سے بھی روگردانی کر گئے۔ طور پہاڑ کا زمین سے اُکھڑ کر سروں پر مسلط ہونا ایک معجزہ تھا اور ظہور معجزہ کے بعد بھی اگر قومیں اعراض و انکار میں مبتلا رہتی ہیں تو پھر خدا تعالیٰ کا شدید عذاب آتا ہے۔ لیکن تم اس انکار و اعراض، عہد شکنی کے باوجود، اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت تھی، کہ بڑے اور ہولناک عذاب سے محفوظ رہ گئے۔

اور یہ مت سمجھنا کہ عذاب کی یہ صرف دھمکیاں تھیں۔ بلکہ قوموں کی سرکشی اور طغیانی پر عبرتناک سزائیں خود تمھاری نسل میں واقع ہو چکی ہیں۔ چنانچہ ایلہ کے اُن باشندوں کا واقعہ باعث عبرت ہے جنہوں نے یوم السبت میں عبادت کے اہتمام کے بجائے مچھلیوں کے شکار میں ذہنی اور عملی تاویلات کا ایک بدترین نظام کیا تھا۔ جسکی پاداش میں خدا تعالیٰ نے اُن کو بندروں کی شکل میں منتقل کر دیا۔ اس تمام تفصیل کو قرآن حکیم نے اپنے اعجازی بیان کے ساتھ یوں فرمایا:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ	اور جب لیا ہم نے اقرار تم سے او
وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ	اونچا کیا تم پر پہاڑ۔ پکڑو جو ہم نے
خُذُوْا مَا اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ	دیا زور سے اور یاد کرتے رہو جو
وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ	اسمیں ہے، شاید تم کو ڈر ہو پھر
تَتَّقُوْنَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ	تم پھر گئے اسکے بعد سو اگر نہ ہوتا
بَعْدِ ذٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ	فضل اللہ کا تم پر اور اسکی مہر
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ	تو تم خراب ہوتے۔ اور جان چکے
مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ	ہو جنہوں نے تم میں زیادتی کی
الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِى	ہفتہ کے دن میں تو ہم نے کہا ہو جا
السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا	بندر پھٹکارے ہوئے۔ پھر ہم نے وہ
قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ فَجَعَلْنٰهَا	دہشت رکھی اس شہر کے روبرو
نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا	والوں اور پیچھے والوں کو او

وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ	نصیحت رکھی ڈروالوں کو

گویا کہ یوم السبت والوں پر جو خدا تعالیٰ کا ہولناک اور مہیب عذاب آیا جسمیں اولین و آخرین کے لئے بڑی عبرت ہے، اُن کا تمام تر جرم یہی تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہفتہ کے دن میں صرف عبادت کرنے کے مستحکم اور موکد وعدہ کے باوجود ایفائے عہد سے صاف پھر گئے بلکہ اپنے جرم کی تکمیل یعنی شکار کے شغلہ کو جاری رکھنے کے لئے ذہنی تاویلات اور عملاً مجرمانہ تدابیر کرتے رہے۔

اس بیان کے فوراً بعد وہ واقعہ شروع فرمایا جس کے نام پر پوری سورت موسوم ہے۔ یعنی وہی واقعہ کہ بنو اسرائیل میں قتل ہوگیا قاتل معلوم نہ ہو سکا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے فرمایش کی گئی کہ خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے تاکہ اصل مجرم معلوم ہو۔ مجرم کی تشخیص کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے جو صورت متعین ہوئی۔ یعنی ایک گائے ذبح کریں اور اُسکے جسم کے بعض حصوں کو مقتول کے مردہ جسم سے لگائیں مقتول اُٹھے گا اور خود ہی اپنے قاتل کا نام و نشان بتادے گا۔ لیکن یہاں بھی یہود نے موشگافیوں بال کی کھال اُکھاڑنے اور تدابیر و تاویلات کے کھلے ہتھ کنڈوں سے کام لیکر بہت چاہا کہ تعمیل حکم سے صاف بچ جائیں۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اُن کو اس مقصد میں کامیاب ہونے نہ دیا۔ اور اگر ایک جانب ایلہ کے باشندوں کو بندروں کی شکل میں مسخ کرکے پورے عالم میں رسوا کیا تو اُس جانب قاتل کے تعین و تشخیص کے بعد اختفائے قتل کی واردات کا مجرم قرار دیکر انکی رسوائی کا سامان کیا گیا۔ عملی تاویلات اور قولی موشگافیوں کی یہ دو داستانیں ہیں جو ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو مذکور ہیں [1]

پھر اسی یوم السبت کا مختصر تذکرہ سورۂ مائدہ میں آیا اور ان الفاظ کے ساتھ۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ	لعنت کھائی منکروں نے بنی اسرائیل میں سے، داؤد کی زبان پر

تقریباً تمام ہی مفسرین نے لکھا جبکہ یہ فرقہ جسکی ملعونیت کا ذکر آیا وہی ایلہ کے باشندے ہیں جن کو مچھلی کے شکار سے روکا گیا تھا اور جنہوں نے بے عنوانیوں کے مسلسل ارتکاب کے بعد خود خدا تعالےٰ کو

---

* وہ خدا تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ ایک انسان (محمدؐ) کی اپنی تصنیف ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کا واقعی کلام ہوتا تو بنو اسرائیل میں ایک پیش آنے والے واقعہ کا ذکر ان کی مذہبی کتب میں ہونا چاہیئے تھا۔ ادھر قرآن مجید نے اس واقعہ کی ترتیب قطعاً توڑ دی۔ یعنی اصل واقعہ بالکل آخر میں۔ اور متعلقہ احکام و تفصیلات مقدم کر دی گئیں۔ ترتیب کے اعتبار سے۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۚ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا	اور جب مار ڈالا تم نے ایک شخص۔ پھر لگے ایک دوسرے پر دھرنے اور اللہ کو نکالنا، جو تم چھپاتے تھے۔ پھر ہم نے کہا مارو اس مردہ کو گائے کا ایک ٹکڑا

پہلے ہونا چاہیے تھا اور اذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ کی تفصیلات بعد میں زیر بحث آئیں۔ ہمارے مفسرین نے اس اشکال کے بہت سے جوابات دیے ہیں جو اپنی جگہ الحمد للہ شافی ہیں۔ لیکن آپ حیرت سے سنیں گے کہ تورات میں اگرچہ واقعہ موجود نہیں جیسا کہ خود ان کا بیان ہے لیکن آج بھی کسی ایسے مقتول کے بارے میں جس کے قاتل کا علم نہ ہو۔ احکام ٹھیک اسی اسلوب عبارت میں ...... باقی اگلے صفحہ پر

---

[1] یہ بھی ایک عجیب لطیفہ ہے کہ یہود بقرہ کے واقعہ کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ہماری مذہبی کتابوں میں موجود نہیں۔ اور یہی اس بات کی علامت ہے کہ قرآن کریم واقعات کی صحت کا کوئی خیال نہیں کرتا اور

کے عذاب کا مستحق بنا دیا۔ چنانچہ جلالین میں ہے کہ

بان دعاء علیھم فمسخوا قردۃ وھم اصحاب ایلہ	پیغمبر نے اُن کے لئے بددعا کی اور وہ بندروں کی شکل میں ہوگئے اور وہ آیلہ کے باشندے تھے۔

اور اسی طرح معالم التنزیل میں بھی لکھا ہے کہ:۔

لما اعتدوا فی السبت واصطادوا الحیتان فیہ فقال فی دعائہ اللھم العنھم واجعلھم قردۃ	جب اُنہوں نے ہفتہ کے سلسلہ میں بے عنوانیاں کیں اور مخالفت کے باوجود مچھلیوں کا شکار کیا تو پیغمبر داؤد علیہ السلام نے اُن کے لئے بددعا کی۔

مدارک میں بات زیادہ واضح طور پر آگئی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ

اصحاب ایلۃ وکانوا علے شی بقیۃ التوراۃ فی زمن داؤد علیہ السّلام کانوا امروا بتعظیم السبت وحرمت علیہ الصید فخالفوا امرہ واصطادوا السمك فی السبت۔	یہ آیلہ کے باشندے تھے داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں توراۃ کے قانون کے مطابق ان کو عمل کا حکم تھا۔ ان کو حکم تھا کہ ہفتہ کے دن کی تعظیم کریں اور اس دن عبادت کے سوا اور کوئی شغلہ نہ ہونا چاہئیے لیکن اُنہوں نے خدا تعالےٰ کے اس حکم کی مخالفت کی اور ہفتہ کے دن منع کرنے کے باوجود شکار مچھلیوں کا کرتے رہے۔

گویا کہ مفسرین تمام ہی لکھ رہے ہیں کہ یہ آیلہ کے باشندے تھے اور انہوں نے منع کرنے کے باوجود طرح طرح کی تاویلات کرکے مچھلی کا شکار کیا۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ آیلہ کے باشندوں کے اس واقعہ کو مختصراً ذکر کرنے کے بعد کچھ ہی آگے حالت احرام میں مومنین کے لئے شکار کی ممانعت کے احکام زیر بحث آئے۔

چنانچہ ارشاد ہے کہ

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ ـــــ شروع ہورہے ہیں جس انداز و بیان کے ساتھ قرآن حکیم میں نازل ہوئے۔ یعنی وَاذ قتلتم نفسا الخ سے آخر تک بات آج بھی اُنکی مذہبی کتابوں میں موجود ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے واقعہ کے اس ٹکڑے کو قصہ کے بقیہ اجزا سے جدا کرلیا۔ قرآن حکیم کے مسلسل مطالعہ سے ایک یہ حقیقت بھی منکشف ہوئی کہ جو واقعات دوسری آسمانی کتابوں میں موجود نہیں اور اگر موجود تھے لیکن تحریف کی زد میں آگئے۔ ان واقعات کی حکایت خدا تعالیٰ اس انداز سے بالعموم شروع کرتے ہیں جنہیں اہل کتاب کو براہ راست خطاب نہیں ہوتا۔ مثلاً یہود کی مذہبی کتب میں مقتول، بقرہ اور تعین قاتل کا قصہ موجود نہیں تو قرآن مجید میں اس واقعہ کی حکایت وَاذ قال موسیٰ لقومہ سے ہوئی اور واقعہ کا جو جز اُن کے لٹریچر میں موجود ہے جب اُسکی تفصیل آئی تو براہ راست انہیں سے خطاب کیا گیا۔ یعنی واذا قتلتم نفسا۔ عموماً یہ طرز خطاب کی تبدیلی قرآن مجید میں ملتی ہے۔ خاص ایک بات یہ مطالعہ میں آئی کہ جن واقعات کو اہل کتاب نے کچھ سے کچھ کرکے رکھ دیا وہ بظاہر اسرائیلی لٹریچر میں موجود ہیں۔ لیکن صحیح اور واقعاتی اجزا کے ساتھ نہیں قرآن مجید جب ان کو دوہراتا ہے تو اکثر بالحق کا لفظ ان واقعات کی تفصیل میں ضرور آجاتا ہے گویا کہ واقعہ کی یہ تفصیل بالکل صحیح ہے جو قرآن مجید ٭

٭ پیش کررہا ہے۔ اور وہ تفصیلات حقیقت واقعہ سے ہٹ کر ہیں جو اسرائیلی خرافات میں موجود ہیں۔ اسی لئے مولانا سید انور شاہ کشمیری مرحوم فرماتے تھے کہ قرآن حکیم کسی بھی معاملہ میں وہ الفاظ اختیار کرلیتا ہے جو اوفی بالحقائق ہوتے ہیں یعنی جن سے حقیقت واقعہ کی سب سے زیادہ مکمل اور جامع ترجمانی ہوسکتی ہے۔ انظر شاہ

يٰايها الذين آمنوا ليبلونكم الله بشئ من الصيد تناله ايديكم ورماحكم ليعلم الله من يخافه بالغيب فمن اعتدى بعد ذلك فله عذاب اليم

اے ایمان والو! اللہ تم کو آزماوے گا۔ اللہ کچھ ایک شکار کے حکم سے جس پر پہونچیں تمہارے ہاتھ اور نیزے کہ معلوم کرے اللہ کون اس سے ڈرتا ہے بے دیکھے۔ اور پھر جس نے زیادتی کی اسکے بعد تو اُس کو دکھ کی مار ہے۔

غور کیجئے کہ دونوں باتوں میں کس قدر جوڑ ہے۔ ایلہ کے باشندوں کا مختصر تذکرہ فرما کر یاد دلایا کہ ایک ایسے ہی حکم کا عنقریب تم کو بھی ممتحن کیا جائے گا۔ اگر خدانخواستہ تم نے بھی تاویلات کی راہ کھول کے شکار کی کوئی صورت نکالی تو ایلہ کے باشندوں کی طرح نافرمانوں کا انجام ہوگا۔

ہمارے مفسرین نے عام طور پر لکھا ہے کہ ہفتہ کے دن ایلہ کی جھیل میں مچھلیوں کی یہ کثرت ہوتی کہ پانی کی بالائی سطح پر مچھلیاں آجاتیں اور باقی دنوں میں جھیل مچھلیوں سے خالی ہوتی۔ ٹھیک اسی طرح یہاں بھی ارشاد ہے کہ شکار مسلمانوں سے اس قدر قریب ہونگے اور یہ کثرت کہ ہاتھوں سے پکڑ بھی سکیں گے اور نیزوں سے مار بھی سکیں گے۔

اس کے بعد کیسے کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں ربط آیات اور سورتوں میں یا مضامین و مطالب میں ربط نہیں؟ چلتے چلتے ایک اور مثال سے مزید اپنے دعوے کا استحکام کر دوں۔ اسی سورہ مائدہ میں یہ ارشاد فرماتے ہوئے کہ اگر کسی شخص کا مسافرت کے عالم میں انتقال ہونے لگے اور اپنی ظاہری حالت سے اس کو محسوس ہو کہ موت قریب ہے تو اسکو چاہیئے کہ اگر مسلمان مل سکیں تو گواہ ان میں سے اور مسلمان نہ مل سکیں تو پھر غیر مسلم ہی دو گواہ وصیت پر بنالے۔

آیات یہ ہیں۔

يٰايها الذين آمنوا شهادة بينكم اذا حضر احدكم الموت حين الوصية اثنين ذوا عدل منكم او آخران من غيركم ان انتم ضربتم في الارض فاصابتكم مصيبة الموت تحبسونهما من بعد الصلوٰة

اے ایمان والو! گواہ تمہارے اندر جب پہنچے تم میں سے کسی کو موت جب لگے وصیت کرنے دو شخص معتبر چاہئیں تم میں سے یا دو اور ہوں تمہارے سوا۔ اگر تم نے سفر کیا ہو ملک میں پھر پہنچے تم پر مصیبت موت کی۔ دونوں کو کھڑا کرو بعد نماز کے۔

ان آیات کے بعد فوراً بیان یہ ہے کہ اُس دن سے ڈرو جس دن خدا تعالیٰ تمام انبیاء علیہم السلام سے (بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے) شہادتی بیان لے گا کہ انہوں نے جب خدا تعالیٰ کا پیغام اور رسالت و پیغمبری سے متعلق چیزیں دنیا والوں کو پہونچائیں تو اُن کو کیا جواب ملا۔

فخر المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ان دونوں بیانات میں ربط بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ کی سنت اور طریق کلام اللہ میں یہ ہے کہ جب احکام و قوانین کا سلسلہ ذکر ہوتا ہے تو اس کے بعد کچھ آیات یا خدا تعالیٰ کی صفات سے متعلق یا پھر قیامت کے احوال سے متعلق کوئی ارشاد فرماتے ہیں۔ اور مقصد اس سے یہ ہوتا ہے کہ انسانوں کو ان احکام پر عمل کرنے کی ترغیب ہو۔ کیونکہ یہ مضامین انسان میں تقوےٰ پیدا کرتے ہیں اور تقوےٰ ہی بنیاد اوامر و منہیات کے تقاضوں کو صحیح طور پر پورا کرنے کی ہے۔

امام رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں۔

اعلم ان عادة الله تعالى جارية في هذا الكتاب الكريم انه اذا ذكر انواعا كثيرة من الشرائع والتكاليف اتبعها اما بالالهيات واما بشرح احوال الانبياء او بشرح احوال القيامة ليصير ذلك مؤكدا لما تقدم ذكره من التكاليف والشرائع (تفسیر کبیر)

لیکن سوال یہ ہے کہ آخر انبیاء علیہم السلام میں سے اس موقع پر

خصوصی طور پر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ہی کا تذکرہ کیوں کیا گیا ؟
راقم الحروف نے اکثر تفاسیر کی ورق گردانی محض اسی مقصد کے لئے کی. لیکن ناکامی کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ خدا تعالیٰ اس الجھن کو اپنی رحمت سے دور فرما دیں. تفسیری کتب ہی میں جب واقعہ سے متعلق شان نزول پر نظر پڑی تو معلوم ہوا کہ سفر میں جن صحابی کا انتقال ہو گیا تھا. اور جنہوں نے اپنے دو ساتھیوں کی معرفت ایک وصیت نامہ کے ساتھ اپنا اثاثہ اہل بیت روانہ کرایا تھا اور ان اشیاء میں سے ایک پیالہ چاندی کا جس پر سونے کا جھول چڑھایا گیا تھا خیانت کرنے والے دونوں عیسائی تھے جن میں ایک تمیم داری اور دوسرا عدی بن بدا تھا. چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ " ان رجلا من بنی سھم خرج مع تمیم الداری و عدی بن بداء وھما نصرانیان"

پس نصرانی کے لفظ ہی نے ساری مشکل حل کر دی. ظاہر ہے کہ عیسائیوں کی خیانت پر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ہی کے تذکرہ سے خاص اور موثر تحریک ہو سکتی تھی کہ جب خدا تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے بھی اس اس امانت کے بارے میں دریافت فرمائے گا جو اُن کو پیغام الٰہی کی شکل میں دی گئی تھی کہ آیا اس امانت کو صحیح طور پر پہونچا دیا یا نہیں تو پھر عام انسانوں سے تو ان کے معاملات کے بارہ میں یقیناً سوال ہوگا. اور ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے معاملات میں ترک امانت کے بعد خدا تعالیٰ کے مواخذہ سے محفوظ رہ جائیں. ظاہر ہے کہ عیسائیوں کیلئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کس بلا کا موثر اور محرک ہوگا. اسی لئے قرآن مجید نے اس موقع پر تمام انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر چن لیا.

بارہ سالہ کے مسلسل تجربہ کے بعد ربط قرآن مجید کی ایک آیت بن جس طرح خاکسار پر عیاں ہو رہا ہے اُسکے بعد حضرت شاہ حنا رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کہ قرآن کریم ربط سے خالی کوئی صحیفۂ الٰہی ہے کم از کم اس حقیر کے لئے تو حقیقت سے بہت دور کی بات ہے.

میں نے مضمون کی طوالت کے اندیشہ سے چند ہی مثالوں پر اکتفا کی ورنہ اس مقصد کی وضاحت کے لئے اور بہت سے نمونے پیش کئے جا سکتے تھے. یہاں اتنا اور عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سطور بالا میں جو کچھ عرض کیا وہ راقم الحروف کا اپنا مطالعہ ہے. اگر صحیح ہے تو خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے اپنے فضل بے پایاں سے اپنی آخری کتاب کا کچھ فہم عطا فرمایا. اور اگر غلط ہے تو خدا تعالیٰ کی کتاب پر یہ "ظلم" غیر شعوری ہوگا. الحمد للہ نیت فاسد نہیں.

اُمید ہے کہ اہل علم اس مضمون کو اس ضروری وضاحت کی روشنی میں مطالعہ کریں.

فضائل تلاوت قرآن عظیم

۱. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہترین مسلمان وہ ہے جو قرآن خود سیکھے اور دوسروں کو سکھلائے (بخاری)

۲. جس کے حافظہ (جوف) میں کچھ بھی قرآن نہیں وہ بس ایک کھنڈر ہے. (ترمذی)

۳. فرمایا کہ جس نے قرآن پڑھا اور بھلا دیا، وہ قیامت میں جذامی بن کر خدا کے سامنے آئے گا (ابوداؤد)

۴. فرمایا جو قرآن پڑھے تو تلاوت کے طفیل میں اپنی حاجات خدا سے مانگنی چاہیئے. دیکھو کچھ تو میں ایسی بھی پیدا ہونگی جو قرآن پڑھ پڑھ کر اسکے ذریعہ سے لوگوں سے سوال کریں گی.

۵. فرمایا اگر قرآن ایک کھال میں رکھ کر آگ میں ڈالا جائے تو نہ جلے گا.

۶. قرآن میں ماہر فرشتوں کے ساتھ ہوگا لیکن جو قرآن اٹکا اٹکا کر پڑھے اور اُسے اسمیں مشکل پڑے تو اسکو دُہرا ثواب ملے گا (ترمذی)

افادات حافظ ابن القیمؒ

ترجمہ مولانا عبدالغفار حسن صاحب

قرآنی کلمات کی حکیمانہ ترتیب

اَلْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ وہ غالب حکمت والا ہے۔
(البقرۃ ۱۲۹)

عزیز کو حکیم پر مقدم رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ عزیز کا ماخذ عزت ہے جو کمال قدرت کا نام ہے۔ حکیم کا مادہ حکمت ہے جو کمال علم کا مفہوم اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ صنعت قدرت کے آثار و مناظر مخلوق کے مشاہدہ میں زیادہ آتے ہیں۔ اسلئے اس کو پہلے لایا گیا۔ لیکن حکمت کا تعلق نظر و فکر سے ہے (اسلئے حکمت کی نشانیوں پر کم نگاہ پڑتی ہے) خدا کی حکمت میں انسان بعد میں غور کرتا ہے پہلے اُس کے آثار قدرت اور کائنات کو دیکھتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے حکمت الٰہی کی باریکیاں اور مصلحتیں سمجھتا ہے۔

یہاں ذریعہ و وسیلہ کو مقصد پر مقدم کیا گیا ہے۔ کیونکہ قدرت کا تعلق تو پیدائش سے ہے۔ اور حکمت، فعل کی اصل غرض ہے۔ جس طرح دنیا میں عملاً وسائل کو مقصد سے پہلے استعمال کیا جاتا ہے اسی طرح بیان میں بھی اسی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ

(بقرۃ ۲۲۴)

"اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے"

تَوَّابِیْنَ کو مُتَطَہِّرِیْنَ اسلئے مقدم رکھا گیا ہے کہ طہر (پاکی) کی دو قسمیں ہیں۔ ایک پانی کے ذریعہ حدث، نجاست اور گندگی سے پاک ہونا۔ دوسرے توبہ کے ذریعہ شرک اور گناہوں سے صاف ہونا۔ دوسری قسم پہلی نوع کی اصل اور بنیاد ہے۔ اس کے بغیر پانی کے ذریعہ پاکی حاصل کرنا بے معنی ہے۔ طہارت ما (پانی) طہارت توبہ کو درجہ کمال تک پہونچاتی ہے۔ خود مقصود بالذات نہیں اسی لئے توابین کا ذکر پہلے کیا گیا۔ جب کوئی شخص حلقہ بگوش اسلام ہوتا ہے تو پہلے توبہ کے ذریعہ دل کو پاک کرتا ہے پھر پانی کے ذریعہ ظاہر بدن کو۔

اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ (جاثیہ ۷) افاك کے معنی ہیں جھوٹ، اس کا تعلق زبان سے ہے اور اثم کے معنی ہیں فجور (بدکاری) اس کا تعلق عمل سے ہے یہی جھوٹ، فجور کا ذریعہ بنتا ہے۔ اور واقعہ میں پہلے ہوتا ہے۔ اسلئے اسکو مقدم کیا گیا یہی معنی ہیں اس حدیث کے۔

ان الکذب یھدی الی الفجور　　جھوٹ فسق و فجور پیدا کرتا ہے۔
وان الفجور یھدی الی النار　　اور فجور دوزخ میں جھونکتا ہے۔
(مشکوٰۃ باب حفظ اللسان بحوالہ بخاری مسلم)

مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ (القلم ۱۲) یہاں معتدٍ کو اثیم پر مقدم چند وجوہ کی بنا پر کیا گیا ہے (۱) اعتداء حد سے بڑھنا۔ یہ گناہ کا ذریعہ اور سبب ہے اور سبب اپنے مسبب اور نتیجہ پر مقدم ہوتا ہے (۲) اعتدا یا عدوان کے معنی ہیں مقررہ حد سے بڑھ جانا۔ یہ ایسا ظلم ہے جس سے اصل شے کی مقدار اور کیفیت

میں تغیر آجاتا ہے اور اس طرح ظالم اثم (گناہ) کی سرحد میں پہونچ جاتا ہے۔ (۳) معتدی وہ ہے جو سرکشی کی راہ سے اللہ کے بندوں کو ستاتا ہے۔ اثیم وہ ہے جو بدکاری کی وجہ سے بندوں پر ظلم کرتا ہے۔ معتد کی تقدیم ترتیب کلام کے لحاظ بالکل مناسب ہے یعنی اللہ کے بندوں پر ظلم کرنے والا ہو، وہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اس سے پرہیز کیا جائے۔ اور اسکی اطاعت نہ کی جائے۔ اس معنی پر زور دینے کے لئے معتد کو پہلے لایا گیا (۴) اس سے پہلے مناع للخیر کہا گیا ہے۔ یعنی یہ کافر بھلائی سے روکتا ہے۔ اس کا دل لوگوں کی ہمدردی اور خیر خواہی سے خالی ہے۔ اس جگہ مزید شر اس کا یہ ہے کہ لوگوں پر ظلم کرتا ہے۔ پہلے خیر سے روکتا ہے، پھر ان پر ستم ڈھاتا ہے۔ اس مفہوم کے لحاظ سے مناع کے بعد متصلاً معتد کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایسا انسان بدترین لوگوں میں ہے۔ بہترین شخص وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے اور ان کو تکالیف سے محفوظ رکھے۔ تصوف کی اصل حقیقت یہی ہے۔

هَمَّازٍ مَّشَّاءٍۭ بِنَمِيمٍ

(القلم ۱۱) عیب جو، چغل خور پر ہماز کو دو وجوہ کی بنا پر مقدم کیا گیا ہے

عیب جو حرکت اور چلنے پھرنے کا زیادہ خواہاں نہیں ہوتا۔ بخلاف چغل خور کے کہ اس کے فعل کا سارا دارومدار نقل و حرکت پر ہوتا ہے ہماز معنی کے لحاظ سے (قاعد) یعنی بیٹھنے والے اور چغل خور ماشی (چلنے والے) کے حکم میں ہوا۔ رتبۃً قعود (بیٹھنے) کو مشی (چلنے) پر تقدم ہے (یہ امام سہل کا قول ہے) پھر ہماز کا نقصان اسی شخص تک محدود رہتا ہے جس کی عیب جوئی کیجارہی ہے۔ لیکن چغل خور کا نقصان دوسروں تک پھیلتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ محدود ضرر کے سمجھ لینے کے بعد متعدی نقصان کا سمجھنا آسان ہے۔

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ

(حج ۲۷) اے ابراہیم۔ لوگوں میں اعلان کردے (حج کے لئے) لوگ آئیں گے۔ پیدل اور سوار ہو کر دُبلے اُونٹوں پر)

یہاں پیدل کو سوار پر مقدم رکھنے کی دو وجہیں ہیں۔ (۱) نزدیک کے مقامات سے لوگ عام طور پر پیدل ہی آجاتے ہیں۔ اور دور سے آنے والے سواریوں پر۔ گویا قریب سے آنےوالے رُتبۃً تقدم رکھتے ہیں اسی لئے پیدل آنے والوں کو سواروں پر مقدم کیا ہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے حج کے لئے استطاعت (طاقت) کو شرط قرار دیا ہے اور جبکہ اکثر لوگ بغیر سفر کے اس فرض کو ادا نہیں کرسکتے۔ تو مناسب ہوا کہ حاجیوں کی دو قسمیں (پیدل اور سوار) صراحتاً بیان کردیجائیں۔ اور اس غلط وہم کو ختم کردیا جائے کہ حج صرف سواری رکھنے والوں پر ہی فرض ہے اس بنا پر پیدل کو سوار سے پہلے ذکر کیا گیا۔

السماء کی تقدیم الارض پر

قرآن مجید میں عام طور پر آسمان کا ذکر زمین سے پہلے کیا گیا ہے۔ کیونکہ آسمان کے عجائبات فائدے اور منافع زمین سے کہیں زیادہ ہیں زمین کی حیثیت اس کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے قطرہ سمندر کے سامنے۔ اسی لئے قرآن مجید میں آسمان کے مناظر میں بار بار غور کرنے کے لئے اُبھارا گیا ہے فَارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ (یعنی لوٹا نگاہ کو بار بار) سورہ یونس میں السماء (آسمان) کو الارض (زمین) پر مقدم کیا گیا۔ اسمیں دوسری حکمت ہے۔ فرمایا۔

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ	تیرے رب سے ذرہ برابر بھی
مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي	کوئی چیز چھپ نہیں سکتی۔ نہ
الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ	زمین میں نہ آسمان میں۔

(یونس ۶۱)

اس آیت میں بندوں کو تنبیہ کیجارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہر چھوٹے بڑے عمل سے واقف ہے۔ اسکی نافرمانی سے بچیں۔ یہاں اس مضمون کی مناسبت سے زمین کا ذکر پہلے ہی موزوں تھا۔ یہی زمین ان کی جائے قیام اور قرارگاہ ہے۔

اسی مضمون کو سورہ سبا میں بھی بیان کیا گیا ہے لیکن وہاں الارض کو بعد میں لایا گیا ہے۔ پوری آیت میں غور کرنے سے اس کی حکمت بھی پوشیدہ نہیں رہتی۔ فرمایا۔

لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ عَالِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ (سبا۔۳)

کافروں نے کہا قیامت نہیں آئیگی آپ کہہ دیجئے کیوں نہیں ضرور آئیگی۔ وہ خدا غیب کا جاننے والا ہے اس سے ایک ذرہ بھی مخفی نہیں رہ سکتا۔ نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔

اس آیت میں ابتداءً قیامت کا ذکر موجود ہے۔ اور قیامت کی اکثر نشانیوں کا ظہور آسمان ہی سے ہوگا۔ اسلئے سماوات کو مقدم کرنا ہی مناسب تھا۔

اموال و اولاد

وَمَا اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰى (سبا۔۳۷)

تمھارے مال اور اولاد تم کو خدا سے نزدیک کرنے والے نہیں۔

لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (المنافقون ۹)

تمہارے مال اور اولاد تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کردیں۔

اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (التغابن ۱۵)

پس تمھارے مال اور اولاد آزمائش ہیں۔

ان تینوں آیات میں مال کو مقدم کرکے مسلمانوں کو اسمیں الجھ کر خدا کی یاد سے غافل ہونے سے ڈرایا گیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مال کی حرص میں اللہ کی رضا اور جنت کی ابدی نعمتوں سے محروم ہوجائیں اصل مشغولیت اور انہماک ایمان اور اعمال صالحہ میں ہونا چاہیئے۔ کہ کب زر سے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ انسان پر مال کی محبت اور اسکو سمیٹنے کی دُھن اس طرح سوار ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت و اصلاح سے بھی غافل ہوجاتا ہے۔ اسلئے مال کو پہلے لاکر اس حرص و طمع کو روکا گیا ہے۔ حسب ذیل دو آیتوں میں اولاد کو مال سے پہلے بیان کیا گیا ہے۔ اسمیں بھی عجیب حکمت ہے فرمایا۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اِۨقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ (توبہ ۲۴)

کہہ دو کہ اگر تمھارے باپ دادا تمھارے بیٹے تمھارے بھائی تمھاری بیویاں، تمھارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے جمع کیا ہے اور تجارت جس کے مندے ہونے کا تمہیں ڈر ہے اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو تمہیں اللہ اُس کے رسول اور اُسکی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالٰے اپنا حکم لے آئے۔

یہاں جہاد کا بیان ہے۔ ایک مجاہد کے لئے اہل و عیال اور گھر بار کی جدائی بہ نسبت مال کے زیادہ دشوار ہے۔ ان تعلقات سے علٰحدگی کا خیال اُسے جہاد کے لئے نکلنے سے روکتا ہے۔ اور یہ تصور تو اس کے لئے اور بھی سوہان روح ہوتا ہے کہ وہ قتل ہوکر ہمیشہ کے لئے ان سے جدا ہوجائے گا۔ اس موقع پر مال سے جدائی کا خیال رکاوٹ نہیں ڈالے گا۔ اسلئے اولاد اور اقربا کا ذکر پہلے ہی لانا مناسب تھا۔

اس آیت پر غور کرو کہ کس طرح تمام اشیاء کو بہترین ترتیب کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ آباء کا ذکر سب سے پہلے لایا گیا ہے کیونکہ طبعاً و رتبۃً اور بلحاظ شرف اُن کو تقدم و فوقیت حاصل ہے اس بنا پر انسان اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرتا ہے اور ان کے ناموس کی حفاظت میں اپنا سب کچھ کھو بیٹھتا ہے۔ اس حمایت اور عصبیت میں رجحان

کی پرواہ رہتی ہے۔ اور نہ اولاد کا خیال۔ ان کے طریق سے ہٹنا ایک لمحہ کے لئے بھی اُسے گوارا نہیں ہوتا۔ ان کے بعد ابناء (بیٹوں) کو بیان کیا گیا ہے۔ محبت اور دلی تعلق کے لحاظ سے آباء کے بعد انہی کا درجہ ہے۔ ان سے جو وابستگی اور محبت ہوتی ہے وہ بھائیوں سے نہیں ہو سکتی۔ اسلئے اخوان کا ذکر اس کے بعد ہے۔

اب ترتیب یوں ٹھہری۔ اولاً اصل (جڑ) پھر فروع (شاخ) اسکے بعد ہم رتبہ رشتہ دار بھائی۔ پھر بیویاں۔ بیوی کو چوتھے درجہ میں رکھنے کی حکمت یہ ہے کہ اس سے کوئی خونی رشتہ نہیں ہوتا۔ اس کی حیثیت اجنبی کی سی ہے۔ اسکی جگہ دوسری بھی بیاہی جا سکتی ہے۔ اس سے تعلق تو نسل انسانی میں اضافہ کے لئے ہوتا ہے۔ بخلاف آباء، ابناء اور اخوان کے کہ ان کا بدل کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ ان سے تعلق وحمایت نصرت کے لئے ہوتا ہے۔ کہ یہ گرے پڑے وقت میں کام آتے ہیں۔ ظاہر ہے مدافعت وحمایت کا فائدہ خواہش نفسانی کی تسکین کے فائدہ سے کہیں زیادہ وزنی ہے۔

پانچویں درجہ میں قرابت بعیدہ کو رکھا گیا ہے۔ یعنی چچا پھوپھی چھٹا نمبر مال کا ہے جس کی صفت کمایا ہوا یا محنت سے حاصل کیا ہوا۔ بیان کی گئی ہے۔ محنت ومشقت سے حاصل کیا ہوا مال بہت ہی مرغوب ومحبوب ہوتا ہے۔ اس کی قدر بھی زیادہ ہوتی ہے اس کے برعکس میراث، ہبہ یا وصیت کے ذریعہ جو مال ملتا ہے اسکی حفاظت میں زیادہ توجہ اور اہتمام نہیں ہوتا۔ ساتواں نمبر تجارت کا ہے۔ انسان کی اصل محبت مال سے ہوتی ہے۔ اسکی حیثیت مطلوب ومقصود کی سی ہے۔ اور تجارت اس کے حصول کے لئے صرف ایک ذریعہ ہے یہاں مقصد کو ذریعہ اور وسیلہ پر مقدم رکھا گیا ہے۔ آٹھواں نمبر وطن کا ہے اس سے بھی انسان کا تعلق ہوتا ہے مگر ایسا نہیں کہ جیسا آباء و ابناء سے ہوتا ہے۔ وطن بدل سکتا ہے۔ اور ہر دوسرا وطن پہلے سے بہتر ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ عوض معاوضہ اور تبدیلی کا معاملہ باپ دادا اور اولاد میں نہیں چل سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ بعض حالات میں وہ تعلقات جن کو یہاں موخر بیان کیا گیا ہے، زیادہ وزن دار ہو جائیں لیکن یہ ایک جزئی اور اتفاقی صورت ہوگی۔ اصل عام قانون فطرت وہی ہے جسکا لحاظ آیت کی ترتیب میں رکھا گیا ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ — لوگوں کے لئے ذیل کی اشیاء کی
مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ — محبت آراستہ کردی گئی ہے۔
وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ — عورتوں کی طرف سے میلان، بچے
الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ — سونے چاندی کے ڈھیر، پلے ہوئے
الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ — گھوڑے مویشی اور کھیتیاں جو
ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا — دنیاوی زندگی کا سامان ہے۔

(آل عمران۔۱۴)

یہ وہ آیت ہے جسمیں اللہ تعالےٰ نے اولاد کا ذکر مال سے پہلے کیا ہے، یہاں چونکہ ان چیزوں کا بیان ہے جن کو کافروں نے اپنے لئے پسند کر لیا ہے اور جن سے وہ اپنی خواہش، لذت اور راحت کے جذبات کو تسکین دیتے ہیں اسلئے پہلے ان چیزوں کا بیان کیا جن سے ان کی شہوت کا تعلق زیادہ قوی ہے۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی عورتوں کی ہے۔ ان کا فتنہ دنیا کے تمام فتنوں سے بڑھ کر ہے یہی وہ بیڑیاں ہیں جو بندے کو خدا کی طرف قدم اُٹھانے سے روک دیتی ہیں۔ ان کے بعد اولاد کا ذکر جو کہ اُن سے پیدا ہوتی ہے۔ اور عورتوں کی طرف میلان کا سبب حصول اولاد بھی ہے۔ یہ دونوں (عورت و اولاد) انسان کے براہ راست مقصود ومطلوب ہیں۔ مال کی یہ حیثیت نہیں ہے۔ وہ اصل مقصود کے لئے بمنزلۂ وسیلہ اور ذریعہ کے ہے۔ ظاہر بات ہے کہ مقصد باعتبار شرف کو مرتبہ کے وسیلہ سے بہتر ہے۔ اسلئے یہاں مال کو بعد میں بیان کیا۔ اور مال کی بہتر قسم سونا چاندی کو یہاں ذکر کیا جن کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے۔ اس کے بعد اس محبت کا ذکر ہے جو انسان کو حیوانات سے ہوتی ہے

محبت کا وہ درجہ نہیں جو مذکورۂ بالا اشیاء کا ہے ۔ اسلئے چوتھے نمبر پر اس کا بیان ہوا ہے۔ حیوانات میں سے گھوڑے کا ذکر پہلے کیا کیونکہ یہ فوج کے لئے قلعوں اور پناہ گاہوں کا کام دیتے ہیں۔ قومی شرف و عزت کا بقاء و قیام اُن پر موقوف ہے ۔ اس کے بعد مویشیوں کا بیان ہے پھر کھیتی کا ذکر ہے۔ کیونکہ جانوروں کے منافع کھیتی سے کہیں زیادہ ہیں ۔

وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ	تمہارے لئے انہیں جمال و
تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ	خوشنمائی ہے جب کہ تم ان کو
(سورۂ نحل - ۶)	شام کے وقت گھر لیجاتے ہو
	اور چراگاہوں میں چراتے ہو۔

سواری (باربرداری) دودھ، گھی، ہتھیار اور اس قسم کے بہت سے فائدے ان سے حاصل ہوتے ہیں ۔

آیات جہاد میں مال کا ذکر جان سے پہلے

اللہ تعالیٰ نے آیت جہاد میں مال کو نفس پر مقدم کیا ہے ۔ صرف ایک آیت ایسی ہے جہاں نفس کو مال سے پہلے بیان فرمایا ۔ ارشاد ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ	بیشک اللہ نے خرید لئے ہیں،
الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَ	مومنوں سے اُن کے نفس اور مال
أَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ	اس عوض میں کہ اُن کے لئے
الْجَنَّةَ (توبہ)	جنّت ہے ۔

پہلی صورت کی مثال ان آیات میں ملتی ہے ۔

وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ (الصف)

وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ (توبہ ۲۰)

ان آیات میں مال کو پہلے لانے کی چند وجوہ ہیں ۔

اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جہاد بالنفس کی طرح جہاد بالمال بھی فرض ہے ، جب دشمن سر پر آدھمکے تو طاقت والے کے لئے ضروری ہے کہ میدان مقابلہ میں نکل آئے ورنہ اپنے بدلے میں کسی دوسرے کو مال دے کر بھیج دے ۔ اس انداز بیان سے اس وہم کا ازالہ مقصود ہے کہ جو شخص جہاد بالنفس کی قدرت نہ رکھتا ہو اُس سے جہاد بالمال بھی ساقط ہے ۔ انسان کے لئے مال محبوب ترین چیزوں میں ہے اسکی طلب میں وہ بڑے سے بڑے خطرے مول لے لیتا ہے بلکہ بعض اوقات اس راہ میں جان تک کی بازی لگا دیتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو اس قیمتی محبوب شے کو اپنی راہ میں لٹانے کے لئے پہلے دعوت دی پھر اس سے کامل اور اعلےٰ درجہ کی طرف اُن کو بلایا ۔ یعنی خدا کی راہ میں جان جیسی پیاری چیز بھی قربان کرنے سے دریغ نہ کریں ۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ جان سے بڑھ کر محبوب شے اور کیا ہو سکتی ہے ۔ انسان اپنے اہل و عیال ، مال و متاع کی حمایت و مدافعت میں پورا زور صرف کرتا ہے ۔ لیکن جب اسمیں خود اسکی جان پر آبنتی ہے تو سب کو چھوڑ چھاڑ کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے ، خدا نے اس پر بس نہیں کی کہ صرف مال طلب کرتا ۔ بلکہ انسان کی سب سے پیاری چیز بھی طلب فرمائی ۔ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے کہ پہلے انسان مال خرچ کر کے نفس کو بچانے کی کوشش کرتا ہے لیکن جب مال پاس نہیں رہتا تو جان کی بازی لگا دیتا ہے اس ترتیب کا لحاظ قرآن میں بھی رکھا گیا ہے ۔

سورۂ توبہ کی آیت اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی الآیۃ میں نفس کو مال سے پہلے لانے میں ایک خاص حکمت ہے ۔ یہاں اصل میں نفس ہی خریدا گیا ہے ۔ بیع و شراء اسی پر واقع ہوئی ہے ۔ اسی کے بدلے میں رضاء الٰہی اور جنت کا وعدہ کیا گیا ہے ۔ مال کی حیثیت تو تابع اور مملوک سے زیادہ نہیں ہوتی ۔ جب اصل مالک مال نفس ہی خرید لیا گیا ۔ تو نفس کی ہر چیز اسی خدا کی ہو گئی ۔ اس مقصد کے پیش نظر یہاں نفس کو مقدم کرنا ہی مناسب تھا ۔

الغفور الرحیم

قرآن مجید میں سوائے سورۂ سبا کے ایک آیت کے سب جگہ الغفور کو الرحیم پر مقدم کیا گیا ہے، یہ بھی حکمت سے خالی نہیں، طبعی طور پر مغفرت کی طلب رحمت سے پہلے ہوتی ہے۔ مغفرت نام ہے گناہ سے سلامتی اور نجات پانے کا۔ اور رحمت سے مزید عنایت و غنیمت مراد ہوتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ غنیمت سے پہلے انسان فطرۃً سلامتی کا خواہش مند ہوتا ہے۔

باقی رہی سورۂ سبا کی آیت تو اسمیں الرحیم الغفور فرمانے میں دوسرا نکتہ ملحوظ ہے۔ پہلے پوری آیت اور سیاق و سباق پر نظر ڈالئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا	سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس
فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ	کے لئے وہ سب چیزیں ہیں، جو
وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ وَ	آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں
هُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ یَعْلَمُ	ہیں اور اسی کے لئے حمد ہے آخرت
مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا	میں وہ حکمت والا خبردار ہے جانتا
یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ	ہے جو داخل ہوتا ہے زمین میں
مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ	اور جو نکلتا ہے اس سے اور جو اترتا
فِیْهَا وَهُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ	ہے آسمان سے۔ اور جو چڑھتا ہے
(سبا ۔ ۱-۲)	اسمیں اور وہ مہربان بخشش والا ہے

سورۃ کو حمد کے ساتھ شروع کیا گیا ہے۔ یہ حمد خدا کی تمام صفات کمال و جمال کو شامل ہے۔ اسمیں تمام علوم و معارف سمٹ آئے ہیں وہ ہر حال میں محمود اور قابل ستائش ہے۔ اسکا کوئی فعل حکم اور قانون حکمت و مصلحت سے خالی نہیں۔ حمد کے بعد مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کہہ کے اس کے ملک کی وسعت اور پھیلاؤ کو بتلایا گیا ہے۔ اور پھر یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ اسکی حمد دائمی ہے کبھی ختم نہ ہوگی اسکی حمد آخرت میں بھی اسی طرح جاری رہے گی جس طرح یہاں جاری ہے کیونکہ وہ اپنی ذات و صفات کے لحاظ سے حمد کا مستحق ہے۔ جب اسکی ذات کے لئے فنا نہیں تو اسکی حمد کب ختم ہو سکتی ہے۔

یہاں حمد اور ملک کو یکجا بیان کیا گیا ہے۔ یہ قرآن کا عام ا[نداز] ہے۔ حمد اور ملک جب الگ بیان ہوتے ہیں تب بھی اسکے کمال کو ظاہر کرتے ہیں اور جب دونوں ایک ساتھ ذکر کئے جاتے ہیں تو مزید کمال کی وضاحت ہوتی ہے۔ حمد بلا اقتدار و سطوت کمزوری کی علامت ہے۔ اور حاکمیت بلا حمد جابری اور غیر مقبولیت کی نشانی ہے حمد مع اقتدار و حاکمیت انتہائی کمال کی نشانی ہے۔ اسی طرح عزت و رحمت کے ساتھ معافی، قدرت کے ساتھ اور توانگری سخاوت کے ساتھ اعلیٰ کمال کی علامت ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کے ذکر سے پہلے بھی حمد کا ذکر ہے۔ اور بعد میں بھی۔ آخر میں اسکی دو صفتیں حکیم و خبیر مذکور ہیں۔ صفت حکیم ارادہ کے کمال کو بتاتی ہے اور یہ کہ اس ارادہ کا تعلق مقصد سے نہایت گہری حکمت و مصلحت کی بنا پر ہے۔ اور صفت خبیر اس کے کمال علم کو ظاہر کرتی ہے۔ جس طرح وہ ظاہری حالات جانتا ہے اسی طرح باطنی اور اندرونی احوال سے بھی باخبر ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی حمد، بادشاہت، حکمت اور علم کو نہایت مناسب انداز سے آیت کی لڑی میں پرو دیا گیا ہے۔ بعد ازاں آیت میں اسکے علم کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ کہ اسکے علم سے آسمان و زمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ پھر آیت کو ایسی دو صفتوں کے ساتھ ختم کیا گیا ہے جو مخلوق پر اسکی انتہائی شفقت و مہربانی ظاہر کرتی ہیں، یعنی الرحیم الغفور صفت رحمت کا تقاضا ہے کہ کامل طور پر بندوں کو نفع پہنچایا جائے اور صفت مغفرت کا تقاضا ہے کہ ان کے گناہوں کو معاف کیا جائے۔

یہ آیت اسکی رحمت، علم، حاکمیت اور مغفرت کی وسعت کو بتلا رہی ہے۔ قرآن نے بارہا علم و رحمت کی وسعت کو یکجا بیان کیا ہے۔ فرمایا:

وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا　اے ہمارے رب تو ہر چیز پر علم و رحمت سے چھا

اسی طرح علم و حلم کو ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ ان صفات کا حسن معانی یکجا ہونے سے اور بھی دوبالا ہوجاتا ہے۔ حاملان عرش فرشتوں میں سے دو کی دعا یہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰی حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ اور دو فرشتوں کی دعا یہ ہے لَكَ الْعَفْوُ بَعْدَ قُدْرَتِكَ۔ معافی کے ساتھ قدرت کا ذکر وہی حسن حسن رکھتا ہے جو علم و رحمت کے ساتھ علم کے بیان سے نمایاں ہوتا ہے قدرت کے ہوتے ہوئے معاف کرنا اصل کمال ہے۔ اسی طرح علم کے ساتھ نرمی اور بردباری برتنا اعلیٰ خوبی ہے۔

یہاں الرحیم کو اسلئے مقدم کیا گیا ہے کہ پہلے صفت علم کا ذکر ہے۔ اس ترتیب سے علم و رحمت دونوں کا بیان ایک ساتھ ہوگیا جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا پھر آیت کو صفت مغفرت پر ختم کیا۔ یہ صفت ازالۂ شر پر مشتمل ہے، جس طرح کہ رحمت حصول خیر کو شامل ہے۔ عام طور پر شر و مصیبت کا ازالہ حصول خیر سے پہلے مطلوب ہوتا ہے اسلئے قرآن میں اکثر جگہ الغفور کو الرحیم سے پہلے لایا گیا ہے۔ یہاں ماقبل کی مناسبت سے الرحیم کو پہلے ذکر کرنا ہی موزوں تھا۔

[1] وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ (انعام ۱۵۱) "اور اپنی اولاد کو فقر و فاقہ کی بنا پر قتل مت کرو۔ ہم تم کو بھی رزق دیتے ہیں۔ اور ان کو بھی"۔

سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ پہلی آیت میں ضمیر مخاطب كُمْ پہلے اور ضمیر غائب هُمْ بعد میں مذکور ہوا لیکن دوسری آیت میں اسکے برعکس ہے یہ فرق کیوں؟ اصل یہ ہے کہ یہ دو مسئلے الگ الگ ہیں۔ ایک چیز تو ہے نفس افلاس یا اسکا وقوع۔ یعنی والدین واقعۃً اور فی الحال افلاس مبتلا ہیں اور اسلئے بچوں کی زندگی ختم کیے دیتے ہیں۔ دوسری چیز ہے خوف افلاس یعنی والدین فی الحال تو افلاس میں مبتلا نہیں لیکن یہ اندیشہ کر رہے ہیں کہ اولاد اگر پیدا ہونی شروع ہوگئی تو موجودہ آمدنی کفایت نہ کرے گی۔ قرآن مجید نے ان دونوں فتنوں کے درمیان فرق ملحوظ رکھا ہے۔

اول الذکر کے موقع پر محض من املاق لایا گیا ہے۔ اور آخر الذکر کے موقع پر خشیۃ املاق بیان کیا گیا ہے، اور حرام اگرچہ دونوں صورتوں میں قتل اولاد کو ٹھہرایا ہے۔ لیکن جہاں "من املاق" ہے (یعنی افلاس فی الحال موجود ہے) وہاں خطاب براہ راست ہے۔ یعنی اے گروہ والدین! تمہیں تو رزق بہرحال پہنچا ہی رہے ہیں۔ اسی طرح تمہاری اولاد کو بھی پہنچاتے رہیں گے اور جہاں "خشیۃ املاق" یعنی افلاس سردست موجود نہیں ہے بلکہ صرف اسکا اندیشہ لگا ہوا ہے وہاں خطاب میں ایک ذرا سا لطیف و نازک فرق کر دیا ہے۔ "نرزقهم وایاکم" ہم انہیں بھی رزق پہونچاتے رہیں گے۔ جیسا کہ تمہیں پہنچاتے رہے ہیں۔

اس موقع پر مندرجہ بالا آیت کی تفسیر و تشریح غیر موزون نہ ہوگی۔ یہاں یہ اشارہ فرمایا گیا ہے کہ وہ معاشی نظریہ بہت ہی غلط قسم کا ہے، جو نسل گھٹانے اور محدود کرنے کی طرف لیجاتا ہے معاشیات کے صحیح قوانین ہی دوسرے ہیں ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق۔ یہ قتل اولاد کی ملعون رسم دختر کشی کے علاوہ کے علاوہ ہے۔ مقصود اس سے تمامتر افزائش نسل کو روکنا ہے افلاس کا ذکر اسلئے فرمایا کہ فلاسفۂ مادیین اور منکرین جاہلیت اپنے نظریہ کی عقلی توجیہ عموماً یہی کرتے ہیں، چنانچہ آج جاہلیت

[1] یہ اضافہ مترجم کی طرف سے کیا گیا ہے یہ نکات تفسیر ابن کثیر مصری ج ۲ ص ۱۸۸ اور تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۳۴۴ سے ماخوذ ہیں)

فرنگ کے زیر سایہ جو شاندار تحریک قتل اولاد کی خفی و باریک صورت کی "منع حمل" کے نام سے جاری ہے اُس کا محرک بھی یہی خوف افلاس ہے۔

مالتھس نامی ایک ماہر معاشیات جو برطانیہ میں اُنیسویں صدی کی ابتدا میں ہوا ہے۔ قتل اولاد یا منع حمل کی تحریک اصلاً اُسی کی چلائی ہوئی ہے۔ اس کے سارے نظریہ کی بنیاد یہی خوف افلاس ملکہ ہے۔

بعض علماء سلف نے آیت کے ان الفاظ سے عزل "یعنی منع حمل بلا آلات منع حمل" کے جواز پر استدلال کیا ہے وقد یستدل بھذا من یمنع العزل لان الوادیرفع الموجود النسل، والعزل منع اصل النسل فتشابھا الا ان قتل النفس اعظم وزرا واقبح فعلا (قرطبی) تفسیر ماجدی جلد ا صفحہ ۳۱۹)

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ نساء ۱۳

یعنی اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے ہو جاؤ۔ خواہ وہ تمہارے یا (تمہارے) والدین اور قرابت داروں کے خلاف ہی ہو۔ سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (مائدہ ۸) اے ایمان والو اللہ کے لئے پوری پابندی کرنیوالے اور عدل کے ساتھ شہادت دینے والے بن جاؤ۔ کسی قوم کی دشمنی تم کو انصاف کا دامن چھوڑنے پر آمادہ نہ کرے۔ انصاف کرو۔ انصاف تقویٰ سے بہت زیادہ قریب ہے۔

پہلی آیت میں قوامین بالقسط شہداء للہ فرمایا گیا اور دوسری آیت میں ترتیب بدلی ہوئی ہے۔ قوامین للہ شہداء بالقسط۔ معمولی غور و فکر سے اس فرق کی حکمت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ دوستی ہو یا دشمنی۔ یہ دونوں چیزیں انسان کو جادۂ انصاف سے ہٹا دیتی ہیں۔

سورۂ نساء میں دوستی اور محبت میں غلو کی بنا پر انصاف کا دامن چھوڑنے سے روکا گیا ہے۔ یہ اُس وقت ہوتا جب عدل و انصاف کے تقاضے انسان کی نگاہ سے اوجھل ہو جائیں۔ یہاں بالقسط پہلے ہی لانا موزوں تھا۔ سورۂ مائدہ میں دشمنی و نفرت میں انتہا کی بنا پر ناانصافی کی راہ پر چلنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ اس موقع پر جب کسی فرد یا قوم کا جذبۂ انتقام بھڑکتا ہے تو جان و مال اور ناموس کی تباہی و بربادی کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ حساس انسانیت اُس صورت حال کو دیکھ کر چیخ اُٹھتی ہے۔ اسکا ایک نمونہ تقسیم ہند کے موقع پر سنہ ۱۹۴۷ء میں دنیا دیکھ چکی ہے۔

یہاں "للہ" پہلے لایا گیا ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا واسطہ دے کر ظالموں کو ظلم و سفاکی سے روکا جائے اور اُسکی پکڑ سے ڈرایا جائے۔ اسی لئے آیت کے آخر میں فرمایا واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون۔ اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ کو پوری خبر ہے کہ تم کیا کرتے رہتے ہو۔ سورۂ نساء میں بھی یہی صفت خبیر آخر میں بیان کی گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ صفت "خبیر" انسان کے پیش نظر رہے تو ظلم و بے انصافی کی ایک مثال بھی دنیا نہ دیکھ سکے (ہذا ما خطر فی بالی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم) وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ط

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

قرآن مجید میں :— تکرار کیوں ہے ؟

قرآن پاک کے متعلق مخالفین نے سفیہانہ نکتہ چینیوں کا جو سلسلہ قائم کیا ہے اُس کا ایک نمبر یہ بھی ہے کہ :
"اگر قرآن مجید خدا کا کلام ہوتا تو ہرگز اُسمیں ایک ہی قصہ یا ایک ہی عبارت اور آیت کو بار بار نہ دوہرایا جاتا۔ اس طول عبث اور بیفائدہ تکرار کا نتیجہ اسکے سوا کچھ نہیں کہ سننے والے کی طبیعت اُکتا جائے اور وہ خدائے برتر کے کلام کو ایک پامال اور مبتذل کلام سمجھنے لگے (معاذ اللہ منہا) تم خود دیکھ لو کہ حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل، حضرت نوح حضرت لوط، حضرت صالح، حضرت شعیب حضرت عیسٰی علیہما السلام کے واقعات قرآن میں کتنی جگہ مذکور ہیں۔ اور حضرت موسیٰ و فرعون کے ذکر سے تو شاید ہی قرآن کا کوئی صفحہ خالی ہو اسکے علاوہ بعض صورتوں میں فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ اور وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ وغیرہ الفاظ کو اس کثرت سے رٹا گیا ہے کہ تکرار کی کوئی حد باقی نہیں رکھی۔ جو سراسر ایک فصیح و بلیغ اور اعلیٰ درجہ کے فصیح و بلیغ کی شان کے خلاف ہے۔ سورۂ کافرون (قل یا) ایک مختصر سی سورت تھی۔ مگر اُسکی خانہ پُری بھی چند الفاظ کے اُلٹ پھیر کے بغیر نہ ہو سکی۔ کیا ایسے کلام کو ایک وسیع العلم اور نامحدود قدرت والے خدا کی طرف منسوب کرنا گستاخی نہیں ہے۔"

یہی اعتراض ہے جس کو ہمارے مہربان مختلف الفاظ اور مختلف پہلوؤں سے ادا کرتے رہتے ہیں۔ اور جسکی بنا پر ہم کو ترمیم قرآن کی رائے دیجاتی ہے۔ لیکن اس سے پہلے کہ ہم اس اعتراض کی کمزوری یا معترض کی ناواقفیت سے پبلک کو مطلع کریں۔ یہ جتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ اور اسی قسم کے تمام اعتراضات کو جن کی اشاعت اس وقت کی جارہی ہے ہمارے معاصروں کی جدت طبع کا نتیجہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ متقدمین کی تصنیفات میں بالتفصیل ان اعتراضات کی تردید کی گئی ہے۔ اور قرآن یا اسلام کے متعلق خوردہ گیری کی جو صورت ممکن بھی تھی، نہایت صاف اور روشن دلائل سے زمانہ سابق میں اُسکا ابطال ہو چکا ہے۔

یہی مسئلہ جس کے متعلق بالفعل ہم بحث کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ علماء اسلام کی متعدد تحریروں میں مجملًا اور مفصلًا موجود ہے سید مرتضٰی۔ علامہ سیوطی۔ امام فخر الدین رازی اور شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ کے بیانات اس بارے میں ایسے کافی و وافی ہیں کہ ہم کو اُن کے اندر کسی زیادہ ترمیم یا اضافے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ اب ہم جو کچھ لکھیں گے وہ اکثر ان ہی بزرگوں کے اقوال سے ماخوذ ہوگا۔

وہ اعتراض جس کی نقل اوپر کی گئی درحقیقت ان دو اعتراضوں پر مشتمل ہے (۱) جو واقعہ ایک دفعہ قرآن میں بیان ہو چکا مختلف پیرایوں میں اُسکا اعادہ کرنا (۲) ایک ہی جملہ یا ایک ہی آیت کو بالفاظہا بار بار دوہرانا۔

امر اول کی نسبت غالباً یہ کہنا کافی ہوگا کہ اکثر اوقات ایک ہی واقعہ اپنے مختلف اجزا کے اعتبار سے بہت سے تذکروں اور متعدد نتائج پر حاوی ہوتا ہے جس کی وجہ سے متکلم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ہر مقام کی ضروریات کا لحاظ کرکے اسی ایک واقعہ کو مختلف تعبیرات کے ساتھ ادا کرتا رہے اور ہر ایک موقع پر اُس سے ایک ایسے نتیجہ اور مطلب کا قصد کرے جس کی نیت دوسری جگہ نہیں کی گئی۔ مثلاً موسیٰ اور فرعون کے واقعہ کے کئی جزو ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک حیرت انگیز طریقے سے فرعون کے یہاں پہونچنا، اور اُسی کی آغوش میں تربیت پانا۔ قبطی کو قتل کرکے مدین کی طرف بھاگنا۔ وہاں ایک انوکھے طور پر نکاح ہو جانا۔ آگ دیکھ کر پہاڑی پر جانا۔ اور وہاں سے منصب نبوت کا عطا ہو جانا۔ پھر دعوت ایمان دینے کے لئے فرعون کے پاس واپس آنا۔ فرعون کا تمرد کے ساتھ سوال و جواب کرنا۔ معجزات دیکھ کر فرعون اور تمام ساحروں کا ذلیل ہونا۔ آخر کار فرعون کا دریائے نیل میں غرق ہونا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مظفر و منصور ہو کر بنی اسرائیل کو روز روز کے عذاب سے بچا لینا۔ وغیرہ وغیرہ۔

اب فرض کرو کہ قرآن میں اس قصے کا ذکر کیا گیا تو اس سے چند مقاصد متعلق ہو سکتے ہیں۔ کسی موقع پر خدا تعالیٰ کو اس سے اپنی وسعت قدرت اور عظمت و جلال کا اظہار مقصود ہوگا کہ اُسکی زبردست طاقت اور سطوت و جبروت نے فرعون جیسے مغرور اور متکبر بادشاہوں کی کوئی حقیقت نہیں سمجھی۔ دم کے دم میں اُن کے تخت اُلٹ دیئے تمام سلطنت کو زیر و زبر کر ڈالا۔ اور اتنے بڑے ساز و سامان والا کس طرح بے گور و کفن مارا گیا۔ کسی جگہ ان ہی پُرہیبت اور افسوسناک واقعات سے غافل بندوں کو عبرت دلانا مقصود ہو گی کہ تم کو بھی ان معاصی اور کفریات سے باز رہنا چاہیئے جن کا خمیازہ پہلی قومیں بھگت چکی ہیں، ورنہ کچھ بعید نہیں کہ خدا کی طرف سے تمھارے ساتھ بھی وہی معاملہ ہو۔ کہیں پر حضرت موسیٰ اور اُن کے اُمتیوں پر احسان جتانا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تم پر یہ انعام کئے۔ ایک ایسے جابر اور خونخوار بادشاہ کے ہاتھوں سے تم کو رہائی ملی جسکی مقاومت کی تم تاب نہیں لا سکتے تھے۔ اگر تائید ایزدی تمھاری مددگار نہ ہوتی۔ کسی مقام میں معجزات کے ذریعہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت ظاہر کرنی ہے کہ فرعون کو ہم نے بغیر اتمام حجت کے ہلاک نہیں کیا۔ بلکہ موسیٰ نے اپنی نبوت کے ثبوت میں ایسی ایسی آیات بینات پیش کیں جن کے بعد فرعون کو ہم سے سرتابی کرنے کی کوئی گنجایش باقی نہیں رہی تھی۔

یہ اور اسی قسم کے مقاصد جن کا استقصا ہم نہیں کر سکتے اُن تمام قصص و واقعات میں ملحوظ رکھے جا سکتے ہیں جو قرآن شریف میں تھوڑے تھوڑے عبارتی تغیرات کے ساتھ جا بجا مذکور ہوئے ہیں۔ یہاں پہونچکر اگر ہم اُس حکمت کی طرف بھی کچھ اشارہ کر جائیں تو بیجا نہ ہوگا جس کا قرآنی واقعات کی تکرار میں مضمر ہونا ہمارے نزدیک ممکن ہے۔ لیکن اس کی سند میں ہم کو اگلے بزرگوں میں سے کسی کا قول دستیاب نہیں ہو سکا۔ وھو ہذا۔

یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ اپنے بزرگوں اور متقدمین کے محاسن سن کر ہر انسان خوش ہوتا ہے۔ اور کسی شخص کو اپنی طرف مائل کرنے کا ذریعہ بھی ہمارے نزدیک اس سے بہتر نہیں ہو سکتا کہ اُن کے آباؤ اجداد اور مذہبی پیشواؤں کے خوب کشادہ پیشانی کے ساتھ تعریف کی جائے اور اُن کے کمالات کا بار بار اعتراف کیا جائے اتنا فرق ہے کہ مطلق العنان شاعروں کی مدح سرائی میں ایسا رطب اللسان ہو جاتا ہے کہ اُس کو جھوٹ اور سچ کی بھی تمیز نہیں رہتی۔ لیکن راستباز اور دانشمند آدمی اکابر کی واقعی تعریف کرکے اُن کے پیرؤں کو اپنی جانب متوجہ

کر لیتا ہے۔ اور ہرگز اپنی اخلاقی صفائی کو مبالغہ اور جھوٹ کی رنگ آمیزی سے مکدر نہیں بناتا۔

اس صحیح قاعدے کو ذہن نشین کرتے ہوئے اس پر غور کرنا ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بڑی جماعتیں کن لوگوں کی تھیں۔ جو ہر وقت آپ سے برسر پیکار رہتی تھیں اور جن سے قرآن مجید کے اکثر خطابات کا تعلق تھا۔ اسکا جواب بہت آسانی کے ساتھ یہ دیا جا سکتا ہے کہ آپ کے تمامتر مخاطب اور آپ کی مخالفت میں کثیر حصہ لینے والے کل تین گروہ تھے۔ یہود۔ نصاریٰ اور مشرکین جن میں سے یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا پیغمبر مانتے تھے نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو تھے۔ اور مشرکین مکہ کے یہاں اصنام کے سوا حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل اور بعض انبیاء علیہم السّلام کا احترام ہوتا تھا۔

قرآن مجید چونکہ فصاحت و بلاغت کا سرچشمہ ہے۔ اور اُسکا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو اعتدال پسندی اور حکمت کے ساتھ اپنی پاکیزہ تعلیم کی طرف مائل کرے۔ اسلئے ضرور ہوا کہ ان اقوام کی غلط فہمیوں کو رفع کرنے کے ساتھ ساتھ اُن کے مسلّم مقتداؤں کی سچی مدح و ستائش میں نہایت بشاشت اور خندہ روئی سے کام لے۔ تاکہ اسکی آواز کو ایک مانوس آواز سمجھ کر بطوع و رغبت اسکی طرف مائل ہوں۔ نہ کہ متوحش ہو کر اس سے کنارہ کشی اختیار کریں۔

اس صورت میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم وغیرہ کے مناقب و فضائل کو مکرر سہ کرر دہرانے ایک معقول توجیہہ یہ بھی ہو سکتی ہے اور چونکہ قرآن کی تصریح کے موافق یہود کو آپ کے ساتھ سب سے زیادہ عداوت تھی تو ممکن ہے کہ اسی وجہ سے حضرت موسیٰ کا ذکر قرآن شریف میں تمام انبیاء علیہم السّلام سے زیادہ ہوا ہو

بہرکیف قرآن پاک میں واقعات یا مطالب کا اعادہ لاطائل اور خالی از حکمت نہیں ہے۔ بلکہ ایک ہی چیز سے مختلف مقامات میں مختلف فوائد حاصل کئے گئے ہیں۔ جن کا انکشاف آیات قرآنی میں خوض اور تامل سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ یا اس کثرت تکرار سے کوئی ایسی غرض حاصل کی گئی ہے جس کے لئے صرف ایک دفعہ ذکر کر دینا کافی نہیں ہو سکتا تھا۔

اس جگہ مناسب ہے کہ ہم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وہ گرامی قدر رائے بھی مع تشریح کے نقل کر دیں جو انہوں نے تکرار مطالب قرآن کے متعلق الفوز الکبیر فی اُصول التفسیر میں ظاہر فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں۔

"و تکرار مطالب در قرآن کریم برائے آنست کہ آنچہ خواہیم کہ سامع را افادہ نمائیم دو قسم می باشد۔ یکے آں کہ مقصود آنجا مجرد تعلیم بالاعلیم بود تا مخاطب حکم مجہول کا معلوم کند و آں نادانستہ دانستہ گردد۔ دیگر آں کہ مقصود استحضار صورت آں علم در مدرکہ او باشد تا ازان لذت فراواں گیرد و رنگ ایں علم بر ہمہ قوی غالب آید۔ و قرآن کریم بہ نسبت ہر یکے از علوم خمسہ کہ بیانش خواہد آمد ہر دو قسم افادہ ارادہ فرمود۔ تعلیم بالاعلم بہ نسبت جاہل۔ و رنگین ساختن نفوس بداں بسبب تکرار بہ نسبت عالم۔ اللّٰھم مگر در اکثر احکام کہ تکرار آنجا حاصل نشدہ افادہ دوم آنجا مطلوب نبودہ۔ ولہذا در شریعت تکرار تلاوت امر فرمودہ اند۔ بمجرد فہم اکتفا کردہ اند۔ اینقدر فرق نہادہ اند کہ در اکثر احوال تکرار آن مسائل بہ عبارت تازہ و اسلوب جدید اختیار فرمودہ اند۔ تا اوقع باشد در نفوس والذ باشد در اذہان۔ اگر تکرار بہ یک لفظ کنند چیزی باشد کہ بطور وظیفہ آن را تکرار نمایند و در صورت اختلاف تعبیرات و تغائر اسالیب ذہن خوض کند۔ و خاطر بکلی در آں فرو رود۔۔۔۔"

اس کا مطلب مزید توضیح کے ساتھ یہ ہے کہ قرآن کی ہر تعلیم اور ہر حکم کے مخاطب دو قسم کے آدمی ہو سکتے ہیں ایک وہ لوگ جو پہلے اس حکم سے ناواقف ہوں۔ اور اب اُن کو صرف واقف بنانا مقصود ہو۔ اور ایک وہ جن کو پیشتر ہی اس حکم کا فائدہ حاصل ہو چکا تھا لیکن اُن کے قلب میں یہ کیفیت راسخ نہ ہوئی تھی۔ اس اخیر گروہ سے محض اسلئے خطاب کیا جاتا ہے کہ اُن کے دلوں میں وہ تعلیم خوب جگہ پکڑ جائے اور اُس کے اندرونی اعتقادات اس طرح رگ و پے میں سرایت کر جائیں کہ اُن کا اثر تمام قویٰ اور اعضاء جسمانی پر ظاہر ہونے لگے۔ بہرحال مخاطب اوّل صرف ایک چیز کا علم حاصل کرتا ہے۔ اور دوسرا اس علم کے رسوخ اور استحکام کا طالب ہے اور اسمیں شک نہیں کہ یہ دوسرا مرتبہ پہلے سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے۔

اب ہم ان دونوں درجات کے فرق کو ایک عام فہم مثال کے ضمن میں بتلاتے ہیں۔

اس بات کا ہم کو، تم کو اور سب کو یقین ہے کہ مساکین اور یتیموں پر رحم کھانا خدا کی قربت اور خوشنودی کا باعث ہے اور اُس کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی فضیلت ہم اپنے وعظوں میں سیکڑوں استدلالات سے ثابت کیا کرتے ہیں۔ لیکن کیا ہم میں سے ہر شخص سچائی کے ساتھ یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ مدۃ العمر میں اگر اسکو کوئی شکستہ حال فقیر ملا ہو جس کے بدن اور موٹے کپڑوں میں سے پسینے کی بدبو بھی آتی ہو۔ تو اسکی مدارات تو درکنار اُسنے اُس کو اپنے برابر بٹھانا بھی گوارا کیا ہو۔ ہاں خدا کے بعض شاذ و نادر بندے ایسے بھی نکلیں گے، جو اسکی خستہ حالی کو دیکھ کر تڑپ جائیں گے اور ہر ممکن طریقہ سے اسکی اصلاح و درستی کی فکر کریں گے۔ اگرچہ اُن کو اسمیں کچھ موانع بھی پیش آئیں۔

ان دونوں شخصوں میں مابہ الامتیاز صرف یہی ہے کہ ایک کو غربا کی مدارات کے محمود ہونے کا علم ہے اور دوسرے کے اندر علاوہ اس علم کے ایک کیفیت راسخہ بھی پائی جاتی ہے۔ جو ضرورت کے وقت اس کے تمام جوارح اور اعضا کو تحریک میں لے آتی ہے۔ یہی کیفیت جسکو ہم حال اور ملکہ سے تعبیر کرتے ہیں شریعت کے تمام علمی اور عملی احکام میں مقصد اعظم قرار دی گئی ہے۔ اور یہ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ کسی کام میں یہ ملکہ اسکے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا کہ اس کام کی مشق نہایت التزام اور مداومت کے ساتھ کی جائے۔ تو جیسا کہ نماز روزہ اور تمام عبادات کو مواظبت اور پابندی کے ساتھ ادا کرنا اس کا سبب ہے کہ ہم اطاعت و انقیاد کے کامل خوگر ہوتے ہیں۔ اور بسا اوقات اس کے ترک سے زحمت محسوس ہونے لگتی ہے۔ اسی طرح کلمہ توحید اور خدا کے اسماء گرامی کا نہایت کثرت سے جپنا یہ اثر رکھتا ہے کہ خدا کے تصور اور اسکی توحید کو ہمارے دلوں میں ایسا تہ نشین کر دے کہ اسکی طرف سے ہم کو ایک دم بھی غفلت نہ ہو اور اُسکا رنگ نمایاں طور پر ہماری تمام حرکات و سکنات میں ظاہر ہونے لگے۔

اس قسم کے لوگ جن کو یہ کیفیت حاصل ہو گئی ہو صاحبدل، کامل الایمان اور اہل اللہ کہلاتے ہیں۔ ان کا وجود ہر زمانے میں پایا جاتا ہے اور کثرت ذکر و فکر ہی ان کا دائمی وظیفہ ہے۔ غرض جب یہ بات خوب طرح سمجھ میں آگئی کہ خدا تعالےٰ نے قرآن میں جابجا ہم کو تکثیر ذکر پر کیوں آمادہ کیا ہے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کثرت سے تلاوت قرآن کرنے کی کیوں تاکید فرمائی ہے؟ اور حدیث میں یہ ارشاد کیوں ہوا کہ خیر العمل ما دیم علیہ یعنی بہتر عمل وہ ہے جس پر مداومت کی جائے۔ تو اب اس عقدے کا حل کرنا کچھ بھی مشکل نہ رہا کہ قرآن میں بہت سے مطالب یا واقعات کو کئی کئی دفعہ کیوں لوٹایا گیا ہے۔ ہم بسہولت کہہ سکتے ہیں کہ جس ملکہ کے حاصل کرنے اور جس کیفیت کے راسخ بنانے کے واسطے کثرت ذکر۔ کثرت تلاوت اور کثرت عمل کو ذریعہ قرار دیا گیا ہے اُسی کے ذرائع میں سے اگر تکرار مطالب قرآن کو بھی شمار کر لیا جائے تو کیا نقصان ہے۔

یتہ یہ ضرور ہے کہ مطالب اور واقعات کی تکرار اگر ہر جگہ تازہ عبارت
نئے اسلوب کے ساتھ ہوگی تو اختلاف تعبیرات کی وجہ سے ذہن
اسمیں زیادہ غور و خوض کرنے کا موقع ملے گا۔ اور ہر دفعہ کو ہر
دفعہ ایک نئی لذت حاصل ہوگی جو پہلے نہ تھی۔ بخلاف اس کے اگر
یک آیت کو بار بار بالفاظہا دُہرایا جائے گا تو اُس میں صرف
سی قدر مزہ آئے گا۔ جو قاری کو کثرت تلاوت میں آنا چاہیئے
س کو ہم قند مکرر کے لطف سے تشبیہ دیسکتے ہیں اور یا یوں
یہ سکتے ہیں هو المسك ما كررته يتضوع

لیکن یہ بھی اُسی صورت میں ہے جب کہ ہم اُن الفاظ کی
رار کو حقیقی تکرار تسلیم کرلیں اور ایسا نہ کہیں جیسا کہ ابو العباس
علب نے سورہ کافرون کی تکرار میں کہا ہے کہ اول آیت لَا
عْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَلَا اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ
ں زمانہ حال کا قصد کیا گیا ہے اور دوسری آیت وَلَا اَنَا
عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ میں استقبال کا
یا خلاصہ یہ ہوا کہ ہم (مسلمان) اور تم (اے کفار) نہ فی الحال
یک دوسرے کے معبودون کی پرستش کرتے ہیں اور نہ آیندہ
ریں گے۔

اس تاویل کے موافق یہ کہنا پڑے گا کہ گو اس سورہ میں بعض
لے مکرر ہیں۔ مگر باعتبار معنی کے تکرار نہیں ہے۔ اور یہ کہ یہ سورہ
سب تفسیر مقاتل، ابو جہل وغیرہ ایسے کفار کے بارہ میں نازل ہوئی
ے جو بعد میں تا مرگ ایمان نہیں لائے جن میں سے عاصی بن وائل
لید بن المغیرہ۔ اسود بن المطلب۔ اسود بن عبد یغوث اور عدی
ن قیس بھی تھے۔

اسی طرح ایک یہ جواب بھی سورہ کافروں کے متعلق دیا گیا ہے
س کو سید مرتضیٰ بہت ہی غریب بتلاتے ہیں کہ پہلی آیت میں
ما کو موصولہ اور دوسری میں مصدریہ لیا جائے۔ اس وقت یہ مطلب
ہوگا کہ ہم اور تم میں سے کوئی ایک دوسرے کے معبودوں کی عبادت
نہیں کرتا۔ اور نہ ہماری اور تمھاری عبادت ایک طرح کی ہے
ہم ایک خدائے واحد کی خالص ہوکر عبادت کرتے ہیں اور تم
اپنی پرستش کو بتوں کی شرکت سے ملوث کر دیتے ہو۔

مگر ان دونو جوابوں سے آسان وہ جواب ہے جس کو سید
مرتضیٰ نے فرا سے نقل کیا ہے کہ یہاں پر تکرار محض تاکید کے لئے
ہو جیسا کہ کلام عرب میں اثبات موکد کے لئے بلیٰ بلیٰ (ہاں ہاں)
اور نفی کے لئے لا لا (نہیں نہیں) شائع ذائع ہے اور جیسا کہ
اس مصرعہ میں لفظ کم کی تکرار بغرض تاکید کی گئی ہے۔ ؎

کم نعمۃ کانت لکم کم کم و کم

یا اس شعر میں ؎

اَرَدْتُ لِنَفْسِیْ بَعْضَ الْاُمُوْرِ
فَاَوْلٰی لِنَفْسِیْ اَوْلٰی لَهَا

باقی اس کے سوا جو جوابات ابن قتیبہ وغیرہ نے دیے ہیں۔
اُن کو ہم بہ نظر اختصار قلم انداز کرتے ہوئے سورہ الرحمٰن وغیرہ کی
طرف متوجہ ہوتے ہیں جسکی کثرت تکرار کو ہمارے معترض نے بہت
ہی استعجاب کی نظر سے دیکھا ہے۔ حالانکہ جن لوگوں نے کلام عرب
کا کامل تفحص کیا ہے وہ اس تکرار کی خوبی اور لذت سے واقف
ہیں۔ اور اُن کے نزدیک یہ تکرار قرآن کی فصاحت و بلاغت
کی بڑی نشانی ہے

اس امر کے اظہار کی حاجت نہیں کہ سورہ الرحمٰن میں
جتنی دفعہ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ آیا ہے۔ کسی نہ کسی
نعمت کے ذکر کے بعد آیا ہے۔ اور ہر انعام کے بعد بغرض تقریر
خدا تعالیٰ دریافت فرماتا ہے کہ کیا تم ہمارے اس انعام و احسان
کی تکذیب کر سکتے ہو۔ جس سے مقصود یہ ہے کہ سامع ہر ہر نعمت
پر متنبہ ہوا اور ہر جملہ پر منعم حقیقی کا شکر ادا کرنے کے لئے تیار رہے

اس قسم کی تکرار جو مختلف چیزوں کی تقریر و تاکید کی غرض سے فصاحت و بلاغت کے خلاف نہیں، بلکہ فصحائے عرب کے اشعار میں بکثرت موجود ہے۔ عرب کا مشہور شاعر مہلہل بن ربیعہ کلیب کے مرثیہ میں لکھتا ہے۔

وھمام بن مرۃ قد ترکنا
اور ہم نے ہمام بن مرہ کو ایسا کر ڈالا

علیہ القشعمان من نسور
کہ اس پر وہ بوڑھے کرگس پڑے ہوئے تھے

علی ان لیس عدلاً من کلیب
باوجودیکہ کلیب کا کوئی نظیر نہیں

اذا طرد الیتیم عن الجزور
جبکہ یتیم بچے ذبح کئے ہوئے اونٹوں سے دھتکار دیے جاتے ہیں

علی ان لیس عدلاً من کلیب
باوجودیکہ کلیب کا کوئی نظیر نہیں

اذا ما ضیم جیران المجیر
جبکہ پناہ دینے والے کے ہمسائے ظلم کیے جائیں

علی ان لیس عدلاً من کلیب
باوجودیکہ کلیب کا کوئی نظیر نہیں

اذا خرجت مخبأۃ الخدور
جبکہ پردہ نشین عورتیں پردہ سے نکل پڑیں

علی ان لیس عدلاً من کلیب
باوجودیکہ کلیب کا کوئی نظیر نہیں

اذا رجف العضاہ من الدبور
جبکہ مغربی آندھی سے کانٹے دار درخت کانپنے لگیں

علی ان لیس عدلاً من کلیب
باوجودیکہ کلیب کا کوئی نظیر نہیں

[illegible]

اذا ما اعلنت نجوی الامور
جب کہ پوشیدہ باتیں ظاہر کی جائیں

علی ان لیس عدلاً من کلیب
باوجودیکہ کلیب کا کوئی نظیر نہیں

اذا خیف المخوف من الثغور
جبکہ سرحدوں پر کسی خوفناک چیز کا اندیشہ ہو

علی ان لیس عدلاً من کلیب
باوجودیکہ کلیب کا کوئی نظیر نہیں

غداۃ بلا بل الامر الکبیر
جس صبح کو کسی بڑی بات کے اندیشے ہوں

علی ان لیس عدلاً من کلیب
باوجودیکہ کلیب کا کوئی بدل نہیں

اذا ما خار جار المستجیر
جبکہ پناہ چاہنے والے کا پناہ دینے والا پیچھے ہٹ جائے

اسی طرح لیلیٰ اخیلیہ توبہ بن الحمیر کے مرثیہ میں کہتی ہے۔

لنعم الفتیٰ یا توب کنت ولم تکن
اے توب تو بہت اچھا جوان تھا اور یہ نہیں تھا

لتسبق یوماً کنت فیہ تحاول
کہ جس دن تو ارادہ کرتا تھا، کوئی تجھ سے بڑھ جائے

لنعم الفتیٰ یا توب کنت اذا التقت
اے توب! تو بہت اچھا جوان تھا جبکہ مل جائیں

صدور الاعالی واستشال الاسافل
سینے بلند قامت آدمیوں کے اور اونچے ہو جائیں نیچے آدمی

لنعم الفتیٰ یا توب کنت لخائف
اے توب تو بہت اچھا جوان تھا ڈرنے والے کے واسطے

اتاك لك يحمى ونعم المحامل
جو تیرے پاس محفوظ ہونے کیلئے آوے اور تو اچھا بردا شت کرنیوالا تھا
لنعم الفتىٰ يا توبُ جاراً وصاحِباً
اے توب تو ہمسایہ اور رفیق ہونے میں بہت اچھا جوان تھا
ونعم الفتىٰ يا توب حسين تناضل
اور اے توبؔ تو بہت اچھا جوان تھا جبکہ تیراندازی کرتا تھا
لعمرى لانتَ المرءُ ابكى لفقده
اپنی جان کی قسم تو وہ شخص ہے جس کے نہونے پر میں روتی ہوں
بجد ولولامت عليه العواذل
بہت کوشش سے اگرچہ ملامت کرنے والے اُسپر ملامت کریں
لعمرى لانت المرء ابكى لفقده
اپنی جان کی قسم تو وہ شخص ہے جس کے نہونے پر میں روتی ہوں
ويكثر تسهيدى له الاوائل
اور جس کیلئے میری شب بیداری بہت ہوتی ہے جس سے میری فراغت نہیں چاہتی
لعمرى لانت المرء ابكى لفقده
اپنی جان کی قسم تو وہ شخص ہے جس کے نہونے پر میں روتی ہوں
ولولام فيه ناقص العقل جاهل
اگرچہ اس پر کوئی کم عقل نادان ملامت کرے
لعمرى لانت المرء ابكى لفقده
اپنی جان کی قسم تو وہ شخص ہے جس کے نہونے پر میں روتی ہوں
اذا كثرت بالملحين البلابل
جبکہ لڑائی کرنے والوں پر اندیشوں کی کثرت ہوجائے
نعمان بن بشیر کے چچا کی بیٹی اپنے شوہر کے مرثیہ میں کہتی ہے
وحدثني اصحابه ان مالكاً
اور مجھ سے مالک کے دوستوں نے کہا کہ بیشک مالک
اقام ونادى صحبه برحيل
ثابت قدم رہا حالانکہ اُسکے ساتھیوں کو کوچ کی آواز دے دی
وحدثني اصحابه ان مالكاً
اور مجھ سے مالک کے دوستوں نے کہا کہ بیشک مالک
ضروبٌ بنصل السيف غير نكول
تلوار کی دھار سے خوب مارنیوالا ہے ہٹنے والا نہیں
وحدثني اصحابه ان مالكاً
اور مجھ سے مالک کے دوستوں نے کہا کہ بیشک مالک
خفيف على الحدثان غير ثقيل
سبک روح ہے، نوعمروں پر گراں جان نہیں
وحدثني اصحابه ان مالكاً
اور مجھ سے مالک کے دوستوں نے کہا کہ بیشک مالک
جوادٌ بما في الرحل غير بخيل
اپنے گھر کی سب چیزوں میں سخاوت کرنیوالا ہے بخیل نہیں
وحدثني اصحابه ان مالكاً
اور مجھ سے مالک کے ساتھیوں نے کہا کہ بیشک مالک
صرومٌ كماضي الشفرتين صيقل
دودھاری تیز تلوار کی مانند قطع کرنے والا ہے

اسی قسم کے اور سیکڑوں نظائر زبان عرب کا تتبع کرنیسے دستیاب ہو سکتے ہیں لیکن چونکہ ہمارے معترض کی رسائی اُن تک نہیں ہوئی اسلئے اُسکو اپنے مبلغ علم کے اعتبار سے وہی کہنا چاہیئے جو اُسنے کہا۔

اب ہمارے واسطے صرف یہ بحث باقی ہے کہ اسی سورۃ میں کئی جگہ یہ آیت فبای آلاء ربکما تکذبٰن جہنم کے عذاب اور تکالیف کے بعد لائی گئی ہے۔ حالانکہ رنج ومحن کا آلاء (نعمتوں) میں شمار کرنا کسطرح روا ہے

اس کا جواب امام رازی نے نہایۃ الایجاز فی درایۃ الاعجاز میں اور سید مرتضےٰ نے کتاب الامالی میں اسطرح دیا ہے۔

قلنا الوجه في ذلك ان (ترجمہ ہم کہتے ہیں کہ اسکی وجہ یہ ہے کہ

فضل العقاب وان لم یکن نعمۃ فذکرہ ووصفہ والانذار بہ من اکبر النعم لان فی ذلک زجرا عما یستحق بہ العقاب ولحثا علی ما یستحق بہ الثواب فانما اشار تعالی بقولہ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔ بعد ذکر جہنم والعذاب فیہا الی نعمۃ بوصفہا والانذار

(کتاب الامالی صفحہ ۔۔ مصری)

کہ گو عذاب دینا کوئی نعمت نہیں مگر اسکا ذکر کرنا اور اسکی کیفیت بیان کرکے اُس سے ڈرانا یہ بہت بڑی نعمت ہے کیونکہ اسکو سن کر بُرے کاموں سے رکتا اور نیک باتوں پر آمادہ ہوتا ہے۔ تو گویا اللہ تعالیٰ نے عذاب جہنم کا ذکر کے فبای الآء ربکما تکذبن سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ اس ہولناک عذاب کا ذکر کرنا اور اُس سے ڈرانا بھی ایک نعمت ہے۔

اسی مضمون کے ذیل میں علامہ جلال الدین سیوطی اتقان میں تحریر فرماتے ہیں کہ

وقد سئل ای نعمۃ فی قولہ کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ فاجیب باجوبۃ احسنہا النقل من دار الہموم الی دار السرور وراحۃ المومن والیاس من الفاجر

(ترجمہ) یہ سوال کیا گیا کہ کل من علیہا فان (یعنی ہر چیز جو زمین پر ہے فنا ہونیوالی ہے) یہ کونسی نعمت تھی (جسکے بعد فبای الآء ربکما تکذبن لایا گیا) تو اسکے متعدد جوابات دیے گئے جن میں سے عمدہ جواب یہ ہے کہ فنا ہونے میں دار التکالیف سے دار السرور کی طرف انتقال مسلمان کیلئے راحت ہوتی ہے اور کافر کیلئے بھی اس اعتبار سے نعمت ہے کہ اسکا فیصلہ کرکے ایک جانب سے مطمئن اور دوسری جانب سے مایوس کر دیا جاتا ہے۔ (یہ مقولہ سچا ہے کہ الیاس احدی الراحتین)

اس کے علاوہ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مومنین کا آگ میں ڈالنا گو بظاہر عذاب ہے مگر اپنے نتیجہ کے اعتبار سے بڑی نعمت ہے اور اسکی مثال بالکل ایسی ہی ہے کہ زرگر سونے کا میل کچیل نکالنے اور اسے کندن اور خالص بنانے کے لئے آگ میں ڈالتا ہے۔ باقی کافروں کے حق میں اگرچہ القار فی النار سراسر عذاب ہی ہوتا ہے مگر بھی مجموعہ کے اعتبار سے اُسکو رحمت اور نعمت کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ خدا کے دوست اُن کی ان سزاؤں کو دیکھ کر اُسی طرح خوش ہونگے جس طرح کسی چور ڈاکو اور زانی کو سزا ملنے سے خدا کی مخلوق خوش ہوتی ہے تو یہی غیظ و غضب جو ایک مجرم کے حق میں عذاب ہے دوسروں کے لئے بڑی نعمت سمجھنا چاہیئے۔

اب ہماری اس تقریر سے اُس اعتراض کے کئی جواب نکل آئے جس کے متعلق ہم نے قلم اُٹھایا تھا اور اس طرف بھی یک گونہ اشارہ ہو گیا کہ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ کے یہی معنی صحیح ہیں کہ ہر غضب کا منشاء اور اصلی محرک خدا کی رحمت ہے فالحمد للہ علی ذلک وصلی اللہ علی نبیہ محمد و آلہ وصحبہ اجمعین ط

فہم القرآن اور رجال القرآن

(بقیہ صفحہ ۱۵۷)

آہن کہ بپارس آشنا شد فی الفور بصورت طلا شد

ان بزرگوں کی حقیقی خصوصیت جس سے وہ قرآن کی محبت اور محبت کے رسوم تک پہنچے یہی تھی کہ اُنہیں نہ صرف علم کتاب و سنت ہی تھا بلکہ صحبت مشائخ ملازمت اہل اللہ تزکیہ نفس اور انفاس قدسیہ صالحین سے منور تھے ان کا علم محض کتابی یا مطالعہ محض کا نہ تھا بلکہ انصباغ و تاثر کا تھا اور آخر میں مشاہدہ غیوب کا تھا اسلئے انہوں نے الفاظ قرآن سے بھی فائدہ اُٹھایا اور معانی و حقائق سے سرفراز ہوئے اور ان دونوں انوار سے صرف دنیا ہی کی زندگی درست نہیں کی بلکہ آخرت کی زندگی بھی بنائی اور نہ صرف خود ہی کیلئے بنائی بلکہ اپنے پسماندوں کو بھی محروم نہیں رکھا اور اُس زندگی کے راستہ پر ڈال گئے حق تعالیٰ اُن کی قبروں کو اپنے انوار سے منور فرمائے اور ہمیں ان پاکبازوں کی راہ چلائے اور ان کے طریق پر چلنے قرآنی روشنی سے ہم سب کو روشن بنائے۔ آمین

مولانا حبیب الرحمٰن خیرآبادی

فہم قرآن: اور اس کے شرائط

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ قرآن قیامت تک کے لئے اُمت مسلمہ کا مکمل دستور حیات ہے جو ایسے حقائق پر مشتمل ہے جن کے ذریعہ انسانی نسلیں ترقی کی غیر محدود راہیں نکال سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر ایک طرف قرآن سے ظاہری اور عملی نصیحت حاصل کرنے کی ہدایت کی گئی ہے تو دوسری طرف اہل نظر کو آیات میں تفکر و تدبر کی بھی تاکید فرمائی گئی چنانچہ ارشاد ہے۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ (ص ع ۳) یہ ایک بابرکت کتاب ہے جسکو ہم نے آپ پر اسلئے نازل کیا تاکہ لوگ اسکی آیتوں پر غور کریں۔

دوسری جگہ ہے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (محمد ع ۳) کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگے ہے ہیں۔

غرض قرآن میں جابجا اپنی آیات میں غور کرنے کی دعوت دی ہے جس طرح فطرت کی دوسری چیزوں میں غور کرنے سے جدید اکتشافات اور نت نئے منافع اور فائدے حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح قرآن میں جس قدر غور و فکر کیا جائے اُتنے ہی حقائق معلوم ہوتے رہیں گے۔ اور ہر زمانہ اور ہر ماحول میں ارتقاء کی راہیں کھلتی رہیں گی۔ قرآن کا خود دعویٰ ہے

ان ھو الا ذکر للعالمین (تکویر ع ۱) قرآن تمام دنیا والوں کیلئے ایک نصیحت نامہ ہے

یعنی روئے زمین پر بسنے والے تمام بنی نوع انسان کے لئے قرآن سراسر نصیحت نامہ و ہدایت ہے خواہ وہ کسی عالم کسی ماحول اور کسی مکان میں ہو۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (نحل۔ ع ۱۲) اور ہم نے آپ پر قرآن اُتارا ہے ہر چیز کو بیان کرنے والا ہے

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ قرآن میں غور کیا جائے تو اکتشافات کے نئے نئے دروازے کھلتے رہیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام قرآن کی آیات میں تفکر و تدبر کیا کرتے تھے اور بعض مرتبہ وہ چیزیں جو ان کے یہاں واضح نہیں ہوتیں تھیں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیا کرتے تھے۔

اکثر صحابہ کرام احتیاط کے خیال سے انہیں معانی پر اکتفا کرتے تھے جو بعض آیات کی تشریح کے متعلق نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے سن پاتے تھے خود قرآن کی تفسیر بھی سمجھ نہ سکتے تھے لیکن بعض صحابہ جیسے عبداللہ ابن مسعودؓ ابن عباسؓ اور زید بن ثابتؓ قرآن میں غور و فکر ضروری سمجھتے تھے۔ یہ لوگ آیات کو اچھی طرح سمجھے بغیر تفسیر کرنا گویا ناجائز سمجھتے تھے (احیاء العلوم ۱۲/۲۴۲)

حضرت علیؓ سے بھی تفسیر کی روایتیں کثرت سے مروی ہیں وہ لوگوں کو شوق دلاتے رہتے تھے کہ لوگ قرآن سیکھیں اور اسے سمجھیں اور اپنے خطبوں میں فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کو کتاب اللہ کی بابت جو کچھ پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لو۔ کیونکہ میں یہ علم رکھتا ہوں کہ کون سی آیت کہاں اتری کب اُتری؟ اور کس کی بابت اُتری؟ اور میں دربار نبوی میں سوال کی جرأت بھی زیادہ رکھتا تھا (مراۃ التفسیر ص ۹)

ان کے علاوہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ۔ ابی بن کعبؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، جابر بن عبداللہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت

انس بن مالکؓ اور اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے بھی کثرت سے تفسیریں منقول ہیں۔ مگر سب سے زیادہ تفسیر کی روایتیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہیں۔ یہ اپنی قرآن دانی میں تمام صحابہ پر فوقیت رکھتے تھے اسی بنا پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں حبر اُمّۃ اور ترجمان القرآن کا لقب دیا تھا اور اُن کے حق میں دعا مانگی تھی۔

اللھم فقھہ فی الدین و علمہ التاویل (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۳۴) اے اللہ اسکو دین کی فقاہت اور قرآن کا فہم عطا فرما۔

سرور کائنات کی انہیں دعاؤں کی برکت کی وجہ سے حضرت ابن عباسؓ نے قرآن کے معانی بیان کرنے میں نمایاں خصوصیت حاصل کی۔ اسی لئے صحابہ کرام اُن کا بڑا احترام کرتے تھے۔

غرض یہ حضرات قرآن کی آیات میں تفکر و تدبر کیا کرتے تھے اور جبتک انکی علمی اور عملی حقیقت کو خوب اچھی طرح نہ سمجھ لیتے تھے آگے نہ بڑھتے تھے یہی وجہ ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی سورۂ بقرہ اور آل عمران پڑھ لیتا تھا تو وہ ہماری نگاہ میں بہت بڑا ہو جاتا تھا (مسند امام احمد حنبل ج)

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ (صحیح بخاری) تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

اس حدیث کی تفسیر میں علماء نے لکھا ہے کہ کمال درجہ کا سیکھنا یہی ہے کہ اسکے معانی و مطالب سمیت سیکھا جائے۔ قرآن کی کما حقہ تلاوت بھی یہی ہے کہ اسکے معانی و مطالب کو سمجھ کر پڑھا جائے اور اسمیں غور و فکر کیا جائے اور ایسے لوگوں کی اللہ تعالے نے قرآن عزیز میں مدح و ستایش فرمائی ہے اور اُنہیں کامل مومن فرمایا ہے۔ (بقرہ۔ ع ۱۴)

حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن کے دو حقوق ہیں ایک حق ظاہری دوسرا حق باطنی حق ظاہری تو اسکی تلاوت کرنا ہے اور حق باطنی یہ ہے کہ اسکے معانی و مطالب سمجھے جائیں اور پھر اُن پر عمل کیا جائے

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اگر علم چاہتے ہو تو قرآن پاک کے معانی میں غور و فکر کرو اسلئے کہ اسمیں اولین و آخرین کا علم ہے (احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۶۷)

احیاء العلوم میں توریت سے منقول ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے "اے میرے بندے تجھ کو مجھ سے شرم نہیں آتی۔ تیرے پاس راستہ میں کسی دوست کا خط آجاتا ہے تو ٹھہر کر بڑے غور سے اُسے پڑھتا ہے اور ایک ایک حرف سمجھ کر پڑھتا ہے۔ میری کتاب تیرے پاس گئی کہ تو اسپر غور کرے گا لیکن تو اسکے ساتھ بے پرواہی اور غفلت برتتا ہے کیا میں تیرے نزدیک تیرے دوستوں سے بھی کمتر ہوں۔ اے میرے بندے جب تیرے دوست تیرے پاس بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں تو تو ہمہ تن اُنکی طرف متوجہ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اگر کوئی بیچ میں تجھ سے بات کرنے لگتا ہے تو تو اشارے سے اُسے روک دیتا ہے اور میں تجھ سے اپنے کلام کے ذریعہ باتیں کرتا ہوں تو تو ذرا بھی متوجہ نہیں ہوتا۔ کیا میں تیرے نزدیک دوستوں سے بھی زیادہ [illegible]

افسوس قرآن کے ساتھ ہمارا بھی رویہ ہے کہ ہم اسمیں غور و فکر کرنے کو ذرا بھی اہمیت نہیں دیتے لیکن اگر اپنے لڑکے یا کسی دوست کا کوئی خط یا تار آجاتا ہے تو اسکو بار بار پڑھ کر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اگر خود پڑھنا نہیں جانتے تو کسی پڑھے ہوئے سے اسکو پڑھواتے ہیں اور اسکا مفہوم سمجھ کر اسکے مطابق عمل کرتے ہیں۔

حضرت عبیدہ ملیکی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اے اہل قرآن قرآن سے تکیہ نہ لگاؤ۔ اور برابر اسکی تلاوت کرتے رہو۔ اسکی اشاعت کرو اور اسکو اچھی آواز سے پڑھو اور اسکے معانی و مطالب میں غور و فکر کرو تاکہ تم فلاح پاؤ اور اسکا بدلہ دنیا ہی میں طلب نہ کرو۔ کیونکہ آخرت میں اسکا بہت بڑا اجر ملنے والا ہے"

علامہ ابن کثیرؒ نے آیت ورتل القرآن ترتیلا کی تفسیر میں لکھا ہے۔

ای اقرأہ علی تمھل فانہ یکون عونا علی فھم القرآن وتدبرہ (ابن کثیر سورۂ مزمل) یعنی قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو تاکہ اُس کے سمجھنے اور غور و فکر کرنے میں مدد ملے۔

ابوبکر ہذلی فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصری کے قرآن میں غور و فکر کا یہ عالم تھا کہ جب تک وہ ایک سورہ کو اچھی طرح سمجھ نہ لیتے اور اسکے شان نزول کی پوری واقفیت حاصل نہ کر لیتے اس وقت تک آگے نہ بڑھتے تھے (شذرات الذہب ص۱۳۷)

محمد بن کعب القرظی جس وقت قرآن کی تلاوت کرتے تو اسکے معانی میں بہت زیادہ تدبر و تفکر کیا کرتے ایک شب سورۂ زلزال اور سورۂ القارعہ پڑھنا شروع کیا تو ان ہی دونوں سورتوں کے معانی میں غور و فکر کرتے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی (التبیان ص۱۹)

وہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کے معانی میرے ذہن میں اس کثرت سے آتے ہیں کہ بعض دفعہ پوری آیت ختم ہو جاتی ہے لیکن معانی کی آمد ختم نہیں ہوتی (دول الاسلام للذہبی ج۱ ص۵۵)

بعض سلف نے لکھا ہے کہ قرآن اسلئے نازل ہوا ہے کہ اسپر عمل کیا جائے، مگر لوگوں نے محض اسکی تلاوت کو مستقل عمل بنا لیا۔ اسی لئے پہلے دور میں اہل قرآن وہی لوگ سمجھے جاتے تھے جو قرآن پڑھ کر عمل بھی کرتے تھے، خواہ زبانی یاد نہ ہو۔ لیکن جس نے قرآن یاد کیا اور اُس کے معانی و مطالب کو نہ سمجھا نہ اُن پر عمل کیا وہ اہل قرآن سے نہیں ہے۔ محض قرآن کے حروف کو تیر کی طرح سیدھا کر لینا اور فہم و تدبر سے خالی رہنا اسکو تو ہر ایک نیک و بد حتیٰ کہ منافق بھی کر سکتا ہے۔ اسی حقیقت کو رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے منافق کی مثال ریحان سے دیکر واضح کیا ہے کہ منافق جس وقت قرآن پڑھتا ہے تو اسکی مثال ریحان کی سی ہے کہ اسکی مہک نہایت عمدہ لیکن مزہ کڑوا ہوتا ہے۔

سیر کی کتابوں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے اسلاف جب بھی قرآن پڑھتے اُسے سمجھ کر پڑھتے اور اسمیں غور و فکر کرتے اور بعض بعض دفعہ غور و فکر کا یہ عالم ہوتا کہ کسی خاص آیت کو پڑھ کر اسقدر متاثر ہوتے کہ اسے بار بار دوہراتے چنانچہ اس سلسلہ کے بہت سے واقعات ہمارے بزرگوں کے مذکور ہیں جنکو ہم تطویل کے خیال سے یہاں ترک کر رہے ہیں۔

فہم قرآن کے شرائط:

جس طرح دنیاوی قوانین کو سمجھنے کے لئے کچھ شرائط اور اُصول ہوتے ہیں جن سے واقفیت کے بعد ہی وہ پوری طرح سمجھ میں آتے ہیں اسی طرح قرآن سمجھنے کے لئے بھی کچھ شرائط اور اُصول ہیں۔ جن کا علم حاصل کرنے کے بعد ہی کوئی شخص قرآن میں غور و فکر کرنے کا اہل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ قرآن ایک سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے فرمایا ہے "اگر علم چاہتے ہو تو قرآن کے معانی میں غور و فکر کرو کیونکہ قرآن میں اولین و آخرین کے علوم بھرے ہوئے ہیں"

ابن ابی جمرہ حضرت علی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا۔

لو شئت ان اوقر سبعین بعیرا من ام القرآن لفعلت (قمر الاقمار ص۲۳) — میں چاہوں تو صرف سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ کا بوجھ تیار کر دوں۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں۔

استخرجت من کتاب اللہ نیفا وألف مسئلۃ (کردری ج۱ ص۱۵۹) — میں نے قرآن سے ایک ہزار سے کچھ اوپر مسائل نکالے ہیں۔

بعض علماء نے لکھا ہے۔

لکل آیۃ ستون ألف فہم (احیاء العلوم ج۱ ص۲۴۹) — قرآن کی ہر ایک آیت کے لئے ساٹھ ہزار معانی ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن کے اندر معانی و اسرار کے بیشمار خزانے بھرے ہوئے ہیں اپنی ذہانت و ذکاوت کے لحاظ سے جو شخص جس قدر چاہے اسرار و معانی کے خزانوں کو نکالے اور ان کے بھی مختلف پہلو ہیں ان میں جو سنت اور اجماع اُمت کے مطابق ہیں اُنہیں اختیار کرنا چاہیئے ان کی علوم و معارف کی کثرت کیطرف اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے

ان القرآن أنزل علی سبعۃ احرف (مسلم) — قرآن مجید سات طریقے پر نازل کیا گیا ہے۔

گو کہ یہ حدیث اختلاف قرأت کے سلسلہ میں آئی ہے، مگر اختلاف

معانی کا بھی احتمال ہے اسکے علاوہ اور بھی بہت سے معنی کو محتمل ہے
چنانچہ علامہ سیوطی نے اس حدیث کی مراد میں ۱۲۵ اقوال نقل کئے ہیں
بہرحال قرآن خدا تعالیٰ کا عظیم الشان کلام ہے اور گوناگوں
علوم و حکم سے بھرا ہوا ہے لہٰذا اسے سمجھنے کیلئے بھی بہت سے علوم و فنون
کا پڑھنا ضروری ہے جن کے بغیر قرآن کے حقائق و معارف معلوم نہیں ہو سکتے
اسمیں شک نہیں کہ قرآن آسان ہے لیکن اسکا یہ مطلب
ہرگز نہیں کہ اسکے سمجھنے کیلئے اُصول و قواعد اور شرائط و آداب کی
ضرورت نہیں. بڑے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہیں قرآن سمجھنے کی
سعادت اللہ تعالیٰ نصیب فرماتا ہے ان ہی کے حق میں فرمایا گیا ہے
وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (بقرہ) جسے حکمت یعنی علم قرآن دیا گیا اُسے خیر کثیر عطا کیا گیا.

الغرض قرآن جیسی عظیم الشان کتاب جو علوم و معارف کا بحر
ناپید اکنار ہے اسکے لئے بھی کچھ شرائط اور اُصول ہیں جن کو حاصل
کرنے کے بعد ایک شخص قرآن میں غور و فکر اور تدبر و تامل کا اہل ہو سکتا
ہے یہ ایسا آسان نہیں کہ ہر شخص خواہ اہل ہو یا نہ ہو اس پر طبع آزمائی
کرے بعض لوگ محض عربی کی معمولی شد بد کی بنا پر اپنے کو تفسیر کا اہل
سمجھنے لگتے ہیں. اور بیدھڑک قرآن کی تفسیر کرتے ہیں اور کم علمی کی
وجہ سے قرآنی آیتوں میں جھگڑتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں بہت
سخت وعید آئی ہے.

اب ہم ذیل میں نہایت اختصار کے ساتھ اُن اُصول و شرائط کا
ذکر کرتے ہیں جنکے بغیر قرآن فہمی کی سعادت کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی

۱. عربیت: قرآن پاک کو سمجھنے کے لئے اوّلین شرط عربی زبان
سے واقف ہونا ہے کیونکہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا اور اسکے پہلے
مخاطب عرب ہی تھے. عربی زبان سے واقف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ
اسکا ذوق عربیت پختہ ہو. یعنی عربی کلام پڑھتے وقت وہی لذت حاصل
ہو جو اپنی زبان میں حاصل ہوتی ہے. بغیر اسکے قرآن مجید کو کما حقہٗ نہیں
سمجھا جا سکتا. اور کوئی شخص نصیحت پذیر نہیں ہو سکتا.

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان
رکھتا ہے اُسکے لئے جائز نہیں کہ وہ قرآن پاک میں لب کشائی کرے
اگر وہ لغات عرب کو نہیں جانتا (اتقان ص۱۷۹ ج ۲)

علامہ بیہقی شعب الایمان میں امام مالکؒ کے متعلق روایت کرتے
ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے. اگر میرے پاس کوئی ایسا شخص لایا جائے
جو عربی زبان نہیں جانتا اور اس کے باوجود قرآن پاک کی تفسیر کرتا ہے
تو میں اسکو سزا دوں گا (اتقان ص۱۸۰ ج ۲)

۲. علم نحو: اس سے بھی واقف ہونا ضروری ہے کیونکہ اعراب کے
بدلنے سے معانی بھی بدل جایا کرتے ہیں. اور اعراب کی شناخت اُسی
وقت ہو سکتی ہے جب علم نحو سے پوری طرح واقف ہو.

حضرت ابو عبیدہؓ کا بیان ہے کہ حضرت حسنؓ نے فرمایا بسا اوقات
آدمی عربیت سے واقف ہوتا ہے لیکن اسکے باوجود کوئی آیت پڑھتا ہے
تو علم نحو سے عدم واقفیت کی بنا پر اس طرح پڑھ دیتا ہے کہ اس کیلئے
باعث ہلاکت بن جاتی ہے (اتقان صفحہ ۱۸۰ ج ۲)

۳. علم صرف - یہ بھی بجائے خود مہتم بالشان علم ہے. ابن فارسؒ
فرماتے ہیں کہ

من فاته علم الصرف فاته المعظم — جس شخص نے علم صرف حاصل نہ کیا اُسنے علم کا بڑا حصہ کھو دیا. (اتقان ۱۸۰ ج ۲)

چونکہ علم صرف ہی سے صیغے معلوم ہوتے ہیں اسلئے اسکا علم ہونا بھی
ضروری ہے. ورنہ بعض دفعہ ترجمہ کرنے میں زبردست غلطی ہو جاتی ہے

۴. علم اشتقاق: یعنی لفظ کس مادہ سے مشتق ہے بعض دفعہ ایسا
ہوتا ہے کہ ایک ہی لفظ دو مادوں سے مشتق ہوتا ہے جس کی وجہ سے
معنی میں بڑا فرق ہو جاتا ہے.

۵. علم معانی: اس علم سے کلام کی ترکیب کی خاصیتیں باعتبار معنی کے
معلوم ہوتی ہیں. کیونکہ بعض دفعہ کلام میں ظہور ہوتا ہے اور کہیں پوشیدگی رہتی ہے

(باقی بر صفحہ ۹

مولانا سید محمد میاں سابق ناظم
جمعیۃ علماء ہند

قرآن حکیم اور تعمیر انسانیت

دور حاضر کی سیاست دولت امن و اطمینان سے کیوں محروم ہے؟

آج جبکہ ملوکیت ساری دنیا سے ختم ہوگئی، جاگیر داری کی بوسیدہ دیواریں گر رہی ہیں، سرمایہ داری کا چراغ گل ہو رہا ہے۔ جمہوریت کا دور دورہ ہے۔ عوامی حکومتوں کا ستارہ بلند ہو رہا ہے سامراج کے محلوں پر پنچایتی راج کے جھنڈے لہرا رہے ہیں۔ پھر کیا بات ہے کہ دولت امن مفقود ہے۔ عوام کی بےچینی بحال ہے۔ بلکہ کچھ زائد ہے۔ فارغ البالی، اطمینان و خوشحالی کے وہ خواب، جو انقلاب سے پہلے دیکھے جاتے تھے شرمندۂ تعبیر کیوں نہیں ہو رہے۔

یہ سوال ہر ایک سمجھ دار کے سامنے ہے۔ اس کے جواب بھی بار بار پریس کانفرنسوں یا اخبارات کے ذریعہ دیے جاتے ہیں۔ لیکن قرآن حکیم کی تعلیمات پر اگر ہم غور کریں تو اس ناکامی کے دو سبب ہیں اور جس قدر غور کیا جائے یہی ثابت ہوگا کہ ناکامی کے اصل سبب یہی ہیں۔

پہلا سبب یہ ہے کہ ملوکیت اور جاگیرداری اگرچہ ختم ہوگئی مگر لوازم ملوکیت ختم نہیں ہوئے۔ وہ اصل خرابی جس کی بنا پر ملوکیت جاگیرداری اور سرمایہ دارانہ نظام کی مذمت کی جاتی ہے وہ وہ ہے جس کو قرآن حکیم نے، اسراف اور فیلسوف اسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے "رفاہیت بالغہ" یعنی شاہانہ تکلفات اور عیش پرستی، مثلاً بیش قیمت لباس، بیش قیمت فرنیچر، عالیشان بلڈنگس، گراں بہا سامان تکلفات، رقص و سرود اور شراب کباب سے تعبیر کیا ہے۔

یہ چیزیں ہیں جو اقتصادی نظام کو درہم و برہم کرتی ہیں۔ اونچے طبقہ کے آدمی جب ان تعیشات میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو چھوٹے آدمی لامحالہ ان کے نقش قدم پر چل کر اپنی زندگی کو اسی سانچہ میں ڈھالنے کے لئے پریشانیوں اور بے اطمینانی میں مبتلا ہوتے ہیں اور اگر ان کی طبیعت میں دنائت اور خباثت ہوتی ہے۔ تو رشوت قمار، ڈاکہ اور چوری کے ذریعہ رقمیں اینٹھتے ہیں اور شاہانہ زندگی کے تکلفات پورے کرتے ہیں۔

اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ ملوکیت کے خاتمہ سے پہلے لوازم ملوکیت ختم کئے جائیں۔ کیونکہ اقتصادی بحران اور عوام کی تباہ حالی کی اصل بنیاد یہ نہیں ہے کہ ملک کا کوئی ایک شخص بادشاہ کہلاتا ہے۔ بلکہ اقتصادی بحران کی اصل چیز۔ یہ عیش پرستی، نزاکت آفریں زینت و زیبائش اور امیرانہ ٹھاٹھ اور شاہانہ تکلفات ہیں۔

قرآن حکیم، احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم صحابہ کرام اور اسلاف صالحین کی زندگی پر نظر ڈالو۔ وہ لوازم

ملوکیت پر لعنت بھیج کر کس طرح مساوی زندگی کی مقدس سطح اختیار کر رہے ہیں۔

دورِ حاضر کی سیاست اسلئے دولت اطمینان سے محروم ہے کہ وہ ملوکیت و سرمایہ داری پر تو لعنت بھیج رہی ہے مگر اس کی روح کو فنا کرنے کی کوشش نہیں کر رہی ہے۔ بلکہ معیار زندگی کو بلند کرنے کا نعرہ لگا کر اور اس پردہ میں لوازم ملکیت باقی رکھ کر روح ملوکیت کو اور تازہ کر رہی ہے۔

موجودہ تباہ حالی اور اضطراب و بےچینی کا دوسرا سبب جو پہلے سبب سے بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ یہ ہے کہ جن ہاتھوں میں جمہوریت کی باگ ڈور ہے اُن کے دل فکر احتساب سے بے نیاز ہیں۔ وہ محاسبہ کا اختیار صرف عوام کو دیتے ہیں جن کو فریب دینے کے طریقے وہ پہلے سیکھ لیتے ہیں۔ لہذا ان کے کام زیادہ تر نمائشی ہوتے ہیں تاکہ رائے عامہ ان کے حق میں رہے اور اس نازک وقت میں جبکہ ہر ایک مہذب اقتدار پسند ووٹوں کی بھیک مانگنے کے لئے عوام کے دروازوں پر جائے تو ان کے پاس چند نمائشی کارناموں کی سند موجود ہو۔

یہ تصور کہ مادیات سے بلند و بالا ایک ایسا عالم الغیب بھی ہے جو اس کے ہر ایک فعل ہر ایک عمل اور ہر ایک حرکت و سکون کا نگران ہے، جو اُسکے دل و دماغ، قلبی رجحانات اور ان جذبات کی بھی کڑی نگرانی رکھتا ہے جو دل کے گوشوں میں اندر ہی اندر اُبھرتے ہیں اور جب امن عالم اور جمہوری مفاد کا منظر فریب چلمن ڈال کر سامنے آتا ہے تو طوفان برپا کر دیتا ہے۔ جس کے سامنے تہ خانے راز و نیاز کے دھندلکے بھی ایسے ہی روشن ہیں، جیسے تماشا گاہ کے جگمگاتے ہوئے اسٹیج کے نظارے جو کیبنٹ میٹنگ اور پارٹی میٹنگ کی پُراسرار تجویزوں کو بھی ایسے ہی جانتا ہے جیسے پلیٹ فارم کی بلند بانگ تقریروں اور جلوس کے فلک شگاف نعروں سے واقف ہوتا ہے۔

اور یہ خوف کہ اس عالم الغیب کے سامنے ہمیں اپنے تمام افعال و اعمال کا جواب دینا ہے اور یہ اندیشہ کہ وہ واقف اسرار ہمارے خیالات و جذبات کا بھی محاسبہ کرے گا اور ہمیں اپنے عمل اور کردار کی پاداش بھگتنی ہوگی۔

دورِ حاضر کی سیاست کے ارباب اقتدار چونکہ اس عقیدہ کو عہد قدیم کی دقیانوسی یادگار تصور کرتے ہیں۔ لہذا یاد گار عالم الغیب میں جواب دینے اور محاسبہ کے خوف سے (جسکو اصطلاح شریعت میں تقوی کہا جاتا ہے) ان کا دل و دماغ ناآشنا ہے۔ اسلئے جو فعل ہوتا ہے وہ بیشتر نمائشی۔ یہاں تک کہ عوام کے اس یقین کی تردید نہیں کیجا سکتی کہ ان ارباب اقتدار کی کوششیں زیادہ تر اسلئے ہوتی ہیں کہ ان کی قیادت باقی رہے اور جو کرسی ان کو مل گئی ہے اُسکو خطرہ لاحق نہ ہو سکے۔

شاذ و نادر کچھ افراد ایسے ہیں، جن کے دلوں میں انسانیت کا درد ہے اور یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ محض نمائش کے لئے نہیں بلکہ نوع انسان کی فلاح و بہبود کا ذریعہ سمجھ کر وہ اُصول جمہوریت تسلیم کرتے ہیں۔ اور سچائی سے اُس پر عمل کرتے ہیں۔

ایسے افراد کا عمل اور کردار غرض اور ذاتی مفاد کی آلائش سے پاک ہو سکتا ہے۔ مگر وہ تڑپ جو فاروق اعظم رض کی طرح اُن پر راحت اور آرام حرام کر دے وہ رات کی میٹھی نیند چھوڑ کر شہر کی گلیوں اور کوچوں میں گشت کرتے پھریں کہ اگر کوئی مریض درد سے کراہ رہا ہے تو اس کے علاج کی کیا صورت ہو؟ اگر کسی بیوہ کے بچے فاقہ سے تڑپ رہے ہوں تو ان کا پیٹ کس طرح بھرا جائے۔ اگر کوئی لاوارث اندھی بڑھیا اپنا کام نہیں کر سکتی تو اس کی خدمت کی کیا شکل ہو؟

یہ تڑپ جو ہارون الرشید جیسے بادشاہ کو شب بیداری اور

رات کے گشت پر مجبور کرتی ہے، جو محمد بن تغلق جیسے فاتح کو آمادہ کرے کہ وہ ہندو مدعی کے جواب دعوے کے لئے قاضی کی عدالت میں حاضر ہو۔ اور اگر قاضی کا فیصلہ ہو کہ محمد بن تغلق نے مدعی کو بلا سبب مارا ہے لہٰذا مدعی سے معافی مانگے۔ ورنہ قصاص ادا کرے تو محمد بن تغلق قصاص کے لئے نہ صرف آمادہ ہو جاتے ہیں بلکہ بقول ابن بطوطہ

"یہ مدعی کے سامنے اپنے آپ کو پیش کر دے اور جس طرح بادشاہ نے مدعی کو مارا تھا ایسے ہی مدعی بادشاہ کے بید لگائے۔ یہاں تک کہ بادشاہ کی کلاہ بھی سر سے گر جائے۔"

وہ تڑپ جو جہانگیر جیسے بدنام بادشاہ کے دل میں تھی۔ ایک دفعہ ایسی دھڑکن پیدا کر دے کہ وہ قاضی کی عدالت میں حاضر ہو کر دعوے قتل کی جواب دہی کرے اور جب ایک گستاخ نوجوان کے قتل ناحق کا جرم ثابت ہو جائے تو قاضی کے فیصلہ قتل پر تصدیق کے دستخط ثبت کرے، اور حکم صادر کرے کہ ملکہ نورجہاں کو کشاں کشاں قتل گاہ پہنچایا جائے اور جب قانون شریعت کے مطابق اولیاء مقتول کے معاف کر دینے سے نورجہاں کی جان بخشی ہو جائے تو حسرت اور مسرت کے لہجہ میں بارگاہ حسن میں یہ عرض کرے "اگر تو کشتہ شدی من بچارہ چہ کردی"۔ بہر حال یہ اضطراب اور یہ تڑپ اسوقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک ارباب اقتدار مالک حقیقی اور خالق کائنات کو محاسب اور نگراں نہ سمجھیں اور اسکا خوف دل میں پیدا نہ کریں۔

یہی وہ تقوٰے ہے جو ان شہسواروں کو رات کا راہب اور انقلاب انگیز فاتح، کمزور مظلوموں کے لئے پیکر راحت بنا تا ہے۔ قرآن عظیم عظمت و اقتدار کی کنجی انہیں حوالہ کرتا ہے جو تقوٰی میں پیش پیش ہوں انہیں کو سیاست میں سب سے آگے دیکھنا چاہتا ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔

کاش ہم یہ سبق یاد کر لیں اور اسی مقدس نصب العین کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔

قرآن کی ایک پیشین گوئی

بقیہ صفحہ ۱۱۲

جس سے اُسنے ناجائز طور پر شادی کر لی تھی۔ اور یہ کہ اُسنے اپنے مشیروں کے اس احمقانہ مشورہ پر عمل کیا تھا کہ ایک بادشاہ کی زندگی میدان جنگ میں صرف نہیں ہونی چاہیئے۔ غالبًا وہ ایرانی فاتح کے اہانت آمیز مطالبات سے مشتعل ہو گیا تھا۔"

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے۔

"ہرقل کا کیرکٹر ایک عجیب و غریب پہیلی ہے جسکا بوجھنا آسان نہیں یہ شخصی طور پر بہادر، سیاسی حیثیت سے تجربہ کار اور لائق سپہ سالار ہونے کے باوجود وہ نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ اپنی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے ہوتے دیکھتا رہا۔ اپنی زندگی کے مختلف دوروں میں اسکی حیثیتیں اور قابلیتیں نہ صرف ایک دوسرے کے مختلف بلکہ متضاد نظر آتی ہیں لیکن ہم کو یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ اسکی خانگی زندگی کے متعلق ہماری معلومات بہت ناقص ہیں ممکن ہے کہ اس تضاد کا کوئی اور حقیقی سبب ہو اگرچہ اسکے عمل کیلئے وہ صحیح عذر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسکی شہرت کی بقا کیلئے یہ بہتر ہوتا کہ وہ ایرانی مقابلہ کے فوراً بعد مر جاتا۔"

ان تمام بیانات میں یورپین مورخین نے صاف طور پر تسلیم کیا ہے کہ ایرانی مقابلہ کے وقت ہرقل میں عارضی طور پر عجیب و غریب انقلاب پیدا ہو گیا تھا۔ اور ایسی روح پیدا ہو گئی تھی جو اسکے بعد اُسمیں نہیں رہی اور جو کچھ اُسنے ایرانیوں سے حاصل کیا تھا اپنی غفلت اور کاہلی سے عربوں کے ہاتھ کھو دیا۔ اس آخری چیز کی ہمارے نزدیک کوئی مسلم حیثیت نہیں ہمیں اسمیں کلام ہے کہ ہرقل نے اسلامی حملوں کا پورے طور پر مقابلہ نہیں کیا اور رومیوں کی شکست میں اسلام کی طاقت اور مسلمانوں کے کیرکٹر سے زیادہ ہرقل کی غفلت و نااہلی یا رومی سلطنت کے ضعف کو دخل تھا لیکن اس حصہ پر بحث کرنا اسوقت ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

یہ پیشین گوئی جسکو ہم نے تفصیل و تشریح کے لئے انتخاب کیا قرآن[۲] ——

۲ یں اس کے علاوہ متعدد پیشین گوئیاں ہیں۔ لیکن اس وقت ان کا استقصار کرنا مقصود نہیں ہے۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی:

قرآن فہمی کے اصول

ہر جماعت کی روح رواں اُسکا مرکز ہوتا ہے، مسلمانوں کا مرکز قرآن ہے۔ ان کے تمام معاملات، عبادات اور تہذیب و تمدن سب اسی ایک مرکز سے وابستہ اور اسی ایک رشتہ سے منسلک ہونے چاہئیں ان کی تمام اخلاقی و روحانی برتری اور ہمہ رنگیوں کا دارومدار صرف اسی ایک کتاب مبین کے تعامل پر ہے۔ وہ جبتک قرآن کی مشعل ہاتھ میں لئے رہے ترقی کی راہ پر گامزن رہے۔ مگر جب سے قرآن حکیم سے بعد (دوری) ہونا شروع ہوا۔ وہ ریگ کے ذروں کی طرح منتشر و پریشان تیرہ و تار بیابانوں میں بھٹکتے رہے۔

میں سب سے پہلے قرآن فہمی کے متعلق ایک غلط فہمی دور کرا دوں وہ یہ کہ بعض انگریزی خواں اصحاب نے قرآن فہمی کے متعلق یہ بات مشہور کر دی ہے کہ یہ بہت آسان کتاب ہے۔ اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر شخص جس آیت کے جو معنی چاہتا ہے متعین کر دیتا ہے۔ اسلئے بہت سخت ضرورت ہے کہ اس گمراہ کن غلط فہمی کو دور کر دیا جائے۔

ا۔ سوال یہ ہے کہ کیا قرآن اس معنی میں آسان کتاب ہے کہ وہ عربی کی معمولی سی شُد بد سے سمجھ میں آسکتا ہے اور ہر شخص کو اس سے استخراج احکام اور استنباط مسائل کا حق حاصل ہو سکتا ہے بلاشبہہ قرآن آسان ہے۔ مگر اسکی حقیقت وہ نہیں جو ہمارا ایک طبقہ سمجھے بیٹھا ہے۔ ان کے نزدیک قرآن کو سمجھنے کے لئے کسی خاص علم و فن کا حاصل کرنا ضروری نہیں ہے۔ یہ تصور غلط ہے۔

پھر ایک گروہ ان سے بھی ایک قدم آگے بڑھ گیا ہے۔ اس کے نزدیک فہم قرآن کے لئے حدیث کی بھی ضرورت نہیں۔

آسان ہونے کا مطلب:

اسلئے یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآن کو آسان کہنے کا کیا مطلب ہے؟

قرآن نے اپنے تئیں خود کو آسان کہا ہے۔

ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر (القمر)　　ترجمہ: اور تحقیق ہم نے قرآن کو سہل کر دیا ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔

ایک اور موقع پر سورہ مریم میں ارشاد ہے۔

(ترجمہ) اور تحقیق ہم نے قرآن مجید کو تمھاری زبان میں آسان کر دیا ہے تاکہ تم اُس کے ذریعہ پرہیزگاروں کو بشارت سناؤ اور جھگڑالو قوموں کو ڈراؤ دھمکاؤ۔

ان دونوں آیات کے نفس مطلب اور سیاق و سباق پر غور کیا جائے تو اس سے صاف طور پر یہ متبادر ہوتا ہے کہ قرآن مجید رشد و ہدایات کی آسان کتاب ہے یعنی اسکی تعلیمات آسان ہیں وہ جن حقائق کی طرف متوجہ کرتا ہے وہ فلسفے کے مسائل کی طرح پیچیدہ نہیں بلکہ واضح حقائق ہیں۔ جن پر عمل کرنا دشوار نہیں ہے کیونکہ قرآن کی راہ ہی اصل فطرت کی راہ ہے اور اسکی روشنی

وہی ہے جس کی طرف انسان کو فطرت سلیمہ دعوت دیتی ہے

فہم قرآن سے مراد :

یہاں اس بات کو اور سمجھ لیا جائے کہ فہم قرآن سے ہماری مراد کیا ہے۔ ہمارے نزدیک قرآن فہمی کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس سے مجتہدانہ طور سے احکام کا استنباط کر سکے۔ قرآن کی آیت کو پڑھ کر اس کے واقعی اور حقیقی مفہوم کو متعین کر سکے۔ اس معیار بلاغت کو دریافت کر سکے کہ یہاں کلام کا مقتضی حال کیا ہے اور کس چیز پر زور دینا منظور ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد کسی ترجمہ کے دیکھ لینے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کے لئے خاص شرائط و آداب ہیں۔ کہ جب تک وہ نہ پائے جائیں کوئی شخص فہم قرآن کا مدعی نہیں ہو سکتا۔

قرآن کریم کی ایک سے زائد آیات میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اسکی بعض آیات عام فہم ہیں مگر بعض کئی پہلوؤں والی ہیں۔ اور ان آیات کی حقیقت صرف علماء راسخین (والراسخون فی العلم) ہی جان سکتے ہیں۔

پھر فہم قرآن میں بھی مدارج ہیں۔ یہاں تک کہ صحابہ کرام بھی فہم قرآن میں برابر نہیں تھے۔

فہم قرآن کے سلسلہ میں چھ صحابہ کے نام ہمارے سامنے آتے ہیں (۱) حضرت عمرؓ (۲) حضرت ابن مسعودؓ (۳) حضرت ابن عمرؓ (۴) حضرت ابن عباسؓ (۵) زید بن ثابتؓ (۶) حضرت علیؓ۔ مگر ان میں سب کا مرتبہ یکساں نہیں تھا۔

دوسرے یہ کہ صحابہ کرام بھی تفسیر کے معاملہ میں حد درجہ احتیاط رکھتے تھے اور اسے بڑی ذمہ داری کا کام سمجھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ طیبہ کے فقہاء کو دیکھا ہے کہ یہ حضرات تفسیر قرآن کے سلسلہ میں گفتگو کرنے کو بڑا اہم اور ذمہ داری کا کام سمجھتے تھے (تفسیر ابن جریر)

لیکن اسکا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ قرآن کے معانی میں غور و خوض اور اس سے احکام و مسائل کا استنباط ہی سرے سے ممنوع کر دیا گیا ہے۔ قرآن تو خود جگہ جگہ اپنی آیات میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ اور ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو ان (آیات) میں انہماک رکھتے ہیں۔ اور قرآن کے حقائق پر غور کرتے ہیں۔ اور یہی نہیں بلکہ جو اسمیں تدبر نہیں کرتے اُن کی مذمت کی گئی ہے۔

دعوت فکر :

(ترجمہ آیت) یہ وہ مبارک کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے۔ تاکہ لوگ اسکی آیات میں تدبر کریں۔ اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں

(۲) جو لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے اُن کے قلوب پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔

بہر کیف اب یہ حقیقت ذہن نشین ہو گئی ہو گی کہ قرآن فہمی کا معاملہ ایسا آسان نہیں ہے کہ ہر شخص طبع آزمائی کرنے لگے۔ بلکہ اس کے لئے بھی کچھ اصول ہیں جن اصولوں اور شرطوں کو پورا کرنے کے بعد ہی ایک شخص قرآن میں غور و تدبر اور فکر و تامل کا اہل ہو سکتا ہے۔

اب ہمیں ان اُمور پر غور کرنا ہے کہ وہ شرائط کیا ہیں؟

پہلی شرط :

قرآن مجید کو سمجھنے کی سب سے پہلی اور ابتدائی شرط عربیت ہے کیونکہ قرآن عربی میں نازل ہوا ہے۔

دوسری شرط : ذوق لسانی ہے۔ کیونکہ جبتک ذوق عربیت پختہ نہیں ہوگا اور بقول امام شافعیؒ جب تک اسمیں کسی عربی عبارت کو عربی کے ہی انداز فہم و تعبیر کے مطابق سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہوگی وہ قرآن کریم کے بلیغ بیان اسلوب اور اسکے

مخصوص انداز تعبیر سے واقف نہیں ہو سکے گا۔ اور یہ کوئی عربی ہی کی خصوصیت نہیں ہے۔ بلکہ ہر زبان کا یہی قاعدہ ہے کسی زبان کو بولنے اور سمجھنے والے سب کے سب یکساں نہیں ہوتے ایک سنتا ہے مگر اُس پر خاک اثر نہیں ہوتا۔ دوسرا سنتا ہے تو سر دھننے لگتا ہے۔ مومن کا شعر ہے

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

کتنے ہی لوگوں نے پڑھا ہوگا۔ لیکن مرزا غالب نے سنا تو کہنے لگے اے کاش مومن یہ ایک شعر مجھے دیدیتے اور اس کے عوض میرا دیوان مجھ سے لے لیتے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رح کا مشہور واقعہ ہے۔ آپنے ایک مرتبہ اپنے ایک مرید سے فرمایا "میاں ذرا صراحی اُٹھا لانا۔ اور پیٹ پکڑ کر اُٹھانا" مرید نے ایک ہاتھ سے صراحی کا گلا پکڑا، اور دوسرے ہاتھ سے اپنا پیٹ پکڑ لیا۔ اور اس شان سے صراحی حضرت شیخ کے سامنے لاکر رکھ دی۔

اس واقعہ سے آپ کو زباندانی اور ذوق لسانی کا فرق بین طور پر معلوم ہوگا۔ اس طرح کا ذوق سالہا سال کی عرق ریزی محنت و کاوش، وسیع مطالعہ اور بہترین دماغی و ذہنی صلاحیتوں کے کارآمد بنانے کے بعد ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

امام ابوبکر الباقلانی فرماتے ہیں کہ

(ترجمہ) "جو شخص خیال کرتا ہے کہ وہ خود بلاغت کی مشق و مہارت کئے بغیر قرآن مجید کی بلاغت کو تھوڑا بہت سمجھ سکتا ہے وہ جھوٹا اور باطل گو ہے۔"

(الاتقان فی علوم القرآن السیوطی)

علامہ رشید رضا مصری نے تفسیر المنار میں لکھا ہے کہ عربیت کے بغیر کوئی شخص قرآن مجید سے نصیحت پذیر نہیں ہو سکتا فرماتے ہیں:

"کوئی شخص قرآن مجید سے نصیحت پذیر نہیں ہو سکتا۔ یا یعنی کہ کچھ اس کا نفس قرآنی وعدہ وعید پر مطمئن ہو جائے اور وعید سے لرز جائے۔ جب تک کہ اسکے معانی کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا نہیں کر لیتا اور اس کے طریقہ ہائے بیان کی شیرینی محسوس نہیں کرنے لگتا۔

تیسری چیز: اصوات اور لہجات عرب سے واقف ہونا بغیر اس علم کے فہم قرآن کی کوشش گمراہی کا سبب بھی بن سکتی ہے مثلاً سورۂ نمل میں حضرت سلیمان کے قصہ میں ہے کہ "اولا اذبحنہ" جو شخص قراء عرب کی قرأتوں اور اُن کی خصوصیات سے واقف نہیں ہے وہ یہاں "لام" کو نفی سمجھ کر دھوکہ کھا سکتا ہے کیونکہ یہ لائے نافیہ نہیں ہے بلکہ لام کے زبر کو ذرا کھینچ کر لکھا دینے کی وجہ سے صورت لا کی ہوگئی ہے۔ اور اسی لہجہ کے مطابق اسکی کتابت ہوئی ہے۔

ان کے علاوہ فہم قرآن کے لئے ایک اہم شرط بصیرت کا ہونا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسے ذوق قرآنی بھی کہہ سکتے ہیں اور یہ شرط دنیا کے ہر فن میں کمال حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس علم یا فن کے ساتھ فطری لگاؤ بھی ہو۔ علی گڑھ سے ہزاروں ایم اے اور بی اے کا امتحان پاس کرکے نکلے ہیں۔ مگر مولانا محمد علی کی طرح انگریزی کے بہترین ادیب کتنے پیدا ہوئے؟ اور فطری لگاؤ بالکل خداداد بات ہے۔ یہ نعمت ہر شخص کے حصہ میں نہیں آسکتی۔

قرآن فہمی کے لئے پانچویں شرط انقیاد ہے۔ یعنی وہ شخص معانی طور سے اس بات کی صلاحیت رکھتا ہو کہ کلام الٰہی کو سن کر اس کا اثر قبول کرے۔ کیونکہ قرآن نے خود کہا ہے کہ اس نور (قرآن) سے وہی لوگ ہدایت پا سکتے ہیں جو متقی ہیں۔ ھدی للمتقین۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

(ترجمہ) اور قرآن مجید ظالموں کیلئے نقصان کو ہی بڑھاتا ہے۔
اور اے نبیؐ! جو آپ پر اُترا ہے وہ ان لوگوں میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کو زیادہ کرنے والا ہے۔ جب مریض ہی میں دوا کے اثر کو قبول کرنے کی صلاحیت نہ رہی ہو تو طبیب حاذق کیا کرے۔

کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہل بزم
ہو غم ہی جاں گداز تو غمخوار کیا کرے

فہم قرآن کے لئے چھٹی شرط یہ ہے کہ ایک آیت میں ایک لفظ کو دیکھ کر ہی اس کی تفسیر و تاویل کی جرأت نہ کی جائے بلکہ تمام قرآن مجید کا مطالعہ بنظر عمیق کر کے معنی متعین کئے جائیں تاکہ ایک جگہ جو معنی ہیں دوسرے مقام کے منافی نہ ہونے پائیں۔ اس طرح قرآن مجید کے کسی لفظ کے معنی متعین کرنے کے لئے سب سے پہلے قرآن ہی سے مدد لی جائے۔ اسی بنا پر فرمایا گیا ہے۔

الفرآن یفسر بعضہ بعضا

(قرآن مجید کا بعض خود اس کے بعض کی تفسیر کرتا ہے)

اس بحث سے یہ بات کسی قدر واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ فہم قرآن کے لئے شریعت اسلام کے اصل سرچشموں سے کما حقہ واقف ہونا اور اُن پر کامل نگاہ رکھنا ضروری ہے۔ مگر اسی کے ساتھ ایک اہم شرط یہ بھی ہے اور وہ ہے "ایمان بالرسول" جس طرح ایمان باللہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی وحدت اور ربوبیت کا اقرار کیا جائے اور اُس کے اوامر و نواہی کے مطابق زندگی ڈھال لی جائے۔ اسی طرح ایمان بالرسول کا مطلب یہ ہے کہ رسالت کا نہ صرف اقرار ہو بلکہ سنت رسول کی پیروی کی جائے۔ اسی لئے قرآن میں اطیعوا اللہ کے ساتھ اطیعوا الرسول کا بھی حکم ہے۔ اگر صرف اللہ کی اطاعت کافی ہو، تو اطاعت رسول کا فرمان کیوں آتا ہے؟

اسلئے اگر کسی حدیث کی نسبت کسی ذریعہ سے بالکل قطعی طور پر ثابت ہو جائے کہ وہ بعینہ آنحضرتؐ کا ارشاد گرامی ہے تو وجوب عمل کے اعتبار سے اس میں اور قرآن کے احکام میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ قرآن ہی نے آپ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی

حقیقت یہ ہے کہ بغیر سنت کی مدد کے قرآن کریم کی بہت سی آیات کا مفہوم متعین نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام عربی زبان اور اُسکی فصاحت اور بلاغت سے واقف ہونے کے باوجود بعض آیات کا مطلب نہیں سمجھتے تھے۔ اور آنحضرتؐ سے رجوع کرتے تھے۔ چنانچہ آیت حج کی تشریح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ایک شخص پر عمر بھر میں ایک مرتبہ حج فرض ہے۔ بشرطیکہ اسمیں فرضیت حج کی شرائط پائی جائیں۔

پھر سنت اسلئے بھی ضروری ہے کہ بعض اوقات کلام کا صحیح مفہوم صرف مخاطب ہی متعین کر سکتا ہے۔ حضرت مکحول الدمشقی فرماتے ہیں۔

(ترجمہ) "قرآن کو سنت کی زیادہ احتیاج ہے بنسبت اسکے کہ سنت کو قرآن کی ضرورت ہو"۔ یحییٰ بن ابن کثیر کہتے ہیں۔

(ترجمہ) "سنت کتاب اللہ پر حکم کرنے والی ہے اور کتاب سنت پر حکم نہیں کرتی"۔ یہاں یہ غلط فہمی پیدا نہیں ہونی چاہیئے کہ سنت قرآن کی تابع نہیں اور قرآن سنت کے تابع ہے بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کی حیثیت متن کی اور سنت کی حیثیت شرح کی ہے۔ قرآن میں خفی بھی ہے مجمل بھی، سنت ان سب کا بیان کرتی ہے اور تفصیل کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام بعض اوقات کسی مسئلہ کی نسبت کوئی حکم صادر فرما دیتے اور بعد کو معلوم ہوتا کہ آنحضرت کا فتویٰ اسکے خلاف ہے فوراً رجوع فرماتے۔

مختصر یہ کہ دین الہیٰ کا مکمل نقشہ قرآن و سنت کے امتزاج ہی سے سامنے آسکتا ہے مگر تشریح کے باب میں قرآن اور حدیث دونوں ہم پلہ نہیں ہیں قرآن قطعی الثبوت ہے اور حدیث ظنی۔ اسلئے اگر کوئی حدیث قرآن مجید ص
ص کے کسی حکم کے خلاف ہو تو اسکو قبول نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ ایسی صورت قرآن کا فیصلہ ہی مانا جائے گا۔

مولانا قاری محمد طیب صاحب
مہتمم دار العلوم دیوبند

رجال القرآن اور فہم القرآن

مُدیر رسالہ نظام نے تحریر فرمایا تھا کہ قرآن کے سلسلہ میں میں کوئی واقعہ اپنے اوپر گزرا ہوا لکھوں اور ساتھ ہی قرآن کے سلسلہ میں کوئی مختصر مضمون بھی رسالہ نظام کے قرآن نمبر کے لئے پیش کروں۔ اس لئے اُن کے ارشاد کی تعمیل میں ذیل کا واقعہ جو بسلسلہ قرآن خود مجھ سے ہی متعلق ہے۔ اس مضمون کے سرنامہ کے طور پر عرض کیا گیا۔ اور اُسی سے قرآن حکیم کے سلسلہ میں چند بنیادی باتیں عرض کی گئیں۔ جنکا فہم قرآن سے نہ صرف تعلق ہی ہے بلکہ قرآن فہمی اُن پر موقوف ہے اور وہ فہم قرآن کے عناصر ترکیبی ہیں۔

وجئنا ببضاعة مزجات فاوف لنا الكيل وتصدق علينا ان الله يجزي المتصدقين ط

محمد طیب غفرلہٗ
مہتمم دار العلوم دیوبند

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

سنہ ۱۳۴۶ھ میں میرے والد ماجد حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم خاص دار العلوم دیوبند نے وفات سے تقریباً پندرہ بیس دن قبل مجھے خلوت میں طلب فرمایا۔ حضرت مرحوم دار المشورہ دار العلوم دیوبند کے شرقی برآمدے میں تشریف فرما تھے۔ جہاں آج میری نشست ہے۔ میں حسب الحکم حاضر ہوا۔ مجھے دیکھتے ہی غیر معمولی طور پر آب دیدہ ہو گئے۔ حتیٰ کہ وفور گریہ کی وجہ سے چند منٹ تک بات بھی نہیں کر سکے۔ مجھے پریشانی یہ ہوئی کہ کہیں مجھ سے تو کوئی ناگواری پیش نہیں آئی۔ اسلئے میں نے کلام میں ابتدا کرتے ہوئے عرض کیا کہ مجھ سے تو کوئی خطا سرزد نہیں ہوئی جس کی وجہ سے یہ تاثر ہے؟ فرمایا نہیں۔ بلکہ مجھے یہ کہنا ہے کہ میرا وقت قریب آچکا ہے اور بہت تھوڑا وقفہ باقی رہ گیا ہے۔ اس وقت یہ واقعہ سنانا ہے کہ جب میں قرآن کا حافظ ہو چکا تو حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ (حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ بانی دار العلوم دیوبند) بے حد مسرور تھے۔ اس ختم قرآن کی خوشی میں ایک بڑا زبردست ولیمہ کیا۔ ذبیحہ کرایا اور شہر کے عمائد اور اعزہ و احباب کے ایک بڑے مجمع کی لمبی چوڑی دعوت کی۔

یہ دن حضرت کے لئے یوم عید بنا ہوا تھا۔ چہرہ خوشی سے روشن تھا اور غیر معمولی طور پر بشاش تھے۔ تقریب سے فارغ ہو کر

خلوت میں طلب فرمایا جس طرح میں نے تمہیں اس وقت بلایا ہے۔ اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میاں احمد خدا کا شکر ہے کہ تم حافظ ہو گئے وقت آئیگا کہ تم عالم بھی ہو گے۔ تمھاری عزت بھی ہوگی ملک میں تمھاری شہرت بھی ہوگی۔ اور تمہیں دولت بھی میسر آئیگی لیکن یہ سب چیزیں تمھارے لئے ہونگی۔ قرآن میں نے تمھیں اپنے لئے یاد کرایا ہے۔ مجھے فراموش مت کرنا۔ فرمایا کہ وہ وقت ہے اور آج کا دن ہے میرا یہ دوامی عمل ہے کہ میں ہمیشہ دو پارے یومیہ حضرت قبلہ کو ایصال ثواب کی نیت سے پڑھتا ہوں، جو الحمدللہ آجتک ناغہ نہیں ہوئے۔

یہ واقعہ سنا کر مجھ سے فرمایا کہ میاں طیب! الحمدللہ! تم حافظ ہو چکے ہو۔ خدا کا شکر ہے کہ عالم بھی ہو چکے ہو۔ وقت آئیگا کہ تمھاری عزت بھی ہوگی، شہرت بھی ہوگی اور حق تعالیٰ تمہیں دولت بھی بہت کچھ عطا فرمائے گا۔ لیکن یہ سب کچھ تمھارے لئے ہوگا۔ یہ قرآن میں نے تمہیں اپنے لئے حفظ کرایا ہے۔ مجھے فراموش مت کرنا۔

میں اُسی دن بلکہ اُسی وقت بلوچستان کے طویل سفر پر روانہ ہو رہا تھا۔ یہ واقعہ آٹھ بجے دن کا ہے اور میں دس بجے کی گاڑی سے بلوچستان روانہ ہو گیا۔ دل میں یہ بات جم چکی تھی اور اپنے قلب میں اس نصیحت اور وصیت پر عمل پیرا ہونے کا عزم باندھ لیا تھا۔ اسی سفر میں غالباً کوئٹہ (بلوچستان) میں اخبارات میں پڑھا کہ حضرت مرحوم حیدرآباد دکن کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ جس کا میری روانگی کے وقت مجھے تو کیا، خود حضرت مرحوم کو بھی تصور نہ تھا۔ اچانک ہی بمصالح دارالعلوم یہ سفر طے ہوا۔ اور روانگی عمل میں آگئی۔

میں دس بارہ دن کے بعد دیوبند واپس ہوا تو اُس وقت تک حضرت مرحوم کی واپسی نہیں ہوئی تھی۔ چار چھ دن کے بعد ہمارے اچانک وفات کی اطلاع ملی۔ مہینہ ختم ہو رہا تھا۔ آنے والے مہینے کی پہلی ہی تاریخ سے میں نے حضرت مرحوم کی نصیحت بلکہ وصیت کے مطابق مغرب کے بعد اوابین میں ایک پارہ یومیہ پڑھنے اور حضرت مرحوم کو ایصال ثواب کرنے کا معمول بنالیا۔ جو الحمدللہ آجتک جاری ہے۔ اور خدا کرے کہ دم آخر تک جاری رہے

حوادث و واقعات عبرت و موعظت کے لئے رکھے گئے ہیں۔ اس واقعہ میں جہاں موعظت حسنہ کی دولت ملتی ہے۔ وہیں عبرت بھی ہمکنار ہوتی ہے۔ اور وہ یہ کہ اس واقعہ سے نمایاں ہوتا ہے کہ ہر دو نامور بزرگ علماء آخرت میں سے تھے۔ جنہوں نے اولاد کو قرآن کا پڑھنا پڑھانا، عادۃً یا رسماً یا منافع دنیا کی خاطر نہیں بلکہ آخرت کے لئے طے کیا تھا۔ اُن کا مقصد اس قرآن سے اولاد کا متمول یا صاحب ثروت و جاہ بنانا نہ تھا۔ بلکہ خود کو اور اولاد کو آخرت کے لئے تیار کرنا تھا۔ جو قرآن کے نازل ہونے کا حقیقی مقصد ہے۔

ساتھ ہی یہ بھی واضح ہے کہ ان بزرگوں کو قرآن کے ساتھ کس درجہ شغف اور تعلق تھا۔ کہ زندگی اور موت دونوں میں اُن کے قلب اُسی کی طرف رجوع کئے ہوئے تھے۔ اور ہمہ وقت اسی قرآن کی حقیقی برکات سے منتفع ہونے کی فکر میں مستغرق تھے اور اپنی دنیا اور آخرت بہرحال قرآن سے وابستہ کر چکے تھے۔

اندازہ کیا جائے کہ جن بزرگوں کو قرآن کے الفاظ اور اسکی تلاوت و قرأت سے یہ غیر معمولی ربط و تعلق تھا۔ کہ اُسکے الفاظ و کلمات کی تلاوت و قرأۃ اور اُس کے اجر و ثواب سے دنیا و آخرت کے کسی کونہ میں بھی الگ رہنا نہیں چاہتے تھے تو اس کے معانی و علوم، حقائق و معارف اور کیفیات و احوال سے وہ کیسے کیسو رہ سکتے تھے؟

حقیقت یہ ہے کہ قرآنی عظمت ایسے قلوب پر اُترتی بھی ہے جو لفظاً و معناً اُسی کے ہو رہیں۔ اُسی کے لئے جئیں اور اُسی

کیلئے مربی. حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اولین صدر مدرس دار العلوم دیوبند، حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے مستفیدین میں سے تھے حدیث کی کئی کتابوں میں شاگرد بھی تھے. انہیں کی فرمائش پر حضرت والا نے مسجد چھتہ میں درس قرآن شروع فرمایا جس میں تمام اساتذہ دار العلوم شریک ہوتے تھے. سورۂ بقر کے درس میں پہلے ہی دن حضرت والا نے حروف مقطعات "الٓمٓ" پر دو ڈھائی گھنٹہ تک تقریر فرمائی. اور عجیب و غریب علوم و معارف کا انکشاف فرمایا. کہ پڑھنے والے اساتذہ وجد میں تھے. درس ختم ہونے پر اساتذہ نے طے کیا کہ ان اسباق کا تکرار کیا جائے ورنہ یہ علوم یاد رہنے مشکل ہیں. چنانچہ دار العلوم کی درس گاہ کلاں "نودرہ" میں اساتذہ کا یہ تکرار شروع ہوا. حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ صاحب تقریر طے ہوئے، جو خود جامع العلوم والکمالات تھے.

اثناء تکرار میں بعض مضامین ذہن کی گرفت میں نہ آسکے اور مستحضر نہ ہوئے تو اگلے دن بعد نماز فجر جبکہ حضرت نانوتویؒ مسجد سے اپنے حجرہ کی طرف چلے، مولانا محمد یعقوب صاحب نے کھڑے کھڑے حضرت سے اُن فراموش شدہ مضامین کا اعادہ چاہا. اور سوال کیا حضرت نے کھڑے ہی کھڑے تقریر شروع فرمائی تو مولانا محمد یعقوب صاحبؒ جیسے جلیل القدر اور جامع عالم کا مقولہ ہے کہ اُس تقریر کے نہ الفاظ اس عالم کے تھے نہ معانی. تو میں نے عرض کیا کہ حضرت ذرا نازل ہو کر تقریر فرمائیے. تو حضرت نے دوبارہ تقریر فرمائی. مولانا فرماتے ہیں کہ الفاظ تو سمجھ میں آتے تھے کہ اس عالم کے ہیں لیکن مضامین قطعاً اس عالم کے نہ تھے.

پھر مولانا نے عرض کیا کہ حضرت ذرا اور نازل ہو کر تقریر فرمائیے. ہمارے ذہن کی رسائی وہاں تک نہیں ہے. حضرت نے پھر تقریر شروع فرمائی تو مولانا فرماتے ہیں کہ اب الفاظ و تعبیرات پوری طرح سمجھ میں آرہی تھیں اور معانی بھی کچھ کچھ ذہن کے قریب آگئے تھے. لیکن بلند پایہ حقائق سے اس قدر لبریز تھے کہ ان معانی پر ذہن قابو نہیں پا رہا تھا.

تب پھر مولانا نے عرض کیا کہ حضرت ذرا اور نازل ہو کر فرمایئے تو حضرت نے فرمایا کہ مولانا اس وقت رہنے دیجئے یہ پھر کسی وقت پر رکھئے. گویا روح اس وقت اس درجہ عروج پر تھی. اور اُس عالم کے گہرے دقائق اس درجہ کھلے ہوئے تھے کہ وہ بیک دم نیچے اتر کر اُن عالی مضامین اور حقائق کو عام علماء کے ذہن کے قریب نہیں کر سکتے تھے اسلئے معذرت کر دی.

اس سے جہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآنی علوم و حقائق تہ در تہ ہیں. لکلّ آیۃ منہا ظہر و بطن ط

حرف حرفش راست اندر معنئ
معنئ، در معنئ، در معنئ

وہیں یہ بھی واضح ہے کہ ان علوم کے لحاظ سے علماء قرآن کے بھی درجات و مراتب ہیں. وفوق کل ذی علم علیم ط

بینی اندر خود علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

سمجھنے کی بات یہاں یہ ہے کہ قرآنی علوم کے یہ مراتب قرآنی شغف و عظمت کی قدر ہی سے کھلتے ہیں. اور جس عالم کا جو درجہ قرآنی محبت و عظمت اور قرآن سے حب و شغف کا ہے اُسکا درجہ کے مطابق اُسپر قرآنی علوم کے مراتب کا انکشاف ہوتا ہے.

میں نے مشکوٰۃ شریف اور صحیح مسلم اپنے والد ماجد سے پڑھی ہے. وہ احادیث کی تشریح قرآن کی روشنی میں جب فرماتے تو معلوم ہوتا تھا کہ ہر حدیث کسی نہ کسی آیت کا ایک مستقل بیان ہے جو گویا ابھی نازل ہو رہا ہے. پھر اُسی ذیل میں حکمت قاسمیہ کے لطائف و معارف کو احادیث و آیات پر کچھ اس انداز سے چسپاں کرتے جاتے تھے جس سے حدیث و قرآن میں شرح صدر کی کیفیت

محسوس ہوتی تھی اور عجیب قسم کے پر لطف آثار قلب میں پیدا ہوتے دکھائی دیتے تھے۔ جو سطحی نظر سے محض آیت و روایت کی سطح سے کبھی سامنے نہیں آتے تھے۔ جن کی طرف بلا اُن کے بیان کے کبھی ذہنی تعقات نہیں ہوتا تھا۔ چوں کہ اُن کا قلب خود قرآن سے متاثر تھا اسلئے 'از دل خیزد بر دل ریزد' کے اُصول پر دوسرے قلوب بھی وہی تاثر لیتے تھے۔

مذکورہ واقعہ سے، جو اس مضمون کا سرنامہ ہے واضح ہے کہ ان بزرگوں کو قرآن کے لفظ و معنی سے کیا شغف اور کیا قلبی ارتباط تھا اور وہ کس حد تک قرآن میں فانی تھے۔ ان بزرگوں کے انداز علم و تعلیم سے یہ خوب خوب نمایاں تھا کہ وہ الفاظ قرآن کو صرف اسکی کے پاک معانی سمجھنے کے لئے وسیلہ قرار دیے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے کبھی بھی قرآنی الفاظ کو اپنے ذہنی اختراعات نمایاں کرنے کا آلۂ کار نہیں بنایا۔ اور اسی لئے اُن پر حکمت قرآنی کھلی جو علوم غیب کے خزانہ سے اُن پر ترشح ہوتی تھی اور یہ اُسی وقت ممکن ہے کہ قرآنی تعبیرات سے صرف قرآنی ہی مرادات کو سمجھا جائے اور قرآن کے الفاظ سے محض قرآن ہی کے مدلول تک پہونچنے کی کوشش کی جائے۔ کیونکہ یہ قرآنی تعبیرات، قرآن ہی کے مضامین کی تعبیر کے لئے نازل کی گئی ہیں۔ ذہنی وساوس کی ترجمانی کے لئے نہیں۔ اور قرآنی مضامین وہی ہو سکتے ہیں جو مرادات الٰہیہ کے دائرہ میں محدود ہوں اسلئے اُنہیں کو حقائق الٰہیہ کہا جائیگا۔ اگر مرادِ حق سے ہٹ کر قرآنی الفاظ کی مدد سے کوئی مضمون کھولا جائیگا تو وہ خدائی مضمون نہیں ہو سکتا بلکہ کھولنے والے کے ذہن کے وسوسے ہوں گے جنہیں علم بھی نہیں کہا جا سکتا چہ جائیکہ خدائی علم کا لقب دیا جائے۔ اور جب خدائی علم ہی ذہن پرواز نہ ہو تو دین کہاں سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ دین آتا ہی علم الٰہی سے ہے نہ کہ ذہنی وسوسوں یا عقلی نظریات سے!۔

اسلئے لازمی طور پر دین کے دائرے میں داخل ہونے کے لئے علم کی سیڑھیوں پر چڑھنا پڑے گا۔ جسے قرآن لے کر آیا ہے اور یہ اُسی وقت ممکن ہے کہ اپنے ذہنی تخیلات کو خواہ وہ کتنے ہی معقول نظر آتے ہوں، خیرباد کہہ کر قلب و ذہن کو خالص خدائی علم کے لئے خالی کر لیا جائے۔ ورنہ علم الٰہی وسوسوں اور دماغی گھمیروں کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔

انبیاء علیہم السلام پر جب یہ علم الٰہی اُترتا تھا تو اُن کے بھی پس و پیش پہرہ چوکی بٹھا دیا جاتا تھا۔ کہ وہ علم الٰہی اور وحی کے نزول کے وقت نہ حواس کو استعمال کریں، نہ عقل سے سوچیں۔ نہ ذہنی پرواز کو کام میں لائیں۔ تاکہ علم وحی حواس و عقل کے ساتھ مخلوط نہ ہونے پائے۔ جبکہ وحی حس و عقل سے ماوراء ہے۔ حس و عقل کی کارگزاری محسوسات کے جہان تک محدود ہے۔ غیب اور مغیبات تک اس کی رسائی نہیں۔ نہ وہ اُسکا ادراک کر سکتی ہے نہ احاطہ۔ اگر غیبی علوم کے اُترتے وقت یہ حس و عقل کے نارساخدمہ غیب میں دخیل ہونے لگیں تو ظاہر ہے کہ وہ غیب کو تو اپنی گرفت میں نہ لے سکیں گے البتہ غیب میں مشاہدات کی آمیزش کر کے خود غیب کو مشتبہ بنا دیں گے اور مرادات الٰہیہ مرادات نفس و عقل سے مخلوط ہو کر مشتبہ ہو جائیں گی۔

اس لئے انبیاء علیہم السلام کے حس و نظر کو بھی، جو جہانوں کے حس و نظر سے بدرجہا پاک و صاف اور بلند و بالا ہے، وحی اُترنے کے وقت کام کرنے سے روک دیا جاتا تھا۔ تاکہ اُس وقت نبی کا قلب ہمہ تن وحی الٰہی میں ہی منہمک اور مستغرق ہو جائے۔ اور صرف وحی کو ہی اپنے اندر جذب کرنے کی ہمت کرے۔ البتہ ربانی تلقین سے مرادات الٰہی متعین ہو جانے کے بعد اون میں عقل و تدبر سے غور کرنے سے جو علوم کھلیں گے وہ مراد الٰہی کے تحت ہونے کی وجہ سے علوم مراد کہلائیں گے۔ اور انہیں کو علوم الٰہیہ اور حقائق الٰہیہ کہا جائیگا!

ظاہر ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام بھی وحی اور اُس کی مراد سمجھنے کے لئے تکوینی طور پر اس کے پابند قرار دیے گئے کہ اُن کا ذہن سمع و بصر اور حس و نظر کے تمام دواعی، نزول وحی کے وقت معطل ہوں، تاکہ وحی اور غیر وحی اور مراد حق اور غیر مراد میں کوئی ادنیٰ خلط و اختلاط نہ ہونے پائے۔ تو اندازہ کیا جائے کہ کیا غیر نبی قرآن فہمی میں اسکا مکلف اور پابند نہ ہوگا کہ وہ مراد خداوندی سمجھنے کے لئے اپنے محسوسات، معقولات نظریات اور تمام وجدانیات سے کلیتہً الگ ہوکر، یعنی خالی الذہن ہوکر ہی وحی الٰہی کے مفہوم و مراد تک پہونچنے کی سعی کرے۔

اگر وہ مراد خداوندی متعین کرنے میں اپنے فکر و نظر اور عقل و وہم کو ساتھ لے کر چلے گا تو یہ ناکارہ وسائل جو علوم غیب کے جذب کرنے کے لحاظ سے نکمے اور فروتر ہیں۔ یقیناً اُسے مراد الٰہی تک نہ پہونچنے دیں گے۔ وہ بدستور اپنے شواہد و مشاہدات ہی میں اُلجھا رہے گا اور اس اُلجھاؤ کے ساتھ جب غیبی علوم پر نظر کرے گا تو غیبی مراد میں اُسکا فکر و نظر بھی شامل ہوگا جس سے مراد غیر مراد سے مشتبہ اور مخلوط ہوکر بے اعتبار ہو جائے گی۔

حاصل یہ کہ مراد ربانی صحیح ذوق، تربیت یافتہ ذہن اور خاص دائرہ میں محدود رہ کر ہاتھ آتی ہے۔ بے ذوق، ناتربیت یافتہ اور آزاد محض ذہنوں کا کام نہیں کہ اپنے تخیل محض سے مراد الٰہی اور مرضی الٰہی کو متعین کر سکیں۔ اگر تعزیرات ہند کے مقاصد و مرادات اور دفعات قانون کا اصل مطمح نظر گھریلو یا محض شہری اور بازاری ذہن سے نہیں کھل سکتا۔ جبتک قانون کی مستند تعلیم سے ذہن کو قانونی ڈھنگ پر نہ ڈھال لیا جائے، تو قانون الٰہی کے مقاصد و مرادات اور آیات الٰہیہ کا حقیقی مطمح نظر محض تخیل آفرینی یا لے دین ماحول کے تاثرات اور بے قید ذہنوں سے کیسے کھل سکتا ہے۔ جب تک کہ مستند طریقہ پر اسکی تعلیم کے ساتھ اُسی رنگ کا ذہن نہ بنایا جائے؛ جس کے لئے بہت سی قیدیں اور شرطیں ہیں۔ اُن کے نہ پائے جانے کی صورت میں محض آزاد فکری سے فہم مراد کو کوئی تعلق نہیں۔ اور نہ ہی وہ مراد حاصل ہو سکتی ہے اسی لئے میں نے فہم قرآنی کے شرائط و عناصر کو اپنی ایک طالبعلمانہ عبارت میں جمع کر دیا ہے۔ جس کے وجود پر ہی قرآن فہمی موقوف ہے۔ یہ مختصر مگر جامع عبارت حسب ذیل ہے۔

لا دینَ[1] الا بالعلم ولا علمَ[2] الا بکتاب اللہ ولا کتابَ[3] الا بمرادہ ولا یتبین مرادہ[4] الا بسنۃ رسول اللہ و لا تتضح[5] السنۃ الا بکلام الفقہاء ولا یفید[6] کلامہم الا بالانصباغ ولا یلوح[7] الانصباغ الا بالتزکیۃ ولا یتاتی[8] التزکیۃ الا بمعیۃ الشیوخ ولا معیۃ[9] الا باتباعہم

(ترجمہ) دین نہیں ہے مگر علم سے۔ اور علم نہیں ہے مگر کتاب اللہ سے۔ اور کتاب نہیں مگر اپنی مراد اور صحیح مفہوم سے۔ اور مراد کا تعین نہیں مگر سنت رسول اللہ سے۔ اور سنت کا وضوح نہیں مگر کلام فقہا سے۔ اور کلام فقہا فائدہ مند نہیں مگر انصباغ یعنی ذوق کا رنگ نہ بانیسے اور رنگ نہیں آتا مگر تزکیہ نفس سے اور تزکیہ نہیں ہوتا مگر مشائخ کی صحبت و معیت سے اور معیت نہیں مگر اُن کے اتباع سے۔

اس عبارت میں الحمد للہ دین اور فہم دین کے تمام اجزائے ترکیبی یکجا کر دیے گئے ہیں۔ جن کے بغیر مرادات قرآنی تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ یہ ضرور ہے کہ یہ نو جملے ایک جامع متن کی حیثیت رکھتے ہیں جو تشریح طلب ہیں۔ مگر اس مختصر مضمون میں ان تشریحات کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ ان تسع عناصر میں ہر عنصر دین کا ایک مستقل موضوع اور مبحث ہے۔ جس کے ثبوت کے مبادی اور دلائل مستقل ہیں۔ جس کے لئے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے۔ یہ ان مختصر سطور میں ضمنی طور پر پیدا نہیں ہو سکتا۔ تاہم اگر یہ اجزاء مجملاً بھی

سامنے رہیں تو فہم قرآن کی شرائط اور طریقے بالاجمال مستحضر ہو سکتے ہیں۔ صدیوں کا تجربہ بھی یہی ہے کہ ان سے کٹ کر فہم قرآن اور مرادات ربانی کا جلوہ سامنے نہیں آسکتا۔ جنہوں نے ان شرائط سے بے نیاز ہو کر مراد فہمی کی کوشش کی ہے وہ حقیقت تک نہیں پہنچ سکے اور اُنکی دعویٰ کردہ مرادات نہ قواعد شرعیہ کی رو سے مرادات الٰہیہ ثابت ہوئی ہیں نہ قواعد عربیہ کی رو سے بلکہ وہ اُنہیں کے داخلی تشکیلیں ثابت ہوئیں۔ جو عبارت کی صورت میں نمایاں ہو گئیں اسلئے نہ اُن میں صداقت ہے نہ برکت۔ نہ تقدس ہے نہ تزکیہ۔ اور نہ ہی اُن کے طریق پر استفادہ کرنے والے قرآن کے حقیقی ذوق اور اسکی حقیقی کیفیات تک ہی پہونچ سکے ہیں۔ جو قرآن کے الفاظ و معانی میں لپٹی ہوئی ہیں۔ اور اپنے ہی دریچوں سے نظر آتی ہیں۔ اگر وہی دریچے نہ کھولے جائیں تو ذہن کے نگاہوں پر کتنی ہی لمبی دوربین لگا کر دیکھا جائے اُس سے دریچے کی چیزیں نظر نہ آئیں گی جن کا دیکھنا مقصود تھا۔ بلکہ ادھر اُدھر کی چیزیں سامنے آجائیں گی جنھیں دیکھنے والا از خود غلط یہ سمجھے گا کہ وہ دریچہ کے اندر کی چیزیں دیکھ رہا ہے۔ حالانکہ ایسا نہ ہوگا۔ اسلئے وہ ہمیشہ التباس و تلبیس کا شکار رہے گا۔

اندکے با تو بگفتم بہ دلم ترسیدم
کہ تو آزردہ شوی۔ ورنہ سخن بسیار است

بہر حال بر مضمون واقعہ سے اخذ کر کے یہ بات عرض کرنی تھی کہ ان ذکر کردہ بزرگوں کو قرآن کے صرف الفاظ ہی سے شغف نہ تھا بلکہ وہ اُس کے معانی میں بھی کھوئے ہوئے تھے۔ اور نہ صرف معانی ہی میں گم تھے۔ بلکہ اُس کے حقائق و کیفیات سے منصبغ اور رنگین بھی تھے۔ اور پھر نہ صرف کلام ہی تک اُن کی رسائی تھی۔ بلکہ اُس کلام اور کلام کی کیفیات کے واسطہ سے وہ متکلم تک بھی پہونچے ہوئے تھے۔ جبکہ کلام کا مقصد کلام والے تک پہونچنا ہوتا بھی ہے اور کلام کے ذریعہ صاحب کلام ہی کی صفات سے متصف ہونا اور صفات سے ذات تک پہونچنا مطلوب حقیقی ہوتا ہے۔ جسکا راز یہ ہے کہ متکلم درحقیقت اپنے کلام میں خود جلوہ گر ہوتا ہے۔ وہ اپنے کلام میں گویا اپنی ذات اور صفات نکال کر رکھ دیتا ہے۔ جس سے وہ پہچانا جاتا ہے۔

درسخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

اسی لئے جاہل کا کلام سن کر لوگ کہہ اُٹھتے ہیں کہ کسی جاہل کا کلام معلوم ہوتا ہے۔ کسی شاعر کا کلام سنکر کہدیتے ہیں کہ شاعرانہ کلام ہے۔ اور عالم کا کلام سن کر کہہ اُٹھتے ہیں کہ کسی صاحب علم کا کلام ہے۔ پھر علماء میں اگر جامع اور اُصولی کلام ہے تو اقرار کرتے ہیں کہ کسی بڑے صاحب فضل و کمال کا کلام ہے۔

غرض کلام سے متکلم کی صفات پہچانی جاتی ہیں اور یہ صفات ذات کے تعارف کا ذریعہ بنتی ہیں۔ اسلئے اسکے باور کرنے میں کیا چیز مانع آسکتی ہے۔ کہ اس کلام خداوندی میں بھی درحقیقت ذات و صفات خداوندی کی جھلکیاں بھری ہوئی ہیں۔ اور ان سے وہ بآسانی پہچانا جاسکتا ہے۔

کثرت تلاوت، کثرت تدبر، کثرت عمل اور کثرت استفادہ اور کثرت مراقبہ سے آدمی ان صفات اور ان جمالات قرآنی سے رفتہ رفتہ متصف ہو کر معرفت الٰہی کے مقام پر جا پہونچتا ہے اور بالآخر ایک ایسا انسان بن جاتا ہے کہ وہ اُسے صحیح معنی میں نائب الٰہی اور خلیفہ خداوندی کہنا برمحل اور بجا ہوتا ہے۔

پس یہ بزرگ جن کے تذکرہ سے یہ مضمون شروع کیا گیا تھا حقیقتاً وارثان نبی اور نائبان الٰہی تھے۔ جو قرآن کی محبت میں گم اور اُسکے لفظ و معنی میں فانی تھے۔ پس جو جو اُن کے ساتھ وابستہ ہوتا گیا، وہ گم ہوتا گیا اور اُسے وہی کچھ نظر آنے لگا جو وہ دیکھتے تھے۔

(باقی بر صفحہ ۱۶۳)

مولانا شاہ وصی اللہ صاحب

تعلیم قرآن کریم

ذوق کا ہونا ضروری ہے

فرمایا کہ ــــــ اپنے بعض اکابر کے کلام میں ترغیب دیکھی کہ قرآن شریف کو عام کیا جائے۔

میں اس قول کی کچھ توضیح کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ مسلمانوں کے لئے اس سے بڑھ کر اس زمانہ میں اور کام ہی کیا ہوسکتا ہے کہ قرآن کو عام کیا جائے۔ کیونکہ اس کا لفظ بھی ہدایت ہے اور معنی بھی ہدایت ہے۔ یہ سرتاپا ہدایت ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ جتنا بھی شغف ہوگا وہ سب ہی اللہ اور رسول کو پسند ہوگا۔ اور جلب رحمت کا سبب بنے گا۔

اسلئے یہ ترغیب تو بالکل صحیح ہے لیکن اسی کے ساتھ میں یہ کہتا ہوں کہ شاید مراد ان اکابر کی واللہ اعلم اس ترغیب سے یہ ہو کہ لوگوں میں قرآن کی اشاعت کا ذوق ہونا چاہیئے اور وہی ذوق دوسروں میں بھی پیدا کرنا چاہیئے۔ کیونکہ بغیر اسکے قرآن کریم کا حقیقی فائدہ نہ تو معلم کو ہوسکتا ہے اور نہ متعلم کو۔ بلکہ بعض حالات میں تو اندیشہ ہے کہ اگر ذوق وحال سے عاری ہوکر اس کام کو انجام دیا گیا تو خود اپنے لئے یا دوسروں کے لئے کہیں مہلک ثابت نہ ہوجائے۔ جیسا کہ شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں

فکذالک الشیخ اذا لم یکن صاحب ذوق و اخذ الطریق من الکتب و افواہ الرجال وقعد یربی بہ المرید طلبا للمرتبۃ والریاسۃ فانہ مہلک لمن تبعہ لانہ لا یعرف موارد الطالب ولا مصادرہ (آداب الشیخ والمرید ۹)

اسی طرح سے شیخ بھی اگر صاحب ذوق نہ ہوگا بلکہ طریق کو محض کتابوں سے اور لوگوں کی زبانی حاصل کر کے طلب جاہ اور ریاست کے لئے مرید کی تربیت کرنے لگیگا تو وہ تو اپنے متبعین کے لئے مہلک ہی ثابت ہوگا اسلئے کہ اس مرید کے نشیب و فراز سے قطعی واقف نہ ہوگا۔

دیکھئے! جب طریق میں شیخ کے متعلق یہ فرما رہے ہیں کہ اسکو صاحب ذوق ہونا چاہیئے۔ تو پھر قرآن شریف کی تعلیم میں تو یہ شرط بدرجہ اولیٰ ہونا چاہیئے۔ یعنی یہ کہ جو شخص قرآن شریف کو عام کرنا چاہے اور اس کے لفظ اور معنی کو دوسروں تک پہونچانا چاہے! تو اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ صاحب ذوق ہو۔ ذوق سے خالی ہوکر اگر اسکی اشاعت کرنا چاہے گا تو نہیں ہوگی۔ کیونکہ ذوق کے نہ ہونے کی وجہ سے خود ہی اسکا اثر نہ قبول کرے گا۔ تو پھر ایسا شخص دوسروں میں کیا اثر پیدا کر سکتا ہے۔

میرا مقصد یہ ہے کہ سب سے بڑی سعادت آج ہمارے لئے قرآن شریف کی جانب توجہ کرنا ہی ہے۔ مگر یہ کہ اسکی ترغیب جو عام مسلمانوں کو دیجائے تو وہ جب ہی مفید ہو سکتی ہے کہ ذوق کے ساتھ

دیجائے۔ کیونکہ انسان جب خود ذوق والا ہوگا تب ہی دوسروں میں ذوق پیدا کر سکتا ہے۔ مگر دیکھا یہ جاتا ہے کہ قرآن شریف کی جانب تو مسلمانوں کو کچھ توجہ ہوئی ہے۔ ہمارے مدارس میں بھی ترجمہ قرآن اور تفسیر قرآن کا درس دیا جاتا ہے۔ لیکن افسوس اسکا ہے کہ قرآن کا ذوق طلبا، اور عوام میں نہیں پیدا ہو رہا ہے اور پیدا کیسے ہو، جبکہ اہل درس کا اس زمانہ میں بقول علامہ عبد العزیز خولیؒ کے یہ حال ہو گیا ہے جیسا کہ مقدمہ مفتاح السنۃ میں فرماتے ہیں کہ :-

ومن عجیب امرھم ان یعد من کبار المفسرین من درس مثل تفسیر الجلالین او النسفی دون ان تکون لہ ملکۃ فھم فی القرآن و ذوق یدرک بہ سر فصاحتہ وکمال اقتدار علی تطبیقہ علی سیر الناس ومعاملاتھم (ص۲)

اور اس زمانہ میں لوگوں کا یہ حال بھی تعجب خیز ہی ہے کہ ان میں کا وہ شخص کبار مفسرین میں سے شمار کیا جاتا ہے جو بس تفسیر جلالین یا تفسیر مدارک کا درس دے لے۔ اگرچہ اُس کے اندر نہ تو قرآن فہمی کا ملکہ ہو اور نہ اسکو کتاب اللہ سے ذوق ہو۔ جس کے ذریعہ اسکی فصاحت کے اسرار معلوم کر سکے اور نہ اسکو اسبات کی قدرت اور مہارت ہی حاصل ہو کہ وہ آیات قرآنیہ کو لوگوں کی سیرت اور حالات اور اُن کے معاملات پر منطبق کر سکتا ہو۔

یعنی اُن کو بتاتا ہو کہ یہ تمھاری سیرت اور حالات ہیں اور قرآن یہ کہتا ہے اور تم سے یہ مطالبہ کرتا ہے۔

علامہ خولیؒ نے کیا خوب بات بیان فرمائی اور کیسا چور پکڑا ہے۔ واقعی آج عام حالت یہی ہے کہ ایک شخص کو کتاب سنت کا ذرا بھی ذوق حاصل نہیں ہوتا۔ مگر دیکھا جاتا ہے کہ وہی ان کا واعظ اور معلم بنا بیٹھا ہے۔ یہی وجہ ہے آج تعلیمات قرآنی کے نہ پھیلنے کی کہ علماء محققین نے ایک منصب کیلئے جس چیز کو اولین شرط قرار دیا تھا آج اسکی جانب اصلا التفات نہیں رہا۔ پھر قرآن کی اشاعت اور اسکی تعلیم ہو تو کیسے ہو؟ ورنہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ عالم ذوق کے ساتھ قرآن کا وعظ کہے اور معلم ذوق کیساتھ قرآن کا درس دے پھر بھی متعلمین اور سامعین اس کے اثر و فیض سے کورے رہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اثر جب نہیں دیکھا جا رہا ہے تو اسکی وجہ یہی ہے کہ کام طریقے سے نہیں ہو رہا ہے۔

بہر حال اُن بعض اکابر کا قرآن کی تعلیم اور اُسکی تعمیم کی ترغیب دینا بالکل بجا اور درست ہے۔ اسلئے کہ کتاب و سنت ہی تو ہمارے لئے سرچشمۂ ہدایت اور سرمایۂ حیات ہے۔

جیسا کہ یہی علامہ خولیؒ لکھتے ہیں۔

ولا شیئ اھدی للنفوس، واجلب لسعادتھا وادعی لطھارتھا من تفھم ھذین الصنوین والعکوف علی درسھما وتدبر معانیھما والنفوذ الی مغزاھا فھناک طھارۃ القلب وصفاء العقل وکمال النفس (مفتاح السنۃ ص۲)

کوئی چیز کتاب و سنت کے سمجھنے اور اُن کے درس پر مداومت کرنے اور اُن کے معانی میں غور کرنے اور اُنکی تہ تک پہونچنے سے بڑھ کر نفوس کو ضلالت سے نکالنے اور اُن کو ہدایت کرنے اور سعادت نفس حاصل کرانے اور اس کو طہارت دلانے والی نہیں ہے

پس انکا اعتناء اور ان کے ساتھ شغف ہی وہ چیز ہے جو قلوب کی طہارت، عقول کی صفائی اور نفوس کے حصول کمال کی ضامن ہے۔

لیکن جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا شرط یہی ہے کہ یہ درس و تدریس، تعلیم و تعلم اور قرآن کا وعظ و تبلیغ ذوق کے ساتھ ہو۔

مولانا محمد احمد صدیقی

طَبقاتُ المُفسّرین

طبقۂ اولیٰ یا دورِ اوّل :

صحابہ رضؓ کا طبقہ ہے۔ جسمیں خود حضورؐ اور صحابہ رضؓ رسول اللہ ہیں۔ حضرت ابوبکر، و عمرؓ و عثمان رضی اللہ عنہم سے روایتیں بہت کم ہیں جسکا سبب اُن کی احتیاط، اُن کا تقدمِ وفات اور کثرتِ صحابہ کا وجود ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے حدیثیں کم مروی ہونے کی وجہ بھی یہی اُمور ہیں۔ اسکے علاوہ ضروری مشاغلِ وقت وغیرہ بھی اسکے اسباب تھے۔

لیکن خلفاء میں حضرت علی رضؓ سے روایتیں بہ کثرت ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو خلفاء ثلاثہ کی طرح تفسیر میں بڑی دسترس حاصل تھی۔ آپ نے فرمایا ہے۔

واللہ ما نزلت آیۃ الا وقد علمت فیم انزلت واین انزلت ان ربی وھب لی قلبا عقولا ولسانا سؤلا (اتقان)

یعنی خدا کی قسم کوئی آیت نازل نہیں ہوئی لیکن میں جانتا ہوں کہ کس کے بارہ میں نازل کی گئی اور کہاں نازل کی گئی بیشک رب نے مجھ کو سمجھنے والا دل اور پوچھنے والی زبان عنایت فرمائی ہے (یعنی میں حضورؐ سے ہر بات کو پوچھتا رہتا تھا اسے یاد رکھتا اور سوچتا سمجھتا رہتا تھا)

یہی حال خلفاء ثلاثہ کا بھی تھا بلکہ عبداللہ بن مسعود کا بھی تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ سے، حضرت علی رضؓ سے بھی زیادہ روایتیں مروی ہیں۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

والذی لا الٰہ غیرہ ما نزلت آیۃ من کتاب اللہ الا وانا اعلم فیمن نزلت واین نزلت ولو اعلم مکان احد اعلم بکتاب اللہ منی تنالہ المطایا لاتیتہ (اتقان)

یعنی قسم ہے اُس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ کوئی آیت قرآن میں ایسی نہیں جس کے بارے میں میں یہ نہ جانتا ہوں کہ کس کے بارہ میں اُتری اور کہاں اُتری اور اگر معلوم ہو جائے کہ کوئی انسان اللہ کا کلام مجھ سے زیادہ جانتا ہے تو میں اسکے پاس حاضر ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو قرآن کا ترجمان کہا جاتا ہے حضورؐ نے اُن کے بارے میں دعا فرمائی تھی کہ

اللھم فقھہ فی الدین — اے اللہ ان کو دین میں سمجھ دے
اللھم علمہ التاویل — ان کو تاویل کا علم عطا فرما
اللھم علمہ الحکمۃ — اور ان کو حکمت سکھا (اتقان)

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ مصر میں تفسیر کی ایک کتاب ہے

جسکو علی ابن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے۔ اس کتاب سے امام بخاری اور ابن جریر نے اخذ کیا ہے

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ علی بن ابی طلحہ نے براہ راست ابن عباس سے روایت نہیں کی ہے۔ بلکہ مجاہد اور سعید بن جبیر کے ذریعہ روایت کی۔ (اتقان)

دور دوم :

یہ طبقہ تابعین کا ہے۔ ابن تیمیہ کا قول ہے کہ سب سے زیادہ اور عمدہ تفسیر جاننے والے اہل مکہ ہیں۔ اس وجہ سے کہ وہ عبداللہ ابن عباس کے شاگرد ہیں۔ جیسے مجاہد، عطا ابن ابی رباح، عکرمہ، سعید بن جبیر وغیرہ۔ اور کوفہ میں عبداللہ ابن مسعود کے شاگرد سب سے زیادہ تفسیر جاننے والے ہیں، جیسے علقمہ، حسن بصری وغیرہ اور علمائے مدینہ بھی جیسے زید بن اسلم۔

مجاہد اس پایہ کے شخص ہیں کہ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ تفسیر میں اگر تمہیں مجاہد کا قول ملجائے تو وہ تمہیں کافی ہے۔ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ مجاہد کی تفسیر پر امام شافعی و امام بخاری جیسے اکابر بھی اعتماد کرتے ہیں۔

دور سوم :

یہ طبقہ تبع تابعین کا ہے۔ یہ لوگ صحابہ اور تابعین کے اقوال تفسیر میں بیان اور نقل کرتے ہیں۔ اس تبع تابعین کے دور میں سفیان ابن عینیہ۔ وکیع بن جراح۔ یزید ابن ہارون وغیرہ مفسر ہیں۔ ان بزرگوں کا اصل مطمح نظر عمل تھا۔ عمل ہی کے لئے یہ لوگ قرآن کا مطلب سمجھتے سمجھاتے تھے۔ اسلئے کافی غور و توجہ سے قرآن اور اسکی تفسیر حاصل کرتے اور پھر اُس پر عمل کرتے۔ عمل بالقرآن میں یہ لوگ حضور کا اسوۂ حسنہ پیش نظر رکھتے تھے۔

دور چہارم :

یہ دور تیسری صدی ہجری میں گزرا۔ اس دور میں ایک آیت کے لئے زیادہ سے زیادہ روایات جمع کرنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان کا عمل سے زیادہ اقوال صحابہ و تابعین کا جمع کردینا تھا۔ جیسے ابن جریر طبری (ان کی تفاسیر بہت اہم شمار کی جاتی ہیں) ابن ابی حاتم۔ حاکم۔ اور ابن منذر۔

لیکن اس دور کے مفسرین میں جنہوں نے سب سے پہلے توجیہ اقوال، ترجیح راجح، اعراب اور استنباط معانی کیطرف خاص توجہ کی وہ امام ابن جریر ہیں۔ اسلئے سب میں تفسیر جریر بر لحاظ سے اس دور کی بقیہ تفاسیر پر فوقیت رکھتی ہے۔

دور پنجم

اس کے بعد بہت سی تفسیریں لکھی گئیں، جن میں اکابر کے اقوال تو نقل کئے جاتے لیکن سلسلہ اسناد کو حذف کردیا جاتا تھا۔ اس سے عبارت میں تخفیف اور محنت میں بچت تو ضرور ہوگئی مگر بڑی خرابی یہ پیدا ہوگئی کہ اقوال صحیح اور سقیم اور علیل بھی مل جل گئے۔ اس دور کے مفسرین عبدالرحمن نیشاپوری اور ابو اسحاق ثعلبی وغیرہ ہیں۔

دور ششم :

اس دور میں ہر جماعت اور ہر اہل فن نے محض اپنے اپنے نقطہ نظر یا رجحان طبع کے موافق تفسیریں لکھیں جو جماعت نحویین کی تھی، اُس نے نزدیک تفسیر قرآنی نام تھی، اعراب نحوی۔ قواعد نحوی اور اس کے مناسبات کے بیان کا۔ لہذا زجاج اور ابی حیان نے صرف اسی نقطہ نظر سے تفسیریں لکھیں۔ جو لوگ اخباری تاریخی ذوق رکھتے تھے اُن کو قصص و اخبار کی طرف خاص توجہ حاصل تھی۔ جیسے ثعلبی۔ لہذا انہوں نے تاریخی اور اخباری لحاظ سے تفسیر لکھی قصص کے صحیح یا غلط ہونے کا بھی کچھ خیال نہیں کیا جب قصص و روایات کی بھرمار ہوئی تو مغرب میں ابو محمد ابن عقبہ نے تمام ناقابل اعتبار

روایات کو چھانٹ کر خود ایک تفسیر لکھی اور حتی الامکان اصح روایات کا انتخاب کیا۔ یہ کتاب اندلس مقبول ہوئی اور تمام اندلس میں پھیل گئی۔ اور مشرق میں اسی قسم کی دوسری تفسیر قرطبی نے لکھی جس میں صحیح روایات درج کیں (ابن خلدون) لیکن فقہ میں ضرورت سے زیادہ انہماک کی وجہ سے انہوں نے فقہ کے مسائل کے لحاظ سے تفسیر لکھی۔ اور اپنے ذوق فقہی میں ایسے محو تھے کہ بعض ایسے مسائل بھی تفسیر میں لکھ گئے جن کا تعلق آیت سے نہ تھا۔

فلسفہ دانوں نے اپنی تفاسیر کو حکما و فلاسفہ کے اقوال سے بھر دیا جن کی علم تفسیر میں کوئی ضرورت نہ تھی۔ جیسے امام فخر الدین رازی بدعتی فرقے نے جو تفسیریں لکھیں اُن کا مقصد سوا اسکے کچھ نہ تھا کہ آیات کی تحریف معنوی کریں۔ اور اُن کو اپنے فاسد عقیدوں کے مطابق بنا دیں جیسے زمخشری۔ انہوں نے اپنی تفسیر کشاف میں اکثر مقامات پر اعتزال کی طرف اشارے کر دیے ہیں۔ ملحدوں اور اور بیدینوں نے اپنی تفسیروں میں ایسی الحاد کی باتیں لکھیں جن کا کچھ پوچھنا نہیں

واضح ہو کہ بہترین تفسیر ابن جریر کی سمجھی جاتی ہے اور یہی اکثر مفسرین کے لئے ماخذ ہوئی ہے۔ کشاف میں باوجود اس کے کہ نہایت عمدہ نکات بلاغت و معانی و بدیع پائے جاتے ہیں اور علوم عربیہ میں نہایت درجہ مستند ہوئی ہے مگر اسمیں بھی اعتزال کا زہر موجود ہے۔ اسی لئے امام ناصر الدین نے اسپر ایک حاشیہ لکھا جس کا نام انتصاف ہے۔ اسمیں اُس کے مذہب اعتزال کی باتوں پر گرفت کر کے کتاب کو درست کر دیا ہے۔ نیز شرف الدین طیبی نے محاسن بلاغت زمخشری کی جس کو اس نے معتزلہ کے طریقے پر اختیار کئے تھے۔ تردید کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن کی بلاغت وہی ہے جو اہل سنت کی اختیار کردہ ہے۔ انہوں نے معتزلہ کو دندان شکن جواب دیتے ہوئے، تمام فنون بلاغت کو بالاستیفا لکھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ حق معانی ادا کیا (ابن خلدون)

تفسیر بیضاوی نقلی تحقیقات اور عقلی تدقیقات دونوں کی جامع ہے۔ معانی بیان وغیرہ کشاف سے اخذ کیا ہے۔ حکمت و کلام تفسیر کبیر سے لیا ہے۔ اشتقاق و غوامض حقائق وغیرہ تفسیر راغب اصفہانی سے تلخیص کی ہے۔ باقی بہت کچھ خود لکھا ہے بہایت مشہور اور اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے۔ لغو روایات کو بالکل دور کر دیا ہے۔ (مقدمہ حقانی)

لیکن اسکے مصنف باوجودیکہ اہلسنت والجماعت میں سے تھے۔ پھر بھی انہوں نے اپنی تفسیر میں اکثر مقامات میں زمخشری معتزلی کی پیروی کی ہے اور شاید انہیں اسکا احساس بھی نہ ہوا ہو۔ کہ وہ تفسیر میں بلا قصد اور بے شعورانہ بہت کچھ اعتزال کی طرف جھک گئے ہیں۔

قرآن مشاہیر عالم کی نظر میں

(بقیہ صفحہ ۵۳)

جسکو قرآن نے وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ سے صاف طور سے بتا دیا ہے۔ (اہل کتاب یہود و نصاریٰ نے علم ہو جانے کے بعد بھی ضد کی وجہ سے اختلاف کیا) لیکن عناد و دشمنی کے باوجود قرآن کی فضیلت و حقانیت کا قائل ہو جانا "الفضل ما شهدت به الاعداء" کو صحیح ثابت کر رہا ہے کہ فضیلت و برتری کا سہرا اُسی کے سر پر باندھا جائے گا جسکی بڑائی کا اقرار دوست تو دوست دشمن بھی کر رہے ہوں۔

مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب
جامعہ مدنیہ کیمبل پور

مفسرین قرآن کا تقویٰ اور دیانت

قرآن حکیم کے دیگر امتیازات کے علاوہ سب سے بڑا جو امتیاز ہے وہ یہ کہ قرآن کریم کا تعلق حسی علوم سے نہیں بلکہ وہبی علوم سے ہے۔ یہ درست ہے کہ حسی علوم اُس کے اسرار اور رموز سمجھانے میں نہ صرف معاون بلکہ ایک درجہ ضروری ہیں۔ لیکن ان علوم سے معارف قرآنی تک رسائی اس وقت تک ناممکن ہے جب تک نور ایمان اور یقین غیر متزلزل سے مشرف نہ ہو چکا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ صحابہ کرام جو موجودہ فنی اور اصطلاحی علوم سے سراسر نابلد تھے، سراپا عمل والعقیا دبن گئے۔

اسکی وجہ ظاہر ہے ـــــ یہ ہے کہ قرآن حکیم کا علم سمعی اور بصری نہیں۔ بلکہ اُسکا علم صدری اور قلبی ہے۔ کیوں کہ اسکا نزول قلب انور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔

ارشاد قرآنی ہے:

فانہ نزلہٗ علیٰ قلبک (بقرہ ۹۷) سو بیشک اُسنے (اللہ تعالےٰ نے اِسے (قرآن مجید کو) تمھارے دل پر اُتارا ہے۔

وعلمک مالم تکن تعلم (النساء ۱۱۳) اُسنے (اللہ تعالیٰ نے) تمہیں (رسول صلعم کو) وہ باتیں سکھائی جو تم نہیں جانتے تھے

چنانچہ قرآنی معارف اور اسرار فرقانی کا مرکز صرف انسانی سمع و بصر نہیں۔ بلکہ حسب ارشاد قرآنی۔

بل ھو آیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم (العنکبوت ۴۹) بلکہ یہ تو قرآن کی آیتیں ہیں، صاف اُن لوگوں کے سینوں میں جن کو علم دیا گیا۔

بلکہ علم والوں کے دل اور قلوب ہیں۔ اسلئے علماء تفسیر نے قرآنی تفسیر کرنے کے لئے جو شروط بیان کی ہیں اُن میں سب سے بڑی شرط یہ تھی۔

والعاشر علم الموھبۃ وذلک علم یورثہ اللہ من عمل بما علم قال علی رضی اللہ عنہ قالت الحکمۃ من ارادنی فلیعمل باحسن ما علم (مقدمہ امام راغب ص۶) دسواں علم موہبت ہے اور یہ وہ علم ہے جسے اللہ اسکو دیتا ہے جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حکمت یہ کہتی ہے کہ جو مجھے چاہتا ہے وہ جو کچھ جانتا ہے اُس پر بہتر سے بہتر عمل کرے۔

امام ابو طالب نے تفسیر قرآن حکیم کے لئے دوسری شروط کے ساتھ سب سے بڑی شرط یہی قرار دی ہے کہ پاکیزہ دل اور پاکیزہ دماغ

رکھے۔ جیسا کہ ارشاد قرآنی ہے۔

لا یمسہ الا المطھرون　اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک
(الواقعہ)　بنائے گئے ہیں۔

اسی لطیف نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سید سلیمان ندویؒ نے فرمایا ہے۔

"مولانا ابوالکلام آزاد کا ایک فقرہ اس باب میں بہت خوب ہے انہوں نے ایک دفعہ کہا کہ کبھی حضرت شاہ ولی اللہ اور سید احمد خاں دونوں ایک ہی بات کہتے ہیں مگر ایک ایمان پرورش پاتا ہے اور دوسرے سے کفر" (العلم مارچ ۱۹۵۹ء)

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ شاہ ولی اللہ کا دل تجلیات الٰہیہ اور جمالیات محمدیہ سے معمور تھا۔

امام مجاہد شاگرد رشید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب ابن عباس قرآن حکیم کی تفسیر فرمایا کرتے تھے میں اُن کے چہرہ پر نور محسوس کرتا تھا۔

ذیل میں اسی مناسبت سے چند ایسے واقعات درج کئے جاتے ہیں جن سے مفسرین قرآن حکیم کا تقوی اور دیانت پوری طرح جھلک رہا ہے۔

۱۔ عبداللہ بن محمد بن ابی القاسم جن کے آبا و اجداد تونس کے تھے اور اُن کی ولادت مدینہ منورہ میں ہوئی۔ شیخ رضی الدین طبری مکی سے انہوں نے الکتاب فیض رکھا تفسیر ابن عطیہ کے وہ حافظ تھے اُن کے تقوی کا یہ حال تھا کہ پچاس سال سے زیادہ مدت میں انہوں نے اپنی نمازیں دربار نبوی کے روضۃ من ریاض الجنۃ میں اس طرح ادا کیں کہ ہر نماز باجماعت پہلی صف میں ادا کی۔ اور جیسے ہی روزانہ حرم نبوی کا دروازہ کھلتا تو آپ دراقدس پر سب سے پہلے حاضر ہوتے۔

اپنی زندگی میں پچپن حج بیت اللہ مکرمہ کے کئے۔ آپ نے جمعہ کے دن دس ربیع الاول ۷۶۹ھ کو مدینہ منورہ میں رحلت فرمائی۔

۲۔ عبدالرحمن بن محمد بن مخلوف ثعالبی الجزائری جو اپنے زمانہ کے بہت بڑے مفسر تھے۔ تفسیر الجواہر ان ہی کی مرتبہ ہے جو ابن عطیہ کی تفسیر کا خلاصہ ہے۔ موصوف کئی دفعہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اور اس تفسیر کے مرتب کرنے کا حکم بھی دربار رسالت سے ملا۔ جیسا کہ وہ فرماتے ہیں۔

"میں نے دیکھا جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے کھانا دیا اور ارشاد فرمایا کیا یہ بات نہیں کہ نبی جب کسی کو کھانا کھلاتا ہے تو وہ قے کر دیتا ہے۔ چنانچہ میں خواب ہی میں قے کے لئے تیار ہو گیا۔ مگر آپ نے فرمایا میری مراد یہ تھی نہیں تو میں نے سمجھ لیا کہ اس سے مراد قرآنی معارف کی اشاعت ہے۔ چنانچہ میں نے یہ تفسیر مرتب کی۔"

آپ کی وفات ۸۷۵ھ کو ہوئی۔

۳۔ شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کا تقوی تو عام تذکروں میں ملتا ہے۔ کہ بیس سال تک عشاء کے وضو کے ساتھ صبح کی نماز ادا کی۔ کئی مرتبہ سید دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اور حضرت ہی کے حکم سے اعتزال سے تائب ہوئے۔ ساری زندگی بستی کی اُس زمین سے پیدا ہونیوالے غلّہ سے بسر اوقات کی جو ان کے دادا بلال بن ابی بردہ نے وقف کر دی تھی۔ قرآن حکیم کی بہترین تفسیر لکھی ہے جس میں معتزلہ پر رد کیا۔ امام سبکی نے اسے دیکھا ہے۔ آپ کی وفات ۳۲۴ھ کو ہوئی۔

۴۔ احمد بن الحسین الحافظ ابوبکر البیہقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم محدث اور مفسر گزرے ہیں۔ امام الحرمین نے ان کے متعلق فرمایا۔

(باقی بر صفحہ)

مولانا سید محمد ثانی حسنی

عربی زبان میں: تفسیری خدمات

علماء اسلام نے قرآن مجید کی خدمت کے سلسلہ میں اپنی محنت و دلچسپی کے متنوع مظاہرے کئے ہیں۔ اگر ان خدمات کا مفصل جائزہ لیا جائے تو اس کے لئے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ اسلئے اس مختصر مضمون میں ہم صرف عربی زبان کی مشہور تفسیروں اور بعض قرآنی خدمتوں کا ذکر کریں گے۔ انشاء اللہ یہ مختصر تعارف بھی نفع سے خالی نہ ہوگا

تفسیروں کو تین حصوں میں تقسیم کرنا مناسب ہے۔ بعض علماء نے اختصار سے کام لے کر تفسیریں لکھیں۔ بعض نے نہ بہت مختصر لکھیں نہ بہت ضخیم۔ اور کچھ ایسے علماء گزرے ہیں جنہوں نے بہت زیادہ ضخیم تفسیریں لکھی ہیں۔ اور بعض علماء نے مستقل کوئی تصنیف نہیں لکھی بلکہ کسی اور تفسیر پر حاشیہ چڑھایا۔ اور اس تفسیر کے ضمن میں اپنی تفسیر لکھی۔

۱۔ مختصر تفسیروں میں نمونۃً حسب ذیل تفسیریں ملاحظہ ہوں۔
ابن جوزیؒ کی زاد المیسر۔ واحدی کی الوجیز۔ امام رازی رح کی الواضح۔ ابن حبان کی التشہیر۔ امام سیوطی کی جلالین اور المحلی جلالین کے متعلق واضح رہے کہ اس تفسیر کو دو ہمنام علماء نے لکھا ہے سورۂ اسریٰ تک تو علامہ جلال الدین محمد بن احمد الشافعی م ۸۶۴ھ نے لکھا اور اُسکے بعد سے آخر تک شیخ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی م ۹۱۱ھ نے لکھا ہے۔

۲۔ متوسط تفسیروں میں حسب ذیل تفسیریں قابل ذکر ہیں۔
واحدی کی الوسیط۔ نجم الدین نسفی (جنکا پورا نام عمر بن محمد الحنفی ہے) م ۵۳۷ھ کی التیسیر۔ زمخشری کی کشاف، جو مدارس میں داخل نصاب بھی ہے۔ تفسیر الماتریدی، تفسیر الطیبی، تفسیر البغوی، جسکا اصلی نام معالم التنزیل ہے اور مصنف شیخ ابو محمد بن مسعود الفراء البغوی ہیں۔ تفسیر الکواشی، بیضاوی جس کا کچھ حصہ مدارس عربیہ میں داخل نصاب ہے۔ تفسیر مدارک جس کے مصنف عبداللہ بن محمود حافظ جلال الدین ابوالبرکات النسفی ہیں۔

۳۔ مفصل اور ضخیم تفسیریں حسب ذیل ہیں۔
واحدی کی البسیط۔ تفسیر الراغب، راغب اصفہانی کی ہے جن کا انتقال پانچویں صدی کے آخر میں ہوا۔ ابو حیان کی البحر المحیط امام فخر الدین رازی م ۶۰۶ھ کی التفسیر الکبیر۔ قطب شیرازی م ۷۱۰ھ کی فتح البیان معروف بہ تفسیر العلامی، تفسیر ابن عطیہ الدمشقی امام ابوالقاسم محمد بن حسن متوفی ۳۲۴ھ کی تفسیر الخرمی، ابوالحسن نحوی م ۴۳۰ھ کی البرہان معروف بہ تفسیر العوفی۔ تفسیر القشیری۔ عبداللہ بن عبدالرحمٰن النحوی م ۶۶۹ھ

لہ غالباً مغیاس داخل ہے بقرہ تا اسراء ایک جلال نے اور کہف تا ناس اور فاتحہ جلال ثانی نے لکھی البتہ فاضل مقالہ نگار سے مشہور عام غلطی ہوئی کہ یہ نصف جلال سیوطی کی تفسیر ہے اور کہف سے ناس مع الفاتحہ جلال محلی کی ۱۲ محمد عمر

کی تفسیر ابن عقیل ۔ یہ تفسیر سورۂ آل عمران تک ہے ۔
امام سیوطی کی الدر المنثور ۔ امام ابوجعفر الطبری م ۳۱۰ھ
کی مشہور عالم تفسیر جامع البیان فی تفسیر القرآن جس کے متعلق امام
نووی لکھتے ہیں کہ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ طبری جیسی تفسیر نہیں
تصنیف ہوئی ۔ یہ تفسیر تقریباً تین ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے ۔
یہ تفسیر طبری کے نام سے مشہور ہے ۔
تفسیر ابن کثیر جس کے مصنف عماد الدین ابن عمرو بن کثیر
م ۷۷۴ھ ہیں ۔ فتح القدیر سید محمود آلوسی زادہ کی تفسیر
روح المعانی ۔
ابوالسعود محمد بن عمادی متوفی ۹۸۲ھ کی تفسیر ابی السعود
جس کا اصلی نام ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم ہے
ان تفسیروں کے علاوہ حسب ذیل تفاسیر بھی قابل ذکر ہیں ۔
تفسیر غرائب القرآن : جس کو علامہ نظام الدین حسن بن
محمد نیشاپوری نے تین جلدوں میں لکھا ہے ۔
اتقان : علامہ جلال الدین سیوطی کی علوم قرآن سے متعلق
اہم تصنیف ہے ۔
سراج المنیر : شمس الدین محمد ابن احمد الشربینی الخطیب م ۹۷۷ھ
کی ۔ تفسیر خازن جس کا پورا نام لباب التاویل فی معانی التنزیل ہے
اس کے مصنف علامہ علاء الدین علی ابن محمد البغدادی م ۷۴۱ھ ہیں ۔
مدارک التنزیل پورا نام مدارک التنزیل وحقائق التاویل ہے
تفسیر نجم الدین کئی جلدوں میں ہے ۔ مصنف بشیر ابن ابی بکر ۔ م ۶۴۶ھ
ہیں ۔
التفصیل الجامع لعلوم التنزیل فی التفسیر ، ابوالعباس احمد بن
عمار ، م ۴۴۰ھ اس کے مصنف ہیں ۔ الجواہر شیخ جوہری طنطاوی
کی التفسیر الواضح ۔ ۳۰ جلدوں میں ۔ جنمیں ۳ جلدیں چھپ گئی ہیں یہ
شیخ محمد محمود اعجازی کی ہے ۔ المنار ۱۲ جلدوں میں ہے ۔ مفتی
محمد عبدہٗ کی ۔ البحر المحیط ۸ جلدوں میں اثیر الدین محمد بن یوسف اندلسی کی ۔

ہندوستانی علماء کی عربی تفاسیر

برصغیر ہندوستان میں بکثرت ایسے علماء پیدا ہوئے ہیں ،
جنہوں نے عربی کے اندر قرآن کی طرح طرح سے خدمت کی ہے ۔
ان علماء کی بعض تفسیریں طبع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہیں ۔ اور بعض ایسی
بھی ہیں جو پڑھنے والوں کے ہاتھوں میں نہیں پہونچی ہیں ۔ یا تو وہ
ضائع ہو گئی ہیں ۔ یا قلمی ہیں ۔ آیئے آپ اپنے ملک کے چند علماء تفسیر
کی کتب تفسیر سے بھی متعارف ہو جایئے ۔

۱ ۔ تبصیر الرحمن وتیسیر المنان فی تفسیر القرآن ۔ یہ تفسیر
چار جلدوں میں ہے ۔ اس کے مصنف شیخ علاء الدین ابن علی الشافعی
المہائمی م ۸۳۵ھ ہیں ۔ یہ تفسیر آیات کے باہمی ربط ، دلچسپ
پیرایۂ بیان اور نکتہ آفرینی میں بے مثل ہے بمصر میں طبع ہو چکی ہے

۲ ۔ نور النبی ۔ اس کی بھی کئی جلدیں ۔ یہ تفسیر نحوی تراکیب
اور معانی کی وضاحت میں ہے ۔ اس کے مصنف حسین بن خالد
ناگوری ہے ۔

۳ ۔ تفسیر القرآن ۔ تصوف کے مسائل پر ہے ۔ اس کے
مصنف شیخ محمد یوسف الدہلوی ہیں ۔

۴ ۔ تفسیر القرآن شیخ یعقوب بن الحسن الکشمیری کی ہے ۔
اور نامکمل ہے ۔

۵ ۔ کاشف الحقائق وقاموس الدقائق ۔ شیخ احمد بن محمد
التھانیسری کی ہے ۔

۶ ۔ تفسیر القرآن ۔ شیخ نعمت اللہ کی ہے اور ۱۰۷۰ھ میں
لکھی گئی ہے ۔ جلالین کے طرز پر لکھی گئی ہے ۔

۷ ۔ انوار الاسرار شیخ عیسیٰ بن قاسم السندی کی ہے اور
معارف وحقائق قرآنیہ پر لکھی گئی ہے ۔

۸۔ التفسیر النظامی: شیخ نظام الدین تھانیسری م ۱۰۳۶ھ کی ہے۔
۹۔ سواطع الالہام: ابوالفیض فیضی بن مبارک ہے، جو اکبر کے دربار میں خاص حیثیت رکھتے تھے اور شیعہ عالم ہیں۔ یہ تفسیر صنعت اہمال میں لکھی ہے یعنی پوری تفسیر بے نقطوں کی ہے۔
۱۰۔ التفسیر النورانی: شیخ نورالدین گجراتی کی ہے۔
۱۱۔ ثواقب التنزیل
۱۲۔ قرآن القرآن بالبیان
۱۳۔ تفسیر الصغیر: شیخ رستم علی قنوجی کی ہے۔
۱۴۔ التفسیر المظہری۔ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی ہے، اس کی سات جلدیں ہیں، جن میں فقہ، تصوف، قرأت، اعراب پر خاص بحث کی گئی ہے۔
۱۵۔ تفسیر القرآن: شیخ اہل اللہ بن شیخ عبدالرحیم الدھلوی کی ہے
۱۶۔ التفسیر المحمدی۔ شیخ فتح محمد الحسینی السیدانوی کی ہے۔
۱۷۔ محکم التنزیل: سید محمد حکم بن محمد بن علم اللہ الرائے بریلوی کی ہے۔
۱۸۔ تفسیر القرآن: شیخ محمد ہاشم السندی نے لکھی ہے۔
۱۹۔ فتح البیان فی مقاصد القرآن۔ چار جلدوں میں، نواب صدیق حسن خانصاحب نے لکھی ہے۔
۲۰۔ تفسیر القرآن: مولانا ثناء اللہ امرتسری کی ہے۔
۲۱۔ التفسیرات الاحمدیہ: ملا جیون امیٹھوی کی ہے

علوم قرآن

ان تفاسیر کے علاوہ اور بھی بہت سی تفسیریں ہیں جن کا ذکر یہاں نہیں کیا جا سکا ہے۔

قرآن کریم کے مختلف موضوعات پر بھی علماء نے جدا جدا کتابیں لکھی ہیں جن میں سے بعض کا ذکر حسب ذیل ہے۔

۱۔ فتح الخبیر فی اصول التفسیر: حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کی مشہور عالم کتاب ہے۔ جس میں اصول و آداب تفسیر پر بحث کی گئی ہے۔
۲۔ تاویل الاحادیث۔ یہ بھی شاہ صاحب نے لکھی ہے۔
۳۔ نثر المرجان فی رسم نظم القرآن۔ شیخ محمد غوث شافعی مدراسی نے لکھی ہے۔
۴۔ لباب التنزیل۔ مشکلات قرآن کے حل میں مولانا ریاست علی خانصاحب شاہجہانپوری کی ہے۔
۵۔ الافادات العزیزیہ: اسمیں شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے افادات درج ہیں۔
۶۔ الجامع لاحکام القرآن: ابوعبداللہ قرطبی نے لکھی ہے
۷۔ امعان فی اقسام القرآن، مولانا حمید الدین فراہی کی ہے۔
۸۔ البرہان فی متشابہ القرآن (قلمی)
۹۔ کتاب النکت فی اعجاز القرآن۔
۱۰۔ اقسام القرآن: امام ابن قیم کی۔
۱۱۔ نجوم القرآن فی اطراف القرآن۔ اس میں ان کلمات کی فہرست ہے جو قرآن میں آئے ہیں۔ احکام القرآن کے نام سے کئی علماء نے کتابیں لکھی ہے۔

اعجاز القرآن پر حسب ذیل تین کتابیں ہیں۔
اعجاز القرآن: ابوعبداللہ محمد بن زبیر الواسطی م ۳۰۶ھ
اعجاز القرآن: قاضی ابوبکر الباقلانی متوفی ۴۰۳ھ
اعجاز القرآن: مصطفےٰ صادق الرافعی کی ہے جس میں قرآن کے اعجاز پر تفصیلی بحث ہے۔ یہ کتاب خود اپنی زبان، ادب، بلاغت طرز نگارش میں بڑے امتیاز کی مالک ہے
العقد المنظم فی اقسام الوحی المعظم۔ از شیخ علوی مالکی استاذ حرم مکی۔

اجزاء القرآن

بہت سے علماء نے قرآن کریم کی مختلف صورتوں اور آیتوں کی تفسیر لکھی ہے، خصوصاً سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں سیکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں، جن کا ذکر کرنا آسان نہیں ہے۔ ہند و عرب کے علماء نے چھوٹی چھوٹی کتابیں اس سلسلہ میں لکھی ہیں۔ بعض بعض کتابوں میں کئی کئی صورتیں لے لی گئی ہیں۔ بعضوں میں صرف ایک سورۃ اور بعض علماء نے صرف چند آیتوں یا صرف ایک آیت کی تفسیر میں بھی کتابیں لکھی ہیں۔

مثلاً اعجاز البیان فی تفسیر أم القرآن، صدر الدین محمد بن اسحاق القونوی کی۔ مجموعہ تفاسیر معوذتین و کوثر امام ابن قیم کی و ابن تیمیہ کی۔ انوار القرآن شیخ غلام نقشبند کی۔ تفسیر الزہراوین جسمیں صرف سورۃ البقرہ اور آل عمران کی تفسیر کی گئی ہے۔

موجودہ دور کے علماء نے اجزاء قرآن پر جو کتابیں لکھی ہیں اُن میں نمونۃً حسب ذیل کتابوں کا ذکر کافی ہے۔

۱۔ مشاہد القیامہ فی القرآن۔ یہ کتاب سید قطب مصر کے ایک بہت بڑے ادیب اور اخوان المسلمین کی ایک موثر شخصیت نے لکھی ہے۔ جسمیں ان مقامات کی تفسیر اور موثر ذکر کیا گیا۔ جہاں جہاں قیامت کے مناظر اور آخرت کے احوال آئے ہیں۔ یہ کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے بڑی اثر انگیز اور معلومات سے پُر ہے۔

۲۔ التصویر الفنی فی القرآن: یہ کتاب بھی سید قطب کی ہے۔ اس کتاب میں قرآن کریم کے فنی اسلوب اور لفظی و ادبی محاسن اور قرآن کے خاص طریقہ تعبیر اور طریقہ تصویر پر دلچسپ اور سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

۳۔ فی ظلال القرآن۔ مذکور الصدر موصوف ہی کی یہ بھی تصنیف ہے۔ ہر پارہ ایک جلد میں ہے۔ اسمیں زندگی کے ہر مسئلہ پر بحث ہے۔ شروع میں چند آیتیں پھر ان کی تفسیر اور تشریح ہے پہلے یہ مضمون کی شکل میں "المسلمون" میں شائع ہوتا رہا۔ بعد میں کتابی صورت میں آیا۔ طرز بیان علمی اور تحقیقی ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ خود سید قطب کی اور بھی کتابیں ہیں۔ جو اسی سلسلہ میں تحریر کی گئی ہے وہ یہ ہیں۔

۱۔ النماذج الانسانیۃ فی القرآن
۲۔ المنطق الوجدانی فی القرآن
۳۔ الاسالیب الفنیہ فی القرآن
۴۔ القصہ بین التوراۃ والقرآن

من ھدی القرآن: فلسطین کے ایک عالم اور یافا کے خطیب شیخ عز الخطیب کی کتاب ہے جسمیں مختلف آیتوں کی تفسیر اور وضاحت ہے۔ اور اُن آیات کا انتخاب کیا گیا ہے، جو زندگی کے آئے دن مسائل کے حل اور اخلاقی دینی اجتماعی حیثیت سے مؤثر ہیں۔ اس کتاب میں نیا اسلوب اور علمی انداز نگارش اختیار کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ ان احادیث کا بھی کرتے چلے ہیں جو ان آیات کے مناسب اور شارح ہیں جو آیات اوپر گزر چکی ہیں۔

النیل فی ضوء القرآن: جامع ازہر کے ایک اُستاد احمد الشرباصی نے ان تمام آیات کو جمع کیا ہے اور اُن کی تشریح کی ہے جن میں دریائے نیل کا تذکرہ ملتا ہے اور اس سلسلہ میں جو بھی آیات اس کے مناسب ملی ہیں۔ اُن کو جمع کر دیا ہے۔ ساتھ ساتھ تشریح اور تقریر بھی کرتے گئے ہیں۔

عن القرآن والطب: ڈاکٹر عبد العزیز اسمٰعیل کی کتاب ہے جس میں قرآنی طب کے متعلق بحث ہے۔

القصص الفنی فی القرآن۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے چند

مضامین ہیں جو مختلف پرچوں میں چھپے ہیں۔

مقدمہ فی التفسیر وتفسیر الفاتحہ: عالم عربی کی فعال جماعت الاخوان المسلمون کے مرشد عام شیخ حسن البنا شہید ۱۹۴۸ء کی ایک مختصر کتاب جس میں سورہ فاتحہ کی تفسیر ہے اور شروع میں فن تفسیر پر ایک مختصر اور مفید مقدمہ ہے

التفسیر القیم: امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ م ۷۵۱ھ نے اپنی مختلف کتابوں میں مختلف جگہ جن جن آیات کی تفسیر کی ہے ان تمام آیات وتفسیرات کو مولانا محمد اویس صاحب نگرامی ندوی نے جمع کرکے ایک مجموعہ تیار کرلیا ہے۔ اس راہ میں مولانا موصوف کو جن جن دشوار گزار منزلوں سے گزرنا پڑا ہوگا وہ ظاہر ہے۔ حقیقت میں مولانا کی یہ سعی مشکور اہل علم کے لئے ایک قیمتی سرمایہ ہے۔ یہ کتاب مصر میں طبع ہوئی ہے اور تقریباً ساڑھے چھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔

تفسیر الفاتحہ: شیخ سید رشید رضا مرحوم نے لکھی ہے۔ اسمیں آخری پارہ کی چند سورتوں کی تفسیر ہے۔ وہ سورتیں حسب ذیل ہیں۔

سورہ فاتحہ۔ سورہ عصر۔ سورہ کوثر۔ سورہ کافرون۔ سورہ اخلاص۔ معوذتین۔ سورہ ناس۔ ان تفاسیر کے بعد آخر میں چند استفتے اور جوابات درج ہیں۔ اور مفتی محمد عبدہٗ رحمۃ اللہ علیہ کے چند خیالات اور آرار درج ہیں۔

تیسیر اللطیف المنان فی خلاصۃ تفسیر القرآن: نجد کے ایک عالم عبد الرحمٰن بن ناصر السعدی کی تالیف ہے۔ قرآن کریم کے متعلق بہت سے سوالات واشکالات کے جوابات دیے گئے ہیں۔ اور قرآن کے بہت سے مسائل کو حل کیا گیا ہے

اس کتاب کے علاوہ مصنف کی اور بہت سی کتابیں ہیں، جو قرآن کے متعلق لکھی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر:

۱۔ تیسیر الکریم المنان۔ ۵ جلدوں میں، قرآن کریم کی تفسیر ہے۔

۲۔ القواعد الحسان، تفسیر القرآن

۳ تفسیر سورہ یوسف: یہ بھی سید رشید رضا مرحوم، مصر کے ایک جلیل القدر عالم کی تصنیف ہے۔ جس میں سورہ یوسف کی جدید طرز پر تفسیر کی گئی ہے۔ اس تفسیر کے علاوہ سید رشید رضا مرحوم نے قرآن کریم کی تفسیر کے متعلق اور بہت سے مسائل لکھے ہیں

اب ہم طوالت کے خوف سے مضمون کو ختم کرتے ہیں، ورنہ ان کتابوں یا کتابچوں کی اتنی زیادہ تعداد ہے جس کے لئے ان صفحات میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اب چلتے چلتے ان حضرات کے اسمار گرامی بھی سنتے چلیے جنہوں نے اس فن میں خدمت انجام دی ہے۔

۱۔ شیخ بہجۃ البیطار۔ شام کے ایک بڑے عالم اور فاضل ہیں جو خود بھی درس قرآن دیتے ہیں۔

۲۔ شیخ جوہری طنطاوی۔ جنہوں نے "الجواہر" کی تفسیر لکھی ہے۔

۳۔ مفتی محمد عبدہٗ مصر کے ایک متبحر فاضل اور جمال الدین افغانی کے شاگرد رشید اور دست راست جنہوں نے تفسیر المنار لکھی ہے

۴۔ سید رشید رضا مفتی محمد عبدہٗ مصری کے شاگرد رشید اور مصر کے علمی ودینی دنیا کے لئے امام اور ممتاز شخصیت جنہوں نے اجزار قرآن پر کئی رسالے تصنیف کئے اور "تفسیر المنار" کی تکمیل کی۔

۵۔ شیخ محمد محمد ابو شہبہ استاد تفسیر کلیۃ الشریعہ مکہ مکرمہ (۶) سید قطب جنہوں نے کئی کتابیں اس موضوع پر لکھیں جنکا ذکر پہلے آچکا ہے (۷) شیخ محمد ابو زہرہ (۸) شیخ محمد محمود حجازی صاحب التفسیر الواضح (۹) شیخ احمد الشرباصی استاد جامعہ ازہر مصر (۱۰) عبد الرحمٰن الناصر النجدی (۱۱) شیخ عبد اللطیف السبکی مدیر مجلہ الازہر۔

امید ہے کہ یہ چند صفحات فن تفسیر پر ایک اجمالی نظر کے لئے کافی ہونگے۔

قمرالدین مظاہری مدیر نظام

جمع و تدوین قرآن

قرآن کے تحفظ پر ایک نظر

قرآن سے پہلے جتنی الہامی کتابیں دنیا میں موجود تھیں ان میں سے کسی کتاب نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ خدا کی آخری کتاب ہے اس کے احکامات اور تعلیمات قیامت تک تمام نسل انسانی کے لئے واجب العمل ہیں۔ اس کتاب کے بعد رشد و ہدایت کی کوئی روشنی خدا کی طرف سے دنیا میں نازل نہ ہوگی۔ بلکہ اسکے برخلاف انجیل و توراۃ میں حتیٰ کہ وید مقدس میں بھی ایسی وضاحتیں اور بشارتیں موجود ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعلیمات ایک محدود زمانہ کے لئے تھیں اور مخصوص قوم کے لئے ان کا نزول ہوا تھا۔ عرب کی سرزمین میں ایک ایسے پیغمبر کا ظہور ہوگا جن کا پیغام رسالت عالمگیر ہوگا۔ پوری دنیائے انسانیت ان کی مخاطب ہوگی اور وہ سارے عالم کی قیامت تک رہبری فرمائیں گے۔ یعنی اُن کا پیام زمان و مکان کی حدود و قیود سے بالاتر ہوگا۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے بنی اسرائیل نے درخواست کی کہ مزید شریعت کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں ہے، تو اس پر انہوں نے فرمایا:

"خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میرے مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اسکی سننا۔ یہ تیری درخواست کے مطابق ہوگا .... اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں۔ ٹھیک کہتے ہیں۔ میں ان کے لئے انھیں کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اسکے منھ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہیگا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لیکر کہیگا نہ سنے تو میں اُن کا حساب لوں گا۔

(استثنار ۱۸۔۱۵۔۳۰)

حضرت عیسیٰؑ نے کہا:

"..... لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں گا تو وہ مددگار تمھارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا تو اُسے تمھارے پاس بھیجدوں گا اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصور وار ٹھہرائے گا۔ .... مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں۔ مگر تم اب ان کو برداشت نہیں کرسکتے لیکن جب سچائی کا روح آئے گا تو تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اسلئے کہ وہ اپنے طرف سے نہ کہیگا لیکن

جو کچھ سنے گا وہی کہیگا۔ اور تمہیں آیندہ کی خبریں دے گا۔

(یوحنا ۱۶ : ۷-۸-۱۲-۱۳)

اور فرمایا:

"لیکن وہ جو میرے بعد آتا ہے مجھ سے زورآور ہے کہ میں اسکی جوتیاں اُٹھانے کے بھی قابل نہیں۔

(انجیل متی کا تیسرا باب)

مہاتما بدھ اس وقت جبکہ اُن کی آخری سانسیں چل رہی ہیں اپنے شیشہ نندا کے کان میں کہتے ہیں:-

"میں پہلا بدھ نہیں ہوں جو زمین پر آیا۔ نہ میں آخری بدھ ہوں۔ اپنے وقت پر ایک اور بدھ آئے گا۔ جو حقیقت ابدی میں بتا رہا ہوں وہ بھی وہی بتائے گا۔ میری طرح وہ بھی ایک مکمل نظام زندگی کی تلقین کرے گا"

وید کے بارہ میں ہندوؤں کی کتابوں میں موجود ہے۔

"اسوقت وید بلا زہر کے سانپ کے مانند بے اثر ہے اس وقت وید منتر بلا جان کے جانوروں کی طرح مردہ ہیں۔ منتر دیوار پر کشیدہ تیلیوں کی مانند ہیں جیسے ان تیلیوں کی تصویر میں بظاہر تمام حواس نظر آتے ہیں۔ مگر حقیقت میں بالکل بےجس و حرکت ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس زمانہ میں وید منتر بھی بظاہر تو فائدہ مند معلوم ہوتے ہیں مگر اثر کے لحاظ قطعی بیہودہ ہیں جیسے بانجھ عورت سے صحبت کرنے میں کچھ فائدہ نہیں ہوتا اسی طرح فی زمانہ منتروں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔"

شاستری پرچے نمبر ۳ صفحہ ۲۷

بحوالہ مہا نروان تنتر نیز ملاحظہ ہو ستیہ دیوجی کی کتاب ویدک چھپی)

ان بشارتوں کے بموجب قرآن ہی وہ آخری کتاب ہے جس کا نور ہر دور ظلمت کو دور کرنے کے لئے کافی ہے۔ خواہ وہ ظلمت دور جاہلیت کی ہو یا نئی روشنی کے زمانہ کی۔ چنانچہ قرآن مبین نے شروع ہی سے عالم انسانیت کو مخاطب بنایا۔ اور عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ کے ذریعہ بتادیا کہ وہ علوم جو انسانوں کی دسترس سے باہر ہیں ان کی تعلیم کے لئے اس کتاب مقدس کو نازل کیا جارہا ہے۔ اس کا پیغام نہ کسی گروہ یا قوم کے لئے مخصوص ہے اور نہ کسی خاص دور کے ساتھ محدود ہے۔ بلکہ قیامت تک تمام عالم انسانیت کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے خدا کا آخری پیغام ہے۔ قرآن کا مطالعہ کیجئے۔ اتنا واضح دعویٰ کسی کتاب نے نہیں کیا۔

ان ھو الا ذکر للعالمین — نہیں ہے وہ مگر نصیحت تمام عالموں کیلئے

ذالك الكتاب لا ريب فيه — یہ کتاب ہے کوئی شک نہیں اسمیں

ھدی للناس — ہدایت ہے سارے لوگوں کیلئے

وما ارسلنك الا كافة للناس بشيرا ونذيرا — نہیں بھیجا ہم نے مگر سارے ہی بنی نوع کیلئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا۔

عقیدۂ ختم نبوت کی یہی ٹھوس بنیادیں تھیں جن کی بنا پر پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ میں قصر نبوت کی آخری اینٹ ہوں۔ میری نبوت قیامت تک کے لئے ہے میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں۔ جو شخص بھی راہ نجات کا طالب ہو، وہ میرے لائے ہوئے دین اور میری لائی ہوئی تعلیمات پر عمل کرے۔ جو شخص بھی میرے بعد کسی نبی کے آنے کا عقیدہ رکھے گا۔ قرآن کے سوا کسی اور کتاب کو مشعل راہ بنائے گا اور اسلام کے بجائے کسی اور مذہب پر عمل کرے گا وہ منزل نجات و سعادت اخروی تک نہیں پہونچ سکتا۔ قرآن کہتا ہے

مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ — اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کریگا تو وہ اس سے قبول نہ کیا جائیگا اور وہ آخرت میں تباہکاروں میں سا ہوگا۔

ختم نبوت کا لازمی نتیجہ

اس اعلان ختم نبوت اور عالمگیر شان رسالت کا تقاضا تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایتیں، انسان کے فرامین ان کے اعمال حتیٰ کہ انکی کتاب زندگی کا ایک ایک ورق، اسی طرح مامون و محفوظ رہتا۔ کہ قیامت تک آنیوالی نسل انسانی اس آفتاب عالمتاب سے روشنی حاصل کرتی۔ اور کسی دور میں یہ خلا محسوس نہ کیا جاتا کہ پیغمبر اسلام نے اس بارے میں کیا ارشاد فرمایا ہے؟ اور اس مسئلہ میں کیا ہدایت فرمائی ہے۔ لہٰذا جبکہ ہمیں نہیں معلوم تو ہم کس طرح اسلام کو کامل عمل سمجھیں۔ اور اسے خدا کا آخری دین جانیں۔

جہاں تک رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا سوال ہے وہ لفظ بہ لفظ محفوظ ہے۔ اور ہر زمانے کے لئے قابل اتباع و اعتماد رہ گیا قرآن! تو اسکی حفاظت اس طور پر کی گئی کہ اسکے کسی حرف پر بھی انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اسکی شان "لاریب فیہ" اسکے ہر ہر حرف سے آشکار ہے۔ اور کیوں نہ ہوتی؟ آخر قیامت تک پوری انسانیت کو اسی کتاب مبین سے درس توحید و تعلیم آخرت حاصل کرنا تھی۔ اگر انسانیت کی نجات کا یہی آخری سفینہ تحریف کے بھنور میں پھنس جاتا تو پھر کونسا سفینہ ہوتا جو انسانیت کو ساحل مراد تک پہونچاتا۔

قرآن تحریف سے پاک ہے

چنانچہ جب ہم قرآن حکیم کو اس نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں تو عقلی اور نقلی شہادتوں کے ساتھ ساتھ تاریخ کے اوراق بھی اسی امر کی گواہی دیتے ہیں کہ قرآن حکیم ہر قسم کے تحریف و تبدل سے محفوظ ہے۔ اسمیں ایک شوشہ کا بھی فرق نہیں ہوا۔ جیساکہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا ویسا ہی آج بھی دنیا کے سامنے ہے۔ اسی لئے دنیا کی کسی الہامی کتاب نے یہ دعوےٰ نہیں کیا کہ وہ لفظ بہ لفظ محفوظ ہے۔ اور نہ کسی نبی نے یہ کہا کہ اسپر نازل شدہ کتاب تحریفات سے پاک رہیگی۔ اور نہ ہی مسلمانوں کے سوا کوئی قوم اپنی کتاب کے بارے میں کامل وثوق و اعتماد اور پورے عقلی و نقلی تاریخی دلائل کے ساتھ یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ ان کے ہاتھوں میں ان کے نبیوں کی جو کتابیں ہیں وہ بعینہٖ وہی ہیں جو ان کے نبیوں پر نازل ہوئی تھیں۔ ان میں کوئی رد و بدل نہیں ہوا۔ یہ سعادت تو صرف قرآن ہی کے حصہ میں آئی ہے کہ وہ تحریف سے محفوظ بھی ہے اور اس کا برملا اعلان بھی کرتا ہے۔ پیغمبر آخر الزمان اس کتاب کی حفاظت کی بشارت بھی سناتے ہیں۔ اور اسے لکھوا کر اور امت کو کثرت سے زبانی یاد کرا کے محفوظ بھی کر دیتے ہیں۔

اور امت مسلمہ کا چودہ سو سال سے یہی عقیدہ ہے کہ قرآن حکیم کا ایک ایک حرف محفوظ ہے۔ اسمیں نہ کسی قسم کی کمی ہوئی نہ زیادتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے پر جیسا نازل کیا ویسا ہی آج ہمارے سامنے قرآن مجید کی شکل میں موجود ہے۔

اب آئیے۔ ان دعوؤں کو دلائل صحیحہ کی کسوٹی پر پرکھیں اور عقیدہ حفاظت قرآن پر بصیرت تامہ حاصل کرکے ایمان بالقرآن میں جلا پیدا کریں۔

تحفظ قرآن کا ثبوت قرآن سے

جیساکہ پہلے عرض کیا گیا کہ قرآن کے سوا دنیا کی کوئی الہامی کتاب اپنے تحفظ کا دعویٰ نہیں کرتی۔ یہ خصوصیت صرف قرآن کی ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ اپنی حفاظت کی مدعی ہے بلکہ وہ یہ بھی بتاتی ہے کہ اس کو نازل کرنے والا کون ہے؟ اسکے کیا صفات ہیں۔ اسکی قدرت کتنی وسیع ہے۔ اور یہ کس پر نازل ہوئی؟ وہ کتنا امین و صدوق ہے؟ کتنا پاکباز اور متقی ہے؟ کتنا روشن ضمیر اور باصلاحیت ہے۔ اور یہ کس مقدس ذریعہ سے پیغمبر اسلام تک پہونچی؟ وہ واسطہ کتنا قابل وثوق اور غیر مشتبہ ہے؟ کتنا امانتدار اور فرمانبردار ہے؟ اور

پیغمبر اسلام نے اسکی حفاظت کے کیا کیا طریقے اختیار کئے؟ اسے ضبط تحریر میں لائے تو آخر کیوں کر؟ خود تو نبی اُمی تھے۔ جن ہاتھوں نے لکھا وہ کون تھے؟ کیسے تھے؟ اُن کے اوصاف اور خصوصیات کیا تھیں؟

قرآن کے بارے میں ان تمام ضروری سوالات کا جواب قرآن کے اندر ہی موجود ہے۔ میں ان کو مختصر طور پر یہاں بیان کر دینا مناسب سمجھتا ہوں، تاکہ آپ اندازہ لگا سکیں کہ قرآن کی صفت "کتاب مبین" کس قدر مبنی بر حقیقت ہے؟

دعویٰ حفاظت قرآن میں

حفاظت قرآن کے مفہوم کو قرآن کی جو آیت غالباً سب سے بہتر طریقے پر واضح کرتی ہے وہ یہ ہے۔

وانہ لکتاب عزیز لا یاتیہ
الباطل من بین یدیہ و
لا من خلفہ تنزیل من
حکیم حمید

(حٰم سجدہ۔ ۴۱-۴۲)

اسمیں قرآن کی پہلی خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ حکیم و حمید خدا کی اُتاری ہوئی کتاب ہے۔ اسکی حیثیت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام کی روایت کی نہیں۔ یہ اول تا آخر انہیں فقرات و الفاظ پر مشتمل ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کی ہدایت و تعلیم کے لئے پسند فرمائے

(اسکے برخلاف دوسری آسمانی کتابوں کی یہ حیثیت نہیں۔ مثال کے طور پر بائبل میں جن کتابوں کو حضرت موسیٰؑ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اُن میں بیشتر میں بنی اسرائیل کی وہ تاریخ بیان کی گئی ہے، جو حضرت موسیٰؑ ہی کے زمانہ نبوت سے تعلق رکھتی ہے۔ جہاں کہیں احکام کا ذکر آیا ہے وہاں بھی حضرت موسیٰ یہ اعلان کرتے نظر آتے ہیں کہ اے بنی اسرائیل خداوند تمھارا خدا یوں فرماتا ہے کہ ..... جہاں تک انجیل کا تعلق ہے یہ بھی اول تا آخر حضرت عیسیٰؑ اور اُن کے حواریوں کے کلام پر مشتمل ہے۔ یہی حال زبور اور اُن صحیفوں کا ہے جو مختلف انبیاء کے نام سے بائبل میں جمع ہیں)

قرآن کی دوسری خصوصیت جو اس آیت سے واضح ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ ایک کتاب عزیز ہے۔ یعنی ایسی کتاب جس پر کوئی طاقت، خواہ وہ انسانی طاقتیں ہوں یا شیطانی۔ یا سائنسی اور ایٹمی غلبہ نہیں پا سکتیں۔ اگر یہ تمام طاقتیں قرآن کی کسی آیت کو بدلنا چاہیں یا اسکے مفہوم کو غلط کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتیں

نیز اسمیں قرآن کی تیسری خصوصیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ باطل کسی جانب سے بھی اس میں داخل نہیں ہو سکتا تنزیل من حکیم حمید کے الفاظ کے بعد لفظ باطل کا مفہوم متعین ہے کہ ہر وہ چیز جو خدا کا کلام نہ ہو اور اسکی وحی نہ کی گئی ہو وہ اس میں داخل نہیں ہو سکتی۔ خواہ وہ مضبوط یا سچی بات حقیقت افروز ضرب المثل یا کسی خدا رسیدہ بزرگ و نبی کے ارشادات ہی کیوں نہ ہوں۔

حفاظت قرآن کا وعدہ

ایک مقام پر اللہ تعالےٰ نے قرآن کے نزول اور اسکی حفاظت کو اس طرح بیان کیا ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر　　بیشک ہم نے اس نصیحت (قرآن)
وانا لہ لحافظون　　کو اُتارا ہے اور ہم ہی اسکے
(سورہ حجرات ۹)　　محافظ ہیں۔

حفاظت قرآن کا یہ خدائی وعدہ جس کے پورا ہونے میں کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں، تحفظ قرآن کی ایسی دستاویز ہے جو کسی عدالت سے بھی رد نہیں کیجا سکتی۔ بعض عیسائی مصنفین نے اس دستاویز کو مشکوک بنانے کے لئے چند ایسے نکتے اٹھائے

ہیں جو محض تعصب اور عناد پر مبنی ہیں۔ اور ان میں کوئی حقیقت
اور صداقت نہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ الذکر سے مراد
جملہ کتب سماویہ ہیں۔ جیسا کہ قرآن اور دوسری آیتوں میں ذکر
ہے، دوسری آسمانی کتابیں مراد لی گئی ہیں۔ مگر ان کے فریب میں
وہی شخص مبتلا ہوسکتا ہے جس کے سامنے قرآن کا سیاق و سباق
نہ ہو۔ جس نے اس آیت کا ماقبل اور مابعد ملاحظہ کیا ہوا ہو وہ جانتا
ہے کہ الذکر سے یہاں پر مراد خداوندی قرآن کریم ہی ہے۔

عیسائیوں کا دوسرا نکتہ یہ ہے کہ یہ تو خدا کا ایک وعدہ ہے
حفاظت قرآنی کے متعلق۔ لیکن اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوا کہ
اللہ نے اس وعدہ کو پورا بھی فرمادیا۔ میرے خیال میں جو لوگ خدا
کی صفات میں کذب، وعدہ خلافی، مکر و فریب جیسی ناشائستہ حرکات
وصفات کو جائز سمجھتے ہیں وہی یہ اعتراض کرنے کی جرأت اور
قرآن کی اس آیت پر حملہ کرکے اسکو مجروح کرنے کی ہمّت
کرسکتے ہیں۔

مسلمان کا تو یہ عقیدہ ہے بلکہ خدا کے بارے میں تمام مذاہب
کا متفقہ نظریہ بھی یہی ہے کہ:

ان اللہ لا یخلف المیعاد — اللہ تعالی وعدہ خلافی نہیں کرتا
ومن اصدق من اللہ قیلا — اور کون جو اللہ سے زیادہ سچی بات کہنے والا ہو۔

قرآن کی ان تصریحات کے بعد بھی یہ نکتہ ایجاد کرنا کہ قرآن
کے تحفظ کا یہ وعدہ محض وعدہ ہے، اس کے پورا ہونے کی کوئی
سند نہیں۔ کس قدر لغو اور لچر و پوچ ہے۔

پھر یہ بھی تو غور کرنا چاہیئے کہ اگر حفاظت قرآن کا یہ خدائی
وعدہ پورا نہ ہوا ہوتا اور اس میں ذرا بھی تحریف اور رد و بدل ہوا
ہوتا تو صحابہ کرامؓ ضرور اس کا اظہار کرتے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم
سے خدا کے اس وعدہ کے بارے میں سوال کرتے کہ اس وعدہ کو کیوں
پورا نہیں کیا۔ اگر تشفی بخش جواب نہ پاتے تو ان میں اتنی جرأت
حق شناسی حقیقت پسندی تھی کہ قرآن مبین سے کنارہ کش ہوجاتے
تو کوئی تعجب نہیں تھا۔ کم از کم اسے خدا کا کلام تو نہ سمجھتے۔

صحابہ کرامؓ کا قرآن کو ہمیشہ خدا کا کلام سمجھنا، اور اس پر
ایمان و یقین رکھنا اور اسکے ایک ایک حکم پر عمل کرنا اس دعوے
کا بین ثبوت ہے کہ قرآن میں کوئی تحریف نہیں ہوئی اور اللہ کا
وعدۂ حفاظت قرآن حرف بحرف پورا ہوا۔

صحابہ کرام کی حق شناسی اور جرأت کا ایک واقعہ مختصراً
ان سطور کی صداقت اور شہادت کے لئے کافی ہوگا۔ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ صحابہ کی جماعت کے ساتھ بیت اللہ
کا طواف فرمارہے ہیں۔ آپ اسے اشارۂ غیبی سمجھتے ہوئے چودہ سو
صحابہ کی جماعت کو لیکر بارادہ حج مکہ کی طرف روانہ ہوگئے لیکن
جب آپ حدیبیہ کے مقام پر پہونچے تو قریش مکہ مزاحم ہوئے۔ بالآخر
بہت قیل و قال کے بعد فریقین کے درمیان صلح ہوئی۔ جس کا نام
صلح حدیبیہ ہے۔ اس صلح میں سب سے بڑی بات یہ تھی کہ تمام مسلمانوں
کو اس سال بغیر حج کئے ہی مدینہ واپس آنا پڑا۔

صحابہ کرامؓ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے خواب کو سن کر یہ سمجھا
تھا کہ خدا کا وعدہ ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی
ہے کہ ہم اس سال بیت اللہ پہونچیں گے اور طواف زیارت کعبہ سے
مشرف ہوں گے۔ جب یہ صلح ہوئی، تو صحابہ میں کھلبلی مچ گئی۔ حضرت
عمرؓ جرأت مندانہ بڑھے اور حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے
سوال کیا کہ یارسول اللہ کیا آپ اللہ کے سچے رسول نہیں۔ آپ
نے فرمایا ہاں بیشک میں اللہ کا رسول ہوں۔ حضرت عمرؓ نے پھر سوال
کیا۔ کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن ناحق پر نہیں۔ آپ نے فرمایا
ہاں بیشک۔ حضرت عمرؓ نے سوال کیا تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم ایسی
مضر شرائط قبول کریں۔ جو ہمارے دین کو نقصان پہونچانے والی ہیں

حضور نے ارشاد فرمایا۔ میں خدا کا رسول ہوں، میں اسکے حکم کی نافرمانی نہیں کرتا۔ اور وہی میرا پروردگار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے یہ صلح خدا کے حکم سے کی ہے۔ دشمن کے خوف یا ڈر کی وجہ سے یہ صلح منعقد نہیں ہوئی۔ ڈر کا کیا سوال ہے جبکہ خدا میرا حامی اور مددگار ہے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ پیشین گوئی کے مسئلہ کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ آپ نے یہ پیشین گوئی نہیں فرمائی تھی کہ ہم بیت اللہ پہونچیں گے۔ اور طواف کریں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں! لیکن کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم اس سال وہاں پہونچیں گے اور طواف کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے تھوڑی دیر سوچا۔ اور حقیقت ان کی سمجھ میں آنے لگی۔ انہوں نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے پھر اپنی پیشگوئی کے الفاظ دوہرائے۔ بیشک تم بیت اللہ میں پہونچو گے اور طواف کروگے۔ (لیکن تمہارا یہ سمجھنا غلط تھا کہ اسی سال یہ شرف حاصل کروگے اور پیشین گوئی کا تعلق اسی سال سے ہے) حضرت عمرؓ کو اس گفتگو سے یقین اور اطمینان ہوگیا اخیر میں بات سمجھ میں آنے کے بعد اپنی اس جرأت پر شرمندہ بھی ہوئے اور کفارے بھی دیے۔ لیکن جو دل میں شبہہ پیدا ہوا تھا اُسے صفائی کے ساتھ عرض کردیا

اسی طرح اگر حفاظت قرآن کا یہ وعدہ پورا نہ ہوتا تو کیا وہ خاموشی سے اسکو برداشت کرلیتے۔ مزاج صحابہ کو دیکھتے ہوئے یہ سمجھنا کسی طرح بھی غلط نہیں کہ یہ چیز صحابہ کرام سے کسی طرح بھی ممکن نہ تھی۔

اسلئے وعدہ خداوندی پر صحابہ کا یقین کامل اور پوری اُمت کا اجماع ہونا اس امر کا کلی ثبوت ہے کہ قرآن میں ایک شوشہ اور ایک حرف کی کمی بیشی نہیں ہوئی۔ خدا کا وعدہ حفاظت قرآن پورا ہوا۔ اور عیسائی مصنفین کا مذکورہ اعتراض تاریخ، قرآن اور حدیث سے قطعاً ناواقفیت اور عناد پر مبنی ہے۔

فرشتہ کا انتخاب

اب آیئے! قرآن ہی سے اس سوال پر بھی غور کریں کہ اللہ کا یہ آخری پیغام کس کے ذریعہ سے پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم تک پھر اُن سے ساری دنیائے انسانیت تک پہونچا۔

جہاں تک عادۃ اللہ کا تعلق ہے وہ تو یہی ہے کہ اللہ نے انسان کی ہدایت وتعلیم کے لئے ہر زمانہ میں فرشتوں کو پہلا واسطہ بنایا ہے فرشتوں کو پہلا واسطہ بنانے کی بظاہر وجہ یہ ہے کہ وہ نورانی اور اللہ تعالےٰ کے مقرب اور عبادت گزار مخلوق ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ کے انوار وتجلیات اور اُس کے مقدس کلام کے تحمل کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہیں۔ ان کے سپرد اللہ کی جو امانت کی جاتی ہے وہ بےکم وکاست مرسل الیہ تک پہونچادیتے ہیں۔ گویا فرشتے "پوسٹ مین" کی حیثیت رکھتے ہیں، جو بڑی حفاظت سے خدائی ڈاک مکتوب الیہ تک پہونچاتے ہیں۔

ان فرشتوں میں سب سے افضل اور سب سے بزرگ اور مقرب بارگاہ الٰہی فرشتہ کا نام "جبرئیل" ہے۔ ہمیشہ ان کی ڈیوٹی یہی رہی کہ وہ اللہ کا پیغام اسکے رسول تک پہونچائیں چنانچہ قرآن کریم بھی آپ ہی کے واسطہ سے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

قرآن کہتا ہے۔

قل من کان عدوا لجبریل فانہ نزلہ علیٰ قلبک (بقرہ ۹۷)
کہو کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہے وہ جان لے کہ اسی نے اس کو (قرآن) کو تیرے دل میں اُتارا ہے

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے

وانہ لتنزیل رب العالمین نزل بہ الروح الامین علیٰ قلبک (الشعراء ۱۹۳)
اور قرآن پروردگار عالم کا اُتارا ہوا ہے اسکو امانتدار فرشتہ (جبریل) تیرے قلب پر لے اُترا ہے

اس فرشتے کے اوصاف اور خصوصیات کیا ہیں؟ اسکو قرآن مبین نے ان الفاظ میں واضح کیا ہے۔

انہ لقول رسول کریم	بیشک یہ فرشتہ عالی مقام کے
ذی قوۃ عند ذی العرش	زبان کا پیغام ہے۔ جو صاحب
مکین مطاع ثم امین	قوت، مالک عرش کے یہاں
(تکویر ۲)	اونچے درجے والا سردار اور
	امانت دار ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن جس طرح اپنے نازل کرنے والے کی نسبت سے اعلیٰ شان کا مالک ہے، اسی طرح جس واسطہ سے قرآن نازل ہوا، یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کا واسطہ تو اس اعتبار سے بھی بہت بلند مرتبہ اور معتبر ہے۔ جو فرشتہ صاحب قوت، مالک عرش، کے نزدیک اونچے درجہ والا سردار اور امین ہو اُس کے لائے ہوئے پیغام خداوندی اور وحی الٰہی میں تحریف و تصرف کی گنجائش ہی کیا ہے۔ جو شخص اس کے لائے ہوئے کلام میں تحریف یا کمی بیشی کا گمان کرے، خود اُس کے عقل و فہم میں فتور ہے۔

نبی کی صلاحیت منصب

دنیا جانتی ہے۔ عرب کا نبی اُمّی لقب جسکو مکہ والے نبوت سے پہلے ہی امین و صدوق کہہ کر پکارا کرتے تھے امیوں کے بیچ میں پیدا ہوا۔ اور عرب کی وحشیانہ تہذیب و تمدن کے سایہ میں پرورش پائی۔ اور عرب کے بدوؤں میں رہ کر پروان چڑھا۔ اس نے نہ تو کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور نہ قلم و کتاب کی آلودگیوں سے ملوث ہوا۔ مگر اس کے باوجود نہ تو اُن کی تہذیب سے وہ متاثر ہوا نہ اُن کے بنائے ہوئے غلط سانچوں میں اُس نے اپنی زندگی کے خمیر کو ڈھالا۔ برائیوں کے سمندر میں وہ اس طرح برائیوں سے الگ اور کنارہ کش رہا جیسے ایک بڑا سمندری جہاز سطح سمندر پر تیرے۔ اور چودھویں کا چاند ظلمتوں کے بیچ میں ضو افشانی کرے۔

اس دور کے عربوں کی گھٹی میں شراب پڑی ہوئی تھی۔ مگر وہ اس سے ایسا مجتنب رہے، جیسے وہ شراب اس کے لئے سم قاتل ہو۔ اخلاق اور تہذیب کی ہر گراوٹ عربوں کا طرۂ امتیاز تھی۔ لیکن نبی اُمّی اخلاقی اعتبار سے کوہ ہمالہ سے بھی زیادہ بلند و ارفع ثابت ہوئے۔ اسی لئے مکہ اور اطراف کے لوگ ان کو امین اور صدوق کہہ کر پکارتے تھے، اور اپنے تنازعات میں اُنہیں ثالث بناتے تھے۔

اور اسی لئے شروع ہی سے دیکھنے والے یہ اندازہ لگائے ہوئے تھے کہ یہ انسان مافوق الفطرت توانائی اور غیر اکتسابی کمالات کا مظہر ہے۔ چنانچہ جب آپ چالیس سال کے ہوئے تو غار حرا میں اللہ رب العزت کا وہ مقرب فرشتہ آیا اور خدا کی اس آخری امانت کا امین آپ کو بنایا گیا۔ جس کے لئے فطرتاً آپ کو تیار کیا گیا تھا اور جس کے لئے خلقتاً آپ کی ذات گرامی میں خدا نے اوصاف جمیلہ ودیعت فرمائے تھے۔ چنانچہ آپ نے وحی الٰہی کی اشاعت اور حفاظت میں ذرا بھی تغافل پسندی سے کام نہیں لیا۔ اور نہ اس سے کسی لمحہ بھی غفلت برتی۔ گالیاں سنیں۔ اپنوں سے دشمنی مول لی۔ پتھر کھائے۔ گھر بار چھوڑنا پڑا۔ مگر جو امانت سپرد کی گئی تھی اُسکی حفاظت اور اپنے فرض کی ادائیگی میں کبھی کسی رکاوٹ کو سدراہ نہ بننے دیا۔

بلکہ اسکے اوصاف و اخلاق۔ اسکی خدا ترسی۔ احساس ذمہ داری۔ توکل و اعتماد علی اللہ۔ امینیت و صدوقیت اور بڑھ گئی۔ وہ وحی الٰہی کا گرویدہ ہوگیا۔ خدا سے ہمکلامی کا رس اُس کے کانوں میں گھلا تو وہ ہر وقت اسکی لذت سے سرشار رہنے لگا۔

یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ وحی کی آمد کے مشتاق رہتے تھے اور اگر اسمیں دیر ہوتی تھی تو آپ کی نظریں بار بار آسمان کی طرف اُٹھنے لگتیں۔ وحی الٰہی سے آپ کے سینۂ اطہر کو اتنی مناسبت و یگانگت تھی کہ آپ جو مشاہدہ کرتے وہ حقیقت اور وحی کے مطابق ہوتا جو کچھ آپ کو سنایا جاتا وہ ٹھیک ٹھیک آپ کے گوش گزار ہوتا اور آپ کے قلب و دماغ میں محفوظ ہو جاتا۔ اور پہلے ہی مرحلہ میں اسکے معانی و اسرار و معارف بخوبی سمجھ لیتے۔ اسمیں ذرا بھی اشتباہ یا ابہام باقی نہ رہ جاتا۔

آپ کی یہ حالت سورۂ والنجم میں یوں بیان کی گئی ہے

والنجم اذا ھویٰ ماضل صاحبکم وما غویٰ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ علمہ شدید القویٰ ط

قسم ہے (مطلق) ستارہ کی جب وہ غروب ہونے لگے یہ تمہارے (ہمہ وقت) ساتھ کے رہنے والے نہ راہ (حق) سے بھٹکے اور نہ غلط رستہ ہوئے اور نہ آپ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتے ہیں ان کا ارشاد نری وحی ہے ...

یعنی آپ کا علم آپ کی بصیرت آپ کے اخلاق اور آپ کی فراست اور آپ کے ظاہری و باطنی اوصاف و کمالات سب اس امر کے شاہد عادل ہیں کہ ختم نبوت کے اس منصب جلیل اور قرآن عظیم کے بار امانت کو اٹھانے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے۔ اور خدائے قدوس نے اسی منصب عظمیٰ ہی کے لئے آپ کی تخلیق فرمائی تھی۔

حفاظت قرآن عہد رسالت میں

انہیں واقعات وحقائق کی روشنی میں کہا سکتا ہے کہ قرآن کریم کی باطل میں آمیزش کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ جب کتاب مبین اور دستور الٰہی کی حفاظت کے لئے خداوند قدوس نے اتنے مافوق البشری عوامل مہیا کر دیے ہوں کہ نہ تو فرشتہ وحی اسمیں ترمیم و تحریف کا روادار ہو اور نہ نبی اُمی اپنے فرض منصبی سے پہلو تہی اور غفلت برتنے والے ہوں اس کتاب کے بارہ آنکھ بند کر کے بھی یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یہ کتاب باطل کی آمیزش اور کمی بیشی سے بالکل پاک ہے۔

پھر رسول اُمی فداہ امی و ابی صلے اللہ علیہ وسلم پر نزول قرآن کی ابتدا جس انداز اور جن الفاظ میں ہوئی انہیں سے آپ نے سمجھ لیا تھا کہ قرآن قیامت تک کے لئے صحیفۂ ہدایت ہے۔ اور مجھے ساری انسانیت تک اسے پہونچانا ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین ط

چنانچہ آپ اسے یاد کرنے اور اپنی قوت حافظہ میں اسے محفوظ کرنے کے لئے نزول قرآن کے وقت ہی جلدی فرماتے تھے جس پر آپ کو اللہ نے ایسا کرنے سے روکا۔ اور فرمادیا کہ جس وقت آپ پر وحی الٰہی کا نزول ہوتا رہے خاموشی سے گوش بر آواز رہئے رہ گیا اس کو قلب پر جمانے اور یاد کرانے کا کام تو وہ تو ہم یاد کرادیں گے

چنانچہ آپ کا یہی معمول تھا جب تک آپ پر نزول وحی ہوتا رہتا، ہمہ تن گوش رہتے۔ مگر اسکے فوراً بعد ہی اپنے منصب جلیل کی عظمت اور اُس کے تقاضے، تحفظ قرآن کے لئے فطرتاً مجبور کر دیتے۔ اور آپ فوراً اسکی حفاظت کے انتظامات شروع فرمادیتے۔ چنانچہ فوراً کاتبان وحی میں سے کسی کو بلوا کر آیات قرآنیہ کو لکھوا دیا کرتے تھے۔

کتابت

اس امر کی وضاحت سے قبل کہ عہد رسالت میں قرآن کی کتابت اور اُسکی جمع و تدوین کی کیا صورت تھی۔ اس کا کتنا اہتمام رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کیا جاتا تھا۔ اور اس کام کے لئے کتنے صحابہ متعین تھے۔ اور ان کا طریقۂ کار کیا تھا؟ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتابت قرآن کی ان اندرونی شہادتوں کا بھی اجمالاً ذکر کر دیا جائے جو قرآن میں موجود ہیں اور جن سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے

کہ قرآن کے ضبط تحریر میں لانے کا اہتمام شروع ہی سے کیا جاتا تھا اور منشاء خداوندی بھی یہی تھا کہ اُسے لکھا جائے اور لکھ کر محفوظ کر دیا جائے۔

قرآن سے کتابت قرآن پر استدلال

اس سلسلہ میں سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن کی سب سے پہلی ہی سورہ ہی (بقرہ کی) پہلی آیت ہی ثبوت مدعیٰ کے لئے کافی ہے۔ قرآن کہتا ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ — یہ ایک کتاب (لکھی ہوئی) ہے جسمیں کوئی شک نہیں۔

قرآن پر لفظ کتاب کا اطلاق صرف اسی مقام پر نہیں کیا گیا، بلکہ قرآن کی تقریباً ہر بڑی سورہ میں یہ تعبیر پائی جاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کا نازل کرنے والا اسے مکتوبہ شکل ہی میں پیش کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ کتاب کے معنی لکھی ہوئی چیز کے ہیں۔ اگر قرآن کو ضبط تحریر میں نہ لایا جاتا تو اسپر لفظ کتاب کا اطلاق کیسے صحیح ہوتا؟

سورۂ فرقان کی حسب ذیل آیت میں کفار عرب کا مقولہ قرآن کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے۔

اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا — لکھ لیا اس شخص نے یعنی پیغمبر نے اس (قرآن) کو پس وہی پڑھا جاتا ہے اسپر صبح و شام

اس سے بھی قرآن کی کتابت کا ثبوت ملتا ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کی کتابت ایسی عام اور کھلی ہوئی بات تھی کہ کفار عرب بھی اسے جانتے تھے۔

اسی طرح یہ آیت بھی کتابت قرآن پر ایک واضح دلیل ہے۔

لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ — نہیں چھوئیں اسکو (قرآن کریم) مگر وہی جو لوگ پاک ہوں۔

ظاہر ہے کہ اگر قرآن شریف صرف یادداشت اور زبانی پڑھنے پڑھانے تک محدود رہا ہوتا تو اسکے لئے مس (چھونا) کا اطلاق نہ کیا جاتا۔ کیونکہ اسی چیز کو چھونا ممکن ہے، جو جسم والی ہو۔ اور جسکا ظاہری وجود ہو۔ چنانچہ یہ امر ثابت ہے کہ قرآن کو نزول قرآن ہی کے وقت سے لکھا جا رہا تھا۔ اسی لئے تو اس لکھے ہوئے قرآن کے حصوں کو بلا وضو چھونے سے اس آیت میں منع کیا گیا ہے

چنانچہ راڈویل بھی جو ایک یوروپین مصنف ہے اور اُسنے انگریزی میں قرآن کا ترجمہ کیا ہے۔ اسکا معترف ہے اور اسی آیت پر مندرجہ ذیل حاشیہ لکھتا ہے۔

"اس جملہ سے کم از کم اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ قرآن شریف کی سورتوں کے لکھے ہوئے نسخے اسوقت عام طور پر زیر استعمال تھے۔ حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ فرماتی ہیں کہ جب وہ مسلمان ہونے لگے تو انہوں نے کہا کہ سورۂ طٰہٰ کا نسخہ میرے ہاتھ میں دیدو۔ آیات ۷۷-۸۰ جن کا ذکر اوپر ہوا ہے وہ بحکم خلیفہ محمد ابوالقاسم بن عبداللہ قرآن کریم کی تمام جلدوں پر لکھی جانی شروع ہوئیں"۔

کتابت قرآن کی ان قرآنی شہادتوں کے علاوہ خود قرآن ہی سے ان سوالات کا جواب بھی ملتا ہے کہ قرآن کس چیز پر لکھا جاتا تھا؟ اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم تو خود اُمّی تھے۔ لکھنے پڑھنے سے ناواقف تھے۔ پھر کن لوگوں سے اسکو لکھواتے تھے؟

قرآن کس چیز پر لکھا جاتا تھا

قرآن کہتا ہے۔

وَالطُّوْرِ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ (الطور) — قسم ہے کوہ طور کی۔ اور لکھی ہوئی کتاب کی جو باریک جھلی پر لکھی ہوئی ہے۔

تفسیر فتح البیان میں صراحت ہے کہ کتاب مسطور سے مراد قرآن مبین ہے۔ رق ایک خاص قسم کی باریک جھلی کو کہتے ہیں جو لکھنے کے لئے تیار کی جاتی تھی۔ انگریزی میں جسے (Rachment) کہتے ہیں۔ اور قدیم زمانہ کی توراۃ، انجیل وغیرہ جیسی کتابیں اس پر لکھی ہوئی اب بھی ملتی ہیں۔ مدینہ طیبہ کے کتبخانہ میں قرآن مجید کا ایک قدیم نسخہ میری نظر سے بھی گزرا ہے جو رق یعنی باریک جھلی (Archment) پر لکھا ہوا تھا اور مجلد تھا۔

اسی کی اطلاع دیتے ہوئے قرآن نے کہا ہے کہ اسکی کتابت رق پر ہوئی ہے۔

چنانچہ مستدرک حاکم کی روایت ہے۔ بعض صحابہ فرماتے ہیں

كنا عند النبي صلے الله عليه وسلم نولف القرآن في الرقاع ط	ہم لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر رقاع (جرمی قطعات) میں قرآن کی تالیف کیا کرتے تھے۔

ظاہر ہے رقاع اور رق میں حقیقتاً کوئی فرق نہیں ہے۔ ہو سکتا ادنیٰ داعلیٰ قسم (Quality) کا فرق ہو۔ +

قرآن کن لوگوں سے لکھوایا جاتا تھا

اس سوال کا جواب بھی قرآن ہی میں موجود ہے۔

في صحف مكرمة مرفوعة مطهرة بايدي سفرة كرام بررة (عبس)	صحیفوں میں لکھا ہوا ہے ایسے صحیفے جو مکرم و محترم ہیں پاک ہیں۔ لکھے ہوئے ہیں ان لکھنے والوں کے ہاتھوں سے جو بڑے بزرگ اور پاکباز ہیں۔

ان آیات سے صرف یہی نہیں معلوم ہوا کہ قرآن صحیفوں میں لکھا جارہا تھا بلکہ قرآن کے کاتبوں کے اعلیٰ صفات ان کی پاکبازی ان کی نیکی و بزرگی کو بھی ظاہر کیا گیا ہے اور بظاہر اسکی وجہ یہ ہے تاکہ کوئی شخص بھی کاتبین وحی پر یہ الزام عائد نہ کر سکے کہ انہوں نے قرآن میں کمی بیشی کردی ہوگی۔

چنانچہ ان آیات سے ثابت ہے کہ قرآن اپنے کاتبین اور لکھنے والوں کی نسبت سے بھی تحریف اور ترمیم سے پاک ہے اس سے زیادہ کسی کتاب کی صحت نویسی کی ضمانت اور کیا ہو سکتی ہے۔

رسول اکرم کا اہتمام کتابت

مذکورہ معروضات سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ تو یہی ہے کہ قرآن کو خود نازل کرنے والا مکتوبہ شکل میں پیش کرنا چاہتا ہے۔ اسی لئے روز اول ہی سے منشاء خداوندی پورا ہوتا رہا۔ اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اس منشاء خداوندی کی تکمیل کرتے رہے۔

لیکن اس امر کی تفصیل ابھی باقی ہے کہ حامل قرآن صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں کتابت کا کتنا اہتمام فرمایا تھا؟ اور اس کے لئے کیا کیا انتظامات کئے تھے؟ اور ان پر عمل درآمد ہونے کی کیا صورت و نوعیت تھی؟

یہ تمام سوالات ابھی حل طلب ہیں اور ان کا حل کرنا بھی نہایت ضروری ہے۔ اس لئے کہ سلسلہ کلام کی انہیں کڑیوں پر تحفظ قرآن کے ثبوت کا ایک حد تک مدار ہے۔

آپ اہل عرب کے تہذیب و تمدن اور ان کے طرز بود و باش کو دیکھئے تو اندازہ ہوگا کہ وہ ذہنی قوت حافظہ پر کتنا ناز کرتے تھے ہزاروں اشعار ان کے بچوں کو زبانی یاد ہونا معمولی چیز تھی صحابہ کرام کی قوت حافظہ بھی ضرب المثل تھی

مروان بن الحکم جو دمشق کی مروانی حکومت کا سب سے پہلا حکمران ہے۔ اس کے سکریٹری کا بیان ہے کہ ایک دن مروان

ابوہریرہ کو طلب کیا اور ابوالزعزہ کو پردہ کے پیچھے قلم دوات دیکر بٹھا دیا تاکہ وہ ابوہریرہ کی بیان کردہ حدیثوں کو لکھتا رہے اور ابوہریرہ کو اسکی خبر نہ ہو۔ تاکہ اُن کی قوت حافظہ، اور روایت حدیث کا امتحان لیا جاسکے۔ چنانچہ مروان کے سوال پر حضرت ابوہریرہ رض حدیثیں بیان کرتے رہے اور ابوالزعزہ اُنہیں لکھتا رہا۔ سال بھر کے بعد مروان نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو دوبارہ طلب کیا اور ابوزعزہ کو حکم دیا کہ مکتوبہ حدیثوں کو لے کر پردہ کے پیچھے بیٹھ جاؤ میں ان سے اُن ہی حدیثوں کو پوچھونگا دیکھوں اب کی دفعہ وہ کیا بیان کرتے ہیں۔ تم ان مکتوبہ حدیثوں کو ان سے ملاتے رہنا۔ چنانچہ مروان نے یکے بعد دیگرے سب حدیثیں پوچھ ڈالیں لیکن آپ نے ایک سال قبل جو روایت جس طرح بیان کی تھی۔ بعینہٖ اُسی طرح بیان کی۔ نہ اس میں کمی کی نہ زیادتی۔

ظاہر ہے جبکہ صحابہ کرام کا حفظ حدیث میں یہ عالم تھا تو وہ قرآن مجید کے کتنے بڑے حافظ نہ ہوئے ہونگے جبکہ اسکی شیرینی جاذبیت۔ ادبیت اور کلام الٰہی ہونے کی بنا پر صحابہ اسکے ایسے فدائی اور شیدائی تھے کہ رات رات بھر تلاوت میں گزر جاتی تب بھی کسلمند نہ ہوتے تھے۔

اگر قرآن کی کتابت نہ بھی ہوتی تو حفظ قرآن کا یہ ذوق و شوق اور صحابہ کرام کا قوت حافظہ اسکی پوری ضمانت دیتا اور اسمیں ذرا بھی تحریف و ترمیم نہ کی جاسکتی۔ مگر اسکے باوجود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے شروع ہی سے کتابت کا اہتمام کرایا۔ یہ اہتمام کتابت یقیناً حکم خداوندی کی بنا پر تھا۔ اسلئے کہ نہ تو عرب میں کتابت کا رواج تھا اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی فن کتابت سے واقف تھے۔ اپنے اُمّی ہونے پر بھی قرآن کی کتابت کا ایسا معیاری (up to date) انتظام اور اہتمام فرمانا کیا اس امر کا بیّن ثبوت نہیں کہ قرآن کی کتابت حکم خداوندی سے ہوئی۔ اور قرآن کا ایک ایک شوشہ اور حرف محفوظ رہا۔ اب اسمیں باطل کی آمیزش کا شبہہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔

شعبۂ کتابت قرآن

اب آئیے! رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ان تحریری انتظامات پر غور کریں اور دیکھیں کہ اس نبی اُمّی لقب نے اس دور جاہلیت میں کیا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا تھا کہ آج بڑے سے بڑا معاند بھی تحفظ قرآن کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے جیسا کہ سر ولیم میور نے لائف آف محمد میں لکھا ہے۔

"جہاں تک ہمارے معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو اس (قرآن کریم) کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو۔"

حدیث کے معتبر ذخیروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے قرآن کی کتابت کیلئے ایک مستقل شعبہ قائم فرما دیا تھا اور اس شعبے میں بہت سے جلیل القدر صحابہ کا تقرر کیا گیا تھا۔ جنہیں تاریخ کے صفحات میں کاتبان وحی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان میں سے حسب ذیل ناموں کا ذکر علامہ ابن القیم نے زاد المعاد میں کیا ہے

۱۔ ابوبکر الصدیق رض (۲) عمر فاروق رض (۳) عثمان غنی رض (۴) علی مرتضیٰ رض (۵) زبیر رض (۶) عامر بن فہیرہ رض (۷) عمرو بن العاص رض (۸) ابی کعب (۹) عبداللہ ابن الارقم (۱۰) ثابت بن قیس بن شماس (۱۱) حنظلہ بن ربیع (۱۲) مغیرہ بن شعبہ رض (۱۳) عبداللہ بن رواحہ رض (۱۴) خالد بن ولید رض (۱۵) خالد بن سعید بن العاص (۱۶) معاویہ بن ابی سفیان رض (۱۷) زید بن ثابت رض۔

فقہ اسلامی میں ان کے علاوہ یہ نام بھی ملتے ہیں۔

(۱۸) یزید بن ابی سفیان رض (۱۹) علاء حضرمی رض (۲۰) عبداللہ ابن الحضرمی رض (۲۱) محمد بن مسلمہ رض (۲۲) عبداللہ ابن عبداللہ ابن ابی

سیرت العراقی میں ان کی تعداد بیالیس لکھی ہے۔ اور الکتانی کی کتاب الاداریہ میں ان کے اسماء بھی لکھے ہیں۔

کاتبوں کی اتنی بڑی تعداد مقرر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وقت پر ایک نہ ملے تو دوسرا اس کام کو انجام دیدے۔ عقد الفرید میں ابن عبد ربہ نے حضرت حنظلہؓ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

ان حنظلۃ بن ربیع کان	حنظلہ بن ربیع رسول اللہ
خلیفۃ کل کاتب من کتابہ	صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام کاتبوں
علیہ اذا غاب	کے نائب اور خلیفہ تھے۔

اس سلسلہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اہتمام اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ آپ سفر میں ہوں یا حضر میں، کاتبین وحی کو اور سامان کتابت کو اپنے سے قریب ترہی رکھتے تھے۔ تاکہ جیسے ہی نزول وحی ہو فوراً اسکو قلم بند کرا دیا جائے۔ چنانچہ سفر ہجرت میں بھی قلم دوات اور بہترین چرمی ٹکڑے ساتھ تھے۔ اس کا ثبوت بخاری کی اس روایت سے ملتا ہے جسمیں آپ کا سفر ہجرت کرنا اور سراقہ ابن جعشم کا تعاقب، پھر اسکا دھنسنا اور امان طلب کرنا وغیرہ درج ہے اسمیں یہ بھی ہے کہ اسکو امان لکھ کر دی۔

کام کی نوعیت

ان مقرر کردہ اصحاب سے کام لینے کی نوعیت کیا تھی؛ حضرت عثمان رضؓ جو خود بھی اس شعبہ کتابت قرآن کے ایک رکن رکین تھے۔ فرماتے ہیں:

کان رسول اللہ صلے اللہ	پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا دستور
علیہ وسلم مما یاتی علیہ	تھا کہ ایسے وقت میں جب
الزمان ینزل علیہ السور	آپ پر چند سورتیں ایک ہی وقت
ذوات العدد فکان اذا	میں نازل ہوتی رہتی تھیں۔
نزل علیہ الشیئ یدعوا	آپ پر کوئی آیت نازل ہوتی
بعض من یکتب عندہ فیقول	تو آپ ان شخصوں میں سے جو
ضعوا ھذا فی السورۃ	قرآن لکھا کرتے تھے کسی کو بلا
التی یذکر فیہا ط	بھیجتے اور اسکو فرما دیتے کہ یہ آیت
	فلاں سورہ میں جہاں ایسا ایسا
	ذکر آیا ہے۔ لکھو،

اس روایت سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ قرآن کی کسی آیت کے نازل ہوتے ہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کاتبین وحی میں سے کسی کو بلوا کر لکھوا دیتے تھے۔

دوسرے اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کا نزول ترتیب وار نہیں تھا بلکہ ایک وقت میں کئی کئی سورتیں نازل ہوتی تھیں۔ کبھی ایک سورۃ کا کچھ ٹکڑا نازل ہوگیا۔ کبھی دوسری سورۃ کا کچھ حصّہ۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم لکھنے والے کو ہدایت کر دیتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورہ کی فلاں آیت کے بعد لکھو جسکا حاصل یہ ہے کہ آیات کی ترتیب میں اجتہاد صحابہ کو دخل نہیں تھا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے بموجب آیات کی ترتیب تھی اور توقیفی تھی۔

اسی طرح بخاری شریف باب کاتب النبی میں ہے کہ جب آیہ کریمہ لا یستوی القاعدون من المومنین والمجاھدون فی سبیل اللہ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ادع لی زیدًا ولیجیٔی	زید کو میرے پاس بلاؤ اور کہو
باللوح والدوات والکتف	دوات اور لوح یا اونٹ کی
او الکتف والدواۃ ثم	ہڈیاں یا دوات لے کر آوے
قال اکتب لا یستوی	(پھر جب وہ پہونچے) تو آپ نے
القاعدون	فرمایا لکھو "لا یستوی القاعدون"

اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ قرآن کی ایک چھوٹی سی بھی آیت اگر کبھی نازل ہوتی تو فوراً لکھوا دیتے تھے۔ بلکہ مجمع الزوائد کی ایک روایت سے جو بہ روایت ہیثمی ام المومنین اُم سلمہؓ سے منقول ہے کہ:

کان جبریل علیہ السلام یملی علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم — جبریل علیہ السلام قرآن مجید رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو لکھواتے تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی موجودگی میں نازل شدہ آیتوں کو لکھوادیا کرتے تھے۔

اس سلسلہ میں احتیاط کا یہ پہلو بھی قابل ذکر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم صرف آیتوں کو لکھوانے پر ہی اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ کاتب جب لکھ لیتے تو آپ پڑھوا کر سنتے۔ اگر کوئی حرف وغیرہ چھوٹ جاتا تو اُسے درست کراتے اسکے بعد اسکی عام اشاعت کا حکم دیتے تھے چنانچہ کاتب وحی حضرت زید بن ثابت کا بیان ہے۔

فان کان فیہ سقط اقامہ ثم اخرج بہ الی الناس — اگر کوئی حرف لکھنے سے رہ جاتا تو اسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درست کرادیتے جب یہ سب کام پورا ہوجاتا تب اشاعت عام کا حکم دیا جاتا۔

کتابت قرآن کے سلسلہ میں تمام روایات کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابت کا کام مرحلہ وار تھا یعنی یہ جو کچھ اوپر بیان ہوا، کتابت قرآن کا پہلا مرحلہ تھا۔ کہ جب نزول قرآن ہوتا فوراً اُسے بطور یادداشت ایک علیحدہ ٹکڑے پر لکھوا دیا جاتا۔ اسکے بعد کتابت کا دوسرا مرحلہ شروع ہوتا تھا۔ جس میں ان متفرق آیتوں کو ترتیب سے لکھنے کا کام انجام دیا جاتا تھا

اسکی ضرورت اسلئے تھی کہ قرآن کا نزول جیسا کہ بیان کیا گیا، مرتب شکل میں نہیں ہوتا تھا۔ اور نہ یہ تھا کہ جب ایک سورہ مکمل طور پر نازل ہوجائے تب دوسری نازل ہو۔ بلکہ ایک وقت میں کئی کئی سورتیں نازل ہوتی رہتی تھیں۔ چنانچہ آپ ابتدائی یادداشت لکھوانے کے بعد جمع و ترتیب کا کام بھی اپنی ہی نگرانی میں کرتے تھے۔

مستدرک میں کاتب وحی زید بن ثابتؓ کا بیان ہے۔

کنا عند النبی صلے اللہ علیہ وسلم نؤلف القرآن فی الرقاع — ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر قرآن کو ترتیب کے ساتھ لکھا کرتے تھے۔

ذہبی نے تلخیص مستدرک میں اس روایت کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔

کنا حول رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نؤلف القرآن — ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد بیٹھ کر تالیف قرآن کیا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تالیف قرآن کا کام مستقل طور پر اہتمام کے ساتھ ہوتا تھا۔ متعدد صحابہ کرام جو اس کام کے لئے متعین تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد بیٹھ کر قرآن کی ابتدائی یادداشتوں کو سامنے رکھ لیتے تھے۔ جو نزول وحی کے وقت ہی لکھ لیجاتی تھیں۔ اور اُن کو دیکھ دیکھ کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے بموجب متعلقہ سورتوں کے ساتھ ملا کر لکھنے کا فرض انجام دیتے تھے۔ اور اس کام کے لئے نفیس چرمی ٹکڑے جو لکھنے ہی کے لئے بنائے جاتے ہیں استعمال کئے جاتے تھے۔ تاکہ ضائع ہونے سے محفوظ رہیں۔

بیہقی نے نؤلف القرآن کا مفہوم بھی یہی بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

المراد تالیف ما نزل من الآیات المفردۃ فی سورۃ وجمعھا — تالیف سے مراد یہ ہے کہ آیات مفردہ جو متفرق طور پر نازل ہوئی تھیں۔ ان کو ان کی سورتوں میں جمع کرکے لکھنا۔

بعض روایات میں اس امر کی بھی تصریح پائی جاتی ہے کہ زید بن ثابتؓ جب اس تالیف سے فارغ ہوجاتے اور حضورؐ کی موجودگی میں ان کی ہدایت کے بموجب قرآنی آیتوں کو مرتب شکل میں لکھ لیتے تو اسے اوروں کے پاس بھی لیجاتے اور وہ لوگ ان کو ان سے لکھ لیتے۔ (مجمع الزوائد جلد ۱ صفہ)

اس طرح قرآن بتدریج جتنا نازل ہوتا جاتا، صحابہ کے پاس مرتب شکل میں محفوظ و مکتوب ہوتا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور نزول وحی کا سلسلہ بند ہوگیا تو سارا قرآن مرتب شکل میں صحابہ کے پاس موجود تھا۔ البتہ اسکی وہ شکل وصورت نہ تھی جو ایک کتاب کی ہوتی ہے کہ ایک ہی جلد میں ایک ہی سائز کے سب اوراق سلے ہوئے ہوں۔

علامہ قسطلانی نے شارح بخاری کے حوالہ سے الکتانی میں نقل کیا ہے

وقد کان القرآن کلہ مکتوبا فی عہدہ صلی اللہ علیہ وسلم لکن غیر مجموع فی موضوع واحد

قرآن کل کا کل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں لکھا جاچکا تھا۔ البتہ ایک جگہ ساری سورتوں کو جمع کرکے جلد سازی اور شیرازہ بندی نہیں کی گئی تھی

اور یہ کام عہد رسالت میں ممکن بھی نہیں تھا اسلئے کہ نزول قرآن کا سلسلہ جاری تھا اور متفرق سورتوں کی متفرق آیتیں نازل ہوتی تھیں۔ ان کو الگ الگ ورقوں پر تو لکھا اور مرتب کیا جاسکتا تھا۔ اگر مجلد کتاب ہوتی اور اُس پر تالیف قرآن کی جاتی تو دشواری ہوتی۔ چنانچہ وفات کے بعد (چھ مہینے کے بعد) جب کہ نزول قرآن کا سلسلہ مسدود ہوچکا تھا۔ سرکاری طور پر حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے قرآن کی تجلید کی گئی۔ اور اسے کتابی شکل دی گئی۔ جیسا کہ آیندہ مفصل بیان کیا جائے گا۔

بہرحال ان تفصیلات کے بعد بھی قرآن کے تحفظ پر اگر کسی کو اعتراض ہو تو اُسے مبنی بر عناد و تعصب ہی قرار دیا جاسکتا ہے، کیونکہ قرآن کا تحفظ اپنی اندرونی اور تاریخی شہادتوں کے اعتبار سے اتنے ٹھوس اور ناقابل تردید دلائل پر مبنی ہے کہ انہیں کوئی رد نہیں کرسکتا۔

حفظ قرآن

کسی کتاب کی حفاظت دو ہی طریقے ممکن ہے ایک یہ کہ اُسے لکھ کر مکتوبہ شکل دیدی جائے کہ اسمیں کوئی ردو بدل نہ کیا جاسکے۔ دوسرے یہ کہ اسے انسانی حافظہ میں محفوظ کردیا جائے اسطرح جبتک اسکا ایک بھی یاد رکھنے والا موجود رہے گا وہ کتاب بھی محفوظ رہے گی چنانچہ قرآن کریم کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ ان دونوں طریقوں سے قرآن کا تحفظ کیا۔ کتابت کے ذریعہ قرآن کے تحفظ کی تفصیل بیان کی جاچکی ہے۔

حفظ و زبانی یادداشت کے ذریعہ قرآن کی حفاظت پر بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پوری توجہ فرمائی تھی۔ اور صحابہ کو حفظ قرآن کی بکثرت تلقین فرمایا کرتے تھے صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس شخص کو کچھ بھی قرآن یاد نہیں وہ ایک اُجاڑ گھر کی مانند ہے صحابہ کرام جن کے قلوب میں عشق نبی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ بھلا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تعمیل نہ کرتے؟ چنانچہ ان کا معمول تھا کہ مسجد نبوی میں حلقے بنا بنا کر قرآن یاد کیا کرتے تھے اور یاد کرنے کے بعد قرآن کی تلاوت سے کبھی غافل نہ ہوتے تھے۔ ایک صحابی کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ وہ ہر رات قرآن شریف ختم کرتے ہیں اس پر آپ نے بلا کر ہدایت کی قرآن پڑھنے میں اتنی جلدی نہیں کرنی چاہیئے، ایک رات میں نہیں بلکہ سات دنوں یا

یا پانچ یا کم از کم تین دنوں میں ختم کرنا چاہیئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ صحابہ میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جن کو قرآن پر اتنا عبور حاصل تھا کہ ایک شب میں پورا قرآن پڑھ لیتے تھے۔

عیسائی مورخ ولیم میور لائف آف محمد کے دیباچہ میں صحابہ کے اس قرآنی ذوق و شوق کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"عرب کے لوگ نظم کے بہت سرگرم اور جاندادہ مشتاق تھے۔ لیکن اُن کے پاس ایسے اسباب موجود نہ تھے کہ جن سے وہ اپنے شاعروں کے کلام کو ضبط تحریر میں لاسکتے اسلئے بہت مدت تک ان میں یہی رواج رہا کہ اپنے شعراء کے کلام اور اپنی قوم اور آباواجداد کے تاریخی واقعات کو الواح ظب پر بہی بہت عمدگی، اور صحت کیساتھ طبع کر لیتے۔ اس طرح اُن کی قوت حافظہ کمال کے اعلیٰ مدارج تک پہونچی ہوئی تھی اور یہی قوت حافظہ اس نئی پیدا شدہ روح کے ساتھ پورے اخلاص اور شوق سے قرآن کریم کے حفظ کرنے میں کام آئی"۔

اس ذوق و شوق اور فطری قوت حافظہ کی تیزی کے علاوہ حفظ قرآن کے بارہ میں صحابہ کے لئے یہ چیز بھی مددگار ثابت ہوئی کہ قرآن تیئیس سال کے عرصہ میں مکمل طور پر نازل ہوا۔ اتنے طویل عرصہ میں قرآن کا یاد کرلینا ان کے لئے ظاہر ہے کوئی مشکل امر نہ تھا جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی دو چار سال کے عرصہ میں حفظ قرآن کی تکمیل کر لیتے ہیں۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سارے صحابہ ہی حافظ قرآن ہوں تو یہ کوئی امر محال یا باعث تعجب نہیں۔ صحابہ کی کثیر تعداد کے حافظ قرآن ہونے کا ثبوت تو کتب حدیث و تاریخ میں ملتا ہی ہے بئر معونہ کے واقعہ میں جو عہد رسالت میں ہوا کفار نے ستر حفاظ کو شہید کیا۔ اس کے بعد عہد صدیقی میں جنگ یمامہ ہوئی۔ اسمیں بھی تقریباً اتنے ہی حفاظ شہید ہوئے۔ اندازہ کیجئے جس کتاب کے اتنے کثیر تعداد میں حفاظ و قراء موجود ہوں اور ہر زمانہ اور ہر دور میں موجود رہے ہوں کیا اس میں کسی تحریف کا شبہہ تو درکنار اسکا وہم بھی کیا جاسکتا ہے؟

عہد صدیقی میں حفاظت قرآن

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حفاظت قرآن کے اتنے وسیع انتظامات اور ہمہ گیر اقدامات کر دیئے تھے کہ قرآن کے تحفظ کے لئے اب مزید کسی اہتمام اور انتظام کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ وحی الٰہی کا ایک ایک لفظ آپنے لکھوا دیا تھا۔ اور صحابہ کو اپنے سامنے بٹھا کر اس کو مرتب کرا دیا تھا نیز صحابہ میں قرآن کے حفظ و تلاوت کی ایسی اسپرٹ پیدا کر دی تھی کہ وہ شب و روز اسکی تلاوت کرتے پھر بھی ان کے جذبہ تلاوت کی تشنگی دور نہ ہوتی تھی۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے حضرت عمر رضؓ کے توجہ مبذول کرانے پر اس کا مزید بندوبست کیا جس نے قرآن کی محفوظیت پر آخری مہر ثبت کر دی۔ اور دنیا کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ قرآن ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے۔

عہد صدیقی میں قرآنی خدمت کی نوعیت کیا تھی

یہ سوال اسلئے اہمیت رکھتا ہے کہ ہماری گزشتہ معروضات واضح کرتی ہیں کہ قرآن کی کتابت کا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً مکمل کر لیا تھا۔ اور صحابہ میں قرآن کو دیکھ کر پڑھنے کا سلسلہ بھی رائج تھا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جمع و تدوین قرآن کی ضرورت کیا پیش آئی تھی؟

اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ عہد رسالت میں قرآن سب کا سب لکھ لیا گیا تھا۔ لیکن قرآن کو ایک ہی تقطیع اور سائز کے

اوراق پر لکھوا کر ایک ہی جلد میں مجلد کرانے کا طریقہ مروج نہیں ہوا تھا۔ بعض صحابہ نے اپنے طور پر مکمل نسخے تیار بھی کرالئے تھے اور ان کی جلدسازی بھی ہو چکی تھی تو وہ سرٹیفائڈ یعنی تصدیق شدہ نہ تھے۔ ضرورت تھی کہ قرآن کا ایک نسخہ مجلد کرا کے شائع کر دیا جاتا جس پر تمام صحابہ کا اجماع ہوتا۔ اور وہ امیر المومنین کی طرف سے سرٹیفائڈ بھی ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو قرآن کا سرٹیفائڈ نسخہ تیار نہ کرا سکتے تھے اسلئے کہ عمر کے آخری لمحہ تک قرآن کا نزول ہوتا رہا۔ البتہ آپ کے اسوۂ حسنہ اور سنت مبین کا تقاضا تھا کہ ایسا کیا جاتا کیونکہ آپ اسکا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

غور فرمائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا نہ جانتے تھے، جتنے دعوت نامے آپ نے بھیجے تھے وہ دوسرے لوگ لکھتے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن پر مہر لگا دیتے تھے۔ چنانچہ صلحنامہ حدیبیہ لکھا دوسرے نے اسکی توثیق و تصدیق کی آپ نے۔ یمن کے حاکم کو ہدایت نامہ بھیجا گیا تو سرٹیفائڈ۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ہدایت ٹھیک ہے

قرآن مبین کی اہمیت کے پیش نظر ظاہر ہے کہ اسکو مجلد کرتے وقت اس قسم کا اہتمام ملحوظ رکھا جاتا۔ چنانچہ جب جنگ یمامہ ہوئی، اور اُسمیں حفاظ و قراء بڑی تعداد میں شہید ہوئے تو حضرت عمر فاروق کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر اسی طرح یہ جنگیں ہوتی رہیں اور ملک کے ہنگامی حالات میں حفاظ کرام ایک ایک کر کے شہید ہوتے رہے، تو قرآن کا کیا بنے گا؟ اسکی کوئی سرٹیفائڈ کاپی تو مرتب ہے نہیں، قرآن کی سورتیں الگ الگ لوگوں کے پاس بکھری ہوئی ہیں۔ بعض لوگوں نے انفرادی طور قرآن کو کتابی شکل دیکر مجلد کرایا ہے۔ لیکن اسکی کیا ضمانت ہے کہ وہ آئندہ بھی کتابی شکل میں نقل ہوتا رہے گا اسلئے ضرورت ہے پوری چھان بین اور تحقیق و ریسرچ کے تمام وسائل و ذرائع اختیار کر کے قرآن کو کتابی صورت دیدی جائے اور اس طرح سرکاری طور پر قرآن کا سرٹیفائڈ نسخہ تیار کرا کے اُمت کے حوالہ کر دیا جائے تاکہ اسکے ضیاع کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے۔

چنانچہ یہ سب باتیں سوچکر آپ نے حضرت ابوبکر کو اس کام کے لئے آمادہ کیا۔ پہلے تو حضرت ابوبکر نے اس تجویز کو قبول کرنے تامل کیا اور فرمایا۔

کیف افعل شیئا لم یفعلہ　میں اس کام کو کیسے کروں جسے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم　رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔

لیکن حضرت عمرؓ کے وزنی دلائل سے انہیں اسکی ضرورت کے بارے میں شرح صدر ہو گیا اور یہ پالیسی طے ہو گئی کہ قرآن کی سرٹیفائڈ کاپی تیار کرائی جائے۔

ظاہر ہے کہ یہ کام بہت ہی ذمہ داری اور محنت کا تھا۔ قرآن کی تمام آیتوں کو یکجا کر کے کتابی شکل دینا اور امیر المومنین کا اس صحیفہ قرآن کو سرٹیفائڈ کرنا اور تصدیق کرنا کہ یہ نسخہ قرآنی نقل مطابق اصل ہے، معمولی نوعیت کا کام نہ تھا۔ آج جب ہم کسی معمولی کاغذ کی نقل کر کے اسے کسی گزیٹڈ آفیسر سے سرٹیفائڈ کراتے اور اپنی نقل شدہ کاپی پر یہ لکھواتے ہیں کہ یہ کاپی نقل مطابق اصل ہے۔ تو وہ آفیسر پہلے اصل کاپی کو دیکھتا ہے پھر نقل شدہ کاپی کو سامنے رکھ کر اسکا ایک ایک حرف ملاتا ہے جب اُسے اطمینان ہو جاتا ہے کہ اس نقل میں کوئی تحریف نہیں کی گئی۔ ٹھیک ٹھیک اصل کے مطابق نقل تیار کی گئی ہے۔ تب وہ اسپر تصدیقی دستخط ثبت کرتا ہے۔ قرآن جس پر دنیا و دین کی فلاح و کامرانی کا مدار ہے۔ جس کتاب مبین کو "غیر محرف صحیفہ الٰہی" اور غیر مشکوک کلام خداوندی بن کر قیامت تک انسانیت کی رہنمائی کرنی ہے اسکی جمع و تدوین ہو۔ اور اسکی تمام آیات و سور کو ایک سائز کے کاغذوں اور حریری قطعات میں لکھ کر اسکی جلد بندی کرائی جائے اور اسپر امیر المومنین اور اولوالعزم صحابہ تصدیقی دستخط ثبت کرنے والے ہوں کہ قرآن کی یہ کاپی نقل

مطابق اصل ہے۔ کیا اتنی اہم چیز امیر المومنین ابوبکر صدیقؓ اور تمام اولوالعزم صحابہ ایسے ہی دستخط کر دیتے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ دستخط کرنے اور قرآن کو سرٹیفائڈ کرنے سے پہلے اُن پر فرض تھا کہ وہ ان ابتدائی یادداشتوں کو جمع کرتے جو قرآن کی آیتوں کے نازل ہوتے ہی رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کاتبان وحی کو بلوا کر لکھوا دیا کرتے تھے پھر ان کی روشنی میں قرآن کو مرتب کرتے اور اسی کسوٹی پر اسے پرکھتے۔

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے یہی کیا اور تمام ابتدائی یادداشتیں تلاش کر کر کے جمع کرائیں۔ صحابہ کا عشق قرآن اور محبت نبی اُمّی ہی تھی کہ وہ تمام ابتدائی یادداشتیں بھی مہیا ہو گئیں اور اس طرح مہیا ہوئیں کہ ہر یادداشت پر دو عینی شاہد بھی اس امر کی گواہی دیتے تھے کہ یہ آیتیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نزول وحی کے وقت لکھوائی تھیں اور یہ قرآن کی آیتیں ہیں۔

چنانچہ حسب ذیل روایتیں حضرت ابوبکر کی اس دینی خدمت کی صحیح نوعیت اور اس کے پورے خدوخال واضح کرتی ہیں اور ہماری مذکورہ گزارشات پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہیں۔

قال زید قال ابوبکر انک رجل شاب عاقل لا نتہمک وقد کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فتتبع القرآن فاجمعہ فواللہ لو کلفونی نقل جبل عن الجبال ما کان اثقل علی مما امرنی من جمع القرآن قلت کیف تفعلون شیئاً لم یفعلہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال ھو خیر فلم یزل ابوبکر یراجعنی حتی شرح اللہ صدری للذی شرح لہ صدر ابوبکر و عمر فتتبعت القرآن اجمعہ من العسب واللخاف وصدور الرجال حتی وجدت آخر سورۃ التوبۃ مع ابی خزیمۃ الانصاری لم اجدھا مع احد غیرہ لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حتی خاتمۃ براءۃ فکانت الصحف عند ابی بکر حتی توفاہ اللہ ثم عند عمر حیاتہ ثم عند حفصہ بنت عمر

(بخاری ج ۲ کتاب فضائل القرآن)

زید کا بیان ہے کہ اس کے بعد ابوبکر نے مجھ سے کہا کہ تم جوان اور عقلمند آدمی ہو اور کسی جرم میں متہم بھی نہیں ہو۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی لکھتے تھے اسلئے قرآن کی تلاش کر کے اسکو ایک جگہ جمع کر لو۔ زید کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر مجھے پہاڑ اُٹھانے کو بھی کہتے تو مجھ پر جمع قرآن کے حکم سے زیادہ گراں نہ گزرتا میں نے کہا آپ لوگ یہ کام کس طرح کر سکتے ہیں جس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ ابوبکرؓ نے کہا کہ یہ اچھا کام ہے اور مجھ سے بار بار کہتے رہے آخر ابوبکر و عمر کی طرح اس بارے میں اللہ تعالےٰ نے میرا سینہ بھی کھول دیا۔ اس وقت میں نے کھجور کی بے پتی کی شاخوں پتھر کی تختیوں اور لوگوں کے سینوں سے تلاش کر کے قرآن کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ سورہ براۃ کی آخری آیتیں لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم سے لیکر براۃ کے خاتمہ تک صرف ابوخزیمہ انصاری کے پاس تھیں۔ یہ صحیفے ابوبکر کے پاس رہا پھر اُن کی وفات کے بعد عمر کے پاس اور ان کے بعد اُن کی لڑکی حفصہؓ کے پاس

مسند احمد بن حنبل کی روایت ہے

عن ابی العالیۃ عن ابی ابن کعب انھم جمعوا القرآن فی مصاحف فی خلافۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ

ابوالعالیہ ابی بن کعب سے [روایت] کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر [صدیق] رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت [میں] لوگوں نے (صحابہ نے) قرآن [...]

فکان رجال یکتبون و یملی علیھم ابی بن کعب

حافظ ابن حجر ابن ابی داؤ[د ...]

قام عمر فقال من کان تلقی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیئاً من القرآن فلیات بہ وکانوا یکتبون ذلک فی الصحف والالواح والعسب وکان لا یقبل من احد شیئاً حتی یشھد شاھدان و ھذا یدل علی ان زیداً کان لا یکتفی لمجرد وجدانہ مکتوباً حتی یشھد بہ من تلقاہ سماعاً مع کون زید یحفظ وکان یفعل ذلک مبالغۃ فی الاحتیاط

(فتح الباری ج ۹ صفحہ [...])

ان روایتوں سے اجمالی [...]

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی [...]

انتخاب کیا تھا جو اس کے [...]

فکان رجال یکتبون و یملی علیھم ابی بن کعب

کتابی شکل میں جمع کیا تو کچھ لوگ اسکو لکھتے تھے اور ابی ابن کعب اسکو لکھواتے تھے۔

حافظ ابن حجر ابن ابی داؤد کے حوالہ سے کہتے ہیں۔

قام عمر فقال من کان تلقی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیئًا من القرآن فلیات بہ وکانوا یکتبون ذلک فی الصحف والالواح والعسب وکان لا یقبل من احد شیئًا حتی یشھد شاھدان و ھذا یدل علی ان زیدًا کان لا یکتفی لمجرد وجدانہ مکتوبًا حتی یشھد بہ من تلقاہ سماعًا مع کون زید یحفظ وکان یفعل ذلک مبالغۃ فی الاحتیاط

(فتح الباری ج ۹ صفحہ ۱۲)

تدوین قرآن کے وقت حضرت عمرؓ نے اعلان کیا کہ جس شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کا کوئی حصہ حاصل کیا ہو وہ اسکو لاکر پیش کرے صحابہ اسکو اوراق، پتھر کی تختیوں اور کھجور کی شاخوں پر لکھ لیا کرتے تھے۔ کسی سے قرآن کا کوئی حصہ بغیر دو گواہوں کی شہادت کے قبول نہیں کیا جاتا تھا۔ یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ زید کو باوجودیکہ وہ آیت حفظ ہوتی لیکن محض اسکا لکھا ہونا کافی نہیں سمجھتے تھے۔ جب تک کہ اسکی شہادت موجود نہ ہوتی کہ لکھنے والے نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اسکو سنا ہے۔ یہ ان کی انتہائی احتیاط تھی۔

ان روایتوں سے اجمالی طور پر حسب ذیل امور مستفاد ہوئے

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رض نے جمع قرآن کے لئے ایسے شخصوں کا انتخاب کیا تھا۔ جو اس کے لئے اہل تر تھے حضرت زید کاتب وحی تھے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی شعبۂ کتابت قرآن کے گویا ناظم وامیر تھے اور حضرت ابی بن کعب مشہور قاری اور حافظ قرآن تھے۔ اور خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے قرآن سیکھنے کا امر فرمایا تھا ان دونوں حضرات کو حضرت ابوبکر نے اس کام کا ذمہ دار بنایا اور ان کی مدد کے لئے دوسرے صحابہ بھی ہر وقت مسجد میں موجود رہتے تھے۔

۲۔ نیز تمام ابتدائی یاد داشتوں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی لکھوائی ہوئی ابتدائی تحریروں کو جمع کرایا گیا تھا۔ چنانچہ وہ سب کی سب مل گئیں۔

۳۔ اور ہر تحریر پر دو گواہ بھی طلب کئے جاتے تھے۔ چنانچہ دو گواہ بھی ہر تحریر پر مہیا ہوتے رہے۔ البتہ صرف سورۂ براۃ کی آخری دو آتیں جو ابوخزیمہ انصاری کے پاس تھیں اسکے بارہ میں دو گواہ نہیں ملے۔ چونکہ ان کی تنہا گواہی کو حضور نے دو گواہوں کے درجہ میں قرار دیا تھا اسلئے ان کی تحریر بھی گویا دو گواہوں سے مؤید و موثق تھی

۴۔ حضرت ابی بن کعبؓ لکھوانے کی خدمت پر مامور تھے اور حضرت زیدؓ کی ماتحتی میں بہت سے صحابہ کتابت کی خدمت انجام دیتے تھے۔ ان دونوں کاموں کے لئے اس سے بہتر اور موزوں انتخاب ناممکن تھا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔

۵۔ یہ تمام کام کسی بند کوٹھری میں انجام پذیر نہیں ہو۔ بلکہ مسجد نبوی جیسے مرکزی اور عمومی مقام پر ہوا۔ جہاں خلیفہ وقت کی نشستگاہ تھی۔ نماز پنجگانہ میں پوری بستی کے لوگ مسجد میں پانچ دفعہ جمع ہوتے تھے۔ اور سرکاری فیصلے ہوتے تھے۔ دور و دراز سے آنیوالے وفود یہاں ٹھہرتے تھے۔ ایسے مرکزی اور مشہور مقام پر جمع قرآن کی اس خدمت کو انجام دینا۔ اس امر کی دلیل ہے کہ پوری اُمت اسمیں شریک تھی اور صحابہ کرام کی پوری جماعت اس سے پوری دلچسپی لے رہی تھی اور ہر کام ان کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا۔ انمیں بہت سے حفاظ قرآن بھی تھے۔ اور بہتوں کے پاس قرآن مجید کلاً یا جزأً

تحریری شکل میں موجود بھی تھا۔

اسلئے ان انتظامات کو دیکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ جمع و تدوین قرآن یا دوسرے لفظوں میں قرآن کا سرٹیفائڈ نسخہ تیار کرنے کے اس مرحلہ میں کوئی فروگزاشت نہیں ہوئی۔ اور نہ اسکی کسی آیت کے کسی گوشہ میں کمی زیادتی لاحق ہوئی۔

ولیم میور جیسے متعصب عیسائی نے بھی اس کا اقرار کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

"کوئی اجزاء، کوئی فقرے، یا کوئی الفاظ ایسے نہیں ہیں جو جمع کرنے والوں نے چھوڑ دیے ہوں نہ ہی کوئی الفاظ ایسے پائے جاتے ہیں جو اس مسلّم مجموعہ سے اختلاف رکھتے ہوں۔ اگر ایسے کوئی اجزاء یا فقرے یا الفاظ ہوتے تو ضرور تھا کہ ان کا تذکرہ ان احادیث میں پایا جاتا جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی نسبت چھوٹی چھوٹی باتیں بھی محفوظ رکھی گئی ہوں۔"

بہرحال اس سرکاری سرٹیفائڈ نسخے کی تیاری کے بعد صحابہ میں اسکی نقلیں کثرت سے شائع و ذائع ہو گئیں۔ ناجیہ الطفاوی کا تو ہمیشہ اور مستقل کام ہی یہی تھا کہ وہ مصحف لکھا کرتے تھے (استیعاب جلد ۲) علامہ ابن حزم لکھتے ہیں کہ خلیفہ اول کے وقت کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں لوگوں کے پاس بکثرت قرآن کے نسخے لکھے ہوئے نہ ہوں۔

حضرت عمر فاروق رضی اور حفاظت قرآن

قرآن کے مجلد کرانے اور سرکاری طور پر "سرٹیفائڈ" اور مستند قرآنی نسخہ تیار کرنے کے بارہ میں اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ اسمیں سب سے بڑا ہاتھ حضرت عمر رض ہی کا تھا۔ اور آپ کی ہی تحریک اور زور دینے پر حضرت ابوبکر رض نے اس مہتم بالشان کام کو انجام دینے کی منظوری دی۔ پھر آپ حفاظت جمع قرآن کے اس کام کی تحریک کر کے الگ نہیں بیٹھ گئے تھے بلکہ اس کام میں حضرت زید رض کا پورا پورا ہاتھ ٹٹولتے تھے۔ اور اسمیں ان کے برابر کے شریک تھے۔ اسلئے امت کو حضرت عمر فاروق کا احسان مند ہونا چاہیئے کہ آج اُن کی برکت سے قرآن ہم تک بعینہ اسی شکل میں محفوظ ہو پہونچ گیا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح فرماتے ہیں۔

"امروز ہر کہ قرآن می خوانند از طوائف مسلمین، منت فاروق اعظم در گردن اوست" (منقول از الفاروق ج ۲)	مسلمانوں میں جو بھی آج قرآن پر ایمان و یقین رکھتا ہے اور اسکی تلاوت کرتا ہے۔ اُسکی گردن پر فاروق اعظم رض کا احسان عظیم ہے

پھر جب زمام حکومت آپ کے ہاتھ میں آئی۔ اور آپ خلیفۃ المسلمین ہوئے تو قرآن مبین کی نشر و اشاعت کی طرف خصوصی توجہ دی اور اسکے نسخوں کو بڑے اہتمام سے دور دور تک پھیلایا۔ اور اسکی تعلیم و تعلم کا وسیع پیمانہ پر معقول انتظام فرمایا۔

چنانچہ آپ کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ یہ تھا کہ بقول علامہ ابن حزم عہد فاروقی میں اُمت کے پاس لکھے ہوئے ایک لاکھ سے زائد قرآن پاک کے نسخے موجود تھے۔ اور ہر جگہ بکثرت حفاظ پائے جاتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ فوجی افسروں کو اس مضمون کا خط لکھا کہ حفاظ کو میرے پاس بھیجدو تاکہ ان کو تعلیم قرآن کے لئے جہاں چاہے بھیجدوں۔ تو سعد بن ابی وقاص نے جواب میں لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو حافظ قرآن موجود ہیں۔

اسی طرح نماز تراویح باجماعت کی طرح بھی آپ نے ڈالی اور پوری مملکت میں اسے حکماً نافذ کر دیا۔ اس سے حفظ قرآن کی تحریک کو تقویت پہونچی۔ بلکہ یہی حکم نسلاً بعد نسل قیامت تک قرآن کو اُمت تک پہونچانے کا باعث بنا۔

عہد عثمانی میں جمع قرآن

خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جامع القرآن کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس تعبیر نے بعض لوگوں کو زبردست غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ہے۔ اور اسکی آڑ میں اُنہوں نے حفاظت قرآن پر بڑی کیچڑ اُچھالی ہے۔

جامع القرآن کے لقب سے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضرت عثمان غنی اول وہ شخص ہیں جنہوں نے اس قرآن کو مرتب کرایا۔ اس سے پہلے قرآن مرتب نہ ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ حضرت عثمانؓ کا زمانہ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بہت بعد کا ہے۔ ان کے زمانہ میں بہت سے صحابہ اس عالم فانی سے عالم بالا کو سدھار چکے تھے اگر جمع قرآن کی خدمت کا سہرا آپ کے سر باندھا جائے تو اس کا صاف مفہوم ہے کہ اتنے عرصہ تک قرآن غیر مدون پڑا رہا۔ اسکی جمع وتدوین کا خیال نہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا نہ خلیفہ اول و ثانی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے۔ اس کا سہارا لیکر کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ایسے قرآن کے تحفظ پر کیا یقین کیا جا سکتا ہے جسکی تدوین اور تسوید حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کے تقریباً تیرہ ۱۳ سال بعد ہوئی۔

حالانکہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ قرآن کا تحفظ عہد رسالت اور اُسکے فوراً بعد (چھ مہینے کے اندر ہی اندر) عہد صدیقی میں ایسے معیاری طریقے پر ہو چکا تھا کہ آجتک کسی کو تحفظ قرآن پر انگلی اُٹھانے کی جرأت نہیں ہو سکی۔ اور نہ کوئی قرآن کی تحریف پر واضح دلیل لا سکا پھر حضرت عثمان رضؓ کو جامع القرآن کہنے کا کیا مطلب ہے؟

اسکو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے دور پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ حضرت عثمان کے جامع القرآن کہلانے کے مفہوم کی وضاحت ہو جائے گی بلکہ حضرت عثمانؓ نے قرآن کی جو بلند پایہ خدمت انجام دی ہے اسکی اہمیت اور حقیقت بھی آنکھوں کے سامنے آجائے گی

دورِ عثمانی کی ایک جھلک

خلیفۂ ثالث حضرت عثمان ذی النورین رضؓ ۲۳ھ میں تخت خلافت پر متمکن ہوئے۔ اس سے قبل تیس سال کے عرصہ میں اسلام عراق، شام، مصر، افریقہ، ایران اور ہندوستان کے ساحلی علاقوں تک پھیل چکا تھا۔ بہت سے ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آچکے تھے۔ عرب وعجم کے لوگ جوق درجوق اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے ان نومسلموں کی تعلیم خصوصاً قرآن کی تعلیم کے لئے معلمین کا تقرر بڑی کثرت سے فرمایا تھا۔ قرآنی تعلیم گھر گھر عام ہو رہی تھی۔ ہر شخص مسلمان ہوتے ہی قرآن حاصل کرنے کی سعی کرتا تھا۔ ظاہر ہے وہ چونکہ عجمی تھے۔ ان کے لہجوں میں اور زبان میں تفاوت تھا۔ وہ قرآنی الفاظ کی ادائیگی اتنی صفائی کے ساتھ نہیں کر سکتے تھے۔ جتنی صفائی کے ساتھ قبیلہ قریش کے لوگ کرتے تھے۔ اور یہ چیز عجمیوں ہی تک محدود نہ تھی۔ خود قبائل عرب میں سے بہت سے قبائل ایسے تھے جن کی زبانیں عربی ہی تھیں اور ان کی ساری گفتگو بھی عربی ہی میں ہوتی تھی۔ لیکن وہ اتنی صاف زبان نہیں بول سکتے تھے جتنی قریش کی تھی۔ ان کے محاورہ اور زبان میں ایسا ہی فرق تھا، جیسا تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر ہر ملک کے لوگوں میں ہوتا ہے۔ ایک حیدرآباد کا رہنے والا اردو زبان میں بجائے ق کے خ بولتا ہے۔ ترکی کے باشندے ک کی ادائیگی پر قادر ہی نہیں وہ ک کے بجائے چ بولتے ہیں۔ قبائل عرب میں بھی محاورہ اور لہجہ کا تقریباً ایسا ہی فرق تھا۔ ثقیف اور ہذیل حتیٰ کو ع سے عتیٰ پڑھتے تھے۔ اسدی تعلمون میں ت کے زبر کے بجائے ت کے زیر کے ساتھ پڑھتے تھے۔ بعض قومیں ماء غیر آسن کی جگہ ماء غیر یاسن پڑھتی تھیں۔ قبیلہ قیس والے ک تانیث کا تلفظ ش سے کرتے تھے اسکا نام

کشکشہ قیس تھا۔ تمیم والے اَنَّ کے لفظ کو عَنَّ کی شکل میں ادا کرتے تھے۔ اس کا نام عنعنہ تمیم تھا۔ ایک قبیلہ ایسا بھی تھا، جو سَ کو تَ کی شکل میں ادا کرتا تھا۔

آج بھی جو حجاج کرام حرمین شریفین کا سفر کرتے ہیں وہ دیکھتے ہونگے کہ وہاں کے عربی باشندے قَ کو گَ کثرت سے بولتے ہیں اور مَن قَالَ لَکَ کو اس طرح ادا کرتے ہیں مَنْ گَلْ لَکَ ؟

اسلام کے ابتدائی دور میں محاورہ اور لہجہ کا یہ تفاوت ناگزیر تھا۔ حتیٰ کہ اسکی بعض مثالیں دورِ نبوی میں ملتی ہیں اور اسلام کے نیا نیا ہونے کی بنا پر حضور نے اسکی اجازت بھی مرحمت فرمادی تھی۔ چنانچہ اس سلسلہ کی چند حدیثیں یہ ہیں۔

عن عمر بن الخطابؓ یقول سمعت هشام بن حکیم یقرأ سورة الفرقان في حیاة رسول الله صلے الله علیه وسلم فاستمعت لقرأته فاذا هو یقرأ علی حروف کثیرة لم یقرئنیها رسول الله صلے الله علیه وسلم فکدت اساوره في الصلوٰة فتصبرت حتی سلم فلببته بردائه فقلت من اقرأك هذه السورة التي سمعتك تقرأ قال اقرأنیها رسول الله صلے الله علیه وسلم فقلت کذبت فان رسول الله صلی الله علیه وسلم قد اقرأنیها علی غیر ما قرأت فانطلقت به اقوده الی رسول الله صلے الله علیه وسلم فقلت اني سمعت هذا یقرأ سورة الفرقان علی حروف لم تقرئنیها فقال رسول الله صلے الله علیه وسلم ارسله اقرأ یا هشام فقرأ علیه القرأة التي سمعته یقرأ فقال رسول الله صلے الله علیه وسلم کذلك انزلت قال اقرأ یا عمر فقرأت القرأة التي اقرأني فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم کذلك انزلت ان هذا القرآن انزل علی سبعة احرف فاقرأوا ما تیسر منه

حضرت عمر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں میں نے ہشام بن حکیم کو سورۂ فرقان پڑھتے سنا جب میں نے انکے پڑھنے کو غور سے سنا تو میں نے معلوم کیا کہ وہ بہت سے ایسے حروف پر پڑھتا ہے جن پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو نہیں پڑھایا۔ قریب تھا کہ میں نماز ہی میں اُس پر حملہ کرتا مگر میں نے اپنے آپ کو روکے رکھا یہاں تک کہ ہشام نے سلام پھیرا پھر میں نے اُن کی چادر اُن کے گلے میں ڈالدی۔ اور کہا یہ سورۂ جو میں نے تمہیں پڑھتے ہوئے سنی ہے کس نے تمہیں پڑھائی انہوں نے کہدیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے۔ میں نے کہا جھوٹ کہتے ہو۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان حروف کے غیر پر پڑھایا تھا۔ جن پر تم پڑھتے ہو۔ پھر میں ان کو اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر چلا گیا اور عرض کی کہ میں نے ان کو یعنی ہشام کو ایسے حروف پر سورۂ فرقان پڑھتے ہوئے سنا ہے جن پر آپ نے مجھے نہیں پڑھایا۔ آپ نے فرمایا کہ انہیں چھوڑ دو پھر ہشام سے کہا کہ اے ہشام پڑھو انہوں نے وہی قرأت پڑھی جو میں نے انہیں پڑھتے سنا تھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح یہ نازل ہوئی پھر فرمایا اے عمر تم پڑھو۔ میں نے اسی طرح پڑھا جس طرح آپ نے مجھے پڑھایا تھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح یہ نازل ہوئی ہے یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے پس جو تم پر آسان ہو پڑھو۔

مسلم شریف کی ایک دوسری روایت سے جو ابی بن کعب سے مروی ہے معلوم ہوتا ہے کہ نزول قرآن پہلے ایک زبان (یعنی زبانِ قریش) پر ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت پر سہولت کے لئے دوسرے قبائل کی زبان اور محاورہ میں بھی پڑھنے کی اجازت طلب کی تھی

اس روایت کے یہ الفاظ قابل غور ہیں ۔

فقال یا ابی ارسل الی ان اقرأ القرآن علی حرف فرددت الیہ ان ھون علی امتی فرد الثانیۃ اقرأہ علی حرفین فرددت الیہ ان ھون علی امتی فرد الی الثالثۃ اقرأہ علی سبعۃ احرف	پھر فرمایا اے ابی مجھے بھی حکم دیا گیا تھا کہ ایک ہی حرف کو قرآن پر پڑھوں۔ پھر میں نے اس بات کو لوٹایا اور عرض کیا کہ میری امت پہ آسانی کیجائے۔ پھر دوبارہ مجھے یہ فرمایا گیا کہ دو حرفوں پر پڑھو۔ میں نے پھر اس بات کو لوٹایا اور کہا کہ میری امت پر آسانی کیجیئے پھر تیسری مرتبہ مجھے اجازت دیگئی کہ سات حرفوں پر پڑھ لو۔

ترمذی کی روایت میں اسکی تھوڑی سی تشریح بھی ملتی ہے کہ کن افراد امت کے لئے یہ گنجائش طلب کی گئی تھی۔ حضرت ابی بن کعب ہی کی روایت ہے ۔

لقی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جبرئیل فقال یا جبرئیل انی بعثت الی امۃ امیین منہم العجوز والشیخ الکبیر والغلام والجاریۃ والرجل الذی لم یقرأ کتابا قط فقال یا محمد ان القرآن علی سبعۃ احرف	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جبرئیلؑ سے ملے اور فرمایا اے جبرئیل میں امی لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ جن میں بوڑھی عورتیں اور بوڑھے مرد اور لڑکے اور لونڈیاں اور ایسے آدمی ہیں جنہوں نے کبھی کتاب نہیں پڑھی جبرئیل نے کہا قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے ۔

بہر حال جوں جوں اسلام پانی کی رو کی طرح عالم میں پھیل رہا تھا اور لوگ جوق در جوق پرچم اسلام کے تلے جمع ہو رہے تھے۔ قرآن کے تلفظ اور طرز ادا میں اتنا ہی اختلاف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ شروع میں اس پر زیادہ توجہ اسلئے نہیں دی گئی کہ اسلام اور قرآن لوگوں کے لئے نیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے دور میں یہ چیز ختم ہوئی۔ کیونکہ اسلامی حکومت مستحکم ہو چکی تھی۔ اور باقاعدہ قرآن کی درسگاہیں ہر ہر شہر میں قائم ہو چکی تھیں۔ اسلئے صحیح تلفظ کے ساتھ جس پر قرآن نازل ہوا تھا، پڑھنا دشوار نہیں تھا۔ پھر یہ کہ قبائل اپنے اپنے لہجوں اور طرز ادا کو ہی اچھا سمجھنے لگے تھے اور اسپر باقاعدہ اپنی محفلوں میں بحثیں بھی کیا کرتے تھے بلکہ تکرار تک کی نوبت پہونچ جاتی تھی ۔

انس بن مالک کی روایت ہے ۔

ان حذیفۃ ابن الیمان قدم علی عثمان وکان یغازی اہل الشام فی فتح ارمینیۃ واذربیجان مع اہل العراق فافزع حذیفۃ اختلافہم فی القرأۃ فقال حذیفۃ لعثمان یا امیر المومنین ادرک ھذہ الامۃ قبل ان یختلفوا فی الکتاب اختلاف الیہود والنصاریٰ	حذیفہ بن الیمانؓ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور ان دنوں وہ فتح ارمینیہ میں اہل شام کے ساتھ اور آذربیجان میں اہل عراق کے ساتھ جنگ کرتے تھے ۔ وہاں ان لوگوں کی قرأت نے حذیفہؓ کو گھبرا دیا پس وہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے امیر المومنین اس امت کی خبر لو۔ قبل اسکے کہ وہ کتاب میں ایسا اختلاف کرنے لگیں جیسا کہ یہود اور نصاریٰ کرتے ہیں۔

بیان فی مباحث القرآن میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عثمان کے زمانہ میں مدرسہ کے معلمین جو مختلف لہجوں میں قرآن پڑھاتے تھے ان ہی میں کفر بعضہم بعضا کی نوبت پہونچ جاتی تھی ۔

ظاہر ہے کہ اگر اس اختلاف کو ختم کرانے کی طرف توجہ نہ کی جاتی تو اسکے مفاسد اور اُمت مسلمہ پر اثرات بدبہت ہی شدید پڑتے۔ بلکہ اگر قرآن ہر قبیلہ والا اپنے اپنے لہجہ کے مطابق لکھنے لگتا تو کوئی آیت سلامت نہ رہتی۔ اور آج معاندین اسلام اس بات کو بتنگڑ بنا ڈالتے۔

اسی بنا پر حضرت حذیفہؓ نے حضرت عثمان کی توجہ اس جانب مبذول کرائی۔ حضرت عثمان رضؓ نے تمام اولوالعزم اور صاحب الرائے صحابہ کو جو اس زمانہ میں کابینہ کے ممبران کی حیثیت رکھتے تھے بلایا اور اس ہنگامی صورت حال پر غور کیا۔

غور و فکر کے بعد متفقہ طور پر یہ طے ہوا کہ قرآن چونکہ لسان قریش پر نازل ہوا تھا اور قبائل عرب کے دوسرے لہجوں اور محاوروں میں اسکے پڑھنے کی اجازت مجبوری کی بنا پر تھی، وہ اب ختم ہو گئی۔ لہذا قرآن کو لسان عربی مبین یعنی قریش کی لغت و زبان کے مطابق لکھوا کر پورے ممالک محروسہ میں حکماً نافذ کر دیا جائے اور اعلان کر دیا جائے کہ آئندہ سے کوئی قرآن کی کتابت و تلاوت لسان قریش کے علاوہ کسی دوسری زبان میں نہ کرے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔

لا تقولوا فی عثمان الا خیرا	عثمانؓ کے حق میں سوائے کلمۂ
فو اللہ ما فعل الذی	خیر کے کچھ نہ کہو، کیونکہ مصاحف
فعل فی المصاحف الا	کے بارے میں اُنہوں نے جو کچھ
عن ملاء منا قال ما	کیا وہ ہمارے مشورہ سے ہی کیا
تقولون فی ھذہ القراۃ	اُنہوں نے ہم سے دریافت کیا کہ
فقد بلغنی ان بعضہم	مسلمانوں میں جو یہ جھگڑا اٹھ گیا
یقول ان قرأتی	ہے کہ ہر ایک اپنی قرأت دوسروں
خیر من قراءتک و	کی قرأت سے بہتر قرار دیتا ہے
ھذا یکاد ان یکون	بلکہ دوسروں کی قرأت کو کفر
کفرا قلنا فما تری قال	کی حد تک پہونچا دیا جاتا ہے۔
اری ان نجمع الناس	اسکا علاج کیا کیا جائے؟ ہم
علی مصحف واحد فلا	لوگوں نے پوچھا آپ نے کیا علاج
تکون فرقۃ واختلاف	سوچا ہے۔ حضرت عثمان نے
قلنا فنعم ما رأیت ط	کہا میں خیال کرتا ہوں کہ ایک
(مختصر کنز العمال)	ہی مصحف پر لوگوں کو جمع کر دیا
	جائے تاکہ فرقہ بندی اور اختلاف
	نہ ہو سکے۔ ہم نے کہا آپ کی رائے
	بہت مناسب ہے اور بہت
	خوب ہے۔

یہ روایت جہاں اس امر کو واضح کرتی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن کے سلسلہ میں جو کام بھی کیا وہ تمام صحابہ کے مشورہ سے کیا۔ وہیں یہ حقیقت بھی منکشف ہو جاتی ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ نے جو خدمت قرآن انجام دی تھی۔ وہ جمع قرآن کی نوعیت کی نہیں تھی۔ بلکہ اس کی بہتر تعبیر وہی ہے جو اوپر گزری یعنی لوگوں کو ایک ہی مصحف پر جمع کرنے کا کام۔

اس اعتبار سے آپ کا لقب جامع قرآن کے بجائے جامع الناس علی القرآن یا علی مصحف واحد ہونا ہی حقیقت کی صحیح ترجمانی ہے۔ تیسری صدی ہجری کے مشہور صوفی اور عالم حارث محاسبی کا یہ قول اتقان میں سیوطی نے نقل کیا ہے۔

المشھور عند الناس	
ان جامع القرآن عثمان	لوگوں میں مشہور ہے کہ حضرت
ولیس کذلک انما حمل	عثمان جامع القرآن ہیں حالانکہ
عثمان الناس علی القراۃ	یہ صحیح نہیں۔ انہوں نے لوگوں
لوجہ واحد	کو قرآن کی ایک قرأت پر سب کو
	جمع کیا۔

خلیفہ وقت حضرت عثمان رضؓ نے مجلس شوریٰ کے اس فیصلے کے بعد چار صحابہ کی ایک کمیٹی قائم کی جسمیں حضرت زید بن ثابت کے علاوہ تین قریشی عبداللہ بن زبیر، سعید ابن العاص اور عبدالرحمٰن بن حارث ابن ہشام بھی شامل تھے۔ اس کمیٹی کے ذمہ یہ کام تھا کہ حضرت ابوبکر رضؓ کے تیار کردہ سرکاری نسخۂ قرآن کی کئی نقلیں تیار کرے۔ حضرت ابوبکر کا تیار کردہ قرآن کا سرکاری سرٹیفائڈ نسخہ حضرت حفصہ رضؓ کے پاس محفوظ تھا حضرت حفصہؓ کو حضرت عثمانؓ نے پیغام بھیجا

ارسلی الینا بالصحف ننسخہا فی المصاحف ثم نردھا الیك — آپ صحیفۂ ابوبکر ہمیں عطا کر دیجئے۔ ہم اسکی نقل کر کے آپ کو واپس کر دینگے۔

چنانچہ وہ صحیفہ حاصل کیا گیا۔ اور اسکی نقلیں کرنے کا کام بڑے اہتمام سے شروع کرایا گیا۔ اس کام کے لئے جو مذکورہ کمیٹی بنائی گئی تھی۔ اسمیں زید بن ثابت وہ جلیل القدر صحابی تھے جو اس قبل چار مرتبہ قرآن کی مکمل کتابت کر چکے تھے۔ اور یہ نسخہ جو ان کے سامنے تھا خود انہیں کا کتابت کیا ہوا تھا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صحیفہ عثمانی کی کتابت میں صحیفہ صدیقی سے سرمو انحراف نہیں کیا گیا البتہ چونکہ قرآن کو لسان قریش پر لکھا جا رہا تھا اسلئے تین قریشی صحابہ جو زبان و محاورات قریش کے ماہر تھے وہ اس کمیٹی میں شامل کیے گئے تھے۔ تاکہ حضرت زید کو لسان قریش میں لکھنے میں دشواری لاحق ہو تو ان سے مشورہ کر لیں۔

حضرت عثمان رضؓ کی یہ خاص ہدایت تھی کہ:

اذا اختلفتم انتم وزید بن ثابت فی شیئ من القرآن فاکتبوہ بلسان قریش فانہ نزل بلسانہم

جب تمہارے درمیان اور زید کے درمیان طرز کتابت میں کوئی اختلاف ہو تو قریش کی زبان پر لکھو کیونکہ قرآن قریش ہی کی زبان پر نازل ہوا ہے۔

اس سے یہ شبہہ نہ کیا جائے کہ زید ابن ثابت اور کمیٹی کے دوسرے قریشی ارکان سے آئے دن اختلافات ہوتے رہتے تھے اور ہر ہر سورہ کے بارہ میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ بلکہ حضرت عثمان کی ہدایت احتیاط کے طور پر تھی۔ کہ اگر کبھی کوئی اختلاف ہو تو لسان قریش کو مقدم رکھا جائے۔ چنانچہ قرآن کی پوری نقل و کتابت کے طویل عرصہ میں اس کمیٹی کو صرف ایک لفظ تابوت میں اختلاف سے دوچار ہونا پڑا یعنی قریشی ارکان کہتے تھے کہ اس لفظ کو تابوت لکھنا چاہیئے۔ اور حضرت زید کہتے تھے تابوہ لکھنا چاہیئے چنانچہ حضرت عثمان کے سامنے معاملے کو لیجایا گیا۔ حضرت عثمان نے تمام صحابہ کی موجودگی میں کہا کہ قرآن صرف قریش پر نازل ہوا ہے اسلئے تابوت ہی لکھا جائے۔

ظاہر ہے کہ یہ اختلاف صرف طرز تحریر کا اختلاف تھا۔ نہ تو اس سے معنی میں تحریف ہوتی ہے اور نہ الفاظ میں رد و بدل ہوتا ہے۔ پھر پورے قرآن میں صرف ایک لفظ پر یہ معمولی سا طرز تحریر کا اختلاف تھا۔ یہ اس امر کی کھلی شہادت پیش کرتا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ نے جو صحیفے نقل کرائے۔ وہ بعینہٖ حضرت ابوبکر صدیق کے سرٹیفائڈ کیے ہوئے سرکاری نسخہ قرآن کے مطابق تھے۔ ان میں سرمو فرق نہیں تھا۔ قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ آج بھی مکمل مصحف عثمانی دنیا کے سامنے موجود ہے۔ اور تحفظ قرآن کی داستاویزیں کہ تمام کتب سماوی پر قرآن کی برتری ثابت کر رہا ہے۔

کی حد تک پہونچا دیا جاتا ہے۔
اسکا علاج کیا کیا جائے؟ ہم
لوگوں نے پوچھا آپ نے کیا علاج
سوچا ہے۔ حضرت عثمان نے
کہا میں خیال کرتا ہوں کہ ایک
ہی مصحف پر لوگوں کو جمع کر دیا
جائے تاکہ فرقہ بندی اور اختلاف
نہ ہو سکے۔ ہم نے کہا آپ کی رائے
بہت مناسب ہے اور بہت
خوب ہے۔
امر کو واضح کرتی ہے کہ حضرت
جو کام بھی کیا وہ تمام صحابہ کے
بھی منکشف ہو جاتی ہے کہ حضرت
انجام دی تھی۔ وہ جمع قرآن کی
بہتر تعبیر وہی ہے جو اوپر گزری
جمع کرنے کا کام
لقب جامع قرآن کے بجائے جامع
مصحف واحد ہونا ہی حقیقت کی صحیح
ری کے مشہور صوفی اور عالم حارث
سیوطی نے نقل کیا ہے۔

لوگوں میں مشہور ہے کہ حضرت
عثمان جامع القرآن ہیں حالانکہ
یہ صحیح نہیں۔ انہوں نے لوگوں
کو قرآن کی ایک قرأت پر سب کو
جمع کیا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی قدس سرہ

قرآن عظیم کا تاثیری پہلو

آیات قرآنی سے حل مشکلات اور جسمانی امراض کا علاج

قرآن حکیم کی ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ شفاء لما فی الصدور ہے۔ یعنی روحانی اور قلبی بیماریوں کیلئے قرآن ایک نسخہ کیمیا ہے۔ اسکی ہدایات اور تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر انسانیت اپنے دل کی بیماریوں سے نجات حاصل کر سکتی ہے اور اپنی روح کو تر و تازہ اور نئی زندگی کا حامل بنا سکتی ہے۔ ایک دوسرے مقام پر قرآن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ قرآن شفا ہے۔ یہاں لما فی الصدور کی کوئی قید نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن جسمانی اور روحانی دونوں قسم کے امراض کو دور کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے اور اس سے دونوں قسم کے مرضوں اور بیماریوں سے نجات حاصل کیجا سکتی ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام جہاں قرآنی آیتوں سے ایمان و عمل کی غذا حاصل کرتے تھے اور اپنی روح کو مجلی و مزکی بناتے تھے وہیں وہ قرآن کی آیتوں سے جسمانی بیماریاں بھی دور کیا کرتے تھے۔ اور خود حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض سورتوں کو اس مقصد کے لئے استعمال کیا ہے۔ اس سے قرآن کی جامعیت اثر انگیزی اور ہمہ گیر تاثیر کا پتہ چلتا ہے۔

ذیل میں چند مجرب اعمال قرآنی بیان کئے جا رہے ہیں، جو قطب العالم عارف باللہ مولانا الشاہ سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے بیان فرمودہ ہیں۔ اُمید کہ ناظرین انہیں دلچسپی کیساتھ پڑھیں گے اور ان گرانمایہ انمول موتیوں سے پورا پورا فائدہ اُٹھائیں گے

ادارہ

تنگدستی کا علاج :

اتباع شریعت اور احیاء سنت میں کوشاں ہوں جسقدر بھی ممکن ہو اپنے آپ کو ذکر کا عادی بنائیں۔ روزانہ مغرب یا عشا کے بعد سورۂ مزمل گیارہ مرتبہ اوّل و آخر درود شریف گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھا کریں اور جب فاتحۃ الوکیل پر پہونچا کریں تو پچیس مرتبہ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل پڑھا کریں انشاء اللہ تنگدستی رفع ہو جائے گی۔

قوت حافظہ کے لئے۔

سورۂ فاتحہ ۴۱ بار مع بسم اللہ روزانہ بعد عصر پڑھ کر سینہ پردم کر لیا کریں۔

اگر لڑکا ناجائز تعلقات میں پھنسا ہو۔

ایک صاحب نے شکایت کی کہ اُن کا لڑکا ناجائز تعلقات کے پھندے میں پھنسا ہوا ہے۔ اسپر حضرت اقدسؒ نے تحریر فرمایا کہ صاحبزادہ کی اصلاح اور اس خبیثہ سے مفارقت کیلئے مندرجہ ذیل عمل کیجئے کیا عجب ہے کامیابی ہو۔ صبح کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان سورہ فاتحہ ترکیب ذیل سے پڑھی جائے۔

۱۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی میم الحمد کے لام میں ملائی جائے یعنی اس طرح دَحِیْمِلْ حَمْدُ (۲) یہ عمل اتوار کے دن سے شروع کیا جائے

اس طرح (۳) کہ اتوار کو مذکورہ بالا صورت سے صبح کی سنتوں اور فرض کے درمیان ستر مرتبہ۔ پیر کے روز ساٹھ مرتبہ۔ اس طرح ہر روز دس دس گھٹاتے رہیں۔ یہاں تک کہ شنبہ کے روز دس مرتبہ پڑھو اول و آخر سات سات مرتبہ درود شریف۔

کند ذہن بچہ کیلئے عمل:

بچہ کے حفظ کے لئے ایک روٹی پر باوضو بروز جمعرات سات جگہ نیچے لکھی ہوئی آیت کو اس طرح پہ لکھا جائے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الیس اللہ بکافٍ عبدہٗ

پھر ہر روز نہار منہ ایک ٹکڑا کھلا دیا جائے یہ عمل سات جمعراتوں تک رہے۔

اغوا شدہ لڑکی کی بازیابی کیلئے:

یا حفیظُ اکیس انیس مرتبہ پھر آیت یَا بُنَیَّ اِنَّهَا اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ (اخیر آیت تک سورہ لقمان) ایک سو انیس دفعہ پڑھا کریں۔ انشاء اللہ گم شدہ لڑکی یا کوئی بھی شئے ہو واپس آجائے گی۔

دیگر ایضاً:

اَمْسَيْتُ فِيْ اَمَانِ اللّٰهِ وَاَصْبَحْتُ فِيْ جِوَارِ اللّٰهِ سوا لاکھ مرتبہ پڑھیں۔

دیگر ایضاً

سورۂ ضحیٰ سات مرتبہ پڑھیں۔ پھر اپنے اوپر انگشت شہادت پھرائیں اور سات مرتبہ مندرجہ ذیل کلمات کہیں۔ اصبحت فی امان اللہ وامسیت فی جوار اللہ وامسیت فی امان اللہ واصبحت فی جوار اللہ پھر دستک دیں ہر صبح و شام کو تا و اسپی مفرور یا ضائع شدہ عمل میں لائیں۔

عمل برائے حل مشکلات

یَا بَدِیْعَ الْعَجَائِبِ بِالْخَیْرِ یَا بَدِیْعُ۔ قضائے حاجات مہمہ کیلئے روزانہ بارہ سو مرتبہ پڑھیں۔ اول و آخر درود شریف گیارہ گیارہ مرتبہ۔ اگر کسی مریض کی شفا مقصود ہو تو بالخیر کی جگہ بالشفاء پڑھیں۔ اور اگر کسی دشمن کو مقہور کرنا ہو تو بالخیر کی جگہ بالقہر پڑھیں۔ بہتر یہ ہے کہ اولاً اس اسم مبارک کی زکوٰۃ دے لیجائے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ نوچندی جمعرات کو نہا دھو کر رات میں عشا کے بعد سات ہزار مرتبہ پڑھیں اور ۴۰ دن تک برابر اس کو جاری رکھیں۔ اسکے بعد روزانہ کم از کم ۱۲۵ مرتبہ ہمیشہ بلا ناغہ پڑھا کریں انشاء اللہ تمام مشکلات حل ہوتی رہیں گی۔ اور مقاصد پورے ہوتے رہیں گے

نماز حاجت:

چار رکعت نماز بہ نیت نفل بہ نیت قضا، حاجت جس وقت میں ممکن ہو پڑھا کریں۔ مگر بہتر ہے کہ شب جمعہ میں پڑھا کریں۔ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ۔ دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد رَبِّ اِنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔ تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد اُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ بعد ختم کے سو مرتبہ رَبِّ اِنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ۔ یہ نماز بہت مفید ہے۔ اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں اور مقاصد مہمہ میں اس سے استفادہ کریں

دفع وسواس کیلئے۔

روزانہ سوتے وقت سورۂ الم نشرح سترہ مرتبہ پڑھ کر سینہ پر دم کر لیا کریں۔ نیز پنجوقتہ نماز کے بعد بھی صورت سات سات مرتبہ پڑھ کر سینہ پر دم کر لیا کریں انشاء اللہ فائدہ ہوگا۔

برائے فراخی رزق :

تہجد کے وقت اوّلاً دو رکعت نماز بہ نیت وسعت رزق پڑھیں۔ پہلی رکعت میں بعد از فاتحہ سورۂ لایلاف ۵۲ مرتبہ اور دوسری رکعت میں بعد از فاتحہ سورۂ اذا جاء نصر اللہ ۲۶ مرتبہ پڑھیں سلام پھیرنے کے بعد درود شریف سو مرتبہ پڑھ کر کھڑے ہو کر یا وہاب ۴۰۰ مرتبہ نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ پڑھا کریں۔ اگر کھڑے ہو کر پڑھنے میں معذوری ہو تو بیٹھ کر پڑھیں۔ اس نماز پر مداومت کیجیا اور مسواک کرنے میں سستی نہ کیا کریں، ہر وضو کیساتھ مسواک کیا کریں

سوکھا سان کا علاج :

سوکھا سان کے لئے مندرجہ ذیل عمل کیجئے۔ انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔ آدھ سیر یا سیر بھر یا زیادہ تل لیکر اسکو دھلوائیں پھر اسکا تیل نکلوائیں اور اسپر مندرجہ ذیل آیات باوضو پڑھ کر پھونکیں سورۂ فاتحہ مع التسمیہ تین مرتبہ۔ آیۃ الکرسی تین مرتبہ۔ والصافات لازب تک ۳ مرتبہ۔ سورہ جن شططا تک تین مرتبہ۔ چاروں قل تین تین مرتبہ۔ اسکے بعد بچہ کا سر منڈا کر روزانہ یہ پڑھا ہوا تیل سر سے پیر تک تمام جسم پر ملا کریں۔ کوئی جگہ تیل سے خالی نہ رہے ملنے کے بعد چاہیں تو بچہ کو صابن سے نہلا دیں۔ یا بدن پر تیل لگا رہنے دیں۔ یہ عمل ۴۰ دن تک بلا ناغہ کیا جائے۔ انشاء اللہ مکمل فائدہ ہوگا۔

تکلیف تنفس کیلئے :

یَا حَمِیْدُ روزانہ ایک ہزار مرتبہ پڑھا کریں۔ اور چودھویں رات میں کورے برتن میں سورۂ ناس لکھیں اور اس میں پانی بھر کر پئیں اور باقی سے وضو کریں۔

جس عورت کے بچے سوکھے میں مبتلا ہوتے ہوں

جب حمل چار مہینے کا ہو۔ گیارہ تاگے چرخے کے حاملہ کے قد کے برابر لیجئے۔ اور اسکو کسم کے پھول سے رنگ کر انہیں اکتالیس گرہ دیجئے اور ہر گرہ دیتے ہوئے سورۂ فاتحہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ پڑھتے اور گرہ دیتے ہوئے گرہ پر پھونکتے۔ پھر اس دھاگہ کو تعویذ بنا کر حاملہ کے گلے میں ڈالدیجئے۔ اور جب بچہ پیدا ہوجائے تو ماں کے گلے سے اتار کر بچہ کے گلے میں پہنا دیجئے۔ انشاء اللہ بچہ ام الصبیان سے محفوظ رہیگا۔ مگر یہ پڑھنا اور پھونکنا باوضو ہو۔

دودھ کی کمی کیلئے :

پسے ہوئے نمک پر وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ اور آیت کریمہ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشَّارِبِيْنَ باوضو گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھ کر پھونکیں اور وہ نمک اُرد کی دال میں ڈال کر عورت کو کھلایا کریں۔ انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔

دعائے گنج العرش

گنج العرش کے بجائے دلائل الخیرات پڑھا کریں۔ یہ بہت مفید ہے۔

جادو کا علاج :

سحر زدہ شخص پر یہ دو عمل کیجئے۔ انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔

۱۔ کھانے نمک کو پیس کر اس پر باوضو مندرجہ ذیل آیات ایک ہزار مرتبہ پڑھ کر پھونکئے اور کھانے میں صرف یہی نمک ملا کر دیجئے۔ چالیس دن تک متواتر ایسا ہی کھانا کھلایا کریں جس میں یہ نمک ڈالا گیا ہو۔ اسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ یا تو اسکا کھانا علیحدہ پکے جائے اور اسمیں یہ نمک ڈالا جایا کرے۔ یا گھر میں جو سالن پکتا ہے اسمیں ابتداء سے نمک نہ ڈالا جائے جب پک جائے تو مریض کیلئے کھانا علیحدہ نکال کر پڑھا ہوا نمک ملا دیں۔ اور گھر کے کھانے میں بے پڑھا نمک حسب عادت ڈالا جائے۔ آیات حسب ذیل ہیں

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا

ما كنتم تكتمون فقلنا اضربوه ببعضها كذلك يحيي الله الموتى ويريكم آياته لعلكم تعقلون

۲۔ جاری پانی دریا یا نہر کا۔ یا سات کنوؤں کا بھر کر ایک گھڑا، باوضو مندرجہ ذیل آیات ۱۱ مرتبہ اور سورۂ فلق اور سورۂ ناس ۱۱-۱۱ مرتبہ پڑھ کر پھونکیں۔ اور مریض کو اس پانی سے تین گھونٹ پلائیں۔ اور باقیماندہ پانی سے سر پر پانی ڈال کر نہلائیں بلا ناغہ چالیس دن تک یہی عمل کریں۔ آیات یہ ہیں۔

فلما القوا قال موسى ما جئتم به السحر ان الله سيبطله ان الله لا يصلح عمل المفسدين ويحق الله الحق بكلماته ولو كره المجرمون فوقع الحق وبطل ما كانوا يعملون فغلبوا هنالك وانقلبوا صاغرين والقي السحرة ساجدين قالوا آمنا برب العالمين رب موسى وهارون ان اصنعوا كيد ساحر ولا يفلح الساحر حيث اتى

یہ عمل اتوار کے دن سے شروع کیا جائے۔ جاڑے میں دوپہر کے وقت نہلانا بہتر ہوگا (از شیخ الاسلام نمبر)

بسم اللہ کے چند فائدے

قرآنی آیات کا یہ اعجاز بھی قرآن مبین کو خدا کا کلام ثابت کرتا ہے کہ اسکی چھوٹی سے چھوٹی آیت سے ہزاروں مادی فائدے بھی انسانوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جو قرآن کی چھوٹی سے آیت ہے اور جس کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ ہر سورہ کے شروع میں اسکو لکھا گیا ہے۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی کام کو شروع کرے اور بسم اللہ نہ پڑھے اسمیں برکت نہ ہوگی۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ کام ناتمام رہ جائے گا تفسیر الحازن میں ہے کہ جب یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی تو اہل آسمان از حد خوش ہوئے اور عرش عظیم ہلنے لگا۔ اور بے انتہا فرشتے جنکی گنتی خدا ہی کو معلوم اسکے ساتھ نازل ہوئے اور ملائکہ کا ایمان بڑھ گیا اور افلاک نے حرکت کی اور اسکی عظمت کے آگے سلاطین ذلیل ہوئے۔ بسم اللہ آدم علیہ السلام کی پیشانی پر لکھی ہوئی تھی۔ اور جبرئیل علیہ السلام جب حضرت ابراہیمؑ کے واسطے آگ کو گلزار بنانے تشریف لائے تھے تو اس دن آپ کے پروں میں بسم اللہ لکھی ہوئی تھی۔ اور حضرت موسیٰ کے عصا پر بھی بزبان سریانی لکھی ہوئی تھی۔ حضرت عیسیٰ کی زبان پر بھی لکھی تھی۔ جبکہ انہوں نے پیدا ہوتے ہی کلام کیا۔ اور مردہ پر پڑھتے تھے تو زندہ ہو جاتا تھا۔ اور بسم اللہ ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی پر لکھی ہوئی تھی۔ اور یہ بات بسم اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر حاجت وضرورت کے لئے جو دعائیں ارشاد فرمائیں ہیں ان میں بسم اللہ ہی جزو اعظم ہے اسکی عظیم الشان تاثیر کا اندازہ اس سے لگتا ہے کہ حضرت خالدؓ صحابہ کرام کے مجمع میں بسم اللہ پڑھ کر زہر کا پیالہ پی گئے اور زہر نے کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ اسکے چند عمل درج کئے جاتے ہیں۔

رفع حاجات :

جو شخص بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سات سو چھیاسی مرتبہ سات روز تک برابر پڑھے، جو کچھ نیت رکھتا ہو وہ پوری ہوگی۔

شیطان سے حفاظت :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سوتے وقت رات کو اکیس مرتبہ پڑھنے سے اس رات کو شیطان سے محفوظ اور چوری و ناگہانی بلا سے محفوظ رہو گے۔

ظالم کے شر سے حفاظت :

جب کسی ظالم و سرکش کے سامنے ۵۰ مرتبہ بسم اللہ پڑھے تو اسکے شر سے محفوظ رہے اور اس ظالم کے دلمیں اسکی ہیبت پیدا ہو

محبت کے واسطے :

جس شخص کو سات سو چھیاسی بار پڑھ کر پانی میں دم کر کے پلائے وہ درست ہوجائے۔

کند ذہن کیلئے:

اگر اسی پانی کو کند ذہن کو نہار منہ پلایا جائے تو اسکا ذہن تیز ہوجائے جو بات سنے یاد رہے۔

باران رحمت کے لئے۔

اکسٹھ مرتبہ پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے

بلائے ناگہانی سے حفاظت۔

حدیث میں وارد ہے کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص صبح اٹھتے ہی تین بار بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیئ فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم پڑھے تو دوسری صبح تک ناگہانی بلا سے محفوظ رہے اور ایک روایت میں ہے کہ فالج سے محفوظ رہے۔

ایک خاص عمل تسخیر:

اگر کسی حاکم یا بادشاہ کے پاس جاتا ہے تو جمعرات کو روزہ رکھ کر کھجور اور روغن زیتون سے افطار کرے اور مغرب کی نماز کے بعد ۱۲۱ مرتبہ گن کر بسم اللہ پڑھے۔ پھر بے گنتی پڑھے جائے یہاں تک کہ اسکو نیند آجائے۔ پھر جمعہ کو صبح کے وقت اٹھ کر نماز کے بعد ایک سو اکیس مرتبہ پڑھے اور مشک و زعفران و گلاب سے ایک کاغذ پر ۱۲۱ مرتبہ لکھے اور عود و عنبر کی خوشبو روشن کرے پس قسم ہے خدا کی جو شخص اس کو اپنے پاس رکھے گا وہ لوگوں کی نگاہوں میں ایسا ہوگا جیسے چودھویں کا چاند، ہر ایک اسکی عزت اور اطاعت کرے گا اور اسکی ہیبت میں آجائے گا اور جسکی نگاہ اس پر پڑے گی وہی اس سے محبت کرے گا اسکے لکھنے کی صورت یہ ہے ب س م ا ل ل ہ ا ل ر ح م ن ا ل ر ح ی م

مفسرین قرآن کا تقویٰ اور دیانت

(بقیہ صفحہ)

امن شافعی الا و للشافعی فی عنقہ منۃ الا البیہقی فان لہ علی الشافعی منۃ اپنی زندگی کے آخری تیس سال اس طرح گذارے کہ روزانہ روزہ ہوا کرتا تھا۔ آپ کی وفات ۴۵۸ھ کو ہوئی۔

۵۔ ابو نصر بن ابی القاسم قشیری عبد الرحیم بن عبد الکریم۔ اپنے زمانہ کے علماء کے صدر گزرے ہیں۔ محدث اور مفسر تھے۔ قرآن کریم کی بہترین تفسیر لکھی جسکا امام سبکی نے مطالعہ کیا۔ تقویٰ کا حال یہ تھا کہ آخر عمر میں زبان پر کوئی دوسرا کلمہ سوائے کلمات قرآنی کے آہی نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ آپ ضروریات کے سلسلہ میں بھی آیات قرآنی باعمل تلاوت فرماتے۔ گویا آپ کی عام بول چال بھی مستقل عملی تفسیر بنی تھی

۶۔ امام الحرمین عبد اللہ بن یوسف بن عبد اللہ نے جو اپنے زمانہ کے یکتا عالم اور زاہد تھے ایک بہت بڑی تفسیر قرآن مجید کی ترتیب دی جس میں ہر آیت کی تفسیر اور تاویل کو دس طریقوں پر پیش کیا گیا تھا۔ ان کے تقویٰ اور پرہیزگاری کا یہ اثر تھا کہ ان کے وصال پر غسل دیتے ہوئے غسال اور دوسرے شہر کا غسل نے دیکھا کہ ان کا دایاں ہاتھ بغل تک جھک رہا ہے یہ تفسیر قرآن حکیم کی تحریر کی برکت اور اسکا اثر تھا۔ آپ کی وفات ۴۷۸ھ کو ہوئی۔

۷۔ محی السنۃ ابو الحسین الفرا البغوی جو بہت بڑے محدث اور مفسر تھے خراسان کے امام اور مرجع عوام تھے۔ آپ اس حد تک قانع اور صابر تھے کہ زندگی بھر خشک روٹی بغیر سالن کے کھایا کیے جب احباب نے ان پر تنگ و ترش کیا تو پھر زیتون کے ساتھ کھا لیا کرتے تھے آپ کی وفات ۵۱۶ھ کو ہوئی۔

فہم قرآن اور اسکے شرائط

(بقیہ صفحہ ۱۴۴)

اور کہیں تشبیہات وکنایات ہوتے ہیں۔ ان تمام چیزوں پر واقفیت علم معانی کے حاصل ہونے کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ (")

۶۔ علم بیان: اس سے کلام کے معانی کی وضاحت اور پوشیدگی کے اعتبار سے پتہ چلتا ہے کہ کہاں پر کلام کس معنی کو وضاحت کے ساتھ بتا رہا ہے۔ اور کہاں پر معنی میں اخفا پایا جاتا ہے؟

۷۔ علم بدیع: اس سے کلام کی مختلف تعبیروں کی وجہ سے اس کی خوبیاں معلوم ہوتی ہیں۔ اور کلام کے حسن کا پتہ چلتا ہے آخرالذکر تینوں علوم، علوم بلاغت کہلاتے ہیں۔ جو ایک مفسر کے لئے قرآن کی تفسیر کے سلسلہ میں رکن اعظم کی حیثیت رکھتے ہیں اور اسکی رعایت کرنا ازبس ضروری ہے۔

ابوبکر باقلانی فرماتے ہیں:

من زعم انہ یمکنہ ان یفہم شیئا من بلاغۃ القرآن بدون ان یمارس البلاغۃ بنفسہ فہو کاذب مبطل

جو شخص اس گمان میں ہے کہ بلاغت کی مشق کئے بغیر قرآن کی بلاغت کو سمجھ لے گا۔ وہ جھوٹا اور باطل ہے۔

(اتقان ج ا صفحہ ۱۸۱)

۸۔ علم قرأۃ۔ اسلئے کہ قرأۃ کے مختلف ہوجانے سے معانی بھی بدل جاتے ہیں، اس قرآن پڑھنے کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ نیز بعض قرأۃ کو بعض پر معنی کی عمدگی کی وجہ سے ترجیح معلوم ہوتی ہے (") لیکن افسوس ہے کہ اس علم سے آجکل علم تفسیر پڑھانے والے بھی اکثر نابلد ہوتے ہیں

۹۔ اُصول دین: یعنی علم عقائد کا جاننا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ قرآن میں بعض آیتیں ایسی ہیں جنکو ظاہری معنی پر محمول کیا جائے تو خدا تعالیٰ کی شان میں نقص لازم آتا ہے لہٰذا اس قسم کی آیتوں میں لامحالہ تاویل کرنا پڑتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ علم عقائد پر واقفیت حاصل کئے بغیر اسکا پتہ نہیں چل سکتا۔ (اتقان ط ۱۸۱ ج ۲)

۱۰۔ اُصول فقہ: اس سے مسائل واحکام کے استنباط اور ان کے استدلال کے طریقے معلوم ہوتے ہیں (")

۱۱۔ اسباب نزول: یعنی آیات کے نزول کے اسباب کا جاننا کہ کون آیت کس وجہ سے اور کب نازل ہوئی؟ بسا اوقات آیت کے معنی کا سمجھنا اس پر موقوف ہوتا ہے (")

۱۲۔ ناسخ ومنسوخ کا علم: اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کہیں آیت کا حکم ختم ہو چکا ہے اور کون سی آیت پر عمل باقی ہے۔ لہٰذا اس کا جاننا بھی ضروری ہے۔

۱۳۔ علم فقہ: چونکہ اس سے جزئیات معلوم ہوتے ہیں اور جزئیات پر واقفیت حاصل ہونے سے کلی احکام کا بھی پتہ چلتا ہے۔

۱۴۔ احادیث کا جاننا: اسلئے کہ احادیث درحقیقت قرآن کی وضاحت وتفسیر کرتی ہیں۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔

ان السنۃ تفسر الکتاب وتبینہ (جامع بیان العلم)

احادیث کتاب اللہ کی تفسیر و توضیح کرتی ہیں۔

مکحول الدمشقی بسلسلہ قرآن علم احادیث کے ضروری ہونے کو یوں بیان کرتے ہیں۔

القرآن احوج علی السنۃ من السنۃ الی القرآن (")

قرآن کو حدیث کی زیادہ ضرورت ہے بہ نسبت اسکے کہ حدیث کو قرآن کی ضرورت ہو۔

یہ سارے علوم ایسے ہیں جو ایک مفسر کے لئے آلہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان علوم کو حاصل کئے بغیر کسی کو تفسیر کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور ان علوم کے بغیر جو شخص قرآن کی تفسیر کرے گا۔ وہ تفسیر بالرائے شمار کی جائے گی۔

اپیل: دار العلوم دیوبند کے علمی نوادر میں اضافہ کی ضرورت

دار العلوم دیوبند کا تاریخی کتب خانہ جہاں اسلامی علوم و فنون کی گرانقدر کتب کے عظیم الشان ذخیرہ سے مالا مال ہے۔ وہیں اس مکتبہ کے علمی نوادر بھی واردین و صادرین کے لئے غیر معمولی دلچسپی اور ارباب ذوق کیلئے علمی استفادہ کا قابل ذکر وسیلہ بنتے ہیں۔

۱۹۶۰ء میں "دائرۃ المعارف حیدر آباد" نے اپنی پچھتر سالہ جوبلی کے موقع پر دار العلوم دیوبند سے بطور خاص اسکی درخواست کی کہ دار العلوم جوبلی میں شرکت کرنے والے مختلف ممالک کے مبصرین کو اپنے نوادر سے استفادہ کا موقع دے۔

راقم الحروف سے یہ خدمت متعلق فرمائی گئی۔ اور ساتھ ہی احقر نے محترم ڈاکٹر نظام الدین صاحب معتمد دائرۃ المعارف کے ایماء پر اس نمائندہ علمی کانفرنس میں ایک مقالہ "مسند ابو داؤد طیالسی" پر پیش کیا۔ دار العلوم دیوبند کے علمی نوادر سے ملکی اور غیر ملکی مبصرین نے غیر معمولی دلچسپی لی اور تین روز تک یہ نوادر ذوق و شوق کیساتھ دیکھے جاتے رہے۔ کانفرنس کے اختتام پر محترم ڈاکٹر نظام الدین صاحب نے ان "مخطوطات و نوادر" کے بارے میں گرانقدر مشورے عنایت فرمائے۔

"دار العلوم دیوبند" کے کتبخانہ کے نوادر کی حفاظت اور اُن سے عمومی استفادہ کے احتیاط مندانہ ضوابط ہیں۔ جنکی وجہ سے طویل مدت گزر جانے، اور ہزاروں آدمیوں کے استفادہ کے باوجود، ہر مخطوطہ آج بھی نیا معلوم ہوتا ہے۔

دار العلوم دیوبند درحقیقت اس قسم کے نوادر کا حقیقی مستحق ہے۔ علم و تاریخ کے بصورت "نوادر و مخطوطات" یہ وہ سرچشمے ہیں کہ جن سے کسی بھی وقت علم و حکمت اہل کر ملت کی سیرابی کا باعث بن سکتے ہیں، اسلئے میں بطور خاص اُن حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ جن کے پاس "نوادر و مخطوطات" اور تاریخی نوشتے محفوظ ہیں کہ وہ علم و حکمت کے ان تاریخی شاہکاروں کو، دار العلوم دیوبند کو عنایت فرما دیں۔ اس درخواست کو شرف قبول بخشنے والے ارباب ذوق دار العلوم دیوبند کے علمی افادہ میں اضافہ اور مشرق و مغرب کی طالب علم و تحقیق نگاہوں کو موقع استفادہ مرحمت فرما کر انشاء اللہ عند اللہ ماجور اور عند الناس مشکور ہوں گے۔ اور دار العلوم کے علمی خزانے میں اُن کا یہ گراں قدر سرمایہ دیر تک اہل علم میں اُن کی یاد کو زندہ رکھے گا۔

اُمید کہ اس معروضہ پر بطور خاص توجہ فرمائی جائے گی

احقر
محمد سالم قاسمی
(اُستاذ دار العلوم دیوبند)

قرآن مجید

زاہد ابوالمجاہد

بحمداللہ! جینے کا نیا ساماں نکل آیا
گئی رات اور خورشید ضیا افشاں نکل آیا
چمک اٹھیں جہالت کی نگاہیں نورِ عرفاں سے
تو ہم کے بھیانک غار سے انساں نکل آیا
حرارت ہو گئی پیدا دلوں میں سوزِ ایقاں سے
حصارِ کفر کو ڈھاتا ہوا ایماں نکل آیا

ہزاروں رحمتیں لے کر ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ آیا
خدا کا آخری پیغام قرآنِ مبیں آیا

محبت مسکرائی. زندگی کا رہ نما آیا
اُخوت گنگنائی دافعِ جور و جفا آیا
عدالت نے کہا میرا نصیبہ جاگ اٹھا ہے
صداقت نے کہا میرا ابھی دورِ ارتقا آیا
غریب انسانیت آنکھوں سے آنسو پونچھ کر بولی
خدا کا شکر ہے میرا بھی اک دردآشنا آیا

نسیمِ صبحِ امن و عافیت ہر سو پکار آئی
مبارک ہو کہ اب گلشن میں قرآنی بہار آئی

سیاسیات کے جوہر نکھارے جس نے وہ قرآن
معاشیات کے گیسو سنوارے جس نے وہ قرآن
کیا اعلان جس نے اک خدا کی حاکمیت کا!
سُنائے آکے ناحکم سہارے جس نے وہ قرآن
کہا جس نے "نہیں ہے ظلم کوئی شرک سے بڑھ کر"
جراثیم و بائے کفر مارے جس نے وہ قرآن

کہا اللہ ہی کو حاکم و فریادرس مانو
"وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰهًا آخَرَ" لوگو

اگر قائم ہو قرآنی حکومت کا نظام اب بھی
بدل سکتی ہے صبحِ امن سے پُرہول شام اب بھی
اگر ہو جائے پابندِ ہدایاتِ خداوندی
تو لے سکتا ہے پھر انساں کو اپنا مقام اب بھی
اگر چلنے لگے اللہ کے احکام پر انساں
تو ہو سکتا ہے روشن زندگی کا حسنِ عام اب بھی

سلمانو! اٹھو قرآن کی دعوت کو پھیلاؤ
جہانِ بے اماں کو عافیت کے راز سمجھاؤ

فروغِ ظلم ہے قوم و وطن ہی کی عبادت تک
سبھی فتنے ہیں غیر اللہ ہی کی حاکمیت تک
خدا و آخرت سے بے نیازی ہی تباہی ہے
برائی جاگتی ہے نفسِ امّارہ کی طاعت تک
طلوعِ صبحِ روشن تک ہے کالی رات کا جادو
مصیبت ہے خدا ناآشنا دورِ قیادت تک

زمانہ آج بھی قرآن ہی سے فیض پائے گا
مٹے گی ظلمتِ شب اور سورج جگمگائے گا!

آئینہ روشن : ارشاد الہامی

مرحبا! یہ مرتبہ قرآن کا
خود محافظ ہے خدا قرآن کا

منبع و مرکز بھی ہے آئینہ بھی
سینۂ خیر الورا ہے قرآن کا

اللہ اللہ دامن غار حرا
جلوۂ اول بنا قرآن کا

دیکھ! تفسیر ھدی للمتقین
راز تو پا جائے گا قرآن کا

شرح وحدت، سیرت خیر الورا
اصل وحدت مدعا قرآن کا

بن کے بوبکر و عمر چمکے وہی
جن پہ پرتو پڑ گیا قرآن کا

حکمتیں ہر لفظ میں مستور ہیں
دیکھ دل سے ترجمہ قرآن کا

دور کر دے گا کثافت روح کی
تذکرہ صبح و مسا قرآن کا

وسعت فکر و نظر مل جائے گی
عقل کو تابع بنا قرآن کا

آسمان سے لائے جبریل امیں
خوب نسخہ کیمیا قرآن کا

پی لیا جس نے ہوا وہ حق شناس
بادۂ صدق و صفا قرآن کا

معرفت کے ہر مسافر کے لئے
معتبر ہے راستا قرآن کا

اہل منطق سربسجدہ ہو گئے
پڑھ لیا جب فلسفہ قرآن کا

نسل انسانی میں آیا انقلاب
یہ ہے ادنیٰ معجزہ قرآن کا

دین و دنیا میں اسے عزت ملی
جس نے سمجھا مدعا قرآن کا

عبد اور معبود میں کیا فرق ہے
دیکھ لیجے فیصلہ قرآن کا

ظلمتوں کو بخشدی تابندگی
ہے وہ روشن آئینہ قرآن کا

منزل مقصود پانا ہے جسے
لے سہارا وہ سدا قرآن کا

باعث برکت ہے اور کار ثواب
روز پڑھنا دیکھنا قرآن کا

مژدۂ رحمت زمانے کے لئے!
ہے پیام جانفزا قرآن کا

ایک نقطہ بھی نہ بدلا آج تک
یہ ہے زندہ معجزہ قرآن کا

اے الٰہ العالمیں ارشاد کو
عالم و عامل بنا قرآن کا

فیضِ قرآن!

سیّد خورشید جرافسر دسوانی

جب انساں ایک درندہ تھا، جب دنیا ایک جہنم تھی
جب آدم اپنا دشمن تھا، جب ہستی خود سے برہم تھی

رشتے ناطے کچھ بھی نہ تھے جب دوری و قربت کچھ بھی نہ تھی
جب ذکر وفا بے معنی تھا، جب قدر محبت کچھ بھی نہ تھی

ت ارضی، یہ دھرتی۔ تھی اندھے بہروں کی دنیا
یا عیش پرستوں کا مرکز، یا وہم پرستوں کی دنیا

مے نوشی و بوالہوسی، تہذیب میں داخل ہوتی تھی
جب صنف حسیں بنت مریم، تقدیر پہ اپنی روتی تھی

لڑکی کو بیٹی کہنا، ناقص دشنام سمجھتے تھے
جب دختر نیک اختر کو بھی اک پوچ الزام سمجھتے تھے

عقل پریشاں پھرتی تھی اور جہل حکومت کرتا تھا
انسان بتوں کا بندہ تھا، اللہ سے نفرت کرتا تھا

ساکت جامد پتھر تھے، پتھر میں کوئی موجود نہ تھا
معبود تو اُن میں لاکھوں تھے، حالانکہ کوئی معبود نہ تھا

وں کے بدن مرجھائے تھے، دریا کی روانی روتی تھی
کھیتی کا کلیجہ دکھتا تھا۔ فصلوں کی جوانی روتی تھی

آخر وہ زمانہ آ ہی گیا جب رات کی آنکھیں بند ہوئیں
خورشید حرا بیدار ہوا، ظلمات کی آنکھیں بند ہوئیں

وہ تھا جسکی کرنیں، بجلی کی طرح سے کوند گئیں
باطل کے فسوں کو توڑ گئیں اوہام کے ڈیرے روند گئیں

ک کتاب اللہ کہ جو تکوین کا حاصل بن کے رہی
وہ ایک صحیفہ جس کی ضیا آرائش محفل بن کے رہی

ک بشر جو سینے میں آیات الٰہی لے کے اُٹھا
ماحول کی تاریکی کے لئے سامان تباہی لے کے اُٹھا

کی پاک تلاوت نے اسرار حقیقت کھول دیے
بے حس تاریک فضاؤں میں انوار کے موتی رول دیے

گپھاؤں میں پل کر انسان نے خود کو پہچانا
وہ جسکی بدولت دنیا نے معبود حقیقی کو جانا

آن حسیں کے لفظوں نے جینے کا قرینہ سمجھایا
ادراک کو بخشی رعنائی، اخلاق کا پرچم لہرایا

ن وہ چشمہ ہے جس سے ہر خاک نشیں سیراب ہوا
دریا جو اُدھر پایاب ہوا، گلشن بھی اِدھر سیراب ہوا

قرآن نہ آتا تو ہم سب چوپائے سے بھی بدتر ہوتے
پھولوں کی جگہ کانٹے ہوتے، انساں کی جگہ پتھر ہوتے

قرآنِ مبین

..... تاج کانپوری

راز یٰسین اور طٰہٰ کے نکات — کس طرح سمجھے نگاہِ کائنات
وسعتِ کونین سے بھی ہے بلند — ماورائے عقل قرآنی صفات

...

نعمتِ دارین قرآنِ مبیں! — حاصلِ کونین قرآنِ مبیں
رہبر دنیا و دیں راہ نجات — روح دل کا چین قرآنِ مبیں

پہلے ہر آیات کی تفسیر دیکھ — غور سے ہر لفظ ہر تحریر دیکھ!
صدق دل سے کر تلاوت روز و شب — پھر کلام اللہ کی تاثیر دیکھ

...

دین و دنیا کی دوا قرآن ہیں — نسخۂ رنج و بلا قرآن ہیں
کیوں ہے افسردہ مریضِ دردِ دل — ڈھونڈھ آیاتِ شفا قرآن ہیں

...

حال، مستقبل، ہے ماضی شاندار — جاوداں ہر حکم، محکم ہر بہار
کیا اُٹھے توصیف قرآں پر قلم — جس کے اسرار و معانی بے شمار

...

راز یہ افشا ہوا قرآن سے — پائے گا قربِ خدا قرآن سے
زندگی کا ہو گا حاصل مدعا — کر لے اقرار وفا قرآن سے

...

(عاصی کرنالی)

دوستو اس دورِ ظلمت کا تصوّر کیجئے ۔۔۔ جب شعورِ آدمیت تھا حجاب اندر حجاب
جب نجوم و کہکشاں کا رُخ تھا کجلایا ہوا ۔۔۔ جب غبار آلود تھی پیشانیٔ سرو و گلاب
زندگی کی چال پر ہنستے تھے جب لبہائے برق ۔۔۔ آدمی کے حال پر روتی تھی جب چشمِ سحاب
زندگی تھی نشّہ خیز و نشّہ بیز و نشّہ ریز ۔۔۔ آدمی تھا محوِ عشرت، محوِ غفلت، محوِ خواب
کس قدر گم کردہ منزل تھا بشر کا قافلہ ۔۔۔ یا خمِ زلفِ صنم، یا نغمۂ تارِ رباب
اسقدر اُمڈا ہوا بپھرا ہوا سیلابِ نفس ۔۔۔ روح کی بستی اُجاڑ، اور قلب کا خانہ خراب
کیا تمنّا، کیا تجسّس، کیا نظر، کیا آگہی ۔۔۔ فطرتِ انساں کا اک اک جلوہ تھا زیرِ نقاب

آدمی توحید کے احساس سے بیگانہ تھا
اُسکے سینہ میں نہ تھی یہ آرزوئے سینہ تاب

دفعتًا ظاہر ہوا توحیدِ باری کا جمال! ۔۔۔ دستِ رحمت نے ہٹایا پردۂ حسنِ غیاب
آدمی کو دیکھ کر جہلِ مرکب میں اسیر ۔۔۔ حق کیجانب سے اُسے بخشی گئی اُمّ الکتاب
وہ چراغِ راہ، وہ شمعِ ہُدیٰ، وہ نجمِ نور ۔۔۔ قلبِ یزداں کی تجلّی، روحِ انساں کا شباب
جو نگاہوں سے اُتر جائے وہ مہتابِ خُنک ۔۔۔ سینۂ و دل میں در آئے وہ شعاعِ آفتاب
مُردہ دلِ انسانیت کے واسطے پیغامِ "قُم" ۔۔۔ اور جمودستانِ عالم میں صدائے انقلاب
جسنے روشن کر دیے راہِ صداقت کے خطوط ۔۔۔ جس نے آدم کو کیا اسکے خدا تک باریاب
آفریں اُن پر جو اسکے نور سے ہیں مستنیر ۔۔۔ مرحبا اُن پر جو اسکے فیض سے ہیں فیضیاب

یہ کتابِ پاک اک آئینہ کردار ہے
مومنوں کے ہاتھ میں اللہ کی تلوار ہے

کتابِ ہدایت

(سید فضا جالندھری)

یہ شرحِ حقیقت، یہ رازِ متیں
کتابِ ہدایت، کتابِ مبیں

سراپا تجلی، سراپا جمال!
یہ قدرت کا ہے شاہکارِ کمال

یہ ہے نغمہ پرداز، فطرت کا ساز
یہ بیداریٔ بزمِ ہستی کا راز

چراغِ حرم اس سے روشن ہوا
سوادِ جہاں اس سے گلشن ہوا

یہ ہے آفتابِ رسالت کا نور
اسی سے درخشاں ہوا نخلِ طور

یہ اسرارِ حکمت کا ہے آئینہ
یہ حسنِ حقیقت کا ہے آئینہ

مہکتا ہوا باغِ جنت کا پھول
چمکتا ہوا زندگی کا اصول

یہ گویا صریرِ پرِ جبرئیل
یہ ہے آبِ رحمت کی اک سلسبیل

یہ ہے بادۂ حق کا روشن چراغ
یہ اسرار و عرفاں کی مے کا ایاغ

یہ اٹھتی ہوئی موجِ دریائے نور
نظر آزما جلوۂ برقِ طور

جھلکتا ہے اسمیں حقیقت کا رنگ
یہ باطل سے قدرت کا اعلانِ جنگ

رسالت کی منزل کا یہ سنگِ میل
یہ بیشک ہے پیغامِ ربِ جلیل

یہ ہے شرحِ رازِ جلی و خفی!
یہ روحِ محمدؐ، یہ جانِ علیؓ

یہ لاریب ہے نسخۂ کیمیا
مسِ خام کو جس نے کندن کیا

بناتا ہے یہ زلفِ تدبیر بھی
جگاتا ہے قوموں کی تقدیر بھی

اٹھاتا ہے یہ چشم و دل کے حجاب
یہ ہے نوعِ انساں کی تعبیرِ خواب

اسی میں ہے رازِ حیاتِ دوام
یہ ہے ربِ ہستی کا آخر پیام

فضاؔ خاک واں منزلِ نور ہو
جو یہ زندگانی کا دستور ہو

عظمتِ قرآن : کیفی بلگرامی

نوید اَنْتُمُ الْاَعْلَوْن جب بادِ صبا لائی ! بہاریں مسکرا اٹھیں گلوں نے تقویت پائی
گلستانِ محمد پر گھٹا واللیل کی چھائی صدا اللہ اکبر کی بوقتِ صبح جب آئی
کھلی جب آنکھ تو بدلا ہوا دنیا کو پایا تھا!
نہ وہ قعرِ مذلت تھی نہ وہ ظلمت کا سایا تھا

نہ کوئی راہ بر پایا، نہ کوئی رہ نما پایا فقط اک شمع تھی جس پر زمانے کو فدا پایا
خدا کے بعد اُس کتاب نے اعلیٰ مرتبہ پایا نہ اُس جیسا زمانے بھر میں کوئی دوسرا پایا
اُسی شمعِ رسالت نے سنایا حکمِ ربّانی
دیا ہے اپنی اُمت کو اُسی نے درسِ قرآنی

کبھی عیش و مسرت کے وہ خواہاں بھی نہیں ہوتے سکونِ قلب کی خاطر پریشاں بھی نہیں ہوتے
خیالِ گردشِ دوراں سے حیراں بھی نہیں ہوتے کبھی منت کشِ امواجِ طوفاں بھی نہیں ہوتے
جو انساں آشنائے عظمتِ قرآں ہیں دنیا میں
وہ پابندِ شریعت، صاحبِ ایماں ہیں دنیا میں

اُنھیں کے دامنِ ہستی میں ہے ایماں کی دولت نگاہوں میں ہے جن کے پرچمِ اسلام کی حرمت
وہ احکامِ شریعت سے کبھی کرتے نہیں غفلت سمجھتے ہیں جو راہِ شوق میں قرآن کی عظمت
اُنھیں کے قلب و جاں ہیں آشنا رازِ حقیقت سے
اُنھیں ہے کام سرکارِ مدینہ کی محبت سے

گزر جاتے ہیں وہ ہنس کر مصائب سے بآسانی بڑی ہی شان سے پڑھتے ہوئے آیاتِ قرآنی
جو ہیں راہِ عمل میں تابعِ فرمانِ ربانی کبھی محسوس وہ کرتے نہیں کوئی پریشانی
یہی وہ مئے ہے جس کو پی کے وہ سرشار ہوتے ہیں
ہمیشہ دشمنوں سے برسرِ پیکار ہوتے ہیں

اسی میں جذبۂ ایثار ہے شرحِ حقیقت ہے اسی کے گوشہ گوشہ میں نہاں رازِ مشیت ہے
یہی آئینِ ہستی ہے یہی وجہ مسرت ہے رہِ حق و صداقت میں یہی شمعِ ہدایت ہے
یہی دولت ہے کیفی دولتِ کونین سے بڑھ کر
نظامِ زندگی قائم ہے اس کے ہی اصولوں پر

قرآن کریم کے متعلق
قابلِ حفظ تاریخیں

۱۔ رمضان سنہ ۱ ہجری میں عرضہ اخیرہ ہوا۔ جسمیں ترتیب آیات، ترتیب سورہ، تجدید لغت قریش وغیرہ کی تکمیل ہوئی۔

۲۔ صفر سنہ ۱۱ھ میں نزول قرآن ختم ہوا۔

۳۔ سنہ ۱۲ ہجری میں بعہد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نسخہ اجماعی تیار ہوا۔

۴۔ سنہ ۱۵ھ عہد فاروقی میں تراویح کی بڑی جماعت میں پورا قرآن پڑھنے کی سنت جاری ہوئی۔

۵۔ سنہ ۲۵ھ میں تنسیخ لغات ستہ اور تعیین لغت قریش پر اجماع عام عہد عثمانی میں ہوا۔ اور لغت قریش میں نقول عثمانی تیار ہوئیں۔

۶۔ مصحف عثمانی میں نقطے اور اعراب قصداً نہیں رکھے گئے تھے۔ عرب اہل زبان تھے اُن کو اس قسم کے سہاروں اور سہولتوں کی ضرورت اور احتیاج نہ تھی۔ سب سے پہلے ابو الاسود دوئلی تابعی نے عہد مرتضوی میں یا کچھ بعد لوگوں کو غلط قرأۃ کرتے دیکھ کر اعراب کو منضبط کرنے کے لئے لفظ کے آخری حرف پر تین تین نقطے اس طرح لگائے کہ فتحہ کے لئے حرف کے اوپر اس طرح ∴ اور کسرہ کے لئے حرف کے نیچے اس طرح ∵ اور ضمہ کیلئے حرف کے برابر اس طرح ـ∴

۷۔ آخر عجمی مسلمانوں کو تعلیم دینے میں زیادہ دشواری دیکھ کر حجاج بن یوسف گورنر عراق کے حکم سے سنہ ۸۶ھ نصر بن عاصم یحییٰ، خلیل بن احمد وغیرہم نے قرآن میں فاعل و مفعول وغیرہ کے امتیاز کے لئے آخری حرف پر لکیروں کے ذریعہ اعراب قائم کئے جو آجتک مروج ہیں اسی کے ساتھ ہم شکل حروف ب ت ث یا ج ح خ وغیرہ میں باہم امتیاز کرنے کے لئے نقطے بھی لگا دیے (تاریخ القرآن۔ اسلم)

۸۔ سنہ ۸۵ھ ہی میں پورے قرآن کو تیس حصوں میں اور پھر ہر حصہ کو ربع، نصف اور ثلاثہ ارباع میں سہولت کے لئے تقسیم کیا گیا۔

ابو سلمان شاہجہانپوری:

قرآن مجید کے: — قدیم فارسی تراجم

مولانا عبدالماجد دریابادی نے ۱۱؍اکتوبر ۶۳ء کے صدق جدید
ہیں قرآن مجید کے فارسی تراجم سے متعلق اپنی ابتدائی معلومات تحریر
فرمائی تھیں۔ آپ نے لکھا تھا کہ :۔

"اپنے بچپن میں جب میری آنکھیں کھلیں تو والد مرحوم کو روزانہ
صبح پابندی سے ایک ترجمہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے پایا۔ بڑی تقطیع کا
یہ قرآن مجید دہلی کا چھپا ہوا جسمیں ایک تاریخی ترجمہ شاہ ولی اللہ دہلوی
کا تھا۔ دوسرا اردو ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب کا تھا اور حاشیہ پر دو
تفسیریں ابن عباس اور جلالین کی۔ اور فارسی ترجمہ قرآن ایک مدت
تک میں اسکو سمجھتا رہا خیال قائم یہ ہے کہ ہندوستان میں ترجمہ قرآن
کی بنا ڈالنے والے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ہی ہیں۔"

آگے چل کر مولانا دریابادی کی معلومات میں مزید اضافہ ہوا اور
تفسیر حسینی اور ایک ترجمہ جو شیخ سعدی کی طرف منسوب تھا علم میں آیا۔
چنانچہ فرماتے ہیں :۔

"مدت کے بعد تفسیر حسینی (ملا حسین واعظ) کا ترجمہ فارسی دیکھا
اور اسکے بعد ایک اور ترجمہ نظر پڑا۔ جو منسوب شیخ سعدی کی جانب ہے
ان فارسی ترجموں سے میری واقفیت کی کل یہی کائنات ہے۔"

لیکن جب مولانا کی نظر سے حضرت شاہ رفیع الدین کا ترجمہ
مطبوعہ ۱۲۴۶ھ گزرا۔ اور اسکے دیباچہ پر نظر پڑی تو خیال اس
طرف گیا کہ اس دور میں نہ صرف دو ایک بلکہ متعدد ترجمہ ہائے قرآن مجید
موجود تھے۔ فرماتے ہیں :۔

"حال میں ایک کرمفرما کی عنایت سے مجھے ترجمہ ولی اللہی کا
ایک نادر ایڈیشن ہاتھ لگ گیا۔ یہ بھی دہلی کا مطبوعہ ہے۔ محمد ہاشم علی
کے مطبع ہاشمی کا۔ سال طبع ۱۲۴۶ھ شاہ رفیع الدین کا اردو ترجمہ
اسمیں بھی بین السطور درج ہے اور حاشیہ پر تفسیر جلالین اور
اسکے شروع میں دیباچہ شاہ صاحب کے قلم سے ہے۔ اسمیں بار بار
اسکا ذکر ملا کہ فارسی ترجمے (بصیغہ جمع) شاہ صاحب کے زمانہ میں
موجود تھے۔ انہیں آپ نے پڑھا۔ مگر ان میں سے کوئی آپ کے معیار
پسند پر پورا نہ اترا۔ اسلئے ایک جگہ فرماتے ہیں،

"ایں تفسیر ...... یک چند در تفحص ترجمہا افتاد .....
تراجم ہم زبانی کہ مقرر شدہ است باید و ترویج آں کوشد۔"

اسی طرح دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

"ایں ترجمہ ممتاز ست از ترجمہائے دیگر۔"

اور پھر تیسری جگہ ہے :

"ازانچہ در ترجمہائے دیگر یافتہ می شود۔"

اور چوتھی جگہ :۔

"تراجم از دو حالت خالی نیست۔"

ان عبارتوں سے اندازہ ایسا ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے
زمانہ میں متعدد فارسی ترجمے شائع ہو چکے تھے۔ آج وہ سب کہنا چاہیے
کہ گمنام و بے نشان ہیں۔"

اس مقام پر پہنچ کر ہر صاحب ذوق کے دل میں اس تمنا کا

کا پیدا ہونا فطری تھا کہ کاش کوئی صاحب جو اہلیت و مناسبت رکھنے کے ساتھ فرصت بھی اتنی رکھتے ہوں کہ اس موضوع پر قلم اٹھائیں اور دورِ ولی اللٰہی سے قبل کے فارسی تراجم قرآن کا تعارف کرا دیں ممبئی کے سہ ماہی "نوائے ادب" میں ایک صاحب نے یہ خدمت قدیم اُردو تراجم سے متعلق خوبی سے انجام دیدی ہے"۔

مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی کی یہ صدا، تمنّا ثابت، نہیں ہوئی۔ اور یہ متعدد اہلِ علم حضرات کی توجہ کا مرکز بنی۔ جن حضرات کے علم و مطالعہ میں فارسی کا کوئی ترجمہ آیا تھا۔ اُنہوں نے مولانا موصوف کو اس سے مطلع فرمایا۔ مولانا ان بیش قیمت معلومات کو مراسلات کی صورت میں صدق جدید میں شائع فرماتے رہے۔ یہ سلسلہ تقریباً ایک سال تک جاری رہا۔ معلومات کی فراہمی میں ہندوستان اور پاکستان کے ان اہلِ علم حضرات نے حصّہ لیا۔

(۱) قاضی زاہد الحسینی صاحب کیمبل پور (۲) یونس ندوی نگرامی (۳) قاضی اطہر مبارک پوری (۴) ابوالقاسم لکھنؤ (۵) ضیاء احمد بدایونی (۶) رئیس ضیائی بنگلور (۷) عبداللہ بن اسمٰعیل۔ ڈابھیل، (۸) شمس الضحیٰ ندوی (۹) چند تراجم کی جانب محمد ایوب قادری ایم اے کراچی نے توجہ دلائی۔ ان کے متعلق معلومات فراہم کر کے انہیں شامل کر دیے گئے۔

ان حضرات کی توجہ سے فارسی تراجم قرآن مجید کے بارے میں بیش قیمت معلومات فراہم ہو گئیں۔ لیکن ابھی تک یہ معلومات صدق جدید کے صفحات میں منتشر اور بے ترتیب تھیں۔ یہاں ان کو ایک ترتیب کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ اب یہ معلومات ایک جگہ بھی ہیں اور مرتب بھی لیکن یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ مکمل بھی ہیں۔

مولانا دریا بادی نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے دور سے قبل کے فارسی تراجم کے تعارف کی درخواست کی تھی۔ لیکن جہاں تک ہندوستان اور پاکستان کا تعلق ہے۔ فارسی تراجم قرآن مجید کا یہی آخری دور ہے۔ یہیں سے اُردو تراجم کا دور شروع ہوتا ہے اور ابنائے شاہ ولی اللہ دہلوی کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ اگر ان میں حضرت شاہ عبدالعزیز ایک دور (یعنی فارسی تراجم کے دور) کے خاتم[1] ہیں تو دوسرے دو بیٹے شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر دوسرے دور (یعنی اُردو تراجم قرآن کا دور) کے فاتح بھی ہیں۔ اگرچہ فارسی زبان و ادب کا دور اسکے بعد بھی باقی رہا۔ لیکن اسکے بعد فارسی تراجم سے استفادہ کرنے والوں کا کوئی حلقہ نظر نہیں آتا۔ اب ان فارسی تراجم کو محض تاریخی یا کتب حوالہ کی حیثیت حاصل ہے۔ یا کسی نے بطور تبرک سنبھال کر رکھ چھوڑا ہے۔ مذکورۂ بالا حاصل شدہ معلومات سے نہ صرف دورِ شاہ ولی اللہ رح کا حال معلوم ہو گیا۔ بلکہ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ فارسی کا سب سے پہلا ترجمہ قرآن، یا قرآن کی کسی سورۃ کا ترجمہ کون سا ہے۔ اور اسکا نمونہ بھی کہیں دستیاب ہوتا ہے یا نہیں۔ نیز آخری ترجمہ کونسا ہے؟

یہ بات صرف ہندوستان اور پاکستان کی حد تک کہی جا سکتی ہے ان ممالک میں جہاں کی عام بول چال کی زبان فارسی ہے اب بھی نئے نئے ترجمے فارسی میں ہو رہے ہیں۔ افغانستان میں ابھی حال ہی میں ایک ترجمہ فارسی مع حواشی شائع ہوا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ یہ ترجمہ کسی ایرانی یا افغانی عالم کا نہیں۔ بلکہ ہند و پاکستان کے ولی اللٰہی سلسلۃ الذہب کے آخری نشان حضرت شیخ الہند مولانا محمود اسیر مالٹا کے اُردو ترجمے اور مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم کے حاشیہ کا

---

[1] خاتم دوراں کا یہاں صرف اسقدر مطلب ہے کہ وہ اس آخری دور سے تعلق رکھتے ہیں، یہ مطلب نہیں کہ بس ان کا ترجمہ آخری ترجمہ ہے اور اسکے بعد کوئی ترجمہ فارسی میں نہیں ہوا۔ اسی طرح فاتح دوراں سے مراد صرف یہ ہے کہ ان کا تعلق اُردو تراجم قرآن کے دورِ اول سے تھا۔ یہاں یہ ہمارا مقصود نہیں ہے کہ ان سے پہلے اُردو میں کسی نے ترجمہ کیا ہی نہیں تھا۔

فارسی ایڈیشن ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ قرآن مجید کے فارسی تراجم کے بارہ میں کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا کہ اردو تراجم کے بارہ میں تھا۔ اُردو کی پوری تاریخ تین چار صدیوں سے زیادہ طویل نہیں جبکہ فارسی میں پہلی صدی ہجری سے ترجمہ قرآن کا سراغ ملتا ہے یعنی فارسی میں تراجم قرآن کی تاریخ تقریباً چودہ سو برسوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ پھر فارسی کا حلقہ بھی اُردو کے حلقے سے کئی گنا بڑا ہے۔ اُردو برصغیر پاک و ہند کا سرمایہ ہے جبکہ فارسی ایشیا کے بہت بڑے حصے میں پھیلی ہوئی ہے۔

سب سے پہلے مولانا قاضی زاہد الحسینی نے فارسی تراجم کے بارے میں لکھا کہ چونکہ مسلمانوں کے ہاں قرون اولیٰ میں علمی زبان عربی رہی ہے اسلئے علم تفسیر پر بھی باقی علوم کی طرح ہر مصنف نے جو کچھ لکھنا چاہا عربی میں لکھا ہے تاہم فارسی زبان میں بھی تفاسیر اور تراجم کی تعداد کافی موجود ہے۔ تتبع اور تلاش سے یہ موضوع تکمیل پذیر ہوسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں چند نشانات پیش ہیں۔

...... فارسی ترجمہ کی ابتدار کے متعلق مبسوط سرخسی ج ۱ ص۳۷ میں ..... مندرجہ ذیل عبارت موجود ہے۔

(وروی ان الفرس کتبوا الی سلمان رضی اللہ عنہ ان یکتب لھم الفاتحۃ بالفارسیۃ وکانوا یقرؤن ذالک فی الصلوٰۃ حتیٰ لانت السنتھم للعربیۃ)

اسپر جناب یونس ندوی فرماتے ہیں کہ ہاں! فارسی زبان میں سورۂ فاتحہ کا سب سے پہلا ترجمہ حضرت سلمان فارسی نے کیا۔ صاحب روح المعانی اپنی تفسیر روح المعانی ج۱ ص۵ میں اسکا تذکرہ یوں فرماتے ہیں۔

"وفی النہایۃ والدرایۃ ان اہل فارس کتبوا الی سلمان الفارسی ان یکتب لھم الفاتحۃ بالفارسیۃ فکتب۔

ہوسکتا ہے کہ فارسی کے قدیم ادبی ماخذوں میں اسکا کوئی حوالہ مل جائے تو ایک بڑی تاریخی چیز سامنے آجائے گی۔ مولانا م دریابادی نے اسپر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا "بیشک ایک صحابی رسول کا کیا ہوا ترجمۂ قرآن، وہ چند آیات کا سہی، قابل دید ہوگا کاش کہیں سے اسکی جھلک دیکھنے میں آجائے، اب تک تو صرف اسکا تذکرہ ہی کتابوں میں پڑھا ہے"۔

قاضی مبارکپوری نے اس پر لکھا ..... (تاریخ الادب العربی ص۲۰۱ میں ہے کہ) موسیٰ بن سیار اسواری جو کہ علم و فن میں یکتائے زمانہ اور بقول جاحظ از من اعاجیب اللہ تھا۔ عربی اور فارسی زبانوں پر یکساں عبور رکھتا تھا۔ اسکی مجلس درس میں دائیں طرف عرب اور بائیں طرف عجم بیٹھا کرتے تھے اور موسیٰ بن سیار اسواری قرآن کی ایک آیت پڑھ کر عربوں کی طرف رخ کرکے عربی زبان میں اور عجمیوں کی طرف متوجہ ہوکر فارسی زبان میں ترجمہ و تفسیر بیان کیا کرتا تھا۔

نیز امام ابن قتیبہ نے مشکلات القرآن میں ایک مقام پر قرآن حکیم کے عجمی (فارسی) زبان میں صحیح ترجمہ کی دقتوں اور دشواریوں کو بیان کیا ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ تیسری صدی میں قرآن کے فارسی ترجمہ کا رواج ہوچکا تھا۔ اور اہل علم اسکی کوشش کرتے تھے۔ تاریخ و رجال اور ادب و محاضرات کی کتابوں کی طرف مراجعت کی جائے تو کیا عجب ہے کہ موسیٰ بن سیار اسواری کے ترجمہ و تفسیر کے بعض نمونے مل جائیں۔

قاضی زاہد الحسینی نے اسکی تائید یوں فرمائی۔ تاریخ ادبیات ایران سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر ابن جریر اور تفسیر حیاتی سنہ ۳۰۲ھ کا ترجمہ فارسی میں امیر سید ملک منظفر ابو صالح نے علمار کی ایک مجلس سے کرایا تھا۔

اور ایک ترجمہ منصور بن نوح سامانی (ولادت سنہ ۲۹۵ھ وفات سنہ ۳۵۰ھ)

کے زمانہ میں علماء کرام نے فارسی ترجمہ مرتب کیا تھا جو حال ہی میں تہران سے شائع ہوا ہے۔

رئیس احمد ضیائی کے نزدیک قرآن پاک کا سب سے پہلا فارسی ترجمہ جو ابھی تہران سے شائع ہوا ہے۔ منصور بن نوح سامانی سنہ ۲۶۵ھ۔ سنہ ۳۵۰ھ کے زمانہ کے علماء نے تیار کیا تھا۔

نیز یہ کہ اسٹوری کی (Persian Litrature) حصہ اول و دوم Leth براؤن Peece اور Elhe وغیرہ کی فہرستوں میں بہت فارسی ترجموں کا ذکر ملتا ہے۔

قاضی زاہد الحسینی نے اس پر یہ اضافہ فرمایا۔ تاج التراجم جسکے متعلق تاریخ ادبیات ایران کا نوٹ یہ ہے کہ اسکو تفسیر اسفرائنی بھی کہا جاتا ہے۔ فارسی زبان کی اہم کتب میں سے ہے یہ تفسیر امام عماد الدین ابو المظفر شاہپور شافعی المذہب کی مرتبہ ہے جن کا وصال سنہ ۴۷۱ھ میں ہوا۔ یہ کتاب چند حصوں میں منقسم ہے۔ ہر حصہ میں کسی نہ کسی سورہ کا ترجمہ اور تفسیر موجود ہے۔

تاج التراجم کا ایک نسخہ کتب خانہ ملی پیرس میں موجود ہے اور ایک نسخہ عکسی دانشگاہ تہران میں اور اسکی اصل کتب خانہ ترکیہ میں محفوظ ہے۔ اسی طرح البصائر فی التفسیر از شیخ ظہیر الدین ابو جعفر محمد بن مسعود نیشاپوری (سال فراغت سنہ ۵۵۵ھ) چند مجلدات میں ہے۔ ایک قدیم فارسی تفسیر لطائف التفسیر ہے جس کے مرتب امام بکر فضل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جو سنہ ۴۸۲ھ کو بخارا میں فوت ہوئے۔ اور مزار بھی وہیں ہے۔ یہ تفسیر مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے کتب خانہ میں ہے۔ جو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ نے بوقت رحلت وقف فرمادی تھی۔ الفضل حبیش ابراہیم تفضیلی م سنہ ۶۶۹ھ نے فارسی میں ایک تفسیر لکھی جسکا نام مشکلات القرآن ہے احمد بن علی محمد کاتب نے سنہ [illegible] میں فارسی میں قرآن کا ترجمہ لکھا۔ جو استنبول کے کتب خانہ میں ہے

حال ہی محمد ایوب قادری نے اپنی کتاب "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" ص ۲۲۳ میں حضرت مخدوم سے منسوب ایک ترجمہ کا تذکرہ کیا ہے قادری صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ:

"یوپی کے مشہور بزرگ حضرت شاہ محمد ابراہیم مرادآبادی (المتوفی سنہ ۱۰۸۱ھ / ۱۶۷۰ء) کی اولاد میں مولوی احسان الحق صاحب مرادآبادی کے پاس قرآن کریم کا ایک قلمی نسخہ ہے جو خط بہار میں تحریر ہے۔ قرآن کریم میں کوئی ترقیمہ شامل نہیں ہے جس سے کاتب یا سن کتابت وغیرہ کا حال معلوم ہوتا۔ مگر مولوی احسان الحق صاحب کے تایازاد بھائی سلطان الحق بن شمس الحق کی روایت ہے کہ یہ قرآن کریم حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشت کے دست مبارک کا لکھا ہوا ہے۔ قرآن کریم کے طرفین کے کئی سیپارے نہیں ہیں۔ درمیان میں بھی بعض سیپارے نامکمل ہیں۔ رسم الخط اور کاغذ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نسخہ آٹھویں صدی ہجری کا ہوسکتا ہے۔ قرآن کریم میں فارسی ترجمہ بھی ہے اور ترجمہ سرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے۔ ترجمہ میں حسب ضرورت بعض مقامات پر مختصر سی تشریح بھی ہے۔ قرآن کریم کا یہ فارسی ترجمہ برصغیر پاک و ہند کے قدیم ترین ترجموں میں سے ہے۔ عم یتساءلون کے سیپارے کا کچھ حصہ بغیر ترجمے کا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پہلے سیاہ روشنائی سے قرآن کریم تحریر کیا گیا۔ اور اس کے بعد سرخ روشنائی سے ترجمہ لکھا گیا"

اگر حضرت مخدوم سے اس ترجمہ کی نسبت صحیح ہے تو یہ ترجمہ واقعی آٹھویں صدی ہجری کا ہے اسلئے کہ حضرت مخدوم کا وصال، ۱۰ ذی الحجہ سنہ ۷۸۵ھ مطابق ۳ فروری سنہ ۱۳۸۴ء میں ہوا۔ چونکہ آخری پارے کا کچھ حصہ بغیر ترجمے کے ہے اسلئے قیاساً یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ شاید حضرت مخدوم نے اپنی زندگی کے آخری دور میں ترجمہ شروع کیا ہوگا اور انکی علالت اور پھر وصال کی وجہ سے ترجمہ تشنہ رہ گیا۔

ابوالقاسم لکھنوی فرماتے ہیں۔ احقر نے قرآن شریف کے درس کے دوران میں بارہا حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی قدس سرہٗ وفات ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء کی زبان مبارک سے سنا کہ جو قرآن کا ترجمہ شیخ سعدی کی جانب منسوب ہے وہ دراصل میر سید شریف جرجانی معاصر علامہ تفتازانی و صاحب نحویہ وغیرہ کا ہے۔ مطبع والے نے میرے سامنے سعدیؒ کی طرف جذب زر کے لئے غلط طور پر منسوب کر کے شائع کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت قدس سرہٗ کے پیش نظر کیا دلائل تھے۔ جو سید شریف کی طرف اس ترجمہ کو منسوب فرماتے تھے۔ خیال پڑتا ہے کہ میرے یا کسی کے دریافت کرنے پر کچھ بتایا تھا جو مجھے یاد نہیں رہا۔ جب دارالمبلغین پہلے پہل قائم ہوا ہے تو حضرت نے بعد نماز صبح ترجمہ قرآن کا درس دینا شروع فرمایا تھا جو تین چار دور تک جاری رہا۔ میں پہلے دور میں از اول تا آخر شریک رہا۔

شیخ سعدیؒ کی طرف منسوب قرآن مجید کے اسی فارسی ترجمہ کے متعلق مولانا دریابادی نے فرمایا اتنا تو اچھی طرح یاد ہے کہ مولانا ابوالکلام بھی اس ترجمہ کی نسبت شیخ سعدی کی جانب بالکل غلط سمجھتے تھے۔ اور خیال یہ ظاہر کرتے تھے کہ کسی نے اصل مترجم کے نام کیساتھ تعظیمی لقب مصلح الدین دیکھ کر اسکو شیخ سعدی کا ترجمہ سمجھ لیا حالانکہ خود شیخ سعدی کا بھی اصلی نام مصلح الدین نہ تھا۔ مگر عوام میں مشہور یہی تھا۔ اور یہ بات مولانا نے زبانی ایک مختصر مجلس میں فرمائی تھی۔ رہا یہ کہ انہوں نے بھی اسکی صحیح نسبت سید شریف جرجانی ہی کی جانب قرار دی تھی۔ سو یہ پوری طرح یاد نہیں پڑتا۔ اطمینان اسمیں ہے کہ یہ بات بھی مولانا ابوالکلام نے فرمائی تھی یا کسی اور نے کہی۔ بہرحال کسی اہل قلم کی ہی زبان سے نکلی ہوئی کان میں پڑی ہوئی ہے اور اسکے کہنے والے مولانا عبدالشکور ہی نہ تھے۔ مولانا عبدالشکور اور مولانا ابوالکلام دونوں کی نظر ایسے معاملات میں اچھی اور گہری تھی۔

ضیاء احمد نے بھی اسکی تائید کی اور لکھا مجھے بھی یاد پڑتا ہے کہ البیان مولفہ مولانا عبدالحق حقانی میں اس امر کی صراحت ہے کہ جو ترجمہ قرآن مجید شیخ سعدی شیرازی (متوفی ۶۹۱ھ) کی طرف منسوب ہے وہ دراصل سید شریف جرجانی (المتوفی ۸۱۶ھ) کا کیا ہوا ہے لیکن بقول مولانا دریابادی اس حد تک تو تصریح البیان میں موجود نہیں۔ البتہ یہ ایک فقرہ اسمیں درج ہے۔

"ایک ترجمہ فارسی میں سید شریف جرجانی کا بھی نہایت عمدہ ہے۔"

زاہد الحسینی فرماتے ہیں کہ سید شریف جرجانی نے مفردات قرآنیہ کو فارسی زبان میں تحریر فرمایا۔ تفسیر بحر مواج از علامہ شمس الدین دولت آبادی ثم الدہلوی ۸۴۹ھ فارسی زبان میں ہے۔ مولانا عبدالحق حقانی نے فرمایا کہ یہ تفسیر سلطان ابراہیم شرقی جونپوری کے زمانہ میں لکھی گئی۔ تفسیر حسینی حسین بن علی کاشفی متوفی درحدود ۹۰۰ھ فارسی زبان کی مشہور تفسیر ہے راقم الحروف نے تذکرہ علمائے ہند (ف[۱]) میں دیکھا ہے کہ عہد اکبری کے مشہور عالم ابوالفضل ابن شیخ مبارک ناگوری (م ۹۵۸ھ / ۱۵۵۱ء) نے آیۃ الکرسی کی تفسیر لکھی۔ اسکا تاریخی نام تفسیر اکبری ہے جس سے ۹۸۳ھ برآمد ہوتے ہیں۔ ابوالفضل نے یہ تفسیر لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کی۔ اور عنایات شاہانہ سے سرفراز ہوا۔

قاضی زاہد الحسینی کے نزدیک برصغیر ہند و پاکستان میں نوح حالانی (وفات ۹۹۸ھ) کا ترجمہ فارسی سب سے زیادہ قدیم معلوم ہوتا ہے۔ جس کا پہلا پارہ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب حیدرآباد یونیورسٹی شائع کر رہے ہیں۔ رئیس ضیائی نے

---

[۱] از رحمان علی مرتبہ و مترجمہ محمد ایوب قادری صاحب شائع کردہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی۔ کراچی۔

اسکی تائید کی اور لکھا کہ ..... ہمارے ملک میں مخدوم نوح ہالائی (المتوفی ۹۹۸ھ) اور شاہ ولی اللہ دہلوی (المتوفی ۱۱۷۶ھ) کے فارسی تراجم قدیم ترین سمجھے جاتے ہیں، اور جیسا کہ زاہد الحسینی صاحب نے فرمایا مخدوم نوح کے فارسی ترجمے کا پہلا پارہ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صاحب لاہور سے شائع کر رہے ہیں، لیکن مولانا دریابادی کے نزدیک دونوں سے قدیم تر وہ ہے جو شیخ سعدی کیجانب منسوب ہے۔ مگر معتبر اہل علم کا کہنا یہ ہے کہ وہ شیخ جرجانی نحوی کا ہے۔ لیکن جہاں تک فارسی میں قرآن مجید کی تفاسیر کا تعلق ہے قاضی زاہد الحسینی صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا معین الدین نے ایک تفسیر حدائق الحقائق فی کشف اسرار الدقائق فارسی میں لکھی ہے۔ ہم نے اسکی صرف تفسیر سورۂ یوسف کا حصہ دیکھا ہے۔ جو ۹۰۰ھ سے پہلے کا لکھا ہوا ہے تفسیر خلاصۃ المنہج بھی فارسی تفسیر ہے جو سورۂ مریم سے لیکر آخر تک ایک ہی جلد ہے۔ اسکی ابتدائی جلد کا پتہ نہ چل سکا۔ البتہ یہ حصہ قلمی زیر راقم ہے، جو عبداللہ بن سیبوری نے لکھا۔ اختتام تحریر کی تاریخ ۲۴ شعبان ۱۰۹۶ھ درج کی گئی ہے۔

اسی سلسلہ میں عبداللہ بن اسمٰعیل نے لکھا کہ اختر نے چند ماہ پیشتر ڈابھیل کے قریب ایک گاؤں میں قرآن شریف کی ایک فارسی تفسیر قلمی دیکھی ہے۔ اگرچہ وہ مکمل ہے مگر دیمک خوردہ ہونے کے سبب سے قابل انتفاع نہیں معلوم ہوتی۔ کتابت بہت اچھی ہے نام تفسیر معینی ہے۔ درمیان کے پارے اچھے ہیں، دیکھنے سے معلوم ہوا کہ تفسیر مختصر انداز میں حنفی مسلک کے مطابق بہت اچھے اسلوب میں ہے ابتدا اس طرح ہوتی ہے۔

هو المعین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"حمد نا محدود و ثنائے نامعدود معبودے را سزا است کہ حمد جمیع ..... خوانندگان و جمیع ثنا خوان راجع بذات پاک اوست" الخ

مقدمہ میں چند اشعار ہیں جس سے سبب تالیف پر روشنی پڑتی ہے۔ اسکے دو سطر بعد یہ عبارت ہے۔

"ایں ہمہ توفیق بتحصیل فضائل و تکمیل مارب محض از فیض ...... (اسکے بعد القاب کی آٹھ سطریں ہیں) ...... دیوان عظمت وجلالت شاہ عالم بہادر اورنگ زیب ......"

اور چند سطروں کے بعد مکتوب ہے۔

"واتفاق ختم آں در بست و ہفتم شہر محرم الحرام سنہ ہزار و ہفتاد بود بوضوح پیوست موجب تسمیہ اسم مولف باسم شرح القرآن معینی ایں بود کہ مذکور امر غیبی و الہام لاریبی دریں امر چند نمودہ شد اگرچہ ایں کم بضاعت را یارای آن نبود۔ ولکن از قدرۃ اللہ بعید نیست بلکہ ..... چنانچہ شہد فائق از نحل کندندہ بوجود می آرد"

تذکرۂ علمائے ہند (ص ۲۷۴) میں سید محمد ابوالمجد محبوب عالم بن سید بدر عالم (م ۱۰۴۷ھ / ۱۶۳۷ء) کی ایک فارسی تفسیر کا تذکرہ ہے۔

"سید صاحب احمد آباد گجرات کے مشائخ صوفیا میں سے تھے۔ تصانیف کثیرہ کے مالک ہوئے۔ ان میں سے دو تفسیریں ہیں: ایک فارسی زبان میں اہلبیت کی روایات سے ہے۔ دوسری جلالین کے انداز پر عربی زبان میں ہے"

قاضی زاہد الحسینی نے ایک اور تفسیر تفسیر زاہدی کا ذکر کیا ہے یہ (۱۱۰۱ھ) فارسی زبان کی تفسیر چند جلدوں میں ہے جس کے متعلق نواب صدیق حسن خان مرحوم نے (الاکسیر ص ۵۹) میں فرمایا۔

"محرر سطور بمطالعہ آن فائز شدہ است اما چیزے نیست"

مگر بقول مرحوم سید سلیمان ندوی "اس تفسیر نے سب سے زیادہ ہر دلعزیزی حاصل کی" لیکن میرا خیال ہے کہ یہ دونوں آراء ایک دوسرے کی مخالف نہیں ہیں، حضرت نواب صاحب کا اشارہ اسکی علمی حیثیت کی طرف ہے۔ اور حضرت سید صاحب نے اسکی عام مقبولیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور یہ تو ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ

قبولیت عامہ کیلئے کسی چیز کا اعلیٰ علمی درجہ کا ہونا شرط نہیں ہے۔ بعض کمتر علمی درجہ کی چیزیں وہ قبولیت عامہ حاصل کرتی ہیں جو اعلیٰ درجہ کی علمی مصنفات کو کبھی حاصل نہیں ہوتیں۔

شاہ ولی اللہ کے عظیم فرزند شاہ عبدالعزیز (ف ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸۲۴ء) کی مشہور تفسیر فتح العزیز ہے۔ یہ مکمل تفسیر نہیں۔ سورہ بقر اور آخری پارہ کی تفسیر ہے۔ فارسی زبان میں متعدد بار زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔ محمد حسن خاں رام پوری نے اُردو میں ترجمہ کیا۔ رمضان ۱۲۶۱ھ میں یہ اُردو ترجمہ بھی چھپ گیا۔

ڈابھیل کی اس فارسی تفسیر قلمی پر قاضی زاہد الحسینی نے مزید روشنی ڈالی ہے وہ لکھتے ہیں ...... جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ میرے خیال میں یہ قلمی تفسیر ڈابھیل سے متصل قصبہ کٹھلیتہ کی مسجد کے کتب خانہ میں ہے جس کو میں اپنے زمانہ طالبعلمی میں محدث عصر مولانا انور شاہ کشمیری کے آخری سال تدریس میں دیکھ چکا ہوں۔ یہ کتب خانہ مولانا عبد الحئی مرحوم سابق خطیب رنگون مؤلف البصائر کا ہے۔ یہ تفسیر معینی خواجہ معین الدین بن خواجہ محمود نقشبندی کی مرتبہ ہے۔ آپ اپنے زمانہ کے بہت بڑے صاحب علم و تقویٰ گزرے ہیں۔ آپ کی وفات ۱۰۸۵ھ میں ہوئی حدائق الحنفیہ میں اس تفسیر کا ذکر تو نہیں۔ البتہ فتاویٰ نقشبندیہ کا ذکر ہے۔ (اس زمانہ کا) ایک شیعہ مترجم کا لکھا ہوا فارسی ترجمہ احقر نے دیکھا ہے جس سے پتہ چلتا ہے

"از دست علی رضا در اوائل شوال ۱۰۰۲ھ"

نیز اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ کا ایک قلمی ترجمہ فارسی احقر نے دیکھا ہے جو بڑے سائز کا ہے۔ اور جس کا ترجمہ بین السطور تفسیر نما ہے۔ یہ وہ ترجمہ ہے جس کو حسن ابدال میں شروع کیا۔ اور دکن میں ختم کیا۔ اس کے پہلے صفحہ پر عالمگیر اور سید علی خاں الحسن جواہر رقم کی مہر ہے جس پر ۱۰۸۰ھ اور ۱۰۹۰ھ مرقوم ہے۔ زمانہ کے دستبرد سے اس ترجمہ کا صرف ایک حصہ از سورہ یونس تا سورہ عنکبوت محفوظ ہے۔ نیز مولوی ولی الدین سید احمد فرخ آبادی نے ۱۲۴۹ھ میں قرآن کی فارسی تفسیر تین جلدوں میں تحریر کی۔

راقم الحروف عرض پرداز ہے کہ موصوف کا صحیح نام محمد ولی اللہ تھا۔ احمد علی حسینی فرخ آبادی کے فرزند تھے۔ آپ کی تفسیر کا نام "نظم الجواہر" ہے۔ بہت بڑے رجسٹر سائز کے ۱۴۱۴ صفحات کی ایک جلد میں یہ خوبصورت قلمی نسخہ رضا لائبریری رام پور میں اور ایک نسخہ بدایوں میں کسی صاحب کے ذاتی کتب خانہ میں ہے۔ ممکن ہے کسی صاحب نے اسکی ضخامت دیکھتے ہوئے تین حصوں میں تقسیم کر کے جلدیں بنوائی ہوں اور یہی محترم زاہد الحسینی صاحب کی نظر سے گزری ہو۔ یہ تفسیر ۱۲۴۲ھ میں تکمیل کو پہنچی۔ "اکمال نظر" سے تاریخ تکمیل برآمد ہوتی ہے۔ جہد بنگش کے دیباچہ میں فاضل محترم محمد ایوب قادری نے اس تفسیر کا مکمل ذکر کیا ہے۔ قادری صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ یہ قرآن کی تفسیر ہے۔ نظم الجواہر اسکا تاریخی نام ہے جس سے ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۸۲۰-۲۱ء برآمد ہوتے ہیں۔ مفتی صاحب اپنی تصانیف میں تفسیر کو خاص اہمیت دیتے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں

"تفسیر نظم الجواہر دیدنی است و بدیدہ دل پسر و فی"

یہ تفسیر ۱۲۳۶ھ میں لکھنی شروع کی اور چھ سال کے عرصہ میں ۱۲۴۲ھ میں مکمل ہوئی۔ اس کے اختتام کی تاریخ "اکمال نظر" سے نکلتی ہے۔ یہ نظم الجواہر کا ایک بہت ہی خوشخط اور اچھا قلمی نسخہ رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے۔ یہ کتاب ایک بہت بڑے رجسٹر سائز کے ۱۴۱۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتابت خط نستعلیق میں جلی حروف میں ہوئی ہے۔ یہ تفسیر علوم قرآنی کا دائرۃ المعارف ہے۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ اس تفسیر پر مولوی اوحد الدین احمد بلگرامی اور مرزا احسن علی محدث وغیرہ نے کفر کا فتویٰ صادر کیا تھا۔ (مآثر صدیقی جلد اول صلا ۹۳) کتاب کا آغاز اس طرح ہوا ہے۔

"و بحمدہ حمداً طیباً مبارکا رباً کلماتہ لشانتہ و کفار الآتیہ

لعابۃ حمد الشاکرین ونشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ و
نشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ وخاتم الانبیاء وسید المرسلین صلی اللہ
علیہ وسلم وبارک علیہ اما بعد می گوید محمد ولی اللہ بن احمد علی حسینی فرخ
آبادی افاض اللہ تعالیٰ علیہ دلاء جلائل النعم وسجان جزائل الایادی
(کذا فی الاصل) پس از اتمام حفظ قرآن مجید در اوائل ۱۲۳۳ھ
یک ہزار و دو صد وسی و سہ ہجریہ کہ اعداد حروف آیہ انا فتحنا لک
فتحا مبینا آن شعر است .... و آں را نظم الجواہر و
قصد الفرائد نامیدم۔

کتاب نامی نظم الجواہر — کہ باشد در مسلمانان مسلم
مؤلف ثانیا در وے نظر کرد — فتد مغفور تا در جملہ عالم
ز ہجرت یک ہزار و دو صد و چل ۱۲۴۲ھ — و گر دو بود رفتہ تا بایں دم
ہنگام تمام ماہ رمضان! — شروع شہر شوال مکرم
بوقت مغرب و مابین شہرین — کہ بودند اہل دیں خوشنود و خرم
ز اکمال نظم چوں گفت فارغ — پے تاریخ شد از غیب ملہم
کہ "اکمال نظم" تاریخ باشد — دگر "مغرب" فان الیوم قد تم

والی الکل حسین الف الف
علی خیر الورے صل وسلم

وعلی جمیع اخوانہ من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین وعلی آلہ الطیبین الطاہرین صحابۃ البررۃ اجمعین الحمد للہ رب العالمین۔ ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا انک علی کل شیٔ قدیر، و بالاجابۃ جدیر۔

عہد بنگش کی سیاسی علمی و ثقافتی تاریخ مفتی ولی اللہ فرخ آبادی کی مشہور کتاب تاریخ فرخ آباد کا ترجمہ ہے جسے محمد ایوب قادری صاحب نے مرتب کیا ہے۔ اور اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی شائع کر رہی ہے۔

آخر میں مولانا زاہد الحسینی نے بعض اور تفسیروں کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"ابو علی فضل بن حسن طبرسی ۵۴۸ھ کی مفصل تفسیر کا ترجمہ فارسی میں تیرھویں صدی میں آغا محمد نے کیا تھا۔ (ایک اور تفسیر تفسیر اسور آبادی از ابو بکر عتیق بن الہروی اسور آبادی نظر سے گزری) یہ تفسیر فارسی زبان کے بلند پایہ نمونہ پر تحریر کی گئی ہے، اور تا حال غیر مطبوعہ ہے۔ اس کے نسخے ایران، استانبول، انڈیا آفس، انگلستان اور برلن میں موجود ہیں۔

ایک اور ترجمہ فارسی کا پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ جس پر ابن عاقل لکھا ہوا ہے۔

قرآن مجید کے انگریزی تراجم

بقیہ صفحہ ۲۴۶

اور سورتوں کی ترتیب بھی مترجم صاحب نے راڈویل اور بل کی راہ پر چل کر اپنی خود رائی سے قائم کی ہے۔ دیباچہ میں مترجم نے قرآن مجید کو ادبی حیثیت سے بے نظیر تسلیم کیا ہے۔

اسلامی دنیا میں ایک ترجمہ پاکستان میں خواجہ عبد الوحید صاحب اپنے انگریزی پندرہ روزہ "الاسلام" (کراچی) میں قسط وار چھاپ رہے ہیں، جس کی آخری قسط سورۃ الشعراء (پ ۱۹) کے ختم تک نکلی تھی۔ اسکے بعد غالباً یہ پرچہ ہی بند ہو گیا۔ اور پاکستان سے یہ خبر آئی تھی کہ مکمل ترجمہ قرآن مشہور نومسلم فاضل محمد اسد کے زیر تسوید ہے یقین ہے کہ یہ قابل دید ہوگا۔ باقی خبر یہ مصر و حجاز دونوں سے بھی مستند انگریزی ترجموں کے زیر ترتیب ہونے کی آرہی ہے۔

ڈاکٹر مولوی عبدالحق :

قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر

پرانی اردو میں

بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم کا ایک نایاب مضمون ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے جس میں انہوں نے پرانی اردو میں قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر کے بارے میں بڑی مفید معلومات فراہم کی ہیں۔ خیال یہ ہے کہ یہ اس موضوع پر پہلا اور آخری مضمون ہے۔ مولوی عبدالحق مرحوم قدیم اردو اور دکنیات کے خاص طور پر ماہر تھے۔ انہوں نے قدیم مخطوطات کی ورق گردانی کر کے اس سلسلہ کی سب سے پہلی کتاب سورۂ یوسف کی تفسیر تاباں ہے، جو دسویں صدی ہجری کے اواخر کی تصنیف ہے۔ اس موضوع پر آخری کتاب جس کا ذکر مولوی صاحب نے کیا ہے وہ تیرھویں صدی کے ابتدا کی ہے۔ اس طرح اس مضمون میں ہند و پاکستان میں دو صدیوں کے قرآنی ادب کی تاریخ اور تفصیل آگئی ہے۔ جو اس موضوع پر لکھنے اور دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یقیناً بڑا سرمایہ ہے۔

(ادارہ)

آسمانی صحیفوں کے ترجمے کی مخالفت تقریباً ہر ملک اور ہر قوم میں کی گئی ہے۔ اور یہ مخالفت ہمیشہ علمائے دین کی طرف سے ہوئی۔ وجہ یہ کہ یہ لوگ اپنے کو علوم دینیہ کا خاص ماہر اور اسرار کا وارث خیال کرتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ یہ باتیں عام ہو جائیں۔ عام ہوئیں تو لوگ ایک حد تک ان بزرگوں سے بے نیاز ہو جائیں گے۔ اور اس سے ان کی بڑائی اور فضیلت میں فرق آجائے گا۔ بعض اوقات مخالفت اسلئے بھی کی گئی کہ ترجمے اور تفسیریں اُن کے منشا کے خلاف تھیں۔ اور ایسے مترجمین اور مفسرین کو تکلیفیں اور عقوبتیں پہونچائی گئیں۔

یہ روش کسی خاص ملک یا قوم سے مخصوص نہ تھی بلکہ ہر جگہ پائی جاتی ہے۔ چنانچہ زمانہ وسطیٰ میں یورپ میں انجیل و توریت کے مترجمین کو طرح طرح کی ایذائیں دی گئیں۔ اور علماء کی مجلس نے ان صحیفوں کے مترجمین کے ترجموں کے متعلق امتناعی احکام جاری کئے۔ رمیس (علاقہ فرانس) کے ایک نانبائی ایتیاں دو نامی کو بعض عقائد کی بنا پر جن کی تلقین وہ کرتا تھا، علماء کی مجلس نے مردود ٹھہرایا، کفر کا فتوےٰ صادر کیا اور زندہ جلادیا اور اس کے ساتھ مجلس نے فرانسیسی زبان میں بائبل کے ترجمے کی ممانعت کردی۔ ترجمہ کرنا تو درکنار کسی کے پاس دیسی زبان میں ترجمے کا پایا جانا بھی جرم تھا۔ آکسفورڈ میں آرک بشپ ارنڈل کے زیر سرپرستی سنہ ۱۴۰۸ء میں ایک مجلس منعقد ہوئی اور اسمیں یہ

احکام صادر کیے گئے کہ کوئی شخص اپنے اختیار سے بائیبل کے کسی نسخے کا انگریزی ترجمہ انگریزی یا کسی دوسری زبان میں کتاب یا کتابچے یا رسالے کی صورت میں کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ نیز کوئی شخص ایسی کتاب یا کتابچے یا رسالہ کا نجی طور پر یا عام طور پر پڑھنے کا مجاز نہیں جو جان وکلف یا اسکے بعد یا اب لکھا گیا ہو، خواہ وہ ترجمہ کلاً ہو یا جزواً۔ ورنہ اسکی خلاف ورزی وہ کفر و معصیت کا حامی تصور کیا جا کر قابل سزا سمجھا جائے گا۔

اس زمانہ میں انگریزی بائیبل کے بعض ترجمے ہوئے۔ لیکن کسی مطبع کو ان کے چھاپنے کی جرأت نہ ہوئی۔ مثلاً ولیم ٹنڈیل نے ایک ترجمہ کیا اور جب اسنے دیکھا کہ یہاں اسکا چھپنا ممکن نہیں تو بھاگ کر ہمبرگ میں پناہ لی۔ اور کولون میں اپنا ترجمہ چھپوانا شروع کیا۔ ابھی کتاب زیر طبع تھی کہ فرینکفورٹ کے ڈین کو اسکی سن گن معلوم ہوئی۔ اس نے نہ صرف کولون کی سینیٹ کے ذریعہ اسکی طباعت روکدیا بلکہ ہنری ہشتم اور ولزلی کو لکھا کہ انگلستان کی بندرگاہوں میں خاص طور پر نگرانی رکھی جائے کہ اس ترجمہ کا کوئی نسخہ وہاں داخل نہ ہونے پائے۔ ٹنڈیل نے یہ رنگ دیکھا تو وہ وارمس بھاگ گیا اور جس قدر چھپے ہوئے فرمے ہاتھ لگے ساتھ لیتا گیا۔ وہاں یہ ترجمہ طبع ہوا۔ سنہ ۱۵۲۶ء میں اسکے نسخے انگلستان پہونچے۔ لیکن ان کے برباد اور تلف کرنے میں اسقدر سعی اور جد و جہد کی گئی کہ سوائے چند ناقص اجزاء کے جو برٹش میوزیم میں موجود ہیں اسکا کوئی نسخہ نہیں ملتا۔ اسکی عمر زیادہ تر جلا وطنی میں گزری۔ پادری اور حکومت اسکے درپے تھے۔ آخر سنہ ۱۵۳۵ء میں گرفتار ہوا۔ اور سنہ ۱۵۳۶ء میں پھانسی دی گئی۔ اور لاش دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دی گئی انگریزی بائیبل کا کوئی حصہ سنہ ۱۵۲۵ء سے قبل طبع نہ ہوا۔ اور پوری بائیبل سنہ ۱۵۳۵ء سے پہلے شائع نہ ہوئی۔

ہندوستان میں شاہ ولی اللہ نے سب سے پہلے سنہ ۱۱۵۱ھ میں قرآن شریف کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا۔ مولف حیات ولی نے شاہ صاحب کے ایک فاضل ہم عصر کی زبانی بیان کیا ہے کہ جب اسکی اشاعت ہوئی تو ایک تہلکہ عظیم کٹ ملاؤں کے گروہ میں پیدا ہوگیا اور علاوہ کفر کے فتوے دینے کے وہ شاہ صاحب کے جانی دشمن ہوگئے اور اُن کے قتل کی فکر میں رہنے لگے۔

یہ ترجمہ شائع کرنے کا ذکر ہے۔ زبانی ترجمہ پڑھانے کے بھی ہمارے ملا اور علماء شدید مخالف تھے۔ میرے ایک دوست جن کے خاندان میں زمانہ دراز سے علم وفضل کا چرچا چلا آرہا ہے۔ فرماتے تھے کہ اُن کے جد امجد علاوہ دوسرے علوم وفنون کے قرآن مجید کا ترجمہ بھی پڑھایا کرتے تھے۔ جب شہر کے علماء کو یہ معلوم ہوا تو وہ سخت برہم ہوئے۔ ان کے گھر پر چڑھ آئے۔ اور زد و کوب پر اُتر آئے۔ فورٹ ولیم کالج میں جب بعض مولویوں کو قرآن شریف کے ترجمے کے لئے متعین کیا گیا۔ تو اسی قسم کا ہنگامہ ہوا۔

ابھی حال کا ذکر ہے کہ جب مسٹر پکتھال نے قرآن کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا اور وہ علمائے مصر سے مشورہ کرنے کے لئے مصر تشریف لے گئے تو علماء مصر نے ترجمہ کے لفظ پر سخت اعتراض وارد کیا۔ اور اس بحث نے اسقدر طول کھینچا کہ آخر مسٹر پکتھال کو مجبور ہو کر ترجمے کے لفظ سے احتراز کرنا پڑا اور اسکا نام Meaning of the Koran "معانی قرآن" رکھنا پڑا۔ بات یہ ہے کہ پرانی ریت بڑی مشکل سے جاتی ہے۔

خیر یہ تو ملاؤں اور مذہبی پیشواؤں کی کوتہ اندیشی ہے۔ لیکن ایک مشکل اور بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ ان صحیفوں کا ترجمہ آسان کام نہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ زبان پر کامل قدرت ہونی چاہیئے۔ عقائد اور احکام کا دار و مدار الفاظ کے مفہوم پر ہے [illegible] کا مفہوم مرور زمانہ سے بدل جاتا ہے اسلئے مترجم کے لئے لازم ہے کہ وہ جانتا ہو کہ جس زمانہ میں یہ کتاب نازل ہوئی اُسوقت ان

الفاظ کے معنی کیا تھے؟ اور قائل کا ان سے کیا مقصود ہے؟ کبھی کبھی ذو معنی اور پہلو دار لفظ بھی آجاتے ہیں۔ ایک جماعت اسکا مفہوم کچھ لیتی ہے اور دوسری جماعت کچھ۔ اور ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ایک لفظ کے معنی یا نحوی ترکیب کی وجہ سے عقائد میں اختلاف پیدا ہوگیا اور دو فرقے بن گئے۔ ترجمے میں ایسے لفظ استعمال کرنا کہ انہیں بھی دونوں پہلو برقرار رہیں بہت دشوار بلکہ اکثر اوقات ناممکن ہوتا ہے ان تمام احتیاطوں کے باوجود ترجمے میں اصل کی سی فصاحت اور قوت بیان اور اثر قائم رکھنا سب سے بڑا دشوار کام ہے۔ ایک طرف علماء کی مخالفت دوسری طرف یہ دشواریاں مترجم کی ہمت پست کرنے کے لئے کافی ہیں۔ باوجود ان مخالفتوں کے اور دشواریوں کے آخر رفتہ رفتہ بعد ان صحیفوں کے ترجمے مختلف زبانوں میں ہوکر رہے ترجمے نہ ہوتے تو ان کے مطالب تک ان لوگوں کی رسائی کیونکر ہوتی جو غیر زبانوں سے ناآشنا تھے۔

اُردو میں عام طور پر قرآن شریف کا پہلا ترجمہ مولانا رفیع الدین کا اور دوسرا شاہ عبد القادر کا خیال کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں ترجمے تیرھویں صدی کے آغاز میں ہوئے۔ لیکن اسکی بہت کم لوگوں کو خبر ہے کہ اسی زمانہ میں اور نیز اس سے قبل ہندوستان کے مختلف مقامات میں متعدد ترجمے اور تفسیریں لکھی گئی ہیں۔ اس قسم کی جتنی کتابیں ہمیں دستیاب ہوئیں یا ہماری نظر سے گزریں ان کی مختصر کیفیت یہاں لکھی جاتی ہے۔ ممکن ہے ان کے علاوہ اور بھی ہوں جن کا ہمیں علم نہیں ان میں زیادہ تر تفسیریں ہیں۔ لیکن یہ برائے نام تفسیریں ہیں درحقیقت قرآن کے لفظی ترجمے ہیں۔ کہیں کہیں ایک آدھا لفظ یا ایک آدھی سطر صراحت کے لئے بڑھادی ہے۔ ایک مشکل یہ آپڑی ہے کہ بعض میں مولف کا نام اور سن تالیف ندارد ہے۔ یا بعض اول و آخر سے ناقص ہیں۔ اسلئے یہ معلوم کرنا غیر ممکن ہے کہ لکھنے والے کون تھے۔ اور کب لکھی گئیں۔ البتہ زبان سے زمانہ تالیف کا تھوڑا بہت قیاس ہوسکتا ہے۔ بعض صرف ایک سورہ یا چند سورتوں کے اور بعض پورے قرآن کے ترجمے اور تفسیریں ہیں بہرحال اس سے یہ اندازہ ضرور ہوجائے گا کہ اس قسم کی کوشش مختلف زمانوں اور ملک کے مختلف حصوں میں برابر ہوتی رہی ہے۔

اس قسم کی سب سے پرانی کتاب جو مجھے دستیاب ہوئی ہے وہ پرانی گجراتی اُردو زبان میں ہے۔ افسوس یہ اول و آخر سے ناقص ہے اسلئے مصنف اور سن تصنیف کا پتہ چلانا غیر ممکن ہے۔ البتہ زبان کے ڈھنگ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دسویں صدی کے اواخر یا گیارھویں صدی کے اوائل کی تالیف ہے۔ کیونکہ اسکی زبان امین کی یوسف زلیخا کی زبان سے کہ وہ بھی گجراتی اُردو میں ہے بہت پرانی ہے۔ امین کی یوسف زلیخا ۱۰۹۸ھ میں لکھی گئی۔ اور یہ یقیناً اس سے پہلے کی ہے یہ سورہ یوسف کی تفسیر ہے۔ امین کی کتاب نظم میں ہے اور یہ نثر میں ظاہر ہے نظم کی زبان زیادہ مشکل ہوتی ہے اور اسمیں پرانے لفظ زیادہ آتے ہیں۔ اور نثر اسکے مقابلہ میں سہل ہوتی ہے۔

اگرچہ یہ تفسیر سادہ زبان میں لکھی گئی ہے اور بالکل بول چال کی زبان ہے تاہم اسمیں پرانے لفظ اور پرانی ترکیبیں نسبتاً بہت زیادہ ہیں۔ یہاں میں اسکی عبارت کے دو ایک نمونے پیش کرتا ہوں

قال رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ والا تصرف عنی کیدھن اصب الیھن ط

اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے :-

"یوسف نے کہیا کہ اے بار خدا ہوں (۱) بھا کسی (۲) کون دوس (۳) دھرتا ہوں اس کام تھیں کہ جے کام مجھے اے فرماتی ہے انے (۴)، اگر تو مجھے انہوں کی مکروں تھیں نہ منے (۵) نرلکھے تو ہوں ڈرتا ہوں کہ ہوں بھی انہوں کی بات اوپر خاطر کروں۔ ان اسکا لو اور گنہگاروں منے ہوؤں"

اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجہ ابی یأت بصیرا واتونی باھلکم اجمعین ط

اسکا ترجمہ یوں کیا ہے :

"یوسف نے کہا لیجاؤ میری پیرہنی انے (۱) باپ کے منہ پر چھوڑ
تو دیکھتے ہوویں گے انے پچھیں سکلے (۲) آپس کے کٹم کوں
لیوانے (۳) میرے نزدیک (۴) انو۔

تفسیر کی عبارت کا نمونہ یہ ہے۔

"پچھیں تھا کسی کے عہدہ دار نے کہیا کہ وے دائم نماز گزار
ہے انے روزے راکھتا ہے انے تسبی (۶) کرتا ہے انے
ملولیں (۷) کو پوچھتا ہے انے درویشوں کو کھان (۸) دیتا
ہے انے بے (۹) کچھو (۱۰) اس کے پاس ہوتا ہے سو محتاجوں
کو بانٹ دیتا ہے۔ انے ابیں نہیں کھاتا انے کدھیں اس
تھیں کوئی رنجیدہ نہیں ہووا۔ انے پیچھے جب اے صفتاں
لکیں سنیاں تب کہیا کہ اے باتاں نہ ہوویں کسی نے
گر پیغمبروں نے ہوویں۔ یا پیغمبروں کے پیگڑوں (۱۱) نے
ہوویں انے دوجیا یہ پوچھیا کہ یوسف کے تبع تھا کسی نے کون
کرتا ہے انے اس پاس کسی پاس تھیں کچھ آوتا ہے۔ پچھیں انوں
نے کہیا کہ عزیز کی بیر (۱۲) جیبا کرنے نصیحتی ولیکن قبول
نہیں کرتا انے وے پانچ پیراں دوجیاں کو لی ہیں نے
بھی نصیحتیاں ہیں انہوں کا بھی کچھ قبول نہیں کرتا۔
انے انہوں کا بول بھی نہیں سنتا"

اس تفسیر میں جگہ جگہ گجراتی لفظ آئے ہیں۔ اسپر یہ قیاس کرنا بالکل
بجا ہے کہ یہ گجراتی اُردو میں ہے۔ اور اسکا مؤلف گجرات کا رہنے
والا تھا۔ اس نوع کی اور بھی کتابیں پائی جاتی ہیں جن کے
مؤلف گجرات کے باشندے ہیں۔ یہاں اس تفسیر کے چند گجراتی لفظ
معنوں کے ساتھ مثال کے طور پر لکھے جاتے ہیں۔

انے (اور) ہتی (سے ہیں) تھیک (تھوڑا) ہیں (اب)
ہوں (میں) ڈوسی (بڑھیا) جمنا (دایاں) بیر (عورت) وغیرہ

دکنی ترجمے کا ایک نسخہ ایسا ملا جو اول و آخر سے ناقص ہے
اسمیں قرآن شریف کے آخری پارے کی سورتوں کا ترجمہ ٹھیٹھ دکنی
میں کیا گیا ہے۔ زبان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ بہت قدیم ہے
اور دسویں صدی کے اوائل کا ہے۔ اسمیں ترجمے کے ساتھ کہیں کہیں
مختصر تفسیر بھی ہے۔ نمونہ کے طور پر سورۃ البینہ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لم یکن الذین کفروا من اہل الکتاب والمشرکین منفکین حتیٰ
تاتیہم البینۃ رسول من اللہ یتلوا صحفا مطہرۃ فیہا کتب
قیمہ وما تفرق الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ما جاء تہم البینۃ
وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین حنفاء ویقیموا الصلوٰۃ
ویؤتوا الزکوٰۃ وذلک دین القیمۃ۔ ان الذین کفروا من اہل
الکتاب والمشرکین فی نار جہنم خالدین فیہا اولئک ہم
شر البریۃ۔ ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات اولئک ہم
خیر البریۃ۔ جزاؤہم عند ربہم جنات عدن تجری من تحتہا الانہر
خالدین فیہا ابدا رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ذلک لمن خشی
ربہ ط

ترجمہ: انہی دلوکاں جو کفر کیے کتاب کے لوکاں تے ہور شرک
کرنہاریاں تے کنارے ہونہارے نہتے کفرتے تو لگ جو
آئی اونوں کون روشن حجۃ۔ سو جب (۱) ہے خدا نے پڑھتا
ہے صحیفاں کون جو پاک ہیں جھوٹ تے اوسمیں لکھی تھی
نیٹ باٹ (۲) ہور نہیں تفرقا ہووے دو لوکاں جنوں کردیئے
گیا تھا کتاب مگر روشن حجت کے آئے پچھیں تے۔ ہور اونوں
کون تو نہیں حکم کی کیا تھا۔ مگر لیو کہ عبادت کریں اللہ تعالےٰ
کوں نجھل عبادت اوسیچ کوں کرنہارے۔ کفر کا دین چھوڑ
اسلام کے دین میں آکہ ہور لیو کہ کھڑی کریں فرض نماز کوں
اسکے وخت میں ہور لیو کہ دیویں مال کے فرض زکوٰۃ کوں ہور دین

نیٹ سے تحقیق دو لوکان جو کفر کئے کتاب کے لوکاں تے
ہور شرک کر ہناریاں تے (اوس کی عبادت میں) جہنم
کی آگ میں اچھیں گے قیامت کے دیس۔ ہمیشہ اچھیں گے
اس جہنم میں دو لوکاں انوچ ہوتیچ بورے لوکاں ہیں
ساری پیدائیش میں جزا انوں کی انو کے پالنہارے
کنیں ہے، باغاں دائم کی بہتے ہیں انوں کے تلارتے
کالوے دائم اچھیں گے اس باغ میں ہمیشہ اچھناں جسے
نہایت نیں۔ خشار ہور اللہ تعالیٰ اونوں تے ہور اونوں
خشال ہووے اس تے دو خشالی او سچ کوں ہے جو ڈرتا
ہے اپنے پالنہار کے عذاب کوں۔ عبادت کر کر۔

اس کتاب کی قدامت اسکی زبان سے ثابت ہے۔ بہت سے الفاظ
اور محاورے ایسے استعمال کئے گئے ہیں جو بعد کے زمانوں کی کتابوں
میں نہیں پائے جاتے اور اسلوب بیان بھی قدیم ہے۔ مثلاً
"کالفراش المبثوث" کا ترجمہ کیا ہے — "بتنگ سری کی جھیلی
کے" — یہ ٹھیٹ پرانی زبان ہے۔ جھیل یا جھیلی ہجوم یا قطار
کو کہتے ہیں۔

اسی طرح "فمن یعمل مثقال ذرۃ" کا ترجمہ کیا ہے۔
"پس جکوئی کرعمل کرے گا ذرے کے بہار یعنی لال چیونٹی کے بہار
یا ذرہ دہلارے کا۔"

دہلارا کے معنی گرد وغبار کے ہیں۔ الفاظ بھی ایسے استعمال
کئے ہیں جو اسوقت بہت غریب علوم ہوتے ہیں اور بعد کی دکنی کتابوں
میں نہیں آتے۔ مثلاً بکلی یعنی مصیبت و آفت۔ کدن یعنی طرف
تلار یا تاری تلے یا نیچے کے معنوں میں......

ایک لفظ جو اس کتاب میں جگہ جگہ استعمال ہوا ہے وہ "بجاں"
ہے۔ مثلاً "بجاں بوایا" یا "بجاں پوچھیا"
بہت غور کے بعد سمجھ میں آیا کہ یہ "بزاں" کی خرابی ہے۔

جو اکثر پرانی دکنی کتابوں میں آیا ہے اور بزاں بگاڑ ہے
"بعد ازاں" کا۔ الفاظ کا ہجا بھی عجیب ہے یعنی جیسے اسوقت بولتے
تھے بجنسہ ویسے ہی لکھ دیے ہیں۔ مثلاً۔

خشال یعنی خوشحال۔ بادزاں (بعد ازاں)۔ شاہت
(شہید)۔ منا (منع)، بازے (بعضے)، جما (جمع)، ہوز (حوض)،
وغیرہ وغیرہ۔

دکنی میں سورۂ یوسف پارۂ عم اور سورۂ رحمٰن کے متعدد
ترجمے اور تفسیریں پائی جاتی ہیں۔ مجھے سورۂ رحمٰن کے ایک مقفّیٰ ترجمہ
بھی ملا ہے۔ ترجمے کا نمونہ یہ ہے۔

الرّحمٰن علم القرآن ط خلق الانسان علمہ
البیان ط

ترجمہ: اے لوگوں تم کو دکھاں جسکا میٹھا نام رحمٰن۔ جن سکھایا
ہے قرآن۔ جن سرجا ہے انسان۔

والشمس والقمر بحسبان والنجم والشجر
یسجدان ط

ترجمہ: سکھایا تم کو سبھی بیان۔ چاند سورج سوں حساب پچھان
جھاڑ پیڑ بھی نیں سجان، سجدہ کریا ہیں اُسکوں مان۔

والسماء رفعھا ووضع المیزان ط الا تطغوا
فی المیزان ط

ترجمہ: اونچا کیتا ان اسمان۔ راکھے ہیگی ان میزان۔ اپنے
دل سوں حق پچھان۔ کم زیادہ منہ کر جان۔

واقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان ط

ترجمہ: جو تول سو پورا تول۔ جو بول سو پورا بول۔ ڈنڈی داب
نہ دیجو، جھول، دغل نہ کیجو قول ابول۔

والارض وضعھا للانام فیھا فاکھۃ والنخل ذات
الاکمام والحب ذو العصف والریحان ط

ترجمہ: لوگوں کا جین زمین بچھائے۔ میوہ خرما جھاڑ اُگائے
دادہ پیدا کر بکھلائے۔ اُسیں اُگل ریحان کھلائے۔

فبای اٰلآء ربکما تکذبٰن ط

ترجمہ: تم پر رب کا اتنا مان۔ کس نعمت تم ہوئے اجان۔

تفسیر حسینی کا ترجمہ بھی کسی صاحب نے پرانی دکنی میں کیا ہے یہ تفسیر بہت مقبول ہے۔ اور اسکے متعدد ترجمے دکنی زبان میں ہوئے ہیں۔ میرے سامنے اس وقت پارۂ عم کی تفسیر کا ترجمہ موجود ہے اس کی زبان پرانی ہے۔ آخر میں کاتب نے دن اور وقت اور تاریخ (روز جمعہ بوقت عصر دو ماہ جمادی الآخر) تو لکھی ہے لیکن سنہ نہیں لکھا۔ چند آیتوں کا ترجمہ یہاں لکھا جاتا ہے۔ ترجمے کے ساتھ تفسیری جملے بھی ہیں۔

عمّ یتساءلون ط

کس چیز تے پوچھتے ہیں او کافراں یعنی مکی کافراں یعنی بعث تے پوچھتے ہیں آپس میں اے یا رسول کون ہور مونا کون۔

عن النباء العظیم

بزرگ خبر تے۔

الذی ھم فیہ مختلفون

ایسی خبر کہ انو اس میں اختلاف کرنہارے ہیں۔

کلا سیعلمون

یوں نہیں پوچھنا ہے کہ انکار کریں ترت ہے کہ سمجھیں گے اونوں کوں، یو ڈرانے کا وعدہ ہے۔

ثم کلا سیعلمون ط

پیچیں یوں نہیں پوچھنا ہے کہ ترت ہے کہ سمجھیں اونو، دو بار لیا یا ایسے تاکید کے واسطے ہور "ثم" سوں لیانا سمجھیا کر دیتا ہے یو کہ دوسرا وعدہ بہت سخت ہے۔ بعضے بولے پہلا سو جیو کا پڑتے وقت ہور دوسرا سو جزا کے وقت۔

الم نجعل الارض مھادًا

آیا نہیں کئے ہمیں زمین گھوارا جو ہنو ادا ان کا ہے یوں ذکر تا ہے۔ او خدا کے عجائب صفت نے لیا او لوگوں سمجھانے کے واستے اس کی کمال قدرت پر دلیل پکڑیں اس سے بعث کے درست ہونے پر۔

والجبال اوتادًا ط

بولتا اللہ تعالےٰ آیا نہیں کیے ہمیں ڈونگراں کو میخاں زمین کیاں۔ یوں نہ ہوتے تو ہلتی۔

وخلقنٰکم ازواجا

ہور کیا نہیں پیدا کئے ہمیں تمنا جوڑی جوڑی مرد عورت۔

وجعلنا نومکم سباتا ط

ہور کیا نہیں پیدا کئے ہمیں تمھارے سونے کوں توڑنا دکھنے تے ہور ہلنے تے تمنا راحت، ہور آسودہ ہونے کے واستے۔

وجعلنا اللیل لباسا

ہور کیا نہیں ہمیں کئے رات کو پہننا او یاں پہننی ہے اپنے اندھارے سوں جوں کہ کپڑا اڈھانکتا ہے اپنے انگ کوں۔

وجعلنا النھار معاشا ط

ہور کیا نہیں کئے ہمیں دیس کوں زندگانی۔ بدل تا طلب کریں تمہیں زندگانی سیانکو جونکہ کھانا پینا کپڑا۔

وبنینا فوقکم سبعا شدادًا

ہور کیا نہیں بنا کیا کیے ہمیں تمھارے اوپر سات آسمان

گھٹ کر نہیں پورانیاں ہوتیاں لئی زمانے جانے
سوں۔

تفسیر تنزیل کے نام سے قرآن پاک کی ایک تفسیر سید
باباقادری نے ۱۱۴۷ھ میں لکھی۔ کتاب کے اختتام پر مؤلف نے
خود اسکی تصریح کردی ہے۔ وہ عبارت یہ ہے۔

" خدائے تعالیٰ نے جیسا کہ اس سورۂ ناس کے تئیں
پانچ ناس پر تمام کیا اسی طرح اس سورۂ تنزیل کو بھی
پانچ شخصوں پر تمام کیا۔ اول یہ تفسیر یعنی مصنف سید بابا
قادری۔ دوم حاجی میاں، محمد علی سیوم محمد عبد الغفور خاں
یہ دونوں اس امر میں بہت کوشش رکھتے تھے۔ چہارم محمد
مسافر جوان صالح اور لائق خوش مزاج اور خوشنویس
اور پنجم محمد واجد علی کہ یہ دو شخص تصنیف کے لکھنے والے تھے
کہ خدائے تعالے نے ان دو شخصوں کے لکھنے سے تفسیر تمام
کروایا۔

خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف کے تئیں حرف با سے شروع
کیا اور ختم قرآن کا حرف سین پر ہوا۔ ان دو حرفوں کے
تئیں مرکب کرو۔ تو لفظ بس کا حاصل ہوتا ہے۔ یعنی ان
دو حرفوں کے بیچ میں جو تمام قرآن ہے بس کرتا ہے
تیرے تئیں۔ (فرد) ؎

اول و آخر قرآں زچہ با آمد و سین
یعنی اندر رہِ دیں رہبر تو قرآن بس

اور تصنیف بھی تفسیر کی پانچ سال میں تمام ہوئی۔ کس واسطے
کہ سن چالیس میں شروع ہوئی اور سن سینتالیس میں تمام
ہوئی۔ دو سال کامل ناغہ ہوئے۔ تمام شد تفسیر تنزیل
بتاریخ بیست و پنجم شہر ذلقیعدہ در سن یک ہزار صد و چہل
و ہفت ہجری النبوی۔"

اس کتاب کی زبان صاف ہے۔ اور بارھویں صدی کی وسط
کی زبان کا اچھا نمونہ ہے۔ زبان سے بظاہر قیاس کرنا مشکل ہے
کہ مصنف کس مقام کا ہے۔ چونکہ ایک آدھ لفظ کہیں کہیں دکنی کا
آگیا ہے اسلئے یہ خیال ہوتا ہے کہ دکن کا باشندہ ہے۔ تھوڑا سا
ترجمہ کا نمونہ یہاں دیا جاتا ہے۔

فتحنا علیہم ابواب کل شیئ۔
کھول دیا ہم نے اُن کے اوپر دروازہ ہر شے کا۔ جو اُن کو
چاہا سو ملا۔

حتیٰ اذا فرحوا بما اوتوا
تب تیں کہ وہ خوش ہووے اس چیز سیں کہ دیگئی!

اخذ ناھم بغتۃ
پکڑے ہم نے اون کو یکایک۔

فاذا ھم مبلسون
پس یکایک وہ پشیمان اور نا اُمید ہوئے۔

فقطع دابر القوم الذین ظلموا
پس کاٹا گیا آخر اُس جماعت کا، جنوں نے ظلم
کیا تھا۔

والحمد للہ رب العٰلمین ط
اور حمد خدا کوں ہے جو پروردگار عالم کا ہے۔

قل ارایتم ان اخذ اللہ سمعکم وابصارکم
وختم علی قلوبکم من الہ غیر اللہ یاتیکم بہ
کہو کہ دیکھتے ہو تم کہ اگر لیوں خدا تمھارے سننے کو یعنی
بہرہ کرے اور لیویں تمھاری آنکھوں کوں کہ اندھا کرے
اور مہر کرے اوپر تمھارے دلوں کے کہ بے شعور کرے تو
کونسا خدا ہے بغیر اُسکے کہ وہ دیوے تم کوں، یہ جو
دیا ہے۔

انظر کیف نصرف الآیات
دیکھو تم کہ کیسیاں پھیرتے ہیں ہم آیتوں کوں اُن کے سمجھانے کے واسطے۔
ثم ھم یصدفون ط
پیچھے نہیں مانتے ہیں اور سوں پھیرتے ہیں۔
قل ارایتم ان اتاکم عذاب اللہ بغتۃ او جھرۃ
کہو کہ کیا دیکھتے ہو تم گر آوے تمھارے پاس عذاب خدا کا یکایک یا ظاہر ہووے اسکی علامت۔
ھل یھلک الا القوم الظالمون
نہ ہلاک کئے جائیں گے اس وقت منے قوم ظالموں کا
وما نرسل المرسلین
اور نہیں بھیجے ہم نے پیغمبروں کیلئے۔
الا مبشرین ومنذرین
مگر بشارت دینے والے اور ڈرانے والے۔

اس عبارت میں صرف منے کا لفظ ایسا آیا ہے جو دکھنی ہے ــــ ورنہ ساری عبارت ایسی ہے جو شمال وجنوب کی زبان کا مطلق کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ یہ پوری تفسیر اسی زبان میں ہے۔

پارہ عم کی ایک تفسیر اور ہے۔ اسکا نام "خدا کی نعمت" معروف "مرادیہ" ہے۔ اس کے مصنف شاہ مراد اللہ سنبھلی ہیں۔ اور سن تصنیف ۱۱۸۴ ہجری ہے۔ چنانچہ خاتمہ کتاب میں مصنف نے ان سب اُمور کی خود ہی تصریح کر دی ہے۔

"حمد اور شکر کا سجدہ لائق ہے اور سزاوار ہے پاک پروردگار کے تئیں جس خداوند نے اپنے فضل وکرم سے اور حضرت نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے عم پارے کی تفسیر ہندی زبان میں تمام کروادی۔ اور اس عاصی گنہگار مراد اللہ انصاری سنبھلی قادری نقشبندی حنفی کو یہ خدمت فرماکر توفیق بخش کر یہ خیر کا کام پورا کر دیا۔ اور پھر اس تفسیر کا نام "خدا کی نعمت" مقرر کروادیا۔ یہ تفسیر محرم کے مہینے کی چوبیس تاریخ جمعہ کے دن گیارہ سو چوراسی برس ہجری تمام ہو کر بچاسی شروع ہوا تھا جو تمام ہوئی۔ یہ بڑی تقطیع کے ۲۰۴ صفحوں پر ہے اور شہر ربیع الاول ۱۲۶۰ھ میں نستعلیق ٹائپ میں طبع ہوئی۔"

معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس سے قبل چھپی تھی۔ چنانچہ ناشر کتاب نے خاتمہ طبع میں یہ عبارت لکھی ہے۔

"خاکسار سید عبداللہ ولد سید بہادر علی عفا اللہ عنہ نے صرف بہ نیت اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس محنت کی جزا دیوے اور شاہ مراد اللہ رحمتہ کی روح مجھ سے خوش ہو جاوے اس کتاب کی تصحیح کر کے چھپوایا۔ اور غلطیوں کو دور کیا۔ جس کو باور نہ ہو تو اگلے چھاپے کی کتاب سے مقابلہ کر کے دیکھے اور انصاف کرے۔"

تفسیر کی زبان بہت صاف اور سادہ ہے۔ متروک الفاظ خال خال ہیں۔ اور وہ بھی بہت معمولی مثلاً تیے (بجائے یہ) وے (بجائے وہ) اوپر (بجائے پر) ہووے (بجائے ہو) اندھیاری (بجائے اندھیرا) اُن نے (بجائے اُس نے)
یہ اور اسی قسم کے اور الفاظ ہیں جواب بھی بعض مقامات پر بول چال میں آتے ہیں۔ جملوں کی ساخت البتہ اس قدر پرانی ہے۔ اس سے قبل جن کتابوں کا ذکر آیا ہے وہ برائے نام تفسیریں ہیں، درحقیقت ترجمے ہیں۔ تفسیر کی غرض سے کہیں کہیں ایک آدھ جملہ بڑھا دیا گیا ہے۔ لیکن اس کتاب میں تفسیر شرح و بسط کے ساتھ لکھی ہے۔ اس کتاب کی زبان بارھویں صدی

کے اواخر کی زبان کا اچھا نمونہ ہے۔ اسکی ایک عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے، جس سے اسکی زبان اور جملوں کی ساخت وغیرہ کا اندازہ ہوگا ——!

ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ

"اور بقرشتاب عطا کرے گا۔ دیویگا۔ بخشیگا تجھ کو یا محمد پاک پروردگار تیرا پھر راضی ہووے گا تو وے وے نعمتیں خوبیاں بخشے گا تجھ کو یا محمد پیدا کرنے والا تیرا آخرت میں جو تو خوش ہوجاوے گا سب طرح کی فکریں جاتی رہیں گی۔ تمام عالم کی شفاعت کا درجہ۔ مقام محمود۔ تمام اُمت کی شفاعت کا حکم۔ بہشت کی بڑی بڑی نعمتیں۔ بے حد بے نہایت ہمیشہ کا دیدار ایسی بڑی خوبیاں تیرے واسطے رکھی ہیں، خاطر کو خوش رکھ۔ ان کافروں مشرکوں کے طعنے مارنے میں غمگین ناخوش مت ہو کوئی دن میں بے سبب باتیں جاتی رہیں گی۔ تم کو خوشی ہمیشہ رہے گی۔ روایت ہے جب یہ آیت نازل ہوئی حضرت رسول (ع م) خوش ہوئے اور فرمایا میں ایک آدمی کی بھی میری اُمت کے دوزخ میں رہنے کا، راضی نہیں ہونے کا۔ یہ بات اُمت کے واسطے بڑی خوش خبری ہے۔ تھوڑے سے بہتایت ہے پہلے حال سے آخر کا حال بہتر ہے۔ دنیا سے آخرت بہتر ہے۔"

ہندوستان کے نامور محدث اور عالم شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے خاندان نے جو دینی خدمات انجام دی ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔ ان کا فیض سارے ملک کو پہونچا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے قرآن شریف کا ترجمہ فارسی زبان میں سنہ ۱۱۵۱ھ میں کیا۔ جو بڑی خوبیوں کا ہے۔ ان کے فرزندوں میں سے مولانا شاہ رفیع الدینؒ (متوفی سنہ ۱۲۴۹ھ) اور مولانا شاہ عبد القادر (متوفی سنہ ۱۲۴۲ھ) نے اردو زبان میں ترجمے کئے۔ شاہ عبد القادرؒ کا ترجمہ بہت مشہور اور مقبول ہوا۔ اور اب تک بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ ترجمہ ٹھیٹ اُردو میں ہے اسکا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ عربی الفاظ کے لئے ہندی اور اُردو کے ایسے برجستہ اور برمحل الفاظ ڈھونڈھ کے نکالے ہیں کہ ان سے بہتر ملنا ممکن نہیں۔ ترجمے کی زبان کے متعلق خود شاہ صاحب نے اپنے دیباچے میں صراحت فرمادی ہے۔

"اب کئی باتیں معلوم رکھئے۔ اول یہ کہ اس جگہ ترجمہ لفظ بلفظ ضرور نہیں۔ کیونکہ ترکیب ہندی ترکیب عربی سے بہت بعید ہے اگر بعینہٖ وہ ترکیب رہے تو معنی مفہوم نہ ہوں۔ دوسرے یہ کہ اس زبان میں ریختہ نہیں بولی، بلکہ ہندی متعارف۔ تا عوام کو بے تکلف دریافت ہو۔"

شاہ صاحب نے یہاں ریختے اور ہندی متعارف میں جو فرق کیا ہے وہ قابل غور ہے۔ ہندی متعارف سے وہی زبان مراد ہے جسے آج کل ہندوستانی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس ترجمے کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ ہندوستانی زبان کسے کہتے ہیں؟ یہ ترجمہ سنہ ۱۲۰۵ھ میں ہوا۔ یہ سن بھی خود شاہ صاحب کا بتایا ہوا ہے۔ وہ دیباچے میں فرماتے ہیں۔

"اس کتاب کا نام موضح القرآن ہے اور یہی اسکی صفت ہے اور یہی اسکی تاریخ ہے۔"

شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمے کا سن صحیح طور پر معلوم نہیں ہوا۔ جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں اس ترجمے کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے کسی نے بھی اسکا سنہ نہیں لکھا۔ مولوی عبد الجلیل صاحب نعمانی نے اس ترجمے کے ایسے الفاظ کی ایک فرہنگ شائع کی تھی جو آجکل استعمال میں نہیں آتے۔ اس کے دیباچے میں وہ اسکے ترجمے کا سن سنہ ۱۲۳۲ھ قرار دیتے ہیں، لیکن اسکی صراحت نہیں کہ یہ سن انہوں نے کہاں سے تحقیق کیا۔ ایسی صورت میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ سنہ درست ہے۔

عام طور پر مصنفین نے محض اس خیال سے کہ یہ شاہ عبد القادر سے

عمر میں بڑے تھے اُن کے ترجمے کو زمانہ کے لحاظ سے تقدم رکھا ہے۔ لیکن یہ بھی محض قیاس ہے۔ اور جب تک کوئی قطعی ثبوت نہ ملے اس کی صحت مشتبہ ہے۔ البتہ ایک بات ایسی ہے جس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ شاہ رفیع الدین صاحب کا ترجمہ بعد کا ہے۔ شاہ عبدالقادر نے اپنے ترجمے کے دیباچے میں اپنے والد شاہ ولی اللہ کے فارسی ترجمے کا ذکر تو کیا ہے۔ لیکن اپنے بھائی کے ترجمے کا کہیں اشارہ تک نہیں کیا۔ اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ اس وقت تک اُنہوں نے کوئی ترجمہ نہیں کیا تھا۔ شاہ رفیع الدین کا ترجمہ پہلی بار کلکتہ کے اسلام پریس میں دو جلدوں میں شائع ہوا۔ پہلی جلد سنہ ۱۲۵۴ھ میں۔ اور دوسری جلد اسکے دو برس بعد شائع ہوئی۔ اس اڈیشن کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ متن قرآن کے نیچے اُردو ترجمہ نستعلیق ٹائپ میں ہے۔

یوں تو دونوں ترجمے لفظی ہیں۔ لیکن شاہ رفیع الدین نے ترجمے میں عربی جملے کی ترکیب اور ساخت کی بہت زیادہ پابندی کی ہے۔ ایک حرف اِدھر سے اُدھر نہیں ہونے پایا۔ ہر عربی لفظ بلکہ ہر حرف کا ترجمہ خواہ اُردو زبان کے محاورے میں کھپے یا نہ کھپے انہیں کرنا ضرور ہے۔ شاہ عبدالقادر کے ترجمے میں اسقدر پابندی نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ وہ مفہوم کی صحت اور اصل لفظ کے حسن کو برقرار رکھنے کے علاوہ اُردو زبان کے روزمرے اور محاورے کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ دوسری خوبی ان کے ترجمے میں ایجاز کی ہے۔ یعنی وہ ہمیشہ اسبات کو مدنظر رکھتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو کم سے کم الفاظ میں پورا مفہوم صحت کے ساتھ ادا ہو جائے۔ ان دونوں ترجموں کا فرق ذیل کی مثالوں سے واضح ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شاہ رفیع الدین: شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ بخشش کرنے والے مہربان کے۔

شاہ عبدالقادر۔ شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اگرچہ شاہ عبدالقادر نے جملے میں فعل نہیں لکھا کیونکہ اصل عربی میں بھی نہیں۔ اور شاہ رفیع الدین نے فعل ترجمے کی خاطر داخل کیا ہے تاہم شاہ عبدالقادر کا ترجمہ زیادہ سلیس اور صاف اور صحیح ہے اور اصل عربی لفظ کے زیادہ قریب ہے۔

اب پارۂ الٓمٓ کی ابتدائی آیتوں کے ترجمے دونوں ترجموں سے ــــ :

ترجمۂ شاہ رفیع الدین :-

"یہ کتاب نہیں بیچ شک اسکے راہ دکھاتی ہے واسطے پرہیزگاروں کے وہ لوگ کہ ایمان لائے ساتھ غیب کے یعنی بن دیکھے اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور اُس چیز سے کہ دیا ہے ہم نے ان کو خرچ کرتے ہیں، اور وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں ساتھ اس چیز کے جو اُتاری گئی ہے طرف تیری اور اُتاری گئی ہے پہلے تجھ سے اور ساتھ آخرت کے وے یقین رکھتے ہیں یہ لوگ اوپر ہدایت کے ہیں پروردگار اپنے کے، اور یہ لوگ وہی ہیں چھٹکارا پانے والے۔ تحقیق وہ لوگ جو کافر ہوئے برابر ہے اُن کے کیا ڈرایا تو نے اُن کو یا نہ ڈرایا تو نے اُن کو۔ نہ ایمان لاویں گے، مہر کی ہے اللہ نے اُوپر دلوں اُن کے کے اوپر کانوں اُن کے کے۔ اور اوپر آنکھوں اُن کی کے پردہ اور واسطے ان کے عذاب ہے بڑا۔

ترجمہ شاہ عبدالقادر :

اس کتاب میں کوئی شک نہیں راہ بتاتی ہے ڈر والوں کو جو یقین رکھتے ہیں بن دیکھا اور درست کرتے ہیں نماز کو اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں اور جو یقین کرتے ہیں جو کچھ اترا تجھ پر اور جو اترا تجھ سے پہلے اور آخرت کو وہ یقین جانتے ہیں اُنہوں نے پائی ہے راہ اپنے رب کی اور وہی مراد کو پہنچے وہ جو منکر ہوئے برابر ہے اُن کو تو ڈراوے یا نہ ڈراوے

وہ نہ مانیں گے۔ مہر کردی اللہ نے اُن کے دل پر اور اُن کے کان پر اور اُن کی آنکھوں پر پردہ اور اُن کو بڑی مار ہے۔

دونوں ترجموں کے مقابلے سے شاہ عبدالقادر کے ترجمے کی فوقیت ظاہر ہے۔ اول تو اسمیں ایجاز ہے یعنی بلا وجہ کوئی لفظ اپنی طرف سے داخل نہیں کیا۔ دوسرے اُردو، روزمرہ اور جملوں کی ساخت کا خیال رکھا ہے۔ تیسرے (جیسا کہ اُنہوں نے خود فرمایا ہے) ترجمہ ریختہ میں نہیں بلکہ ہندی متعارف یعنی ہندوستانی میں کیا ہے۔ ان وجوہ سے ترجمہ زیادہ سلیس اور صحیح ہے۔ مثلاً:

متقین کا ترجمہ بجائے پرہیزگاروں کے ڈروالوں کیا ہے یقیمون الصلوٰۃ کا ترجمہ "درست کرتے ہیں نماز" کیا ہے مفلحون کا ترجمہ "وہی مراد کو پہنچے" کیا ہے۔ اگرچہ یہ لفظ ہندی ہے۔ لیکن شاہ عبدالقادر کا ترجمہ زیادہ صحیح اور اصل سے قریب تر ہے اور اس سے اصل مفہوم بہتر طور پر سمجھ میں آتا ہے۔ رہی جملوں کی ترکیب تو دونوں ترجمے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبدالقادر نے اسکا زیادہ خیال رکھا ہے۔ شاہ عبدالقادر کا ترجمہ دوسرے ترجمہ کے مقابلہ میں اس قدر بہتر اور افضل ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسکے ہوتے چند سال بعد دوسرے ترجمے کی ضرورت کیوں سمجھی گئی۔

اسی زمانے ۱۲۰۶ھ میں ایک تفسیر مع ترجمے کے لکھی گئی جس کا نام تفسیر قرآنی موسومہ حقانی ہے۔ اس کا ذکر جناب احسن صاحب مارہروی نے اپنی تاریخ نثر اردو میں کیا ہے۔ اور اسکے مولف سید شاہ حقانی نبیرہ شاہ برکت اللہ مارہروی ہیں۔ ترجمے کے ساتھ مختصر تفسیر بھی ہے۔ یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے۔

نمونہ ترجمہ آیت آخر سورۂ بقر پارہ ۳۔

"رنج میں نہ ڈالے گا خدا کسی کو مگر موافق طاقت اُس کی کے اُس کو ہے جو عمل کیا۔ اور اوپر اسکے جو گناہ کیا۔ اے پروردگار میرے عذاب مت پکڑ تو مجھ پر۔ جو بھول جاؤں میں یا خطا کروں میں

اے پروردگار میرے۔ اور بوجھ مت دے تو اوپر میرے بوجھ بھاری، جیسے بوجھ رکھا تو نے اوپر اُس گروہ کے کہ پہلے تھے مجھ سے اے پروردگار میرے اور مت رکھ اوپر سر میرے کے بوجھ جو کہ نہ اُٹھا سکوں میں، اور در گزر کر تو خطاؤں میری سے اور بخش تو گناہوں میرے کو۔ اور رحم کر تو اوپر میرے تو ہے خداوند میرا۔ پھر غالب کر تو مجھ کو اوپر کافروں کے"۔

شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں قرآن پاک کے کئی ترجمے ہوئے۔ شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کے ترجمے بھی اسی زمانے کے ہیں، ایک اور ترجمہ جو بادشاہ کے ایما سے ہوا۔ وہ دلی کے نامور طبیب حکیم محمد شریف خان مرحوم کا کیا ہوا ہے۔ یہ ترجمہ قلمی ہے اس وقت حکیم محمد احمد خانصاحب کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اور مولانا ابوالکلام آزاد کی وساطت سے ہمیں اسکی زیارت نصیب ہوئی۔

فاضل مترجم نے ترجمہ کے آخر میں جو عبارت تحریر فرمائی ہے اس سے اس ترجمہ کی کیفیت معلوم ہوگی۔ وہ عبارت یہ ہے۔

"للہ الحمد والمنۃ کہ این تفسیر سلاست تحریر حسب الامر رفیع اشرف اعلیٰ بام شاہ جمجاہ دین پناہ السلطان ابن السلطان الخاقان ابن الخاقان اسد المعارک والمغازی جلال الدنیا محمد شاہ عالم بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ و افاضہ علی العالمین برہ و احسانہ ذرہ خاکسار بمقدار حکیم محمد شریف خاں بن حاذق الملک حکیم محمد اکمل خاں مرحوم شروع در تسوید و تحریر آں نمودہ بود بمساعدت توفیق الہی و معاصدت اقبال شہنشاہی در نیکو ترین ازمنہ و بہترین اوان زیب و زینت اختتام پذیر رفت۔ الحمد للہ الذی بتوفیقہ تمت ہذا التفسیر یوم الجمعہ فی التاسع من ذی القعدہ

بید الحقیر محمد بدر الدین معوض بن فیض اللہ

کیا افسوس کا مقام ہے کہ اختتام تفسیر کا دن اور تاریخ تو موجود ہے

لیکن سنہ ندارد۔ حکیم صاحب کا انتقال جیسا کہ حکیم محمد احمد خانصاحب کی زبانی معلوم ہوا ۱۳۱۶ھ (سنہ ۱۹۰۱ء) میں ہوا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ترجمہ اس سے قبل کا ہوگا۔ حکیم صاحب اسے تفسیر کہتے ہیں۔ لیکن درحقیقت ترجمہ ہے۔ البتہ موقع سے کہیں کہیں ایک آدھ لفظ ترجمے کی صراحت کے لئے بڑھا دیا گیا ہے۔ جیسا کہ نمونے سے معلوم ہوگا۔

الٓمٓ کی ابتدائی آیات۔

اس کی زبان شاہ عبدالقادر مرحوم کے ترجمہ کے مقابلہ میں زیادہ صاف ہے اور لفظی پابندی میں اتنی سختی نہیں کی گئی ہے۔ اُردو زبان کی ترکیب کا نسبتاً زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔ نیز شاہ صاحب کی طرح ہندی میں نہیں بلکہ ریختے میں ترجمہ کیا ہے۔

"میں ہوں اللہ بہت جاننے والا۔ وہ کتاب کہ اگلی کتابوں میں وعدہ اُتارنے کا تھا۔ یہ کتاب کامل ہے یعنی قرآن کہ کچھ شبہہ نہیں ہے بیچ اسکے اللہ کی طرف سے آنے میں۔ راہ دکھانے والی ہے پرہیزگاروں کو شرک سے اور گناہوں سے وہ پرہیزگار کہ ایمان لاتے ہیں بغیر دیکھے۔ کہ اللہ موجود ہے یا ساتھ وحی کے اور قیامت کے یا قضا و قدر کے اور قائم کرتے ہیں نماز پانچ وقت کی کو ساتھ شرطوں اور ادب کے اور بیچ چیزے کہ روزی دی ہے ہم نے اُن کو خرچ کرتے ہیں اوپر عیال کے۔ اور

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

پناہ پکڑتا ہوں میں اور التجا کرتا ہوں میں ساتھ اللہ کے بدی شیطان وسواس دلانے والے کی سے کہ دور رحمت سے اور نکالا گیا بہشت سے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع کرتا ہوں میں قرآن کو ساتھ نام اللہ لائق بندگی کے بہت بخشنے والا اوپر خلق کے وجود دینے سے دنیاں میں مہربان ہے اوپر آخرت میں اُن کے۔

ترجمہ سورۂ فاتحہ ——

جو تعریف کہ اول سے آخر تک موجود ہے۔ لائق ہے واسطے اللہ کے کہ پالنے والا ہے تمام عالموں کو۔ بخشنے والا وجود کا آخرت میں۔ مہربان داخل کرنے والا بہشت کے سے۔ مالک دن قیامت کے کا۔ تصرف کرنے والا اوس دن جو چاہے گا کرے گا۔ خاص تجھی کو بندگی کرتے ہیں ہم۔ اور خاص تجھی سے مدد مانگتے ہیں اوپر بندگی تیری کے دکھا تو ہم کو راہ سیدھی بیچ قول کے اور فعل کے اور اخلاق کے۔ راہ اُن آدمیوں کی ......(اس مقام سے چند الفاظ مٹ گئے ہیں).........

اور نہ گمراہوں کی۔"

سورۂ یونس کی چند ابتدائی آیات کا ترجمہ۔

"میں ہوں اللہ کہ دیکھتا ہوں سب چیز کو یہ آیتیں قرآن باحکمت کی ہیں۔ یا محکم ہیں متشابہ۔ نہیں آیا ہے واسطے آدمیوں کے۔ تعجب یہ کہ وحی کی ہم نے طرف ایک مرد کے انہیں کی جنس سے یہ کہ ڈرا تو آدمیوں کو عذاب اللہ کے سے اور خوشخبری دے تو اُن لوگوں کو یہ ایمان لائے ہیں یہ کہ واسطے اُن کے آگے آنا یا رضا (خوشی) خدا کی۔

شاہ عالم بادشاہ کے ہی عہد میں ایک اور ترجمہ فورٹ ولیم کالج میں ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی سرپرستی میں ہوا۔ بعض وجوہ سے یہ ترجمہ چھپ کر شائع نہیں ہونے پایا۔ اور اس کے سرورق پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

ترجمہ قرآن شریف بزبان ہندی

اس کے شروع کی تاریخ موافق سنہ ہجری کے تمام اس مدعے نکلتی ہے۔

"صراط المستقیم الحق ہے بالکل"
(سنہ ۱۲۱۸ھ)

ترجمہ قرآن شریف کا ہند کے اہل اسلام کی خاطر سلطنت
میں ظل سبحانی شاہ عالم بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ اور حکومت
میں زبدۂ نوآئینان عظیم الشان مشیر خاص شاہ کیوان
بارگاہ انگلستان مارکوئیس ولزلی گورنر جنرل دام ظلہٗ کے
حسب الحکم صاحب والاقدر عالیشان مدرس تفریق .....
جان گلکرسٹ صاحب دام حشمتہ کے کیا اور ابتدا سے انتہا
تک جو جو احوال گزرا ہے خاتمے میں لکھا۔ اس کے مطالعہ کرنے
سے تمام حقیقت معلوم ہوگی"۔

جہاں تک اردو زبان کی ساخت اور ترکیب کا تعلق ہے یہ ترجمہ
پہلے تمام ترجموں کے مقابلہ میں زیادہ بامحاورہ اور سلیس ہے۔ اگرچہ
الفاظ کی رعایت مدنظر رکھی ہے کیونکہ ایسے صحیفوں کے ترجمے میں
اس کے بغیر چارہ نہیں۔ تاہم اُردو کے روزمرہ کو حتی الامکان ہاتھ
سے جانے نہیں دیا۔ اور جملے کی ترکیب عربی کے نہج پر نہیں بلکہ
اُردو کے ڈھنگ پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ترجمہ بغیر کسی دقت کے
صاف صاف سمجھ میں آتا ہے۔

کاظم علی جوان جو فورٹ ولیم کالج میں ملازم تھے اور جن
کی تصنیف سے کئی کتابیں ہیں اس ترجمے کی زبان کی اصلاح و
درستی پر مامور تھے۔ اُنہوں نے آخر میں ایک خاتمہ لکھا ہے جس سے اس
ترجمے کے آغاز و انجام و اہتمام کی پوری کیفیت معلوم ہوگی۔ خاتمہ کی
عبارت بجنسہٖ یہاں نقل کی جاتی ہے۔

"الحمد للہ والمنۃ کہ ماہ مبارک رمضان کی نوویں تاریخ
سنہ ۱۲۱۹ھ بارہ سے اُنیس ہجری میں پنج شنبے کے روز ظہر کے
اول وقت قرآن شریف کا ترجمہ زبان ریختہ میں تمام ہوا
شروع اسکی حسب الحکم صاحب عالیشان ڈاکٹر جان گلکرسٹ
صاحب دام اقبالہٗ کے ذوالحجہ میں کہ سنہ ۱۲۱۷ھ بارہ سے
سترہ تھے ہوئی تھی۔ مولوی امانت اللہ صاحب اور میر
بہادر علی صاحب میر منشی اور احقر ترجمے اور محاورے کیلئے
مقرر تھے۔ اور چندے مولوی فضل اللہ کو بھی ارشاد حضور
ہوا کہ تم بھی شریک ہو کہ بدوں دو مولویوں کے یہ امر عظیم
ترجمے کا بخوبی سرانجام نہ ہوسکے گا۔ چنانچہ نام ان کا شروع
میں مندرج ہے۔ پانچ سیپارے جب ترجمہ ہوئے ایسی کچھ
نزاع لفظی ان دو صاحبوں کے درمیان آئی کہ ان میں سے
مولوی فضل اللہ رہے اور دوسرے صاحب کے عوض حافظ
غوث علی صاحب مقرر ہوئے۔ یہ دونوں بدستور ترجمہ کرتے
تھے جب صاحب ممدوح ذیقعدہ کی دسویں تاریخ سنہ ۱۲۱۹ھ
بارہ سے اُنیس (۲۲ر فروری سنہ ۱۸۰۴ء) میں ولایت تشریف
لے گئے اور اصالتاً مدرسی کپتان موبٹ صاحب دام حشمتہ
کو حضور پرنور سے مقرر ہوئی۔ اسی طور سے موافق اُن کے
ارشاد کے کام ترجمے کا جاری رہا۔

چنانچہ اس عرصہ میں اکیس سیپارے ہوئے تھے کہ
صاحب عالیشان نے بندے کو فرمایا، مولویوں میں سے ایک ہی
مولوی ترجمہ کرے اور تو بھی محاورے کی درستی میں رہ۔
قبول کر کے مولوی فضل اللہ ترجمہ کرتے رہے اور بندہ محاورے
کرتا رہا۔ اور اب حق سبحانہ و تعالیٰ کے تفضلات سے وہ کام
سرانجام کو پہنچایا۔ مگر نظر ثانی باقی ہے۔ جس طرح سے ارشاد
ہوگا کرنے میں آوے گی۔

لیکن وے لوگ جو ہمیشہ تصنیف و تالیف اور ترجمہ
کرتے ہیں اُن کی خدمت میں التماس ہے کہ مہربانی سے نگاہ
کریں۔ قرآن شریف کہ کلام الٰہی ہے اور فصاحت و بلاغت
ایسی کہ چشم و گوش خلائق نے بھی نہ دیکھی اور نہ سنی اور جس

عصر میں کہ اسکا نزول ہوا ہے کیسے کیسے اہل فصاحت و بلاغت
و لسان میں تھے. اسکی عبارت جو سراسر صنعتوں سے بھری
ہوئی ہے اور تمام مسجع اور مقفا ہے، نگاہ کر کے حیران تھے
بشر کا کیا مقدور ہے کہ اس کے ایک حرف کی خوبی بیان
کر لے اور ایک زبان تو کیا اگر تمام روئیں بدن کے زبان
گویا ہوں. دونوں جہان کی جتنی خلقت ہے تو بھی ذرّے
کے برابر حمد و ثنا نہ کر سکے. الحق کہ کہاں کلام خالق کا، اور
کہاں زبان مخلوق کی. پس جو جو صنائع و بدائع اسمیں ہیں
من و عن اسکا ترجمہ کس سے ہو سکتا ہے. مگر فارسی ترجمے
اور تفسیروں سے جس لفظ کے جو معنی مترجموں اور مفسروں نے
لکھے ہیں زبان ریختہ میں اُن کے موافق لکھنے میں آیا ہے.
تفسیر بیضاوی اور مدارک و جلالین تین عربی تفسیریں بحر
مواج اور تفسیر حسینی کہ یہ دو فارسی ہیں. ان سے ترجمہ کیا ہے
جہاں کہیں کچھ اختلاف سمجھے ان پانچوں تفسیروں میں دیکھ
لے. ایک نہ ایک میں موافقت پائی جائے گی اور کہیں
کہیں جو الفاظ ماضی و حال و استقبال کے ہیں یہاں بھی
اسی طریق کی پیروی ہوئی ہے. مگر جہاں زمانہ کی مطابقت سے
ہندی عبارت کے مطالب میں اختلاف نظر آیا چار و ناچار
بطور محاورے کے رہنے دیا. اور اگرچہ لفظ کے ترجمے کی رعایت
سراسر رکھی ہے پر کہیں کہیں اصل مطلب لیا ہے کیونکہ لفظ کی
متابعت سے معنوں کا فوت ہونا قباحت عظیم ہے. اس بات
کو ترجیح دی. بہر نوع مطلب نہیں چھوٹا اسلئے محاورے کو
چنداں دخل نہیں دیا کہ کتابی عبارت کا داب روزمرہ کے
بول چال سے اور ہے.
جزو مقطعات کا ترجمہ جو بالاتفاق نہ پایا نہ کیا اور مفعول
مطلق ہندی میں شاذ و نادر ہے کہیں جو رہ سکا تو رکھا

ولا نہ یا چھوڑ دیا لفظ تاکید زیادہ کیا کہ اس سے تاکید غرض ہے
اور عربی میں التفات بہت سا ہے اور ہندی میں کم لیکن
وہ قاعدہ نہ رہنے دیا کہ بہت تکرار ہے واؤ عاطفہ اور
حرف فے اور وہ الفاظ کہ معنی میں تحقیق میں آتے ہیں قرآن
شریف میں بہت ہیں. اور زبان عربی میں فصاحت رکھتے
ہیں. ہندی میں گو کہ ان کی کثرت محاورے کی رو سے
اسقدر نہیں لیکن ترک کرنا ان کا جائز نہ دیکھا اس سبب
سے جس جملے میں جس قدر آئے ترجمہ کیا. اور تمام کلام اللہ
قلیل العبارت و کثیر المعنی ہے. جتنے اہل اسلام کے فرقے
ہیں سب کے دین و ایمان کی بنا اسی سے ہے. اجتہاد کر کے
ہر ایک اپنا اصل اصول یہیں سے راست کرتا ہے.
اور شان نزول ہر ایک آیت کی ہے. اگر لکھنے
میں آتی تو عبارت بہت طویل ہو جاتی. اگرچہ بعض جگہ چاہا
تھا کہ کچھ بیان کیجئے. پہلے جس صاحب ممدوح کی فرمائش تھی
اُنھوں نے ارشاد کیا کہ ترجمہ کلام اللہ کا اگرچہ ہندی زبان
میں ہے. ہند کے لوگ بخوبی سمجھیں گے. تاہم جبتک معلم
بوجہ احسن نہ ہوگی کیونکر مطلب کو پہنچیں گے. ہر ایک غبی کو
کب یہ استعداد ہے کہ کتاب کی عبارت کے بیان کو کہ اسکی
عبارت میں ہو کر سکے اسلئے اہل فہم و ذکا کے لیے ہے. کہ اگر
آپ کما حقہ نہ سمجھ سکے کسی صاحب استعداد سے دریافت کرے
یقین ہے کہ سب کتابیں کہ اس عصر میں عربی و فارسی سے
ہندی ہوئی ہیں اور ان کے مطلب جس طرح چاہئے ہر ایک
بیان نہیں کر سکتا. یہ تو کلام اللہ کا ترجمہ ہے اس کو ہر
ایک اس طرح کیونکر سمجھے کہ محتاج کسی اُستاد کے پوچھنے کا نہ
ہوگا. جہاں کہیں کہ عالم و فاضل جس عبارت کو بخوبی سمجھتے
ہیں. اور جنہوں کو کم استعداد ہے وے اسکی دریافت میں

عاجز ہیں ان کی آسانی کے لئے بطور حاشیہ ایک خط فرضی
کر کے مطلب کو بڑھا دیا ہے تاکہ اس نشان سے معلوم ہو کہ یہ
ترجمے سے جو زیادہ ہے۔ ہندی زبان کے ربط کے لئے بڑھا دیا
ہے۔ پھر یہ اپنی طرف سے تصرف نہیں کیا۔ تفسیروں کی رو
سے ہے۔ اور شروع ترجمے میں خلقت نے اسبات کی بہت سی
شورش کی تھی کہ بنا اس ترجمے کی ہوتی ہے نہایت دین و آئین
سے برخلاف ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ ہندی زبان میں ہوتا
ہے آخرش جو اہل فہم و فراست تھے انہوں نے جواب دیا کہ اگر
فارسی میں ترجمہ ہوا ہے تو ہندی میں کیا کفر ہے۔

غرض کہ فضل الٰہی سے وہ آغاز انجام کو پہونچا حق تعالیٰ
انہیں اسکا بڑا اجر دے جنہوں نے اسکی ابتدا کی۔ اور جنہوں
نے انتہا کو پہونچایا۔ اہل اسلام پران کا بڑا احسان ہے
کہ جب تک کوئی صرف و نحو اور منطق و معقولات اور بہت سے
علوم حاصل نہ کرتا ہرگز کلام اللہ کی عبارت کے معنے دریافت نہ
کرسکتا۔ گر ترجمے جو فارسی اور فارسی تفسیریں ہیں۔ ان سے
معنی سمجھتا تو بھی وقت پر یاد نہ رہتے۔ یہ ان کا تفضلات ہے کہ
برائے خود ایک ایسی کتاب ترتیب دیدی کہ جس صورت میں جس
آیت کا ترجمہ چاہے پڑھ لے۔ اور پہلے اسکی صلاح و مشورت بہت
سی ہوئی۔ کہ ہر ایک صفحے پر کلام اللہ لکھا جائے اور اس کے مقابل
دوسرے صفحے پر ترجمہ ثبت ہو۔ لیکن صحت کے لئے یہ امر موقوف
رکھا کہ ہر گاہ کتابت میں باوجود ہزاروں مقابلوں کے غلطی اعراب
کی رہتی ہے۔ اسکا تو منظور چھاپہ ہے کیونکہ غلطی نہ رہے گی اور
جب کہ غلطی رہی ایک زیر و زبر و پیش میں یا ساکن کرنے میں معنی
لفظ کے اور ہو جاویں گے۔ ترجمے کی مطابقت خلل عظیم واقع
ہوگا۔ ہاں جسکو یہ غرض ہوگی کہ قرآن کے جملے اور آیت مطابق ترجمے
سے مقابلہ کرے قرآن شریف بکثرت ہیں۔ مقابلہ کرے گا چنداں
وقت نہیں۔

اللہ تعالیٰ اس سرکار دولت مدار کو قائم رکھے کہ ان کی بدولت
دین و دنیا کے امور بخوبی سرانجام پاتے ہیں۔ قیامت تک
نام نیک ان کا صفحۂ روزگار پر رہے گا۔

کاظم علی جوان نے یہ خاتمہ موافق ارشاد صاحب ممدوح کے لکھا ہے
اور جو آغاز سے انجام تلک حقیقت گزری ہے۔ وہ سب اس میں
درج ہے ؎

یہ التماس ہے خدمت میں سب کے شام و سحر
امیدوار دعا ہے، یہ بندۂ مضطر!

ذیل میں بطور نمونے کے دو ایک سورتوں کا ترجمہ لکھا جاتا ہے۔

سورۂ فاتحہ کا ترجمہ:

خدا کے نام سے جو بڑا بخشنے والا، نعمت دینے ہارا ہے۔
ہر ایک حمد خدا کے لئے ہے کہ وہ مالک سب کا بخشنے ہارا روزی
دینے والا خاوند روز قیامت کا ہے۔ ہم تیری ہی بندگی
کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ دکھا ہم کو راستہ
سیدھی اُن کی راہ جن کو تو نے نعمت دی نہ اُن کی جن
پر غضب کیا گیا ہے۔ اور نہ گمراہوں کی۔

الٓمٓ کی چند ابتدائی آیتوں کا ترجمہ:

یہ وہ کتاب ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں، راہ دکھانے
والی اُن پرہیزگاروں کی ہے جو بن دیکھے ایمان لاتے
ہیں۔ اور نماز کیا کرتے ہیں۔ اور جو کچھ کہ ہم نے روزی اُن
کو دی اُسمیں سے خیرات کرتے ہیں۔ اور جو کہ ایمان لائے
ہیں اس چیز پر جو تجھے بھیجی گئی اور اُس پر جو تجھ سے آگے
نازل کی گئی۔ اور قیامت پر وے ہی یقین لاتے ہیں
وے اپنے پروردگار کے فضل سے سیدھی راہ پر ہیں اور
وے ہی مطلب کو پہنچیں گے۔ تحقیق وہ لوگ جو کافر ہوئے

انھیں برابر ہے خواہ تو ان کو ڈرائے یا نہ ڈراوے۔ ایمان
نہ لائیں گے۔ خدا نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر کی ہے
اور پردے ان کی آنکھوں پر ہیں۔ انہیں کیلئے بڑا عذاب ہے
عہد شاہ عالم ہی کی یادگار تفسیر "چراغ ابدی" بھی ہے۔ اس کے
مصنف عزیز اللہ ہمرنگ اورنگ آباد دکن کے باشندے ہیں۔
سنہ تالیف ۱۲۲۱ھ ہے۔ یہ صرف آخری پارے کی تفسیر ہے مؤلف
نے دیباچے میں تفسیر کی ضرورت زبان کی نوعیت۔ سنہ تالیف کی کیفیت
وغیرہ کا ذکر وضاحت سے کردیا ہے۔ یہاں اسکی نقل کردی جاتی ہے
تاکہ ان تمام اُمور پر آگاہی ہوجائے۔

امابعد، عرض کرتا ہے دوستداروں سے، آشناؤں سے، غمگساروں
سے، زاویہ نشین کوچہ گمنامی۔ و بے استعدادی۔ طالب منصب
وارستگی و آزادی فقیر عزیز اللہ ابن امیر عالم الحسینی القادری
النقشبندی اورنگ آبادی المتخلص بہ ہمرنگ عفا اللہ عنہ و
عن والدیہ و احسن الیہما والیہ کہ جب دیکھا میں نے اکثر تفسیرین
کلام اللہ کی زبان عربی اور فارسی میں واقع ہیں۔ اور کم علمی بعض
اہل ہند کی دریافت سے معنے اُن کی مانع۔ اگرچہ بعض عزیزوں
نے زبان دکھنی ہندی آمیز میں تفسیر جز آخر کی لکھی ہے۔ لیکن
بہ سبب الفاظ دکھنی لطف زبان ہندی کا پورا انہیں پاتا۔
اور دل یاروں کا واسطے مطالعہ اس کے رغبت کم لاتا ہے
اسواسطے خاطر قاصر میں اس فقیر کے آیا کہ تفسیر جز آخر کی زبان
ہندی میں کہ بالفعل اورنگ آباد کے لوگوں کا محاورہ لکھے۔
اور بعض فوائد کہ دوسری تفسیروں میں نہیں ہیں کتب معتبرہ سے
جمع کر کے اسمیں داخل کرے۔ کہ عوام اس سے باوجود قلت
بضاعت کے فائدہ تمام اُٹھائیں۔ اور اس حقیر کی دعائے
مغفرت سے یاد دلائیں ؎

ثنا اے ہو وسیلۂ عقبی ؛ اور سب کو مفید روز جزا

بعد تقدیم استخارے کے اور استعانت حضرت باری کے ہر
سورت کی فضیلت اور نفع اور تفسیر اور خاصیت اور خاتم
اور تعبیر کو بعضے سورہ کی فضیلت اور خاصیت کہ مخصوص نماز
کے اندر پڑھنے میں یا مخصوص آیت یا آیتوں میں تھی۔ تمام قید
قلم لاکر اول نعوذ اور تسبیہہ اور سورۂ فاتحہ سے کہ سبب یمن
اور برکت کا ہے مناسب لوح کر شروع کیا۔ اور واسطے
نشانی کے اول حرف ایک سرخی سے علیحدہ لکھا اور اشارہ ان
حرفوں کا اس قطعے میں کیا

فضیلت کی نشانی عین سے ہے منفعت
اور صلوٰۃ و ختم کی یکی علامت صاد میم
خاصیت تعبیر کا ہے گا اشارا خ و ت
ہے اُمید ہمرنگ کو حق سے سدا لطف عمیم

اور نام اس تفسیر کا "چراغ ابدی" سنہ ۱۲۲۱ھ کہ سال تاریخ کا
اس کے اسی کلمے سے نکلتا ہے رکھا۔ توقع علمائے روزگار و
بلغاء ہر دیار اور تمنا فضلاء اعصار اور فصحاء امصار سے
وہ ہے کہ اگر اسمیں سہو یا خطا کہ مقتضائے بشریت کا ہے
پاویں تو قلم الطاف رقم سے اصلاح دیویں۔ اور راہ اعتراض
اور اغماض کی نہ لیویں۔

قطعہ

کاملوں سے توقع ہے ہمرنگ
کہ توجہ سے اُن کے ہووے فلاح
پاویں گر بیچ اسکے سہو و خطا
لطف اپنے ستی کریں اصلاح

ایک قطعہ تاریخ بھی لکھا ہے۔ جس سے تفسیر کا سنہ تالیف معلوم
ہوتا ہے۔

قطعہ

محنت و کوشش بسیار سستی اے ہمرنگ
جب یہ تفسیر تمام ہوئی بعون صمدی
نام میں جا بارکھوں ایسا کہ نکلے تاریخ
فکر کر دل نے اُٹھا بول "چراغ ابدی"

اسمیں ایک بات قابل غور یہ ہے کہ مؤلف نے اورنگ آباد کی زبان کی علیحدہ حیثیت قرار دیا ہے جس کا دکھنی زبان سے تعلق نہیں ہے اور یہ بھی یہی کہ ابتدا سے اور خصوصاً شاہجہاں اور اورنگ زیب کی صوبہ داری میں اسکا تعلق زیادہ تر شمالی ہند کی زبان سے رہا اور وہاں کے اہل زبان اور شعرا نے جو زبان لکھی ہے وہ حیدرآباد، بیجاپور، اور علاقہ مدراس کی زبان سے بالکل الگ ہے۔ اور وہ زیادہ تر شمالی ہند کی زبان کی تقلید کرتے تھے۔

نمونہ تفسیر عمّ یتساءلون:

عمّ یتساءلون
کس چیز سے پوچھتے ہیں کافران۔
عن النباء العظیم
پوچھتے خبر بڑی سے یعنی قرآن اور نبوت اور قیامت سے۔
الذی هم: ایسی دو خبر کہ یہ کافران
فیہ بیچ اس خبر کے
مختلفون اختلاف کرنے والے ہیں۔

یعنی قرآن کو جادو اور شعر اور کہانت سے نسبت دیتے ہیں اور نو پیدا اور کہانی بولتے ہیں۔ اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ الاکبر کو کہتے ہیں کہ وہ پیغمبر ہے یا نہیں۔ یا ساحر ہے۔ یا شاعر یا مجنون اور دن قیامت کا بعضے کہتے تھے کہ ہووے گا اور بتاں ہماری شفاعت کریں گے اور بعضے کہتے تھے کہ دن قیامت کا ہرگز نہ ہووے گا۔ اور سوائے زندگی دنیا کی۔ پھر اور زندگی نہیں ہے اور بعضے شک میں تھے کہ ہوگی یا نہیں۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا۔

کلا سیعلمون: حقا کہ شتابی ہے کہ جانیں گے کافراں دن قیامت کا نزدیک جان کندن کے اور مرنے کے۔ اور وہ دن حق ہے واسطے ظاہر ہونے نشانیاں اوس دن کے بیچ اُس وقت کے۔

ثم کلا سیعلمون: پیچھے تحقیق شتابی ہے کہ جانیں گے دن قیامت کے جھوٹی باتیں اور اعتقاد پلید اپنے۔

الم نجعل الارض آیا نہیں ہم نے کیا زمین کے تئیں۔
مهادا۔ فرش ایک بچھا ہوا کہ مکان رہنے کا تمھارے ہووے۔

تو جانا چاہیئے کہ اندر کرۂ آب کے زمین مانند گیند کے پڑی ہے اور ایسے کہ آدھی زیادہ پانی میں غرق ہے اور آدھی سے کم باہر ہے۔ اور جو کہ باہر ہے وہ دو قسم پر ہے ایک قسم تو محض ویران ہے کہ نشانی معموری کی بیچ اوس کے اصلا نہیں۔ دوسری قسم ہے معمور کہ اُسے ربع مسکون کہتے ہیں۔ اور اسمیں دریائیں، پہاڑیں، میدانیں، اور جنگلیں اور شہریں واقع ہیں۔ اور مساحت اس کی ایک سو بیس برس کی راہ ہے۔ اسمیں سے نودس برس کی راہ تو یاجوج اور ماجوج جو فرزندوں سے یافث بن نوح علیہ السلام کے ہیں۔ اور بارہ برس کی راہ حبشہ بستے ہیں اور آٹھ برس کی روم اور تین برس کی راہ عرب رہتے ہیں اور سات برس کی راہ تمام لوگ دوسرے ساکن ہیں۔

امام احمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کے شروع میں شرح میں اس طرح کی تفصیل بعضی کتابوں سے نقل فرمائی ہے۔ اور یہی شرح مذکور میں لائے ہیں۔ کہ زمین میں مخلوقات

بھوت ہے اتنی کہ بہ نسبت فرشتوں کے اور شیاطین کے
اور جن اور بنی آدم کے، ہزار میں کا ایک حصّہ ہے۔
فائدہ : تفسیر نقائی میں لائے ہیں کہ زمین پانی پر ہے اور
پانی بھی پر۔ اور مچھی تختے پر اور تختہ فرشتے کے سر پر اور
فرشتہ بیل کے سر پر اور بیل مچھر پر اور مچھر کف پر دریا کے
اور دریا ٹبری پر اور ٹبری دوزخ کے سر پر اور دوزخ
اندھیارے پر اور اندھیارے کے نیچے سوائے خدا تعالےٰ
کے کوئی نہیں جانتا ہے کہ کیا ہے واللہ اعلم و احکم۔
والجبال ۔ اور نہیں ہم نے پہاڑوں کے تئیں
اوتادًا میخیں زمین کی تا بہ سبب اُن کے زمین
مضبوط رہے۔
وخلقناکم اور پیدا کیا ہم نے تم کو۔
ازواجًا ہر طرح کے جوڑے نر اور مادہ تا کہ نسل تمھاری
باقی رہے۔ یا پیدا کیا ہم نے تمہیں طرح طرح کی کالی گوری
دراز اور کوتی، خوب اور ناخوب۔
وجعلنا اور کیا ہم نے
نومکم نیند کو تمھاری
سباتا راحت بدن کی تمھاری کہ نیند حس و حرکت کو
موقوف کرے تا قوت حیوانی آرام پکڑے اور ماندگی تمھاری
زائل ہووے۔
اسی عہد کی ایک اور تفسیر ہے یہ بھی پارۂ عم کی ہے لیکن منظوم ہے
اس کے مصنف مولانا شاہ غلام مرتضیٰ تخلص جنون ہیں۔ مصنف کے
نام کی نسبت سے کتاب کا نام بھی تفسیر "مرتضوی" ہے میرے پاس اسکا
ایک قلمی نسخہ ہے اور ایک مطبوعہ نسخہ جو ۱۲۵۹ھ میں نسخ ٹائپ میں چھپا
مطبع کا نام مطبع طبی ہے، جو مولوی عبدالماجد بن حکیم مولوی عبدالمجید
کا تھا لیکن عجیب بات یہ ہے کہ مقام کا نام نہیں لکھا اور اسلئے یہ
معلوم نہیں ہو سکتا کہ مطبع کہاں تھا۔ تصحیح اسکی حافظ محمد صدیق صاحب
اور مولوی محمد وجیہ صاحب مدرس مدرسہ کمپنی بہادر نے کی۔ اس سے
قیاس ہوتا ہے کہ کلکتہ میں ہوگا۔ قلمی نسخہ میں منظوم دیباچہ بھی ہے جو
مطبوعہ نسخے میں نہیں۔ اس دیباچے میں مصنف کا اتنا پتہ لگتا ہے
نہ سن تصنیف معلوم ہوتا ہے۔ اپنا نام کئی جگہ لکھا ہے۔

سن غلام مرتضےٰ میرا ہے نام
ٹک سمجھ لیجو کہ ہوں کس کا غلام

مصحفی کے تذکرہ ریاض الفصحا میں ان کا ذکر ہے۔ لیکن سوائے
نام تخلص کے اور کچھ نہیں لکھا۔ اپنے مرشد کی تعریف میں بھی کچھ
شعر لکھے ہیں۔

حضرت سید محمد تو ہے پیر!
دونوں عالم میں مرا ہے دستگیر

اپنے والد کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور چند شعر ان کی خدمت میں عرض
کئے ہیں۔

بے گماں اے شاہ تیمور ولی
علم ہے عالم میں تیرا منجلی
چاہیے ہو باپ کا بیٹا شبیہ
کیونکہ ہے الولد سر للابیہ

اُستاد کی بھی مدح کی ہے۔ جن کا نام مولوی محمد برکت اللہ تھا۔

ہے مرا اُستاد فخر عالماں
مولوی برکت محیط بے کراں

اس کے بعد بادشاہ وقت شاہ عالم بادشاہ کے لئے بارگاہ الٰہی
میں دعا کی ہے۔

وارث تیمور زیب تاج و تخت
شاہ عالم بادشاہ نیک بخت
کشور ہندوستاں کا شاہ ہے
حامیٔ دین رسول اللہ ہے

بادشاہ کے بعد وزیر الملک نواب آصف الدولہ بہادر کی مدح کی ہے
آصف الدولہ وزیر مملکت
حامئ دیں ہے وہ شیر سلطنت
آصف وقت و سلیمان زمان
ہے سکندر بخت و دارائے جہاں
سبب تصنیف کتاب میں سن تالیف بھی بتا دیا ہے۔
سن تھا ہجری ان دنوں میں جان لے
یک ہزار و ایک سو چورانوے
تفسیر کا انداز ذیل کے نمونے سے ہوگا۔

عم یتساءلون

اصل میں تھا عم عنما اے پسر
نوں کے تئیں کر میم پھر ادغام کر
کر الف کو حذف سن معنے بجاں
پوچھتے ہیں کس چیز سے یہ کافراں
عن النباء العظیم الذی ھم فیہ مختلفون۔
اس خبر سے کہ بڑی کے بے خلاف
کرتے ہیں سب جسمیں باہم اختلاف
یہ کتاب اللہ ہے نباء عظیم
قول شاعر جس کو کہتے ہیں لئیم
یا کہیں ہیں سحر ہے یا مفترا
نزد بعضے ہے کلام کبریا
یا محمدؐ ہے کہ جمع مومنیں
اس کے تئیں کہتے ہیں ختم المرسلیں
یا کہ ہے اس نباء سے محشر مراد
اس سے نہ آگاہ جز رب العباد
ھؤلاء شفعاؤنا عند اللہ
حشر کو کہتے ہیں حق سے مشرکاں
ہم کو بخشا دیں گے پیش حق بتاں
ان ھی الا حیاتنا الدنیا:
منکران حشر کہتے ہیں ہنوز
نہ مگر یہ زندگی ہے چند روز
بل ھم فی شک منھا
اور کہتے ہیں شک میں زاں نبا عظیم
کیونکے ہونگے زندہ یہ عظم رمیم
تاکہ رد ہو جائے قول ناصواب
یہ دیا کفار کو حق نے جواب
الم نجعل الارض مھادًا
آیا یہ ہم نے کیا ہے خاک سے
فرش گسترده تمھارے واسطے
اے بچھائی ہم نے پانی پر زمیں
مردہ اور زندوں کے رہنے کے تئیں
والجبال اوتادًا
اور کیا کوہوں کو میخیں استوار
تا نہ کانپے اور زمیں پکڑے قرار
وخلقنا کم ازواجًا
اور تمھیں پیدا کیا ہے ہم نے جفت
اے نر و مادہ کو بے گفت و شنفت
یعنی زن اور مرد کو پیدا کیا
ایک کا دل ایک پر شیدا کیا
تاکہ ان دونوں سے پیدا ہو پسر
جیسے آب و خاک سے کشت و ثمر
یا مراد ازواج سے ہے قسم قسم
مختلف در صورت و الوان و جسم

زبان صاف سیدھی ہے۔ لیکن ایسی چیزوں کا ترجمہ اور
وہ بھی نظم میں سراسر بے لطف ہوجاتا ہے ۔
ایک صاحب سید بابا القادری متوطن حیدر آباد دکن نے بھی
ایک تفسیر لکھی ہے جسکا نام "فوائد البدیہیہ" ہے۔ اصل یہ قرآن
شریف کا ترجمہ ہے۔ تفسیر برائے نام ہے۔ کہیں کہیں ایک آدھ
جملہ یا لفظ بطور تفسیر کے آجاتا ہے۔ خود مؤلف نے بھی اسے ترجمہ
بجائے موسوم کیا ہے۔ جیسا کہ آئندہ سطور سے معلوم ہوگا یہ بھی شاہ
عبد القادر کی طرح اپنی زبان کو ہندی سے تعبیر کرتے ہیں۔ سنہ
تصنیف ۱۲۴۰ھ ہے۔ اس کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی
میں موجود ہے۔ آخری حصہ نہیں ہے۔ اس کے خطبے دیباچے میں اسکے
مؤلف، سبب تالیف اور سن تالیف کی صراحت موجود ہے خطبہ
کا وہ حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

" اما بعد فیقول الفقیر الحقیر بلا بضاعت سید بابا القادری
الحیدر آبادی بن سیدی و مرشدی و علامۃ العصر الجامع
بین العلوم الظاہرۃ الباطن صاحب التصانیف فی المعقول
والمنقول والتصوف سید شاہ محمد یوسف القادری بن سید
شاہ محمد اسکنہم اللہ الجوبۃ جنانہ انی قد اخذۃ الخرقۃ
من اخی المعینی حضرت شاہ عبد اللہ القادری المتعارف بہ
قطبی صاحب نفعنا اللہ بہ وعمرہ الٰہی بجہ الاکبر روزے چند
بتدریس و وعظ اشتغال داشت کہ بعضی از دوستان صمیمی
سید العل شاہ و سید قلندر بخش متوطن سرہند از اولاد حضرت
بندگی اسمٰعیل قدس سرہٗ خصوصاً مرزا محمد بیگ بن مرزا حاجی
بیگ خان و میاں محمد علی باعث کہ شدن (؟) علمار مثلین
علی قدامیم تفاسیر عربی و فارسی تالیف فرمودہ اند۔ الاکہ ہم
مایاں مغلوب القصور الادراک آن قاصر باید کہ تفسیر بعنوان
ترجمہ کلام مجید بزبان ہندی در تحریر آید۔ کہ فائدہ وغیرہ از
قصص مرتب الاحوال گردد۔ لہذا النظر و فور اشتیاق ایشان
نمودہ خواست کہ آنچہ در فہم ناقص آید بزبان ہندی کلام
ترجمہ ربانی و بعضے کلام شان نزول مفید بہ قلم آرد۔
لہذا استدعی از ناظران حالی فطرت آنست ہر جا کہ خطا و
سہو واقع شود قلم اصلاح بر آں جاری دارند و از طعن
معاف فرمایند۔
پس شروع کردم این کتاب فی شہر ذیقعدہ سنہ ۱۲۴۰ ہجریہ
اربعین و مائتین بعد الف الہجریہ المبارکہ۔ در عہد نواب سکندر جاہ
سکندر نژاد فریدوں عصر نواب سکندر جاہ بہادر ادام اللہ
ملکہ ومتع المسلمین بطول البقائہ .... و نام نہادم تفسیر
را "فوائد البدیہیہ"۔
ترجمے کا نمونہ یہ ہے۔

ذلك الكتاب ۔ یہ کتاب یعنی قرآن شریف
لاریب فیہ : نہیں شک ہے بیچ اسکے۔
اس کتاب کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ مالک ابن حنیف
یہودی تھا مسلمانوں کے دلوں میں شک ڈالتا تھا کہ یہ کلام
اللہ وہ کتاب نہیں ہے جس کے نازل کرنے کا وعدہ خدائے
تعالیٰ نے توریت میں کیا تھا۔
ھدی للمتقین الذین ۔ ہدایت کرنے ہارا ہے یہ کلام اللہ واسطے
پرہیزگاروں کے۔ ایسے پرہیزگار۔
یؤمنون بالغیب : ایمان لاتے ہیں وہ لوگ ساتھ غیب
یعنی جو چیز کے نہیں دیکھی جیسا کہ جنت اور دوزخ اور
سوائے اسکے۔
یقیمون الصلوٰۃ اور قائم کرتے ہیں نماز کے تئیں
ومما رزقنٰھم ینفقون اور اس چیز سے کہ رزق دیے ہم نے ان
لوگوں کے تئیں خرچ کرتے ہیں وہ لوگ خدا کی راہ میں۔

والذین یؤمنون بما انزل الیک
اور ایمان لاتے ہیں اس چیز سے کہ نازل کیا گیا اول تمھارے
یعنی توریت انجیل اور زبور۔

پارہ عم کی ایک تفسیر سید شجاع الدین کی لکھی ہوئی ہے۔ خاتمہ
پر یہ عبارت ثبت ہے۔

"بعون عنایت الٰہی ایں تفسیر صریح کہ سید شجاع الدین صاحب
سلمہ اللہ تعالیٰ بزبان میمنت ترجمان بیان فرمودند بتاریخ
یازدہم روز جمعہ شہر محرم الحرام ۱۲۴۸ھ مقدسہ اختتام یافت
اگرچہ یہ سنہ کتابت ہے۔ لیکن تالیف کا سن بھی یہی ہے یا اس
کے لگ بھگ معلوم ہوتا ہے۔ ترجمہ و تفسیر کا نمونہ یہ ہے۔

عم یتساءلون۔ کس چیز کے آپس میں ایک کو ایک
پوچھتے ہیں کافر پھر آپ ہی فرمایا۔
عن النباء العظیم خبر بڑی سے کہ وہ قرآن
ہے۔
الذی ھم فیہ مختلفون ایسا قرآن کہ وہ کفار اسمیں مختلفون، اختلاف
کرنے والے ہیں۔ کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔
کلا سیعلمون۔ تحقیق جلدی جانیں جب قیامت آئے گی
کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سچے تھے۔ اور قرآن خدا کا
کلام تھا۔
ثم کلا سیعلمون ط پھر تحقیق جلدی جانیں گے کہ برا کیا
ہم نے جو ایمان نہ لائے۔
الم نجعل الارض مھادًا۔ آیا نہیں کئے زمین کو بچھونا
کہ اسپر سب ٹھہریں۔
والجبال اوتادًا اور پہاڑوں کو میخیں جب زمین کو
پیدا کیا تو وہ پانی پہ ہلتی تھی۔ پھر پہاڑوں کی میخیں اسپر
رکھا تب زمین ٹھہری۔

وخلقناکم ازواجًا۔ اور پیدا کئے ہم نے تمھیں جوڑے
جوڑے کہ تم سے اولاد ہوئے بھانت بھانت کے جیسے
کالی گوری۔ اونچی نیچی۔ اچھی بری۔
وجعلنا نومکم سباتًا اور کئے ہم نیند کو تمھاری
کہ بدن کو آرام پہونچے۔ اور ماندگی دور ہووے۔
وجعلنا اللیل لباسًا اور ہم رات کو لباس کہ سب کو
اندھارے سے ڈھانپے۔
وجعلنا النھار معاشًا۔ اور کئے ہم دن کو وقت زندگی
کا کہ اسمیں روزی پیدا کرو۔ اور پھر و چلو، کماؤ، کھاؤ۔

سورۂ فاتحہ کی ایک تفسیر کرام الدین نے ۱۲۴۲ھ میں لکھی ہے،
یہ نثر میں ہے۔ ختم مضمون پر سورۂ فاتحہ کی فضیلت کا بیان ہے
دیباچے کی ابتدائی سطریں نقل کی جاتی ہیں۔ جن میں مصنف نے
تفسیر کے متعلق چند ضروری باتیں لکھی ہیں۔

"بندۂ ضعیف حقیر کمترین اکرام الدین کہ اکثر مسلمان بھائی
خصوصًا میر حسین علی نے رغبت دلائی اس بات پر کہ اگر
سورۂ فاتحہ کا ہندی میں بیان ہوجاوے تو سب مسلمانوں
کا اپنے ایمان کا دھیان ہوجاوئے۔ کیونکہ اس سورہ کا
نام اُم الکتاب ہے۔ آخر رسالے میں اس اُم الکتاب کی
فضیلت کا بیان ہے۔ اور اس کا مختصر نام تحفۂ اسلام ہے
الحمد للہ کہ یہ رسالہ ۱۲۴۲ھ عشرہ محرم الحرام میں
تمام ہوا۔

پارہ عم کی ایک اور تفسیر بھی مجھے ملی ہے جس کا سنہ کتابت ۱۲۵۴ھ
ہے۔ یہ بھی ترجمہ ہے۔ کہیں کہیں بطور تشریح کے کچھ کچھ جملے اضافہ
کر دیے گئے ہیں۔ بطور نمونہ کے شروع کی چند آیتوں کا نمونہ
لکھا جاتا ہے۔
بکس چیز سے سوال کرتے ہیں وہ کافر آپس میں پھر آپ نے فرمائے

سوال کرتے ہیں وہ خبر تے کہ بڑی ہے یعنی قرآن شریف اور نبوت اور قیامت سے۔ ایسی خبر عظیم کہ وہ کافر بیچ اسکے اختلاف کرنے والے ہیں۔ کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ۔ حق تعالےٰ نے فرمایا۔ حق ہے کہ قریب جانیں گے وہ دن قیامت میں کہ برا کیا ہم نے جو ایمان نہ لائے۔ کیا نہیں کئے ہم نے زمین کے تئیں بچھونا تا کر رہو تم اور پہاڑوں کے تئیں میخیں اور پیدا کئے ہم نے تمھارے تئیں جوڑے کہ تم اولاد ہوئے اور کئے ہم نے نیند کے تئیں تمھارے آرام بدن کا۔ تا ماندگی دن کی دور ہو

اسکی زبان جیسا کہ اوپر کے نمونے سے معلوم ہوگا دکنی ہے

ایک صاحب نے بعض سورتوں اور آیتوں کی تفسیر لکھی ہے۔ تفسیر برائے نام ہے زیادہ ترجمہ ہے اور ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب کا ہے اسکا سنہ کتابت ۱۲۷۵ ہجری ہے۔

ایک اور تفسیر سورۂ یوسف سے سورۂ حج تک دستیاب ہوئی ہے۔ شروع کے دو چار ورق غائب ہیں۔ آخر میں نہ سن تالیف و کتابت ہے۔ نہ مولف کا نام۔ زبان کسی قدر پرانی ہے۔ مگر سلیس ہے۔ ایسی سلیس اور صاف کہ اگر دو چار ایسے لفظ جیسے لانڈگا (دھیڑیا) اپرال (اوپر) کجلی (کنجی) کہیں کہیں نہ آجائیں تو زمانے کے لحاظ سے اسکی شناخت مشکل ہو جائے۔ کہ مصنف شمالی ہند کا ہے یا جنوبی ہند کا۔ ترجمہ میں معروف عربی فارسی الفاظ بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔ دو تین آیتوں کے ترجمے اور تفسیر کی نقل کی جاتی ہے۔

قال اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم

کہا یوسف نے کہ میرے تئیں کر حکم کرنے والا زمین کے خزانوں کا یعنی کاروبار ممالک مصر کا مجھے سونپ کہ تحقیق میں محافظت کرنے والا ہوں تیرے مالکوں، اور خبردار ہوں امور ممالک میں ــــ

وکذلک مکنا لیوسف فی الارض ط

جیسا کہ بادشاہ کون مہربان کیا میں نے یوسف پر ویسا ہی مرتبہ دیا یوسف کوں زمین مصر میں۔ یعنی مقبول خلائق کیا بادشاہ کیاں لائے ہیں کہ یوسف علیہ السلام ستر اور دو زبان جانتے تھے۔ بیچ تفاسیر معتبر مذکور ہے کہ بادشاہ نے تخت زر سرخ مرصع سیں اور بھانت بھانت کے جواہر لگے ہوئے واسطے یوسف علیہ السلام کے مقرر کیا۔ تاج مکلل اوپر سر اوس کے رکھ کر کلیاں خزانے کیاں سونپ پر اختیار ملک کا بیچ ہاتھ اوس کے دیا۔ اور عزیز کے تئیں تغیر کیا اور جو کام اس عزیز کے تھے۔ عہدہ یوسف کے کیا۔ تھوڑے زمانہ میں عزیز مرگیا۔ اور بادشاہ التماس تمام سیں زلیخا کوں بیچ عقد یوسف کے دیا۔ اور حق سبحانہ تعالےٰ نے یوسف کے تئیں دو بیٹے دیا۔

یتبوأ منها ط کہ تا جگہ پکڑے زمین منے، یعنی ملک مصر کی بیچ چالیس فرسخ کی عرض رکھتی تھی۔

حیث یشاء جہاں چاہے زمین مصر میں۔

نصیب برحمتنا من نشاء پہنچاتے ہیں ہم رحمت سیں جس کو چاہتے ہیں۔

ولا نضیع اجر المحسنین ط اور ہم ضائع نہیں کرتے اجر نیکوکاروں کا۔

بظاہر یہ تفسیر فارسی کا ترجمہ معلوم ہوتی ہے جیسا کہ جملوں کی ترکیب سے ظاہر ہے لیکن ابتدا میں عام طور پر اردو زبان کا اور خاص کر ترجمے میں عبارت کا یہی ڈھنگ تھا۔ چنانچہ جگہ جگہ لائے ہیں لکھا ہے۔ جو آوردہ اند کا لفظی ترجمہ ہے۔

ایک تفسیر سورۂ یوسف نظم میں حکیم محمد اشرف متوطن قصبہ کاندھلہ نے لکھی ہے۔ اس کا سنہ تصنیف ۱۲۹۸ھ ہے۔ طریقہ یہ رکھا کہ عنوان میں قرآن کی آیت ہے اور نیچے اسکا اردو ترجمہ۔

نثر میں اسکے بعد نظم میں اسکی تفسیر۔ بعض بعض مقامات کی تفصیل بہت طویل ہے۔ نظم رواں اور صاف ہے۔ مگر فصیح نہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

وتركنا يوسف عند متاعنا فاكله الذئب وما انت بمومن لنا ولو كنا صادقين۔

اور چھوڑا یوسف کو اپنے اسباب پاس پھر اسکو کھا گیا بھیڑیا
اور تو باور نہ کرے گا ہمارا کہنا۔ اگر چہ ہم سچے ہوں۔

بٹھا ہم نے یوسف کو کپڑوں کے پاس
گئے دوڑتے سب کے سب بے ہواس
کہ اتنے میں بھیڑا اُسے کھا گیا
یقیں ہوگا تجھ کو کب اس بات کا
اگر چہ ہم آپس میں ہیں راست گو!
ولے اسکو کب راست جانے ہے تو
یہ آیت کے معنے ہوئے ہیں بیاں
اب آگے سنو اسکی ہے داستاں
سنا جبکہ یعقوب نے یہ کلام
ہوا کام گویا کہ اسکا تمام
گرا کھا کے غش اور گیا دل دھڑک
غشی میں رہا صبح سے شام تک
لگی رونے اولاد اسکی تمام
کہا سب نے بے جا ہوا ہم سے کام
کیا قتل بھائی کو اور باپ کو
گنہ گار ہم نے کیا آپ کو
قیامت کو کیا دیں گے اسکا جواب
خدا جب کہ لیوے گا ہم سے حساب
یہ کہہ کر کے روتے تھے چھوٹے بڑے
اور آگے تھے یعقوب اُن کے پڑے
جو دیتے تھے جنبش نہ ہلتے تھے وہ
کسی طرح سے نہ سنبھلتے تھے وہ
کہا بعض نے ایک بارہ سے گم
ہوا اسکا بیٹا یہ دیکھو ہو تم
عجب اس کی حالت ہے مرتا ہے یہ
نہ بولے ہے نے سانس بھرتا ہے یہ
وہ جس کی فقط ایک اولاد ہو
وہ مرجائے تو پھر کیوں نہ برباد ہو

اس کے بعد ایک حکایت اسی مضمون کی بیان کی ہے۔

تفسیر وہابی پورے قرآن کی تفسیر ہے۔ مصنف نے تفسیر کے خطبے میں سبب تصنیف اور وجہ تسمیہ وغیرہ کا اظہار کر دیا ہے۔ خطبے کے اس حصہ کی نقل بیاں درج کی جاتی ہے۔

"بعد حمد اور نعت کے کہتا ہوں کہ اس تفسیر کا نام تفسیر وہابی رکھا ہوں۔ اور اس تفسیر کے بنانے بارے کا نام عبد الصمد بیٹا نواب شکوہ الملک نصیر الدولہ عبد الوہاب خان بہادر نصرت جنگ کا فرزند۔ ضعیف کے خاطر میں آیا کہ بہوت تفسیراں عربی اور فارسی ہیں۔ لیکن دکنی تفسیر شاید کہ کم ہیں بلکہ نہیں ہیں۔ اس واسطے سب مرداں اور عورتوں کو قرآن مجید کے معنی معلوم ہو کر عالم کو فائدہ ہونے کے واسطے دکنی زبان سے بنایا ہوں۔ اگر کوئی عالم اور فاضل اس تفسیر کو پڑھے تو کرم کی راہ سیں اس کے مطلب کی کمی اور زیادتی کو دریافت کر کر درست کریں۔ اور مغفرت چاہیں اور یہی التماس سب پڑھنے والوں کی خدمت میں ہے۔ چاہیئے کہ اس تفسیر کے پڑھنے بارے میری التماس قبول کر کر مہربانی کریں

آخر میں سنہ اور تاریخ ان الفاظ میں لکھی ہے۔

فی شہر جمادی الثانی یوم السبت من عشرین ہذا شہر سنہ

ثمانین و سبع بعد الالف من ہجرت النبوی صلے اللہ تعالے علیہ وسلم۔

تزک والاجاہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نواب شکوہ الملک نصیر الدولہ بہادر نصرت جنگ امیر الہند والاجاہ کے برادر حقیقی تھے۔ امیر الہند والاجاہ کی ولادت ۱۲۳۵ھ میں واقع ہوئی۔ اس لحاظ سے یہ سنہ صریحاً غلط ہے۔ غالباً ۱۲۸۷ھ ہجری ہوگا۔ زبان بھی اسکی پرانی نہیں معلوم ہوتی بلکہ صاف ہے اور تقریباً ویسی ہی زبان ہے جیسی آجکل جنوبی ہند میں مروج ہے۔ نمونہ کے لئے سورۂ قارعہ کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

القارعۃ ما القارعۃ ط

اللہ تعالے فرماتا ہے کہ قارعہ قیامت کے روز کو کہتے ہیں اور اُس روز لوگاں ہول سے کہیں گے کہ قارعہ کیا ہے۔

وما ادرٰک ما القارعۃ ط

اور اللہ تعالے فرماتا ہے کہ اے بندگان تم قیامت کو کیا جانتے ہیں۔

یوم یکون الناس کالفراش المبثوث وتکون الجبال کالعھن المنفوش ط

اور اللہ تعالے فرماتا ہے کہ ایک روز حشر کا ہے کہ اس روز تمام آدمیاں پتنگ کے مانند گھبرا جائیں گے یعنی پریشاں ہوجا گے اور پہاڑاں روئی کے مانند پنجے جائیں گے اور ٹکڑے ٹکڑے ہوں گے۔

فاما من ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃ الراضیۃ ط

اللہ تعالے فرماتا ہے کہ جس کی نیکی کا وزن زیادہ ہوں گا او شخص نیک زندگی سے بہشت میں جائے گا۔

واما من خفت موازینہ فامہ ھاویۃ ط

اور اللہ تعالے فرماتا ہے کہ جس کے نیک عمل کا بوجھ ہلکا ہوگا۔ اُسے اللہ تعالے ہاویہ میں ڈالے گا۔ اور ہاویہ بھی ایک دوزخ کا نام ہے۔

وما ادرٰک ماھیہ ط

اور اللہ تعالے فرماتا ہے کہ ہاویہ کیا چیز ہے کر کے تم جانتے ہیں۔

نار حامیۃ ط

اللہ تعالے فرماتا ہے کہ وہ گرم آگ ہے یا جلانے ہاری آگ ہے۔

ایک قلمی تفسیر سورۂ کہف سے سورۂ عنکبوت تک ہے۔ یہ بھی دراصل ترجمہ ہے البتہ کہیں کہیں تصریح کے لئے چند جملے اضافہ کردیے گئے ہیں۔ زبان دکنی ہے لیکن قدیم نہیں۔ نمونے کے طور پر سورۂ قصص کے چند آیتوں کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

آیات الکتاب المبین ط

آیتاں ہیں کتاب ظاہر کی۔ کہ ظاہر کرنے ہارا ہے راہ راست کے تئیں

نتلوا۔ تلاوت کرتے ہیں ہم۔

علیک اوپر تمہارے اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم۔

من نباء موسیٰ وفرعون۔ خبر سے موسےٰ اور فرعون کی۔

بالحق۔ سات راستی کے۔

لقوم یؤمنون۔ واسطے قوم جو ایمان لاتے ہیں

ان فرعون۔ تحقیق فرعون۔

علا فی الارض تکبر کیا بیچ زمین مصر کے۔

وجعل۔ اور گردانا فرعون

اھلھا۔ لوگوں کے تئیں اُس مصر کے۔

شیعاً۔ گروہ در گروہ اور ہر گروہ کے تئیں ایک کام مقرر کیا
یستضعف ۔ اور ضعیف کرتا تھا یعنی مقہور کیا ۔
طائفۃ منہم ۔ ایک گروہ کے تئیں اون بنی اسرائیل میں سے
یذبح ابناءھم ذبح کرتا تھا فرعون فرزندوں کے تئیں ان
بنی اسرائیل کے ۔ و یستحیی نساءھم اور زندہ رکھتا تھا
عورتوں کے تئیں ان کی واسطے خدمت قبطیوں کے انہ کان
تحقیق وہ فرعون تھا من المفسدین فساد کرنے ہاروں سے

ایک تفسیر جو میاں شاہ مخدوم حسینی کی تالیف ہے ۔ مجھے دستیاب ہوئی ہے لیکن آخر سے ناقص ہے ۔ اسلئے یہ کہنا مشکل ہے کہ انہوں نے پورے قرآن کی تفسیر لکھی تھی ۔ یا صرف چند پاروں کی ۔ مولف کا حال بھی کہیں نہیں ملا ۔ زبان سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ بھی تیرھویں صدی کی ہے ۔ ترجمے کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں تصریح کے لئے کچھ کچھ عبارت اضافہ کر دی گئی ہے ۔ اس کی ابتدائی چند آیتوں کا ترجمہ مع تفسیر نقل کیا جاتا ہے ۔

ذٰلک : یہ وہ کتاب ہے کہ خداوند عالیشان دو کتابیں
آگے کے ساتھ اُتارنے اس کتاب کے وعدہ دیا تھا ۔
الکتاب ۔ یہ کتاب کامل ہے یعنی قرآن مجید ۔
لاریب ۔ کچھ شک و شبہ نہیں ہے ۔
فیہ ۔ بیچ اس کتاب کے یعنی ظاہر ہونے سے حجت کے ۔
اور واضح ہونے سے دلیلوں کے یہ کتاب سات اس کے مانند
ہے ۔ کہ جو کوئی کہ بیچ اس کتاب کے اونا اپنی فکر متوجہ کرے
از شک خود کھڑے رہ جاوے ۔ اور جانے کہ شبہ کے تئیں
بیچ اس کتاب کے طاقت انچی کی نہیں ہے ۔
ھدیً ۔ دلالت کرنے والی اور راہ بتانے والی ۔
للمتقین ۔ خاص پرہیزگاروں کے تئیں کیونکہ یہ پرہیزگار
ساتھ اس کتاب کے فائدہ پائے ہوئے ہیں ۔

الذین : وہ لوگ کہ سا یچ نے اعتقاد انچے ۔
یومنون خواہش کرتے ہیں ۔
بالغیب سات میں دیکھی ہوئی چیز کے ۔ وہ کون ہے یعنی
حق تعالےٰ ۔ اور وہ کون یعنی فرشتے اور وہ کون ہے یعنی
قیامت کا دن سات علاتے والے اس قیامت کے ۔ یا
چھپا ہوا وحی ہے اور کہے ہیں مراد غیب سے قضا و قدر ہے
کہ مسلمانوں نے سات ان چیزوں کے غیب کے ایمان لاتے ہیں
ویقیمون ۔ اور قائم رکھتے ہیں اور ادا کرتے ہیں ۔
الصلوٰۃ : نماز پانچ وقت کے تئیں سات شرطیں اور ادا ہیں
اس نماز کے یعنی واجبات اور مستحبات نماز کے ادا بخوبی
کرتے ہیں ۔
ومما رزقنٰھم ۔ اور ہم اس چیز سے سات ان متقیوں کے
بخشش کئے ہیں ہم ۔
ینفقون نفقہ کرتے ہیں اوپر اہل و عیال اور قرابتی اور
ہمسایہ والے صاحب حق داروں کے ۔

یہ تفسیر بھی بعد کے زمانے کی ہے اس میں قدیم الفاظ کہیں نہیں آتے لیکن زبان دکنی ہے ۔ مثلاً چھینا چھونے کی جگہ استعمال کیا ہے ۔ اور اسمار کی جمع ان سے بنائی گئی ہے مثلاً لوگاں ۔ مایاں وغیرہ ۔ عبارت اکثر ناقص بے ربط ہے ۔

یہ ترجمے اور تفسیریں جن کا ذکر اس مقالہ میں کیا گیا ہے تیرھویں صدی کے آخر تک کی ہیں موجودہ صدی کے ترجموں اور تفسیروں سے بحث نہیں کی گئی ۔ ہر ایک کے ساتھ ترجمے یا تفسیر کا نمونہ بھی دے دیا گیا ہے تاکہ زبان کے اُتار چڑھاؤ کی کیفیت معلوم ہوتی رہے ۔ پانچ کے سوا باقی سب قلمی ہیں ۔

(اُردوؔ، جنوری ۳۲ء)

مولانا عبد الماجد دریابادی :

قرآن مجید کے :- انگریزی تراجم

یورپ کا نام آتے ہی تصور دماغ کے سامنے اعلیٰ تعلیم یافتہ آبادی اور اسکے سارے لوازم کا نقشہ آجاتا ہے۔ عالیشان کالج اور یونیورسٹیاں۔ عظیم الشان لائبریریاں اور تجربہ گاہیں فلسفہ اور سائنس کے ماہرین۔ تاریخ و ادب کے پروفیسر وغیرہا۔ ہزار ڈیڑھ ہزار سال قبل کا یورپ اس سے بالکل مختلف تھا اسکے شہر ایسے جیسے ہمارے دیہات۔ کوئی پڑھا نہ لکھا۔ اور خیر برطانیہ وغیرہ کس شمار میں تھے۔ خود روما اپنی پچھلی عظمت اور اقتدار کے باوجود بس کچھ یونہی تھا۔ پڑھنے لکھنے کا شوق، خصوصاً مسلمانوں سے متعلق معلومات کہنا چاہیئے کہ بارھویں صدی مسیحی سے شروع ہوا۔ بلکہ محاربات صلیبی (کروسیڈز) نے مسلمانوں اور مسیحیوں کو صف بصف میدان فلسطین میں لا کر کھڑا کیا۔ اب رفتہ رفتہ فرنگیوں کو مسلمانوں کے علوم ان کی تہذیب و تمدن ان کے مذہب سے صحیح واقفیت کی ضرورت محسوس ہوئی۔

چنانچہ قرآن مجید کا پہلا ترجمہ لاطینی زبان میں موجودہ معلومات کے مطابق سب سے پہلے سنہ ۱۱۴۳ء میں ہوا۔ اور مطبع کی ایجاد کے بعد سنہ ۱۵۴۳ء میں بمقام باسل چھپ کر شائع ہوا۔ اس کے بعد دوسرا ترجمہ جو کہا جاتا ہے کہ پہلے سے بدرجہا بہتر ہے سنہ ۱۶۹۸ء میں بمقام پڈوا شائع ہوا۔ مترجم کا نام 'L. Morocci' ہے۔ اور منقول ہے کہ یہ شخص اپنے وقت کے معیار سے خاصہ فاضل تھا۔

اس کے بعد اطالوی اور فرنچ زبانوں میں ترجمے ہونے لگے۔ انگریزی میں سب سے پہلا ترجمہ جو دراصل لیٹن ترجمہ کا ترجمہ ہے سنہ ۱۶۴۸ء سے سنہ ۱۶۸۸ء تک شائع ہوا۔ یہ اب گویا نایید ہے۔ دوسرا ترجمہ جارج سیل کے قلم سے لندن میں سنہ ۱۷۳۴ء میں شائع ہوا۔ (اور اسکی مقبولیت کی یہی دلیل کافی ہے کہ اس وقت سے اب تک برابر اسکے ایڈیشن پر ایڈیشن نکلتے چلے آرہے ہیں۔

سوا دو سو سال تک اور پھر متعدد دوسرے اور تازہ ترجموں کے بروئے کار آجانے کے بعد بھی اتنی ہر دلعزیزی قائم رہ جانا عجائبات میں سے ہے۔ لیکن سیل کا ترجمہ اسکا غیر مستحق ہے بھی نہیں۔ اول تو اس مترجم کو کلام مجید کے ساتھ اچھی خاصی ہمدردی ہے۔ اس کی عظمت کا وہ دل سے قائل ہے (عجب نہیں کہ درپردہ مسلمان بھی ہو گیا ہو۔) اور پھر اس نے ترجمہ کے وقت بیضاوی وغیرہ مفسرین کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ تیسرے تفسیری اور توضیحی حاشیہ اُسنے کثرت سے دیے ہیں۔ کتب تفسیر کے حوالے بھی ملتے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ علاوہ دیباچے کے ایک بڑا مفصل مقدمہ بھی اسنے سپرد قلم کیا ہے جس کی آٹھ فصلوں میں اُسنے تاریخ عرب جاہلیت۔ تاریخ مسیحیت خصوصیات قرآن۔ اوامر قرآنی۔ نواہی قرآنی۔ قرآن کے ضوابط دیوانی۔ جمعہ اور اشہر حرم اور فرق اسلامیہ پر تفصیل سے گفتگو کی ہے کہ ضخامت تین سو صفحات کے قریب پہنچ گئی ہے۔

مدت دراز تک یہی ایک ترجمہ انگریزی میں مستند اول رہا یہاں تک ۱۸۶۱ء میں کیمبرج یونیورسٹی کے ایک استاد ایم راڈویل نے اپنا ترجمہ شائع کیا۔ اور زبان میں بہت کچھ اصلاحیں کی اتنی لمبی مدت میں انگریزی زبان کے اندر تغیرات ہوجانے لازمی تھے جیسے اردو میں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کی زبان شیخ الہند محمود حسن کے وقت تک خاصی پرانی ہوچکی تھی جو انگریز اپنی زبان وادب سے زیادہ ذوق رکھتے تھے اُن میں راڈویل کا ترجمہ زیادہ مقبول ہوا۔ نظرثانی اور ترمیم کے بعد دوسرا ایڈیشن راڈویل نے ۱۸۷۶ء میں شائع کیا۔ اور ایک طویل دیباچہ کا اضافہ کیا۔ اور اسکے بعد بھی ایڈیشن باربار طبع ہوا۔ اسمیں حاشیے نسبتاً بہت کم ہیں۔ البتہ راڈویل نے جدت یہ کی کہ سورتوں کی ترتیب تاریخ نزول کے مطابق کردی چنانچہ شروع سورۂ علق سے کرکے مدثر ہوتے ہوئے ختم سورہ مائدہ پر کیا ہے

۱۸۸۰ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی کے ایک جرمن پروفیسر میکسمولر کو جو خود بھی سنسکرت کا عالم تھا، شرق کی تمام کتب مقدسہ کو انگریزی میں منتقل کرنے کا خیال ہوا۔ قرآن شریف کا ترجمہ اس نے پروفیسر پامر کے سپرد کیا۔ جو کیمبرج یونیورسٹی میں عربی زبان کے استاد تھے پامر کا ترجمۂ قرآن دو ضخیم جلدوں میں ۱۸۸۰ء میں نکلا۔ اور ایک زمانہ تک مستند اور عالمانہ سمجھا جاتا رہا۔ اور اتنا تو واقعہ ہے کہ اسکا ترجمہ بمقابلہ راڈویل وغیرہ کے الفاظ قرآن سے قریب تر ہے۔ اسکی علمی شہرت کچھ روز بعد سرد ہوگئی۔ البتہ ان کے تراجم کے مختلف ایڈیشن زمانہ حال تک نکلتے رہے ۱۹۳۳ء میں جو ایڈیشن چھوٹے سائز کی ایک جلد میں نکلا۔ اُسپر مقدمہ پروفیسر نکلسن کے قلم سے ہے۔ تفسیری حاشیے پامر کے ترجمے میں بھی بہت کم ہیں۔

یہ سارا تذکرہ مکمل قرآن کے ترجموں کا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ جزوی ترجموں کا بھی سلسلہ جاری رہا۔ ای۔ ڈبلو۔ لین Lane اپنے زمانہ میں ایک نامور مستشرق انگریز گزرا ہے۔ اسنے نہ صرف الف لیلہ کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا۔ بلکہ قاموس کی مشہور ضخیم شرح تاج العروس کو بھی انگریزی کی آٹھ طویل وعریض مجلدات میں لے آیا تھا۔ اس نے ۱۸۴۳ء میں منتخبات قرآن انگریزی میں شائع کئے۔ کتاب کے دو حصے تھے پہلے میں عقائد اسلامی سے متعلق قرآنی آیات کے ترجمے تھے۔ توحید، رسالت، قرآن، وحی، حشر، ملائکہ، جنت جہنم تقدیر کفر و ایمان وغیرہ کے زیر عنوان۔ اور دوسرے حصہ میں قصص قرآنی، انبیاء سابقین، کتب سماوی، آدم و حوا، قابیل وہابیل نوح وطوفان نوح، عاد وثمود، موسیٰ وعیسیٰ، عزیر ومسیح وغیرہ سے متعلق اقتباسات تھے۔ یہ ایڈیشن اب نایاب ہے۔ ۱۸۷۹ء میں لین کے بھتیجے اور جانشین اسٹینلی لین پول نے بہت کچھ ترمیم واضافہ کے بعد اسکا نیا ایڈیشن شائع کیا اور اسمیں گو توضیحی حاشیے بہت گھٹا دیے لیکن ایک مفصل مقدمہ بھی اپنی طرف سے بڑھا دیا۔ لین اور لین پول دونوں کا شمار اسلام و مسلمین کے ہمدردوں میں ہے۔ اور یہ ہمدردی دونوں کی تحریروں میں نمایاں ہے۔

قرآن مجید کے کچھ اور انتخابات بھی اسکے بعد شائع ہوئے۔ مثلاً ایک پادری سیل (Sale) کے قلم سے اور ایک سرولیم میور (مصنف لائف آف محمد) کی طرف سے۔ لیکن کچھ زیادہ شہرت انہیں حاصل نہیں ہوئی۔ ۱۸۹۴ء میں شامی الاصل ویہودی النسل انگریز ڈی۔ ای۔ مارگولیس نے (جو آگے چلکر آکسفورڈ میں عربی کا پروفیسر ہوا۔ اور اپنی اسلام دشمنی میں نامور) بیضاوی کی تفسیر سورۂ آل عمران کا ترجمہ شائع کیا۔ آل عمران کا انتخاب شاید اسی مناسبت سے کیا کہ اسمیں حضرت مریم اور حضرت مسیح کا ذکر تفصیل کے ساتھ ہے۔

۱۸۹۴ء میں وقت کے ایک مشہور پادری اور مسلمانوں سے مناظرہ کرتے رہنے والے ایم وہیری (Wherry) نے سیل (Sale) ہی کے قدیم ترجمے وحواشی کو اصل اساس قرار دیکر

ایک مستقل تصنیف چار جلدوں میں شائع کر دی۔ اس تفسیر میں بیضاوی، کشاف، جلالین، و تاریخ ابوالفدا وغیرہ کے حوالے تو سیل ہی کے دیئے ہوئے موجود تھے۔ وھیری نے جن جدید ماخذوں کے حوالے دیئے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ تفسیر رؤنی ــــ (معلوم نہیں کہ اس نام سے کونسی فارسی تفسیر مراد ہے)
۲۔ تفسیر حسینی ــــ (ملا حسین واعظ کاشفی کی ایک چلی ہوئی فارسی تفسیر)
۳۔ تفسیر فتح الرحمٰن ــــ (غالباً شاہ ولی اللہ دہلوی کے فارسی حواشی مراد ہیں)
۴۔ حواشی شاہ عبدالقادر دہلوی ــــ (غالباً موضح القرآن مراد ہو۔

یہ سب ترجمے غیر مسلموں کے کئے ہوئے تھے، اور قدرۃً بغیر اصل متن کے محض انگریزی میں چھپے تھے۔

۱۹۰۵ء میں سب سے پہلے ایک مسلمان کے قلم سے انگریزی میں ترجمہ نکلا۔ یہ صاحب ڈاکٹر عبدالحکیم نامی تھے۔ ایک زمانہ تک احمدی یا قادیانی رہ کر پھر اس حلقہ سے نکل آئے تھے۔ راسم پور سے ایک ماہنامہ بھی قرآنیات سے متعلق الذکر الحکیم کے نام سے نکالتے رہے۔ قرآن مجید کا ایک ترجمہ اردو میں اپنے دور احمدیت میں کیا۔ انگریزی ترجمہ غالباً لندن میں چھپا تھا۔ ایک اوسط ضخامت کی جلد میں بغیر متن کے تھا اب نایاب ہے۔ مدت دراز ہوئی ان کے وارثوں سے جو پٹیالہ میں رہتے تھے ایک نسخہ میں نے منگا کر دیکھا تھا، کوئی خاص بات تو اس میں معلوم نہیں ہوئی البتہ یہ اولیت کا شرف اُن کے لئے کیا کم ہے کہ مسلمانوں میں اُنہوں نے سب سے پہلے انگریزی ترجمے کی ہمت کی۔ یہ صاحب ڈاکٹری میں ایم۔ بی کی ڈگری رکھتے تھے۔

اسکے چند ہی سال کے بعد غالباً ۱۹۱۰ء یا ۱۹۱۱ء میں ایک انگریزی ترجمہ دو ضخیم جلدوں میں مرزا ابوالفضل الہ آبادی کا کیا ہوا شائع ہوا۔ یہ پہلا انگریزی ترجمہ ہے جو متن قرآنی کے ساتھ چھپا اور پر متن قرآن ہے اور صفحہ کے تحتانی حصہ میں اسکا ترجمہ و حاشیے اس میں بہت کم ہیں۔ اور جتنے بھی ہیں وہ سب آخر میں نمبر ڈال کر یکجا کر دیے گئے ہیں۔ میرے پاس اسکا جو نسخہ ہے اُسکا سرورق وغیرہ غائب ہے، ممکن ہے کوئی دیباچہ اس کے شروع میں ہو۔ مترجم کا انتقال ابھی چند سال ہوئے حیدرآباد دکن میں ہوا۔ لیکن اسکا ترجمہ مدت ہوئی گمنام ہو چکا ہے۔

عین اسی زمانے میں مولانا شبلی کی تحریک پر یا کم سے کم اُنکی حوصلہ افزائی سے ایک مستند اور فاضلانہ ترجمہ کی طرح نواب عماد الملک سید حسن بلگرامی نے حیدرآباد دکن میں ڈال دی تھی۔ نواب صاحب گو شیعی خاندان سے تھے لیکن اپنے عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے کسی فرقے سے تعلق رکھنے کے بجائے محض مسلم تھے۔ انگریزی کے ادیب تھے اور عربی کے ادب پر بھی ان کی گہری نگاہ تھی۔ مولانا شبلی کے مضامین الندوہ میں ان کا ذکر بار بار ملتا ہے۔

نواب صاحب کا اندازہ تھا کہ دو سال میں کام ختم کرلیں گے مگر اسی اثناء میں مولانا حمید الدین فراہی (صاحب تفسیر نظم القرآن) سے اُن کی مراسلت شروع ہو گئی اور پھر مولانا خود بھی حیدرآباد منتقل ہو گئے۔ اب نواب صاحب نے اپنے کام پر محنت اُنکی شرکت اور مشورہ سے شروع کی۔ اور اپنا پہلے کا مسودہ گویا بیکار کر دیا۔

بہرحال کام سورۂ طٰہٰ (پارہ سولہ) تک کسی نہ کسی طرح پہنچا تھا کہ ضعف و کبر سنی کے باعث نواب صاحب کام سے معذور ہو گئے اور یہ خدمت قرآنی جو بہت قابل قدر ہوتی اسی منزل پر پہونچ کر رک گئی، اور شائع ایک پارہ بھی نہ ہو سکا۔ نواب صاحب نے ازراہ احتیاط اپنے مسودہ کی سو دو سو کاپیاں طبع کرا کے اور سامنے کا کالم سادہ چھوڑ کے مختلف اہل علم کے پاس مشورہ اور اصلاح کیلئے روانہ کر دی تھی۔

۱۹۱۵ء تھا کہ احمدی یا قادیانی فرقے کی انگریزی تفسیر کا پارۂ اول شائع ہوا۔ اس میں صفحہ کے بالائی حصّہ میں متن قرآن ہے۔ اسکے نیچے وہی متن رومن خط میں۔ اسکے بعد آیت کا نمبر دے کر ترجمہ ہے اور نیچے تفسیری حواشی، جو اکثر مقابل کے پورے صفحے پر چلے گئے ہیں۔ تفسیری حاشیے اسمیں بڑی تفصیل کے ساتھ ہیں اور ترجمہ اور تفسیر دونوں میں فرقے کے خصوصی عقائد کا رنگ نمایاں ہے۔ اسی چالیس سال کے عرصہ میں یقیناً مکمل قرآن مجید کا ترجمہ اسی طرح شائع ہوچکا تھا۔ میری نظر سے ۱۹۴۸ء میں اس ترجمہ کی دوسری جلد گزری ہے۔ جو سورۂ کہف (پارہ سولہ) تک تھی۔

اسی زمانہ میں شیعہ جماعت میں بھی ترجمہ قرآن کی تحریک پیدا ہوئی۔ اور لکھنؤ کے کسی ادارے (غالباً مدرسۃ الواعظین) کی جانب سے شیخ بادشاہ حسین بی اے کے کئے ہوئے ترجمہ کے کچھ اجزا بھی شائع ہوئے۔ غالباً سورۂ بقر تھی یا صرف پارہ اوّل تھا۔ اب یہ خوب یاد پڑتا نہیں۔ البتہ اتنا یاد ہے کہ ایک جلد اسی زمانہ میں دیکھی تھی۔ اور ترجمہ پسند نہیں آیا تھا۔ بہت اُلجھا ہوا تھا۔

ادھر یہ سب ہو رہا تھا کہ اُدھر لاہور سے ۱۹۱۸ء میں ایک خاص اہتمام کے ساتھ ایک نیا ترجمۃ القرآن حامل المتن مع حواشی تفسیری نکلا۔ یہ ترجمہ مولوی محمد علی ایم اے امیر جماعت احمدیہ لاہور کے قلم سے تھا۔ اور یہ انگریزی ترجموں کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ تفسیری ترجمہ جدید انگریزی خواں جماعت کی ذہنیت کو پیش نظر رکھ کر کیا گیا تھا۔ اور تعلیم یافتہ مسلمانوں میں خوب مقبول ہوا۔ غیر مسلموں میں بھی اسکی مانگ اچھی خاصی ہوئی۔ اور مدتوں یہی ترجمہ باہر والوں کی نظر میں "اسلامی" حیثیت سے مستند سمجھا جاتا رہا۔

اسکے شروع میں ایک مفصل دیباچہ ہے۔ جسمیں اُصول دین وعقائد واحکام شریعت سب ضروری تفصیل کے ساتھ آگئے ہیں اور غیر مسلموں کو اسی کے ذریعہ پوری واقفیت اور رہنمائی اسلام کے متعلق ہوجاتی ہے۔ پھر ہر سورۃ کے شروع میں سورۃ کے مضامین ومباحث سے متعلق ایک لکھا ہوا مقدمہ ملتا ہے۔ صفحے کے دو کالموں میں داہنے میں متن قرآن درج ہے۔ اور بائیں میں آیت کے نمبر ڈال کر اسکا انگریزی ترجمہ۔ نیچے کے حصّہ میں تفسیری حواشی درج ہیں۔ احمدیت ان حواشی میں زیادہ نہیں ہے۔ البتہ نیچریت اچھی خاصی موجود ہے۔ یعنی معجزات وخوارق کی تاویلات اس کے کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ اور ۱۹۴۸ء میں اسکا اختصار بھی شائع ہوچکا ہے۔ یعنی محض ترجمہ بحذف متن۔

غالباً ۱۹۳۰ء تھا۔ یا اس سے قبل، کچھ قبل جب ایک نو مسلم انگریز محمد مارماڈیوک پکھتال کا ترجمہ "Meaning of the Glorious Quran" (قرآن مجید کا مفہوم) کے عنوان سے پہلی بار نکلا۔ پکھتال اپنی زبان کا ادیب اور اہل قلم تھا۔ شروع ہی سے مسلمانوں کا ہمدرد وخواہ (ہوا) ۔ اسلامی تاریخ سے متعلق بھی اسکے کئی افسانے اسوقت تک نکل چکے تھے۔ اسکی زبان کی خوبی وشستگی کا کیا کہنا۔ اصلی قرآن کی جاذبیت زبان و بیان ایک حد تک ترجمہ میں منتقل ہو آئی ہے۔ البتہ اسمیں حاشیے برائے نام ہی ہیں۔ پہلا ایڈیشن بغیر متن کے نکلا تھا۔ اس کے بعد متعدد ایڈیشن نکلے۔ بعض معریٰ اور بعض حامل المتن۔ تعلیم یافتہ مسلمانوں نے اس ترجمہ کو پڑھ کر اطمینان کی سانس لی اور کہا کہ اب جاکر ہم اس قابل ہوئے کہ اپنی کتاب دوسروں کے ہاتھ میں دے سکیں۔

۱۹۳۷ء تھا کہ ہندوستان کے آئی سی ایس پروفیسر عبد اللہ یوسف علی کو جو اپنی انگریزی انشا پردازی میں مشہور اور ممتاز تھے ترجمہ قرآن مجید کا خیال آیا۔ اور ڈھائی سال کے عرصہ میں قسطوار اُن کا پورا ترجمہ لاہور کے انگریزی پبلشرز شیخ محمد اشرف نے

شائع کر دیا۔ تفسیری نوٹ اس میں کثرت سے ہیں اور اچھے ہیں۔ اور انگریزی میں مدح و تحسین کے قابل۔ لیکن بحیثیت ترجمہ یہ کتاب کچھ زیادہ ممتاز نہیں۔ اصل عبارت سے مترجم بہت دور ہٹتے چلے گئے ہیں اور صرف خلاصہ مطلب کو اپنی خوبصورت زبان میں لے لینے کو کافی سمجھا ہے۔ سب بڑھ کر یہ کہ یہ زبان بجائے نثر کے نظم (Blank Verse) اختیار کی ہے۔

احمدی ترجموں کے ذیل میں حافظ غلام سرور (جج ہائی کورٹ سنگاپور) کے ترجمہ کا ذکر رہ گیا۔ اس کا زمانہ اشاعت محمد علی پکھتال کے ترجموں کے درمیان ہے۔ یہ ترجمہ مختصر سا ہے۔ لیکن حواشی تفسیری اور متن عربی سے معرا۔ عرصہ ہوا اسے دیکھا تھا۔ کوئی خاص بات اسمیں نہ ملی۔ بڑا نقص اسمیں یہ ہے کہ اسلوب بیان شعر و نظم کا اختیار کیا گیا ہے۔ قبول عام اسے کچھ زیادہ حاصل نہ ہو سکا۔

ان سطور کے راقم آثم نے بھی بہت سے مخلصوں اور بزرگوں کی ہمت افزائی سے ۱۹۳۳ء میں اس کام کو ہاتھ لگایا۔ شروع میں مشکلات کا پورا اندازہ نہ ہوا بلکہ خیال یہ غالب رہا کہ پکھتال محمد علی وغیرہ کے ترجمے موجود ہی ہیں۔ اور اردو میں بھی خاصا ذخیرہ مہیا ہے ان کی مدد سے بآسانی کام چل جائے گا۔ تجربہ سے معلوم ہوا کہ یہ خیال صحیح نہ تھا۔ اتنی سہولتوں کے باوجود بھی نفس ترجمہ ہی دشوار رہے۔ چہ جائیکہ تفسیری حواشی۔

بہرحال کئی کئی بار کی نظر ثانی کے بعد کام ۱۹۳۹ء کے آخر میں ختم ہوا۔ ایک ندوی مخلص کی وساطت سے تاج کمپنی لاہور نے ۱۹۴۰ء میں اسکے طبع و اشاعت کی پیشکش کی۔ پورا مسودہ اسی وقت روانہ کر دیا گیا۔ ادھر سے وعدہ ہوا کہ پوری کتاب ڈھائی سال میں شائع ہو جائے گی۔ پہلا پارہ ۱۹۴۱ء میں نکلا۔ مگر دوسرا اسکے پورے دو سال بعد ۱۹۴۳ء میں۔ اور اسکے بعد کام یکلخت ٹھپ ہو گیا۔ یہاں تک کہ بالآخر پوری کتاب ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی۔ ترجمہ بڑی حد تک لفظی کیا گیا ہے اور زبان پرانی ہی استعمال کی گئی ہے جو انگریزی بائبل کی مدت سے چلی آ رہی ہے۔

۱۹۳۷ء و ۱۹۳۸ء میں ایک نئے ترجمہ کا ظہور پادری رچرڈ بل (Bell) ڈی۔ ڈی لکچرار عربی اڈنبرا یونیورسٹی کے قلم سے دو جلدوں میں پیش ہوا۔ ترجمہ حامل المتن تو خیر کیوں ہوتا۔ توضیحی حواشی سے بڑی حد تک محروم ہے۔ البتہ ایک جدت اسمیں بالکل انوکھی ہے راڈویل تو یہیں تک رہا تھا کہ اس نے صورتوں کی ایک ترتیب تنزیلی و ترتیلی گڑھ لی تھی۔ ان بزرگ نے اس سے آگے بڑھ کر یہ کیا کہ صورتوں کے اندر آیتوں کی ترتیب مکی، مدنی اور غیر یقینی زمانہ کے لحاظ سے گڑھ لی۔ اور کتاب بے تکلف اسی طور پر چھاپ بھی دی جس سے اور تو اور مطالعہ میں بھی اچھی خاصی الجھن ہوتی ہے۔

تازہ ترین ترجمہ قرآن کیمبرج یونیورسٹی کے موجودہ شہرہ آفاق عربی پروفیسر اے ۔ جے آربری کے قلم سے ہے۔ ۱۹۵۳ء میں ان کا (منتخبات قرآن" مع مقدمہ) ایک سو اسی صفحہ کی ضخامت سے نکلا تھا۔ اور مکمل ترجمہ دو جلدوں میں ۱۹۵۵ء میں نکل آیا ہے، متن عربی کے علاوہ تفسیری حواشی سے بھی معریٰ۔

قرآن مجید کے اثر کی جہانگیری کا کیا کہنا۔ یہ تذکرہ صرف انگریزی کے تراجم میں تھا۔ جرمن۔ فرنچ۔ اسپینی۔ روسی وغیرہ زبانوں کا ذکر نہیں۔ اور پھر انگریزی میں بھی نام صرف انہی کتابوں کا لیا گیا جو براہ راست قرآن پر ہیں۔ باقی جو کتابیں قرآن سے متعلق لکھی جا چکی ہیں اور لکھی جا رہی ہیں مثلاً اسٹینٹن کی "تعلیمات قرآن" تو ایسی کتابوں کا شمار ہی نہیں۔

۱۹۵۶ء تھا۔ کہ امریکہ سے ایک نیا ترجمہ نکلا۔ مترجم کوئی شخص این۔ جے۔ داؤد نامی ہیں، جو بظاہر کوئی مشرقی نژاد عیسائی معلوم ہوتے ہیں۔ یہ ترجمہ بھی علاوہ متن عربی سے معرا ہونے کے۔ توضیحی حاشیے بھی برائے نام ہی رکھتا ہے ——— (باقی بر صفحہ ۲۱۴)

عبداللہ منہاس :

قرآن مجید کے تراجم : مشرقی اور مغربی زبانوں میں

السنہ مغربی میں قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کا خیال سب سے اول مقام کلونی (فرانس) کے راہب پطرس نرابس کے دل میں پیدا ہوا۔ جس نے قرآن کو پہلی مرتبہ لاطینی زبان کے سانچہ میں ڈھالا۔ راہب مذکور کا انتقال سنہ ۱۱۵۶ء میں ہوگیا۔ اور ترجمہ ایک انگریز رابرٹ آف روٹینا Robert of Rotina اور جرمن ہرمن آف ڈالمیٹیا Herman of Dalmatia کی مساعی سے تکمیل کو پہنچا۔ اگرچہ ترجمہ سنہ ۱۱۴۳ء میں مکمل ہو چکا تھا تاہم تقریباً ۴۰۰ سال تک وہ ایک خانقاہ میں پڑا رہا اور اسے کھلم کھلا شائع کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ سنہ ۱۵۴۳ء میں تھیوڈور بیلی انڈر Theodore Behlendre نے اسے باسل وسوئٹزرلینڈ سے شائع کیا۔

ترجمہ بعد ازاں تین مختلف زبانوں اطالوی۔ جرمن اور ڈچ (ولندیزی) میں شائع ہوا۔

دوسرا لاطینی ترجمہ مع متن، شرح اور تردیدی حواشی کے سنہ ۱۶۹۸ء میں فادر لیوس مراکشی Fathe Lewis Merr-acci) نے مقام پدوا (اٹلی) سے چالیس برس کی محنت شاقہ کے بعد شائع کیا۔ مراکشی پوپ انوسنٹ یازدہم کا رفیق طریق اور نہایت متعصب راہب تھا۔

اس ترجمہ کی نسبت جارج سیل (George Sale) کی رائے ہے کہ عام طور پر وہ بالکل صحیح ہے۔ مگر عربی محاورہ کا اس درجہ خیال رکھا گیا ہے کہ آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ شرح بہت مفید ہے۔ لیکن تردیدی حواشی غیر تسلی بخش۔ اور بعض حالتوں میں خارج البحث ہیں۔

موسیو سیولائے (M. Sevay) نے اس ترجمہ کی نسبت لکھا ہے کہ اس نے ترجمہ لفظی کیا ہے۔ اور قرآن کے مضمون کو بیان نہیں کیا۔ بلکہ اس کو لاطینی وحشی زبان نے پریشان کر دیا ہے۔ گو اصل عبارت کی خوبیاں جاتی رہیں۔ تاہم اس ترجمہ کو موسیو ڈورائر (Andrew Daryer) کے ترجمہ پر ترجیح ہے۔

بیلی انڈر کے شائع کردہ ترجمہ کا ایڈیشن۔ بعد میں سنہ ۱۵۵۰ء سنہ ۱۷۲۱ء میں لیپسیہ سے شائع ہوا۔ لیپسیہ ہی میں ایک عربی لاطینی قرآن جسٹس فریڈریکس فروریپ (Justice Ferwerzp) نے سنہ ۱۶۹۸ء میں شائع کیا۔ اور اسی قسم کا ایک ایڈیشن سنہ ۱۶۴۶ء میں مسٹرڈم ہالینڈ سے شائع ہوا۔ پیٹر ماکر نے اندلس کا سفر کر کے عربی زبان سے واقفیت حاصل کی۔ قرآن کریم کا عربی سے ترجمہ کیا اور آنحضرت صلعم کی سوانح عمری بھی لاطینی میں ترتیب دی۔

ایم اینڈریو ڈورائر نے جو سترھویں صدی مسیحی میں مصر میں

قرآن کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کر کے ۱۶۴۷ء میں پیرس میں چھپوایا تھا۔ یہ ترجمہ روٹن ان سس کے ترجمہ سے بہتر ہے۔ مگر بقول جارج سیل اسکا ہر صفحہ اغلاط سے پُر ہے۔ سیواری نے اس ترجمہ کو

"ایک نثر غیر منتظم، بے رونق"

بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔

"اس ترجمہ میں کوئی خیال نہیں کر سکتا کہ قرآن عربی زبان میں فرد اور وحید ہے۔"

اس کے بعد ایک ترجمہ موسیو سیواری نے ۱۷۵۲ء میں ایک موسیو گارسن ڈی ٹاسی (Garcin De Tacy) نے ۱۸۲۹ء میں اور ایک ترجمہ کازی مرسکی نے جو عربی و فرنچ ڈکشنری کا مؤلف ہے ۱۸۴۰ء میں چھپوایا۔ کازی مرسکی ہالینڈ میں پیدا ہوا اور فرانس میں سکونت اختیار کی۔ اپنی سلاست اور روانی کے لئے اسکا ترجمہ فرانس کے علمی حلقوں میں مشہور ہے۔ اس کے ۱۸۴۱ء اور ۱۸۷۵ء میں دو دو اڈیشن چھپے۔ سیواری اور کازیمرسکی کے ترجمے بعد ازاں کئی مرتبہ شائع ہو چکے ہیں۔

جی پاتھیر (G. Pathier) نے بھی ۱۸۵۲ء میں پیرس سے ایک فرانسیسی ترجمہ شائع کیا۔ موسیو سالمان ریناش نے بھی ایک ترجمہ فرانسیسی میں چھپوایا۔ ڈاکٹر موریس نے جو فرانس کے نامور مستشرق اور ماہر علوم عربیہ ہیں گورنمنٹ فرانس کے حکم سے قرآن کریم کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں شائع کیا۔ ۱۹۲۶ء میں پیرس کی ایک علمی مجلس نے قرآن کریم کا ایک حصہ "لی قرآن" کے نام سے چھاپا۔

جہاں تک معلوم ہو سکا ہے۔ ڈنمارک یا ناروے میں کوئی ترجمہ قرآن کا شائع نہیں ہوا۔ ایک ترجمہ سویڈن کی زبان میں تارنبرگ Torinburg نے چھپوایا۔ جو بالکل غلط ہے اسکے پورے ۹۰ سال بعد یعنی ۱۹۴۳ء میں ایک ترجمہ مسٹر انوکلر (Unocaller) نے کیا۔ مسٹر موصوف سویڈن کے ایک عالم آدمی ہیں۔ اور اب اسلام لے آئے ہیں

ترجمہ وو کنگ مشن کی مدد سے کیا گیا ہے۔ اور اچھا ہے۔

سورۃ المعارج کا ترجمہ الفانسو دہم کی درخواست پر تیرھویں صدی میں اس کے حکیم ابراہیم نے ہسپانوی زبان میں کیا۔ جس کا ترجمہ بوناونچرادی سیو نے کیا۔ پورے قرآن کا ترجمہ ہسپانوی زبان میں نہیں ہوا۔ اور نہ یونانی میں ہوا ہے۔ حالانکہ ملک یونان مدت سے اسلامی ممالک کا ہمسایہ ہے۔

قدیم عبرانی زبان میں قرآن کے ترجمے کا پتہ نہیں چلا۔ لیکن یہودی قاموس العلوم و جیوش انسائیکلوپیڈیا سے عبرانی ترجموں کے بعض ٹکڑوں کا پتہ چلتا ہے۔

علاوہ ازیں ایک کتب فروش کی فہرست میں بھی قرآن کا ذکر ہے۔ سترھویں صدی میں یعقوب بن اسرائیل نے جن کا انتقال ۱۶۳۴ء میں ہوا۔ قرآن کا لاطینی سے عبرانی میں ترجمہ کیا۔ زمانہ حال میں قرآن کریم کا عبرانی ترجمہ ہرمن رکنڈرف نے کیا ہے۔ جو لیپسہ سے ۱۸۵۷ء میں شائع ہوا۔

جرمن زبان میں قرآن کا ترجمہ سب سے پہلے مشہور جرمن مصلح اور پروٹسٹنٹ فرقہ کے بانی مارٹن لوتھر (Martin Lolher) نے کیا جو ۱۰ نومبر ۱۴۸۳ء کو پیدا ہوا۔ اور جس نے اندلس میں عربی زبان سیکھی۔ اور اٹلی کی یونیورسٹیوں میں تعلیم پائی۔ جن میں اس وقت ارسطالیسی اور عربی کا درس دیا جاتا تھا۔ یہ ترجمہ ایک لاطینی ترجمہ کی مدد سے اصل عربی زبان میں کیا گیا۔ لوتھر پر اس ترجمہ کا اثر یہ ہوا کہ اُسنے دین مسیحی کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا۔ جس پر اُسے سخت اذیتیں دی گئیں۔

لیوس مراکشی (Lewis Merroci) نے قرآن اور لوتھر کے اُصول بت شکنی کو باہم مطابق بتایا ہے۔ لوتھر کی تعلیم قرآن کی تعلیم سے اسدرجہ مشابہ تھی کہ جرمنی کے متعصب پادریوں نے اسپر در پردہ اسلام پھیلانے کا الزام لگایا۔ اور حقیقت میں لوتھر کی اصلاحی تحریک تعلیم قرآن کا ہی پرتو تھی

ایک جرمن ترجمہ شویگر (Schwiegger) نے اطالوی سے نورمبرگ میں چھپوایا۔ اسی طرح فریڈرک میگرلین (Frederic Megerlin) نے بھی ایک ترجمہ سنہ ۱۷۷۲ء میں جرمن میں شائع کیا۔ سیل کے ترجمہ قرآن کا جرمن ترجمہ تھیوڈور آرنلڈ (Theodore Arnold) نے سنہ ۱۷۴۶ء میں لمگو (جرمنی) سے شائع کیا۔ لیکن قرآن کریم کا بہترین جرمن ترجمہ وہ ہے جو سی بوائسن نے سنہ ۱۷۷۳ء میں کیا۔ اور مع دیباچہ و حواشی شائع کیا۔ اسی ترجمہ کو جی وائل نے بعد نظر ثانی سنہ ۱۸۲۸ء میں چھپوایا۔ سنہ ۱۸۵۳ء میں ایک ترجمہ المان (Allmann) نے کیا جس کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں ایک ترجمہ Henning نے بمقام لیپیہ اور ایک ترجمہ گرنگل (Grigoull) نے ہالی سے شائع کیا۔ فریڈرک روکرٹ (Fredrich Rokert) کے ترجمہ کردہ حصص قرآن کو اگسٹ مُلر (August Muller) نے سنہ ۱۸۸۸ء میں طبع و شائع کیا۔ ایم کلامراتھ (M. Klamroth) نے پچاس قدیم سورہ کا ترجمہ ڈائی فونرک اِسٹن سورن کے نام سے سنہ ۱۸۹۰ء میں ہیمبرگ سے شائع کیا۔ جس میں سورتوں کی ترتیب کو پورے طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے۔

لیپسیہ کے مشہور عالم عربی ایچ ایل فشر H.L.Fleshcher نے بھی قرآن کا جرمن میں ترجمہ کیا، مگر وہ انطباع پذیر نہیں ہوا۔

ڈاکٹر نولڈیکی کا خیال ہے کہ جرمن ترجمے انگریزی ترجموں کے برابر اچھے نہیں۔

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا جرمن ترجمۃ القرآن مع تفسیر بمقام برلن سنہ ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا۔ یہ جرمن زبان میں پہلا صحیح اور مستند ترجمہ ہے۔ تفسیر یورپ کے مذاق اور ضروریات کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے۔

ڈچ و لندیزی زبان میں پہلا ترجمہ وعریش القرآن کے نام سے شویگر کے ترجمہ کی بنا پر سنہ ۱۶۴۱ء میں ہمبرگ سے شائع کیا گیا، ایک اور ترجمہ دورائر کے ترجمے سے جے ایس گلیس تیکر نے لیڈن میں سنہ ۱۶۵۸ء میں چھاپا۔ جس کے بعد چھ ایڈیشن شائع ہوئے ڈیلفٹ ہالینڈ کے پروفیسر شرع محمدی ڈاکٹر کرز نے بھی ایک ترجمہ سنہ ۱۸۶۰ء میں ہارلم سے شائع کیا۔ بعد ازاں ڈاکٹر ڈی کیبر نے سیل کے انگریزی ترجمہ کو ڈچ زبان کا لباس پہنا کر چھاپا۔ اور وہی اس وقت ہالینڈ میں رائج ہے۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں ایک اور ترجمہ ڈچ زبان میں ہیگ کے ایک ڈچ مسلمان فاضل نے شائع کیا جو ڈچ زبان کے تمام سابقہ ترجموں سے بہتر ہے۔

قرآن کریم کا سب سے پہلا روسی ترجمہ ۱۷۷۶ء میں سینٹ پیٹرزبرگ حال پیٹروگراڈ میں انطباع پذیر ہوا۔

اطالوی زبان میں "القرآنو دی مکومیٹو" کے نام سے انڈریا ارادی بین Andria Arauabene نے وینس میں سنہ ۱۵۴۷ء میں شائع کیا۔ لیکن چونکہ وہ ببلی انڈر کے لاطینی ترجمہ سے اخذ کیا گیا تھا اسلئے نقائص سے لبریز تھا۔

قرآن کا ایک اطالوی ترجمہ رائل ٹکنیکل اسکول آف میلانو کے پروفیسر اکولیو فراکاسی نے سنہ ۱۹۱۴ء میں شائع کیا۔ اس کے مقدمہ میں پہلے ترجموں کی کیفیت اور اسکے بعد مختلف ابواب قرآن کی توضیح کی گئی ہے۔

پندرھویں صدی مسیحی میں جان انیڈریز Johannes Andrias نے جو اگزاٹوا (وینشیا کا باشندہ تھا۔ بشپ بارسلونا اور حاکم ارگون کے حکم سے نہ صرف قرآن کا ترجمہ ارگونی زبان میں کیا ہے۔ بلکہ اسکی شرح بھی چھاپی۔ یہ شخص پہلے ایک مسلمان فقیہ تھا۔ پھر ولمنشیا صوبہ اندلس میں عیسائی ہو گیا۔ انہے کتب احادیث کا بھی ترجمہ کیا۔

سنہ ۱۸۷۱ء میں برنسڈٹ (بوسنیا) کے ایک درویش ٹوریا

اکو لوتھو نے قرآن کا ایک اڈیشن برلن میں چھاپا جسمیں عربی کے علاوہ فارسی، ترکی اور لاطینی ترجمہ بھی تھا۔ یہ اڈیشن اب نایاب ہے۔

کچھ زمانہ ہوا خالد شیلڈرک صاحب نے قرآن کا ترجمہ اسپرنٹو میں کرنا شروع کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کا خیال ہے کہ اسلام اور اسپرنٹو کو عام طور پر ایک ہی مقصد پیش نظر ہے۔ یعنی یہ دونوں نسل و رنگ و ذات کے مصنوعی حدود کو توڑنا چاہتے ہیں۔

اب ہم قرآن کے انگریزی تراجم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ پہلا انگریزی ترجمہ دوسائر کے فرانسیسی ترجمہ سے الگزنڈر راس Alexander Ross نے ۱۶۴۹ء میں کیا۔ جو عربی سے محض نابلد تھا۔ اور فرانسیسی میں دستگاہ بہت کم رکھتا تھا۔ اسلئے اسکا ترجمہ انتہا درجہ ناقص ہے۔

جارج سیل کا ترجمہ ۱۷۳۴ء میں شائع ہوا۔ اسکے کئی اڈیشن اب تک چھپ چکے ہیں لیکن اس نے خود تسلیم کیا کہ جس طرح پہلے ترجمے ناقص تھے اسی طرح اسکا ترجمہ بھی نقائص سے خالی نہیں سمجھنا چاہیئے۔

ریورنڈ جے اے راڈویل ایم اے Rev: J. L. Rodwel (M. A.) اس کی بابت لکھتا ہے کہ سیل کے ترجمہ قرآن میں مراکشی کے تتبع میں تفسیری فقرے بھی متن میں لکھے ہیں۔ اور یہ کہ کیکسٹی کی زبان کے عوض اکثر الفاظ لاطینی زبان کے لکھ دیے ہیں۔

ریورنڈ راڈویل نے ایک ترجمہ بہ ترتیب نزول سور ۱۸۶۱ء میں کیا۔ اگرچہ ڈاکٹر مارگولیتھ اور دوسرے لوگوں نے اس ترجمہ کی بہت تعریف کی ہے۔ تاہم یہ ظاہر ہے کہ اس ترجمہ میں بہت سی غلطیاں موجود ہیں۔ اس ترجمہ کا دوسرا اڈیشن ۱۸۷۶ء میں شائع ہوا۔

قرآن کا ایک اور انگریزی ترجمہ مع مقدمہ ایڈورڈ ہنری پامر (Edward Henry Palmer) نے مشرق کی کتب مقدسہ کے سلسلہ میں ۱۸۸۰ء میں شائع کیا۔

اس کے علاوہ بائبلوتھیکا اور نٹیلس میں قرآن کے ایک عربی نسخہ کا ذکر ہے جو ۱۸۳۲ء میں سیرامپور میں مع انگریزی ترجمے کے چھاپا گیا تھا۔

یہ تمام ترجمے نا مسلموں کی کوششوں سے شائع ہوئے ہیں اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان میں ترجمہ کی صحت سے زیادہ اپنی زبان کی سلاست یا اپنے خیالات کی برتری اور اشاعت کا خیال رکھا گیا ہے۔

۱۹۰۵ء میں ڈاکٹر محمد عبد الحکیم خان نے ایک انگریزی ترجمہ ہندوستان میں چھپوایا۔ ۱۹۱۱ء میں اصغر اینڈ کمپنی الٰہ آباد نے عربی متن مع انگریزی ترجمہ کے شائع کیا۔ یہ ترجمہ میرزا ابو الفضل نے کیا تھا۔ اسکی بڑی تعریف یہ ہے کہ اسکی تعریف مشہور بدخواہ اسلام پادری زویمر نے کی ہے۔

ایک انگریزی ترجمہ قادیان سے ۱۹۱۵ء میں شائع ہونا شروع ہوا جس کا پہلا پارہ ایڈیسن پریس مدراس میں طبع ہوا۔ اصل عربی متن صفحہ کے بالائی حصہ میں دیا گیا ہے اور ترجمہ و تفسیر زیریں حصہ میں دیے گئے ہیں۔ اس کے باقی ماندہ پارے نظر سے نہیں گزرے۔

قرآن کریم کا ایک مکمل تر انگریزی ترجمہ مولوی محمد علی ایم اے ایل ایل بی امیر جماعت احمدیہ لاہور نے کیا ہے۔ جو بڑے اہتمام سے گریشم پریس ووکنگ میں طبع ہو کر انجمن احمدیہ اشاعت اسلام کی طرف سے ۱۹۱۷ء میں شائع ہوا۔

عربی متن اور انگریزی ترجمہ صفحہ کے بالائی حصہ میں ایک دوسرے کے بالمقابل دیا گیا ہے۔ اور تفسیر زیریں حصہ میں درج کی گئی ہے شروع میں ایک مبسوط مقدمہ ہے جسمیں تعلیم قرآن کا مفاد دیا گیا ہے ......

انگریزی ترجمہ کی وہ کوشش بھی قابل ذکر ہے جسکی تحریک علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے شروع کی تھی۔ یہ ترجمہ نواب عماد الملک بہادر نے شروع کیا تھا۔ مگر مکمل نہیں ہوا۔

ایک انگریزی ترجمہ مرزا حیرت دہلوی ایڈیٹر کرزن گزٹ نے مع حواشی و تفسیر ۱۹۱۹ء میں شائع کیا۔ یہ ترجمہ سلیس انگریزی میں ہے۔ اور اس میں زیادہ تر قدیم خیالات کی پیروی کی گئی ہے۔

قرآن کریم کے انگریزی تراجم میں نامور اہل قلم مسٹر مارماڈیوک پکتھال نو مسلم مرحوم کا ترجمہ بھی قابل ذکر ہے۔ یہ ترجمہ ۱۹۲۷ء میں شروع اور ۱۹۳۰ء کے اواخر میں امریکہ اور یورپ میں بیک وقت شائع کیا گیا۔ مسٹر موصوف نے علامہ شیخ مصطفےٰ المراغی سابق امیر جامعہ ازہر مصر کے زیر ہدایت اپنے ترجمہ کی نظر ثانی کی اور اسمیں ہز ایکسلنسی فواد سلیم بے الحجازی اور علی الخصوص شیخ محمد احمد الغرادی مدرسہ طبیہ قاہرہ نے ان کا ہاتھ بٹایا۔ مصری علماء کے اصرار سے ترجمہ کو "معانی قرآن المجید" ترجمہ تفسیریہ سے موسوم کیا ہے۔

قرآن کریم کے انگریزی تراجم میں آخری اضافہ مشہور انشاء پرداز و ادیب علامہ عبداللہ یوسف علی کے قلم سے ہوا۔ جو علیحدہ علیحدہ پاروں کی صورت میں نہایت اہتمام کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ علامہ ممدوح ایک نکتہ ور اور دقیق نظر اہل قلم ہیں۔ اور ان کا ترجمہ بہترین ترجموں کی صف اول میں جگہ پانے کے قابل ہے۔ پہلا پارہ ۱۹۳۴ء میں شائع ہوا۔ ترجمہ ۱۹۳۸ء میں ختم ہوا۔ ترجمہ سہل، تفسیر عام فہم اور مدلل ہے۔

مشرقی زبانوں میں

ابتداء میں مسلمانوں کی یہی کوشش رہی کہ قرآن دنیا میں اپنی اصلی زبان یعنی عربی میں رائج ہو۔ اور اسلام کی حلقہ بگوش ہونیوالی قومیں اسے عربی ہی میں پڑھیں۔ یہ اسی خیال کا نتیجہ تھا کہ جب موحدین کی سلطنت کے زمانہ (۵۴۲ تا ۶۶۷ھ) میں جو الجزائر سے اندلس تک پھیلی ہوئی تھی۔ قرآن کا ترجمہ بربری زبان میں کیا گیا تو علماء نے اسکی سخت مخالفت کی۔ اور اسکو ناجائز قرار دیا۔ حتیٰ کہ اس ترجمہ کا نام و نشان بھی نہیں رہنے دیا گیا۔

ہندوستان میں قرآن کریم کا ترجمہ سب سے اول حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی زبان میں "فتح الرحمن" کے نام سے کیا جس کا ایک قلمی نسخہ کتبہ مشرقیہ دار العلوم اسلامیہ پشاور میں موجود ہے۔ اور متعدد مرتبہ شائع ہو چکا ہے۔

اس زمانہ کے علماء نے ان کی بھی سختی سے مخالفت کی اور مسجد فتحپوری (دہلی) میں ان کے قتل کے منصوبے سوچنے لگے۔ مگر رفتہ رفتہ یہ تعصب کم ہو گیا اور اب ہر زبان میں ترجمہ کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔ لیکن فارسی زبان میں قرآن مجید کا سب سے پہلا ترجمہ غالباً وہ ہے جو شیخ سعدی شیرازیؒ متوفی ۶۹۱ھ نے کیا۔ اس کے بعد اس زبان میں قرآن مجید کے متعدد ترجمے شائع ہوئے۔

برونٹ نے اپنی تالیف میں ایک اور فارسی ترجمے کا ذکر کیا ہے۔ جو اصفہان میں چھپا تھا۔ دہلی کے فاروقی پریس نے ۱۳۱۵ھ میں متعدد زبانوں میں قرآن کا ترجمہ شائع کیا۔ اور اسے قرآن مجید ترجمہ الثلثہ کے نام سے موسوم کیا۔ تمہیداً اردو زبان میں ہے۔ اور اصل قرآن کی ترتیب اس طرح واقع ہوئی ہے کہ اول سطر میں عربی زبان اور اس کے بعد دوسری سطر میں اسکا ترجمہ فارسی زبان میں تیسری سطر میں لفظی اردو ترجمہ اور چوتھی سطر میں سلیس اور با محاورہ ترجمہ۔ فارسی ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب کا ہے۔ متن کے علاوہ حاشیہ پر قرآنی مطالب کی توضیح اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں کی گئی ہے۔

قرآن کے اور فارسی ترجمے بھی موجود ہیں۔ جن میں متن کی شرح حواشی میں کی گئی ہے۔ قرآن کا ایک ترجمہ ریورنڈ ڈاکٹر امام الدین

اُمرتسری نے کیا تھا۔ یہ پہلا ترجمہ ہے جو رومن اُردو میں شائع ہوا۔ کرسچین مشن پریس الٰہ آباد نے اسے طبع کرا کر ہندوستان کے طول و عرض میں اپنے مقاصد کے لئے اشاعت کی۔

قرآن کریم کے جو ترجمے اُردو میں کئے گئے اُن میں مولانا شاہ عبدالقادر ابن شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ موضح القرآن مطبوعہ ۱۷۹۰ء اولین و بہترین اُردو ترجمہ ہونیکا امتیاز رکھتا ہے۔

عربی متن کے تحت اُردو کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ اس کے متعدد ایڈیشنوں میں ایک ایڈیشن جو دو جلدوں پر مشتمل ہے ۱۲۴۸ھ مطابق ۱۸۲۹ء میں ہگلی میں شائع کیا گیا۔ اور ایک ایڈیشن جسمیں فارسی ترجمہ بھی شامل ہے ۱۸۴۲ء میں کلکتہ میں چھاپا گیا۔ یہ ترجمہ نہایت مستند مقبول عام اور تمام اُردو تراجم کا ماخذ ہے۔

اُردو زبان میں دوسرا ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہ کے فرزند اکبر مولانا شاہ رفیع الدین نے کیا مگر وہ زیادہ مقبول نہیں ہوا۔

اسی زمانہ کے لگ بھگ سید شاہ حقانی۔ نبیرہ شاہ برکت اللہ مارہروی نے ایک اُردو ترجمہ مع تفسیر کے کیا۔ دلی کے نامور طبیب حکیم محمد شریف خان مرحوم کا کیا ہوا قلمی ترجمہ حکیم محمد احمد خان دہلوی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

اس کے علاوہ بےشمار اُردو ترجمے شائع ہو چکے ہیں جن میں شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم اور مولوی فتح محمد صاحب جالندھری مرحوم کے ترجموں کو خاص وقعت حاصل ہے۔ اول الذکر ترجمے میں بہت سے ایسے محاورے استعمال کئے گئے ہیں جن سے عام اُردو داں ناواقف ہیں۔ موخر الذکر ترجمہ نہایت صاف سلیس اور شستہ ہے۔

سیٹھ یعقوب حسن صاحب نے زنداں میں بیٹھ کر قرآن مجید کی ایک ہی مضمون کی ان تمام آیتوں کو جو مختلف مقامات اور سورتوں میں آتی ہیں یکجا کر کے ان کا ترجمہ بھی اُردو میں بالمقابل دیا جاتا ہے۔ ترجمہ بڑی کد و کاوش اور غایت درجہ کی احتیاط کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ بات عام طور پر معلوم نہیں ہے کہ بیضاوی کی تفسیر قرآن کا ترجمہ ملایا کی زبان میں مع اصل عربی کے شائع کیا گیا ہے۔

اس تفسیر کے دو یا تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور یہ ڈچ ایسٹ افریقہ میں کثرت سے فروخت ہوتی ہے۔

ہیوز کے قول کے مطابق قرآن کا ترجمہ پشتو میں بھی ہو چکا ہے گجراتی زبان میں قرآن کا ترجمہ حاجی غلام علی حاجی اسمٰعیل رحمانی ایڈیٹر راہ نجات بھاؤنگر نے اس طریقہ پر کیا ہے کہ ایک صفحہ پر اصل عربی اُسکے سامنے وہی آیتیں گجراتی حروف میں اور اسکے تحت میں گجراتی ترجمہ درج ہے۔ ہندی میں قرآن کا پہلا ترجمہ الرا کے راجہ سروگ نے ایک عراقی عالم سے ۲۷۰ھ میں کرانا شروع کیا تھا۔ یہ ترجمہ سورہ یٰسین تک مکمل ہوا تھا۔ راجہ اس ترجمہ کو سن کر دل سے مسلمان ہو گیا تھا۔

ہندی زبان میں ایک ترجمہ ریورنڈ ڈاکٹر احمد شہ مشنری مقیم ہمیرپور نے شائع کیا۔ زبان بامحاورہ بیان کی جاتی ہے۔

ایک ہندی ترجمہ کے لئے ہم خواجہ حسن نظامی صاحب کے رہین منت ہیں۔ یہ ترجمہ تقطیع کلاں پر شائع ہوا ہے ایک صفحہ میں پہلے اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ سے لکھے ہوئے قلمی قرآن مجید کا ایک صفحہ ہے اور اسکے سامنے ہندی حروف میں اُردو ترجمہ ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کا ہے اسکے بعد پورے صفحہ میں ہندی حروف میں اور ہندی زبان میں تفسیر ہے کل حجم ۹۰۰ صفحات کے قریب ہے۔ یہ ترجمہ چار سال میں پانچ سنسکرت داں عالموں کی مدد سے تیار کیا گیا ہے۔

ایک اور ہندی ترجمہ شیخ محمد یوسف ایڈیٹر اخبار "نور" قادیان نے شائع کیا ہے۔ وہ اس سے پہلے گورکھی ترجمہ بھی شائع کر چکے ہیں گورکھی ترجمہ میں حضور سرور کائنات صلعم کی سیرت طیبہ بھی شامل ہے۔ یہ ہر دو تراجم ہندوؤں اور سکھوں کے مذاق کو پیش نظر رکھ کر لکھے گئے ہیں۔

فرانس کے رسالہ "ریویو دموند مزلمان" کی جلد چہارم صفحہ ۶۲۴

سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا ترجمہ [illegible] کیا گیا ہے۔

اسی جلد کے صفحہ ۴۰۵ میں [illegible] نے ایک تفسیر کی پوری کیفیت بیان [illegible] گئی ہے جیسی ترجمہ عربی متن کے [illegible] کی تشریح کی گئی ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ عربی [illegible] حرف تفسیر کی گئی ہے۔ ہر ایک عربی [illegible] مطلب واضح کیا گیا ہے بصورت [illegible] کی زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

چینی زبان میں :

قرآن کو : کوناں چین
رکوع کو : چنے
اسلام کو : ہوئے چاؤ
مسلمان کو : چنچے
رسول اللہ کو : چوئی سمی زائے چاز
خدا کو : تحنۃ ان
فرشتہ کو : بوسو
محمد صلعم کو : خوتو
کہتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ترجمہ یہ ہے۔

"دون ہین خو۔ زجین سو لودہا سائی جین۔ چوئی مین چچی"

سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا ترجمہ نواح باطوم کی زبان میں بھی شائع کیا گیا ہے۔

اسی جلد کے صفحہ ۵۴ میں ایم۔ الیف۔ فرجاتلی اور ایم ایل بوٹ نے ایک تفسیر کی پوری کیفیت بیان کی ہے۔ جو چینی زبان میں چھاپی گئی ہے چینی ترجمہ عربی متن کے بعد دیا گیا ہے۔ اور اس کے بعد مطالب کی تشریح کی گئی ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ عربی متن کا ترجمہ فی نفسہ نہیں دیا گیا بلکہ صرف تفسیر کی گئی ہے۔ ہر ایک عربی جملہ کے بعد چینی زبان میں اس کا مطلب واضح کیا گیا ہے بسورۂ فاتحہ کے بعد آیات قرآنی کو عامۃ الناس کی زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

چینی زبان میں :

قرآن کو : کوناں جین آیت کو : جان

رکوع کو : چنے

اسلام کو : ہوئے جاؤ

مسلمان کو چھنچیو

رسول اللہ کو : چوئی سمی زائے تھازانْ

خدا کو : تھنشان

فرشتہ کو ہوئہ

محمد صلعم کو خومو

کہتے ہیں۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کا ترجمہ یہ ہے۔

"دون ہین خو۔ زجین سو لودہا۔ سائی جین۔ چوئی مین یچی"

۱۹۲۷ء میں ایک غیر مسلم چینی نے راڈویل کے انگریزی قرآن کو چینی لباس پہنایا۔ جو بالکل غلط تھا۔ علماء نے مسلمانوں کو اسکے خریدنے سے منع کر دیا۔ اس کے بعد چھ سال کا عرصہ ہوا شنگھائی میں کسی یہودی نے خود چینی زبان میں ترجمہ کیا۔ جس میں مولانا محمد علی امیر جماعت احمدیہ کے انگریزی ترجمے سے مدد لی گئی۔ علماء نے اسے بھی ناپسند کیا۔ آخر کار ۱۹۳۲ء میں جدید چینی ترجمہ قرآن چھپ کر شائع ہوا۔ اس کے مترجم دو جید عالم اور دیگر مسلم اور غیر مسلم چینی کتابت کے ماہر ہیں۔ ان ہر دو عالموں میں سے ایک جامع ازہر کے تعلیم یافتہ ہیں۔ ترجمہ میں عربی متن نہیں ہے۔ آیات پر نمبر دیے گئے ہیں۔ ہر آیت کا لفظی ترجمہ پہلے جلی عبارت میں ہے اس کے بعد اسی آیت کی سلیس عبارت یا ایک دو سطری تفسیر مسلسل مضمون سمجھنے کے لئے دی گئی ہے اس کے بعد پھر ایسی ہی دوسری اور تیسری آیت۔ یہ ترجمہ تمام ملک میں مقبول ہوا ہے، اور یہ ترجمہ پہلا چینی ترجمہ قرآن ہے جو چینی مسلمانوں نے شائع کیا ہے۔

۱۹۲۱ء میں منتخبات قرآن مع ترجمہ ایک دیدہ زیب مجلد کی صورت میں پکین سے شائع کئے گئے

جاپانی زبان میں سب سے پہلے ترجمہ قرآن کی سعادت شیخ عبد الرشید ابراہیم کے حصہ میں آئی ہے۔ جو جاپانی علماء کی مدد سے اس ترجمہ کو مکمل کر رہے تھے۔

جاوی زبان میں قرآن کا ترجمہ سمارنگ ڈگری این لوکھنڈ لی

چینی زبان کی تفسیر قرآن کا نمونہ

لاریب فیہ

[illegible]

[illegible]

ھدی للمتقین الذین

[illegible]

[illegible]

[illegible]

یومنون بالغیب

[illegible]

[illegible]

(بیٹویا) نے ۱۹۱۳ء میں سو صفحات کے حصوں میں شائع کیا تھا۔ اسکی طباعت اور عربی متن غیر معمولی طور پر نفیس ہے۔ جاوی زبان میں جو ذیلی حاشیے دیے گئے ہیں وہ خاص متن کے متعلق ہیں تشریحی نہیں ہیں۔

یہ ترجمہ مسٹر نعتزیا نے جو اپنے آپ کو سلطان ترکی کا خادم بتاتا تھا، کیا تھا۔ اُس نے ایک دفعہ رومن کیتھولک مذہب اختیار کر لیا تھا۔ لیکن دوبارہ مسلمان ہو گیا تھا۔ جامعہ ازہر کے جاوی طلبہ کو جب یہ ترجمہ دکھایا گیا تو انہوں نے اسکے متعلق بڑا اشتیاق ظاہر کیا۔

برہمی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ مسٹر یو با اودھ کے آئی اے ایچ نے جن کا اسلامی نام احمد اللہ ہے کیا۔ اور اسے پچاس ہزار روپیہ کی لاگت سے تیار کر کے مفت تقسیم کیا۔ برمی زبان میں ایک اور ترجمہ مولوی رحمت اللہ مسلم مشنری متعلقہ جمعیت العلماء برہما رنگون نے شروع کیا۔ جو علیحدہ علیحدہ پاروں کی صورت میں شائع ہوا۔

ہیل نے جاوی زبان میں اس سے ایک قدیم ترجمہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ ۱۹۰۸ء میں آسٹریلیا کے بیپٹسٹ سوسائٹی کے ایک مشنری ریورنڈ ولیم گولڈ سیک نے بنگالی زبان میں قرآن کا ترجمہ اور متن شائع کیا۔ ترجمہ بین السطور ہے اور بشمار حواشی مسیحی نقطۂ نگاہ سے اضافہ کئے گئے ہیں۔

حکیم صوفی میر محمد یعقوب خاں نے قرآن کریم کا ترجمہ مرہٹی زبان میں شائع کیا ہے۔

ہز ہائی نس میر سر عثمان علی خان خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ شہریار دکن نے مترجم کو ایک گراں قدر انعام مرحمت فرمایا۔ ترجمہ کی کئی سو جلدیں قلمرو نظام کے مرہٹی مدرسوں کے لئے خریدی گئیں اور مترجم کے لئے ماہانہ منصب تاحیات مقرر ہوا۔

مسٹر نرائن راؤ ایم اے ایل ٹی نے جو راج مندری ضلع گوداوری کے گورنمنٹ آرٹ کالج میں تیلگو اور سنسکرت کے لیکچرر ہیں قرآن کریم کا ترجمہ تیلگو زبان میں کیا ہے۔ انہوں نے مولوی محمد علی ایم اے امیر جماعت احمدیہ لاہور کے انگریزی ترجمہ سے مدد لی ہے۔

مدراس کے ایک اور مرہٹہ بزرگ مسٹر ونکتا رمن (۶۶ ہائی روڈ امگور مدراس) نے مولوی محمد علی صاحب کے انگریزی ترجمے سے تیلگو میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا ہے۔

مسٹر موصوف لکھتے ہیں:

"ترجمہ میں سیل راڈویل۔ پامر اور نیز مرزا فضل الہ آبادی اور ڈاکٹر حکیم خاں کرنالی کے ترجموں سے بھی مدد لی گئی ہے۔"

مسٹر ایس این کرشن راؤ بی اے نے جو ریاست کوچین واقع جنوبی ہند کے ملیالم زبان کے ایک ماہواری رسالہ "سدگرو" کے ایڈیٹر ہیں۔ قرآن کا ترجمہ ملیالم زبان میں کیا ہے۔ دارالاشاعت بنگلور سٹی نے قرآن کا ترجمہ کناری زبان میں کیا ہے۔ جو جنوبی ہند کی عام زبان ہے۔

سلطان عبدالحمید مرحوم کے عہد حکومت میں ترکی زبان میں اگرچہ قرآن کریم کے کثیر التعداد تراجم شائع نہیں ہوئے تاہم عربی متن کے ساتھ ترکی زبان میں تفسیریں اکثر شائع ہوتی ہیں۔ اس قسم کا ایک خوبصورت قرآن ۱۳۲۰ھ میں قسطنطنیہ کے بخاریہ پریس سے شائع ہوا تھا۔

دستوری حکومت کے اعلان کے بعد مصنفوں نے مشترکہ طور پر قرآن مجید کا ترجمہ ترکی زبان میں کرنا شروع کیا جس کی قدیم خیال کے لوگوں نے مخالفت کی۔ تقریباً ۳۲ برس کا زمانہ ہوا کہ سب سے اول ابراہیم حلیمی کی طرف سے قرآن کا ایک ترجمہ "ترجمۃ القرآن" کے نام سے شائع ہوا۔ ایک ترجمہ ترکی کے ایک پانزدہ روزہ رسالہ "اسلام مجموعہ سی" میں چھپا۔ یہ رسالہ زیر ادارت حلیم ثابت نکلتا ہے۔

ترکی میں جدید طرز حکومت کے ظہور نے قرآن کریم کے صحیح ترجمہ کے امکان کو آسان بنا دیا ہے۔ ترکی میں اس سے پہلے جس قدر تراجم شائع ہوئے وُہ ناکافی ناقص اور ناتمام تھے۔ اب محکمہ معارف کے زیر ادارت ایک مکمل ترجمہ مرتب کیا گیا ہے۔ اور اس میں قرآن کی اصل عبارت اور ترکی ترجمہ دونوں شامل ہیں۔ ترجمہ مختصر ہے، حاشیہ پر ضروری علمی اور فقہی تشریحات ہیں۔ حکومت ترکی نے مشہور ترکی شاعر محمد عاکف بک کو اس خدمت پر مامور کیا جو ترکی کے اقبال ہیں۔

ترجمہ ترکی علماء کی ایک کمیٹی کے سامنے پیش ہوا۔ جس نے آخری فیصلہ صادر کر دیا۔

احمدی آفندی آغالف اخبار "جون ترک" میں رقم طراز ہیں کہ:۔

"مذہبی اصلاح کے لئے ان تراجم کی واقع میں ضرورت ہے۔ اور صرف اسی ذریعہ سے اسلام کی صداقتیں عوام تک پہونچائی جاسکتی ہیں۔"

مشرقی افریقہ کی سوجیلی زبان میں قرآن شریف کا پہلا ترجمہ عیسائیوں نے شائع کیا۔ یہ ترجمہ نہیں بلکہ اسلام پر ایک معاندانہ تنقید ہے۔ اس لئے قرآن مجید کا ایک ترجمہ انجمن اسلامیہ کی طرف سے نیروبی میں ہوا ہے۔ اور دوسرا ترجمہ زنجبار میں کیا گیا ہے۔ یہ دونوں ترجمے عیسائیوں کی کوششوں کو باطل کرنے میں مدد دیں گے۔

اورشلیم کی عبرانی یونیورسٹی کے زیر نگرانی ڈاکٹر جوزف رولبن قرآن کا ترجمہ عبرانی زبان میں کر چکے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف عربی و عبرانی دونوں زبانوں کے ماہر ہیں۔ اور ان کی محنت تجسس اور احتیاط کا کچھ اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ قرآن کی پہلی چار سورتوں کے ترجمہ میں انہوں نے بیس سال کا زمانہ صرف کیا ہے۔ حکومت مصر نے ایک خاص ادارہ قرآن کریم کا ترجمہ یورپ کی مختلف زبانوں میں کرنے کی غرض سے حال ہی میں قائم کیا ہے۔

اس امر کے پیش نظر کہ مصری علماء سرے سے قرآن پاک کے ترجمہ ہی کے خلاف تھے حکومت مصر کے نقطۂ نگاہ میں یہ تغیر نہایت خوش گوار ہے۔ اور اس سے قرآن کریم کے دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ کرنے کی ضرورت و اہمیت صاف واضح ہے۔

تلخیص و ترجمہ:

قرآن مجید کے تراجم
دنیا کی مختلف زبانوں میں -----

۱۹۳۶ء میں حکومت مصر نے ارادہ کیا تھا کہ قرآن مجید کا ایک نہایت صحیح اور مستند ترجمہ اجنبی اقوام میں شائع کرے تاکہ دنیا کی مختلف زبانوں میں اب تک جو تراجم بکثرت شائع ہو چکے ہیں اور جن میں بڑی بڑی فاش غلطیاں رہ گئی ہیں ان کی اصلاح ہو سکے۔ اس مقصد کے لئے جامعہ ازہر اور وزارت معارف دونوں کے باہمی اشتراک و تعاون سے ایک مجلس بنائی گئی جس کے صدر شیخ عبد المجید سلیم مفتیٔ مصر منتخب ہوئے۔

اس سلسلہ میں کچھ عرصہ پہلے الہلال مصر نے اپنی ایک اشاعت میں اُن تمام تراجم کی ایک فہرست شائع کی تھی جو اب تک دنیا کی مختلف زبانوں میں ہو چکے۔ ہم ذیل میں اس فہرست کو بعینہ درج کرتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ فہرست مکمل نہیں ہے۔ کیونکہ اسمیں بنگالی۔ پنجابی۔ اور سندھی زبانوں کے ذکر کے باوجود اُردو اور ہندی اور ہندوستان کے بعض فارسی ترجموں کا ذکر بالکل نہیں، اسلئے ہم نے اپنے علم کے مطابق اُردو کے بعض مشہور تراجم کا ذکر آخر میں کر دیا ہے۔ عجلت کی وجہ سے سنین اور مقامات اشاعت درج نہ کئے جا سکے۔

انگریزی زبان

۱۔ سکندر روس (Alexender Ross) کا ترجمہ ۱۶۴۹ء میں لندن سے شائع ہوا۔ ۱۶۸۸ء میں اسکی مکرر طباعت ہوئی اور یہی ترجمہ ۱۸۰۶ء میں امریکہ سے اشاعت پذیر ہوا۔

۲۔ ترجمہ جارج سیل (Georges Sale) ۱۷۳۴ء میں لندن سے شائع ہوا۔ شروع میں مترجم نے ایک طویل مقدمہ بھی لکھا ہے۔ یہ ترجمہ یورپ میں اسقدر مقبول ہوا کہ اب تک اس کے چھبیس ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ آخری ایڈیشن ۱۹۱۲ء میں شائع ہوا۔ اس اخیر ایڈیشن میں، سر ڈنس رُوس کا بھی ایک مقدمہ شامل ہے جو ۱۹۲۱ء میں لندن کے اورنٹیل اسکول کے صدر تھے۔ یہ ترجمہ امریکہ میں بھی آٹھ مرتبہ شائع ہو چکا ہے۔ سب سے آخری ایڈیشن ۱۹۲۹ء میں نکلا۔

۳۔ روڈول (Rodwell) ۱۸۶۱ء میں لندن سے شائع ہوا۔ پھر مندرجہ ذیل سنین میں علی الترتیب اس کے مختلف ایڈیشن نکلے ۱۸۷۶ء، ۱۹۰۹ء، ۱۹۱۱ء، ۱۹۱۳ء، ۱۹۱۵ء، ۱۹۱۸ء، ۱۹۲۱ء۔ یہ ترجمہ ۱۹۰۹ء میں امریکہ سے بھی شائع ہوا۔

۴۔ ترجمہ ای۔ ایچ پامر (E. H. Palmer) دو جلدوں میں آکسفورڈ سے ۱۸۸۰ء میں پھر لندن میں ۱۹۰۰ء میں اور اسکے بعد ۱۹۲۸ء اور ۱۹۲۹ء میں اس کے مختلف ایڈیشن شائع ہوئے۔ امریکہ میں ۱۹۰۹ء میں اسکی اشاعت ہوئی۔

۵۔ ترجمہ عبد الحکیم خاں مطبوعہ ۱۹۰۵ء

۶۔ ترجمہ مرزا ابوالفضل سنہ ۱۹۱۳ء

۷۔ ترجمہ محمد علی احمدی لاہور سے سنہ ۱۹۱۶ء۔ سنہ ۱۹۲۰ء۔ سنہ ۱۹۲۹ء میں تین ایڈیشن شائع ہوئے۔

۸۔ ترجمہ غلام سرور سنہ ۱۹۳۰ء میں آکسفورڈ سے شائع ہوا۔

۹۔ ترجمہ پکتھال (Pickthal) سنہ ۱۹۳۰ء میں لندن سے شائع ہوا۔ اور سنہ ۱۹۳۱ء میں نیویارک میں چھپا۔

۱۰۔ ترجمہ عبداللہ یوسف علی لاہور سے سنہ ۱۹۳۵ء میں شائع ہونا شروع ہوا۔ (اور سنہ ۱۹۳۷ء میں مکمل ہوا۔

(۱۱۔ ترجمہ مولانا عبدالماجد دریابادی، سنہ ۱۹۶۰ء میں لاہور سے شائع ہوا۔

فرانسیسی زبان

۱۔ ترجمہ ڈو رویر (Du, Royer) مطبوعہ پیرس سنہ ۱۶۴۷ء سنہ ۱۶۴۹ء۔ سنہ ۱۶۵۱ء۔ سنہ ۱۶۷۳ء میں چھپا۔ لاہای میں مندرجہ ذیل سالوں میں اشاعت ہوئی۔

سنہ ۱۶۸۳ء۔ سنہ ۱۶۸۵ء۔ سنہ ۱۷۱۹ء۔ سنہ ۱۷۲۳ء اور امسٹرڈم سے سنہ ۱۷۳۴ء۔ سنہ ۱۷۵۶ء۔ سنہ ۱۷۷۰ء میں علی الترتیب تین بار چھپا۔ پھر اس ترجمہ کو انگریزی زبان میں روس (Ross) نے اور ہالینڈ کی زبان میں گلاسیا کو نے سنہ ۱۶۵۸ء میں نقل کیا۔ پھر ہولینڈ کی زبان سے اس کو لانگی نے سنہ ۱۶۸۸ء میں جرمن زبان میں منتقل کیا۔ پھر اسی ترجمہ کا ترجمہ سنہ ۱۷۱۶ء میں روسی زبان میں ڈیمیٹریوس کانیٹر نے کیا۔ اسی طرح روسی زبان میں اس ترجمہ کا ترجمہ سنہ ۱۷۹۰ء میں فرنکین نے بھی کیا۔

۲۔ ترجمہ سیوری (Savary) پیرس میں سنہ ۱۷۸۳ء میں اور امسٹرڈم میں سنہ ۱۷۸۶ء میں چھپا۔ اس کے بعد پیرس سے سنین ذیل میں متعدد بار شائع ہوا۔ سنہ ۱۸۲۱ء۔ سنہ ۱۸۲۲ء۔ سنہ ۱۸۲۶ء۔ سنہ ۱۸۲۸ء سنہ ۱۸۲۹ء سنہ ۱۸۹۱ء اور سنہ ۱۹۲۶ء

اس مترجم نے ترجمہ قرآن مجید کا ارادہ کیا تو پہلے مصر آیا اور کئی سال یہاں مقیم رہ کر عربی زبان میں کمال پیدا کیا۔ یہ مترجم جب اپنے ترجمہ کی مکرر اشاعت کرتا تھا تو ہر نئے ایڈیشن کے مقدمہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ اور عرب قبل از اسلام کے حالات میں کچھ نہ کچھ اضافہ ضرور کر دیتا تھا۔ یہ ترجمہ اتنا مقبول ہوا کہ خود اسکا ترجمہ سنہ ۱۸۸۲ء میں اطالوی زبان میں اور سنہ ۱۹۱۳ء میں قشلانی زبان میں اور سنہ ۱۹۱۱ء میں ارمنی زبان میں کیا گیا۔

۳۔ ترجمہ کسیمرسکی (Kasimirski) یہ مترجم خود پولینڈ کا رہنے والا تھا۔ لیکن اسنے قرآن مجید کا ترجمہ عربی سے فرانسیسی زبان میں کیا۔ جو سنہ ۱۸۵۴ء میں پیرس میں چھپا۔ سنہ ۱۹۰۹ء تک یہ ترجمہ بیس مرتبہ شائع ہو چکا تھا۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۲۱ء اور سنہ ۱۹۳۲ء میں شائع کیا گیا۔ یہ مترجم مصر میں خدیو اسمٰعیل کے زمانہ میں مطبع امیری کا ناظم اور ایران میں فرانسیسی قنصل کا ترجمان تھا۔ اسنے لغت میں دو کتابیں بھی لکھی ہیں۔ ایک قاموس عربی و فرانسیسی اور دوسری قاموس فارسی و فرانسیسی۔ یہ ترجمہ فرانسیسی زبان میں سب سے زیادہ لائق اعتماد سمجھا جاتا ہے۔ سنہ ۱۸۴۴ء میں اس ترجمہ کو قشلانی زبان میں منتقل کیا گیا۔ کلزو نے سنہ ۱۸۴۴ء میں اطالوی زبان میں اسکا ترجمہ چھاپا۔ پھر اسی زبان میں دوبارہ سنہ ۱۹۱۳ء میں اسکا ترجمہ ہوا۔ نیکولف نے سنہ ۱۸۶۴ء میں اسکا ترجمہ روسی زبان میں اور ۔ اور کوئٹن نے سنہ ۱۹۱۱ء میں اسکا ترجمہ ارمنی زبان میں کیا۔

۴۔ ترجمہ زاہدہ سنہ ۱۸۶۱ء۔

۵۔ ترجمہ ایڈورڈ مونیٹر (E. Monter) سنہ ۱۹۲۹ء میں پیرس میں چھپا۔ یہ مترجم جنیوا کی یونیورسٹی میں سامی زبان کا پروفیسر تھا۔ اور تفسیر بیضاوی، طبری، زمخشری اور تفسیر امام فخر الدین رازی کا درس دیتا تھا۔ فرولو کی وساطت سے

اس ترجمہ کا ترجمہ اطالوی زبان میں ہوا جو ۱۹۲۹ء میں چھپا۔

۶۔ ترجمہ مرڈروس (Madrus) ۱۹۲۶ء میں پیرس سے شائع ہوا

۷۔ ترجمہ لاییش ابن داؤدیہ ترجمہ ۱۹۳۱ء میں طبع ہوا دونوں مترجم الجزائری مسلمان ہیں۔

جرمنی زبان

۱۔ ترجمہ شویگر (Schweigger) نوربرگ میں ۱۶۱۶ء میں طبع ہوا۔ بعد ازاں ۱۶۲۳ء میں، ۱۶۵۹ء، ۱۶۶۴ء میں چھپا۔

۲۔ ترجمہ ڈیوڈ نارٹر (David Nerreter) نوربرگ میں ۱۷۰۳ء میں طبع ہوا۔

۳۔ ترجمہ مگرلین (Megerlin) فرنکفورٹ میں ۱۷۷۲ء میں طبع ہوا۔

۴۔ ترجمہ بویسن (Boysen) ہال میں ۱۷۷۳ء میں چھپا یہ پہلا جرمنی ترجمہ ہے جو عربی اصل سے براہ راست کیا گیا ۱۸۲۸ء میں وول (Whal) نے تنقیح و تہذیب کے بعد اس کی کرر اشاعت کی۔

۵۔ ترجمہ المان (Almann) ۱۸۴۰ء میں گریفیلڈ میں طبع ہوا۔ پھر آٹھ مرتبہ اسکی نوبت آئی۔ آخری مرتبہ ۱۸۹۷ء میں چھپا۔

۶۔ ترجمہ ہیننگ (Henning) ۱۹۰۱ء میں لیپزگ میں طبع ہوا۔ جرمنی آج کل یہی ترجمہ رائج ہے۔

۷۔ ترجمہ گرگول (Grigull) ۱۹۰۱ء میں ہال میں طبع ہوا۔

۸۔ ترجمہ روکرٹ (Ruckert) ۱۸۸۸ء میں فرنکفورٹ میں چھپا۔ یہ مترجم جرمنی کا مشہور مستشرق ہے۔ جو بہترین شاعر ہے اس نے دیوان حماسہ اور اسکے علاوہ اور کئی عربی دواوین کا ترجمہ جرمنی زبان میں کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسکا یہ ترجمہ قرآن یوروپین زبانوں کے تمام ترجموں سے بدرجہا بہتر ہے۔

۹۔ ترجمہ گرم (Grimme) ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا۔

۱۰۔ ترجمہ گولڈ اسمتھ (Gold Smith) برلن سے ۱۹۱۶ء اور ۱۹۸۳ء میں دو مرتبہ چھپا۔

۱۱۔ ترجمہ لنگی (Lange) ۱۶۸۸ء میں ہمبرگ سے شائع ہوا۔

۱۲۔ ترجمہ آرنلڈ: (Arnold) ۱۷۴۶ء میں چھپا۔

۱۳۔ ترجمہ کلامروٹ (Kilamroth) ہمبرگ سے ۱۹۱۰ء میں اشاعت پذیر ہوا۔

یونانی زبان

۱۔ ترجمہ پنٹاٹی (Pentataie) ۱۸۸۰ء، ۱۸۸۶ء، ۱۹۲۸ء میں ایتھنز سے طبع ہوا۔ یہ مترجم اسکندریہ میں یونانی قنصل کا ترجمان تھا۔ اور اس نے فقہ میں ایک کتاب بھی لکھی ہے

لاطینی زبان

۱۔ ترجمہ بلیانڈر (Bibltander) ۱۵۴۳ء میں چھپا

۲۔ ترجمہ ماروس (Marosi) ۱۶۹۸ء میں چھپا۔

پولینڈ کی زبان

۱۔ ترجمہ بوخیکیو (Bueraviego) ۱۸۵۸ء میں وارسا میں طبع ہوا۔

اٹالین زبان

۱۔ ترجمہ ارفیابین (Aerivabene) ۱۵۴۷ء میں طبع ہوا۔

۲۔ ترجمہ کلزہ (Calza) مطبوعہ ۱۸۴۷ء

۳۔ ترجمہ بنزیری (Banzeri) مطبوعہ ۱۸۸۲ء، ۱۹۱۲ء، ۱۹۱۳ء۔

۴۔ ویولانٹی (Violante) روم سے ۱۹۱۲ء میں شائع ہوا۔

۵۔ ترجمہ برانسی (Branchi) ۱۹۱۳ء میں فرانسیسی ترجمہ کے اٹالین ترجمہ کی حیثیت سے شائع ہوا۔

۶۔ ترجمہ فراقاسی (Faracossi) ۱۹۱۴ء میں طبع ہوا۔ یہ مترجم میلان میں عربی زبان کا پروفیسر تھا۔

۷۔ ترجمہ فروجو (Frojo) پیرس میں ۱۹۲۸ء میں چھپا

۸۔ ترجمہ بونلی (Bonelli) میلان میں ۱۹۲۹ء میں چھپا۔ مترجم آجکل نیپلز میں مشرقی زبانوں کا پروفیسر ہے اور فارسی و ترکی دونوں زبانیں خوب جانتا ہے۔

پرتگالی زبان

اس زبان میں صرف ایک ترجمہ کا حال دریافت ہوسکا ہے جو ۱۸۸۲ء میں فرانسیسی ترجمہ سے کیا گیا۔

اسپینی زبان

۱۔ ترجمہ ڈی رولس (De. Roles) ۱۸۴۴ء میں میڈرڈ سے شائع ہوا۔

۲۔ ترجمہ اورٹز (Ortiz) برشلونہ میں ۱۸۷۲ء میں چھپا۔

۳۔ ترجمہ مرگیونڈو (Murguindo) ۱۸۷۵ء میں میڈرڈ سے شائع ہوا۔

۴۔ ترجمہ براوو (Bravo) ۱۹۰۷ء میں برشلونہ میں چھپا۔

۵۔ ترجمہ کاٹو (Cato) ۱۹۱۳ء، ۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۶ء میں میڈرڈ سے شائع ہوا۔

سروی زبان

۱۔ کولو بیراشن (Mico-Lubibratie) ۱۸۹۵ء میں بلگریڈ سے شائع ہوا۔

ہالینڈ کی زبان

۱۔ ترجمہ شویگر (Schweigger) ہمبرگ میں ۱۶۴۱ء میں طبع ہوا۔

۲۔ ترجمہ گلاسمیٹر (Glassmater) ۱۶۵۸ء، ۱۶۹۹ء میں دوبار چھپا۔

۳۔ ترجمہ زولنس (Zollens) ہٹیویا میں ۱۸۵۹ء میں چھپا۔

۴۔ (Keyser) ۱۸۶۰ء، ۱۸۶۸ء، ۱۹۰۵ء، ۱۹۱۶ء میں ہارلیم میں طبع ہوا۔

۵۔ محمد علی احمدی کا ترجمہ بھی انگریزی سے ہولینڈ کی زبان میں منتقل کیا گیا۔

البانی زبان

اس زبان میں صرف ایک ترجمہ معلوم ہوسکا ہے۔ جو ایک مسلمان ا۔م۔ق۔ نے کیا ہے۔

عبرانی زبان

۱۔ ترجمہ رکندرف (Reckendar) لیپزگ میں ۱۸۵۷ء میں چھپا۔

۲۔ ترجمہ رولین۔ ۱۹۳۲ء میں قدس میں چھپا۔

انڈوچینی زبان

۱۔ ترجمہ احمد شاہ، کوتور میں ۱۹۱۸ء میں طبع ہوا۔

ڈنمارک کی زبان

۱۔ ترجمہ پڈرسن کوپنہیگن میں ۱۹۱۹ء میں طبع ہوا۔ یہ مترجم یہاں کی یونیورسٹی میں سامی زبانوں کا پروفیسر ہے۔

۲۔ ترجمہ بول (Buhl) کوپنہگن میں ۱۹۲۱ء میں طبع ہوا۔

ارمنی زبان

۱۔ ترجمہ امیر چنگیز (Amir Changez) ۱۹۰۹ء اور ۱۹۱۰ء میں ورنہ میں طبع ہوا۔

۲۔ ترجمہ لورنز (Lorenze) ۱۹۱۱ء میں آستانہ میں طبع ہوا۔

۳۔ ترجمہ کوربیٹیاں (Kaurbetian) ۱۹۱۲ء میں ورنہ میں چھپا۔

رومانی زبان

۱۔ ترجمہ ایسوپیکل (Isopuscul) ۱۹۱۲ء میں طبع ہوا

آسٹریا کی زبان

۱۔ زدمایر و گدیون Szedmayer et Gedeon

۲۔ ترجمہ گرسون (Gerzon)

بلغاری زبان

ترجمہ موٹوف اسکولف (Tomov of Seulev) صوفیا میں ۱۹۳۳ء میں طبع ہوا۔

جاپانی زبان

۱۔ ترجمہ سکاموٹو (Sakmoto) ٹوکیو میں طبع ہوا۔

بوہیمی زبان

۱۔ ترجمہ ویسلی (Vesely) ۱۹۲۵ء میں پراگ میں چھپا

۲۔ ترجمہ نیکل (Nykl) ۱۹۳۳ء میں پراگ میں طبع ہوا۔

چینی زبان

۱۔ ترجمہ پاؤ من چین چنگ (Pao Men Chin ching) ۱۹۳۵ء میں طبع ہوا۔

۲۔ ترجمہ لوین جودھوا جوجز۔ ۱۹۲۳ء میں طبع ہوا۔

۳۔ ترجمہ چن چوک مخا۔ شنگھائی میں ۱۹۳۱ء میں طبع ہوا۔

۴۔ ترجمہ چی چینگ ۱۹۳۷ء میں طبع ہوا۔

سویڈن کی زبان

۱۔ ترجمہ کروسنسٹولپ (Cruesenslolp) اسٹاکہالم میں ۱۸۴۳ء میں چھپا

۲۔ ترجمہ ٹورنبرگ (Torenberg) لندن میں ۱۸۴۷ء میں چھپا۔

۳۔ ترجمہ زیزاسٹین (zeiferstiem) اسٹاکہالم میں ۱۹۱۷ء میں چھپا۔

افغانی زبان

اس زبان میں صرف ایک ترجمہ کا پتہ چلا ہے۔ جو ۱۳۱۹ء میں چھپا۔

سواہیلی زبان

۱۔ ترجمہ ڈیل (Dale) لندن میں ۱۹۲۳ء میں چھپا۔ یہ مترجم زنجبار میں گرجا کا پادری تھا۔

بنگالی زبان

۱۔ اردو میں حضرت شاہ رفیع الدین کا جو ترجمہ ہے ۱۳۴۹ھ میں اسکو بنگالی زبان میں منتقل کیا گیا۔

۲۔ ترجمہ ابن محمد عبد الحق کو مدھو بیان نے بنگالی زبان میں ۱۹۰۱ء میں منتقل کیا

۳۔ ترجمہ نعیم الدین ۱۸۹۹ء

۴۔ علماء بنگال کی ایک مجلس نے مل کر ایک ترجمہ کیا، جو کلکتہ سے ۱۸۸۱ء میں اشاعت پذیر ہوا۔

۵۔ ترجمہ گولڈساک : ۱۹۰۸ء و ۱۹۲۰ء میں دو مرتبہ چھپا۔

پنجابی زبان

۱۔ ترجمہ حافظ محمد بارک اللہ لاہور میں ۱۲۹۷ھ اور ۱۲۸۸ھ میں چھپا۔
۲۔ ترجمہ ہدایت اللہ غازی لاہور میں ۱۳۰۵ء میں چھپا
۳۔ ترجمہ شمس الدین بخاری امرتسر میں ۱۳۱۲ھ میں طبع ہوا۔
۴۔ ترجمہ فیروز الدین ۱۹۰۳ء میں چھپا

سندھی زبان

۱۔ ترجمہ عزیز اللہ المقلوی بمبئی میں ۱۲۹۷ء میں چھپا۔
۲۔ ترجمہ محمد صدیق عبد الرحمٰن بمبئی میں ۱۲۹۷ھ میں چھپا۔

گجراتی زبان

۱۔ ترجمہ عبد القادر بن لقمان بمبئی میں ۱۲۷۹ھ میں چھپا۔
۲۔ ترجمہ حافظ عبد الرشید دہلی میں ۱۳۱۱ھ اور ۱۳۰۶ھ میں چھپا۔
۳۔ ترجمہ محمد اصفہانی بمبئی میں ۱۹۰۰ء میں چھپا۔
۴۔ ترجمہ غلام علی ۱۹۰۳ء میں طبع ہوا۔

اردو زبان

۱۔ ترجمہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ دیوبندی
۲۔ ترجمہ حضرت شاہ عبد القادر دہلویؒ
۳۔ ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ
۴۔ ترجمہ مولانا عبد الحق دہلویؒ
۵۔ ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ
۶۔ ترجمہ مولوی نذیر احمد دہلوی
۷۔ ترجمہ مرزا حیرت دہلوی
۸۔ ترجمہ مولوی فتح محمد صاحب جالندھری
۹۔ ترجمہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی
۱۰۔ ترجمہ ڈاکٹر عبد الحکیم خاں
۱۱۔ ترجمہ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی
۱۲۔ ترجمہ مولانا ابو الکلام آزاد دہلوی
۱۳۔ ترجمہ خواجہ حسن نظامی دہلوی۔

جاوی زبان

ترجمہ نیاؤپاہ (Ngaapah) سمارنگ میں ۱۹۰۳ء میں چھپا۔

باب الاستفسار (بقیہ صفحہ ۲۶۴)

جواب: افضل تو یہی ہے کہ جب ایک جگہ مجمع قرآن شریف پڑھے تو سب آہستہ پڑھیں۔ لیکن اگر زور سے پڑھیں تب بھی گنجائش ہے۔

سوال: قرآن کریم اونچی الماری یا دیوار کے طاق پر رکھا ہوا ہے تو چارپائی پر اسی کمرے میں اسکی طرف پیر کرکے لیٹنا کیسا ہے

جواب: اگر قرآن شریف پیروں کی سیدھ میں نہیں بلکہ بلند ہے تو اسمیں گنجائش ہے۔

سوال جس کمرے میں قرآن پاک رکھا ہوا ہے ایک صاحب کہتے ہیں کہ اس کمرے میں بیوی سے ہمبستر نہ ہونا چاہئے، کیا یہ صحیح ہے۔

جواب: اگر قرآن شریف طاق یا الماری میں اونچی جگہ حفاظت سے رکھا ہوا ہے تو اس کمرے میں بیوی سے ہمبستری میں کوئی مضائقہ نہیں

بابُ الاستفسار

(سیدی استاذی حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی مدظلہم)

سوال: قرآن کریم میں زیر، زبر، پیش اور نقطے عہد رسالت اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں تھے یا نہیں؟ اگر نہیں تھے تو اب اسمیں یہ نقطے اور اعراب لگانا بدعت ہے یا نہیں؟

جواب: زمانہ خیر القرون میں حفاظت قرآن پاک کیلئے یہ سب کچھ کردیا گیا تاکہ لوگ غلط نہ پڑھیں۔ اور تحریف نہ ہوجائے۔ یہ بدعت نہیں۔ بدعت کہتے ہیں احداث فی الدین کو اور یہ تمام دین کی حفاظت کے لئے کیا گیا ہے۔

سوال: قرآن کو بے وضو چھونا کیسا ہے۔ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ سے باوضو چھونے کا حکم ثابت نہیں ہوتا کیونکہ المطہرون سے فرشتے مراد ہیں کیا یہ صحیح ہے بحوالہ تفسیر وحدیث تحریر فرمائیں۔

جواب: لایمسہ کو اگر خبر مانا جائے تو مطہرون سے مراد ملائکہ ہیں۔ اور ضمیر مفعول راجع ہوگی کتاب مکنون کی طرف جس سے مراد لوح محفوظ ہے۔ اگر اسکو نہی مانا جائے تو اس سے مقصد ہوگا کہ قرآن پاک کو بلا طہارت کے مس نہ کیا جائے۔ حافظ ابوبکر جصاص نے اسکو اولیٰ قرار دیا ہے۔ اور حدیث عمرو بن حزم کو استدلال میں پیش کیا ہے انه کتب فی کتابه لعمرو بن حزم ولا یمس القرآن الا طاهر فوجب ان یکون نهیه ذلك بالآیة اھ (احکام القرآن ص۱۱۵ ج۳)

س. قرآن شریف کو بغیر عربی عبارت کے صرف اُردو ترجمہ کیساتھ چھاپنا کیسا ہے اور اسکو خریدنا اور پڑھنا کیسا ہے۔

ج. بغیر عربی کے محض اُردو یا کسی بھی زبان میں قرآن شریف کو لکھنا چھاپنا منع ہے۔ اتقان میں اسپر ائمہ اربعہ کا اجماع نقل کیا ہے فی الفتح عن الکافی ان اعتاد القراءة بالفارسیة او اراد ان یکتب مصحفا بها یمنع اھ شامی ج اص ۳۲۴) اس کے خریدنے اور پڑھنے

سوال: ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآن میں ایک شوشہ کا بھی فرق نہیں ہوا۔ جیسا اور جو کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی طرف سے نازل ہوا تھا وہی آج بھی بین الدفتین موجود ہے۔ قراء سبعہ کی روایات میں زیر زبر پیش کا حتیٰ کہ الفاظ کا بھی فرق پایا جاتا ہے کیا اس سے عقیدہ پر زد نہیں پڑتی؟

جواب: قراء سبعہ کی قرأتیں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں۔ ان کی خود کی ایجاد نہیں۔

سوال: قرآن پاک کی تفسیر کیلئے کیا شرائط ہیں

جواب: لفظ کو معنی حقیقی یا مجاز متعارف پر حمل کرنا۔ سیاق وسباق کے خلاف نہونا۔ نصوص ظاہرہ ثابتہ کے خلاف نہونا شاہدان وحی کی شہادت سے مؤید ہونا

سوال تفسیر و تاویل میں کیا فرق ہے؟

جواب: اگر جملہ امور مذکورہ بالا ملحوظ ہوں تو تفسیر ہے اگر بعض مفقود ہوں تو تاویل ہے۔

سوال: مومن ہونے کے لئے ایمان باللہ اور ایمان بالرسول دونوں ضروری ہیں۔ اللہ و رسول ہیں سے اگر کسی ایک پر بھی ایمان نہ لائے تو مومن نہیں ہو سکتا۔ لیکن آیت ان الذین آمنوا والذین ھادوا والنصاریٰ والصابئین من آمن باللہ والیوم الآخر و عمل صالحاً فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون میں ایمان بالرسول کا کہیں ذکر تک نہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایمان بالرسول ضروری نہیں۔ اگر ضروری ہے تو عدم ذکر کی وجہ تحریر فرمائی جائے۔

جواب: ایمان بالرسول کیساتھ ایمان بالملائکۃ اور ایمان بالکتب بھی ضروری ہے نیز ایمان بالقدر بھی ضروری ہے لیکن ہر آیت میں تمام چیزوں کو بیان نہیں کیا گیا۔ موقع اور مقام کے لحاظ سے کہیں تمام چیزوں کا ذکر کر دیا گیا کہیں بعض کا۔ اسیطرح یہاں بھی بعض کے بیان پر اکتفا کیا گیا جسکی حکمت بیان کی جا سکتی ہے شاید یہ کہ جتنے فرقے اس آیت میں بیان کئے گئے ہیں وہ سب ایمان بالرسول رکھتے تھے یہود و نصاریٰ کا حال تو ظاہر ہے صابئین کے متعلق بھی ایک قول یہی ہے جسطرح عدم ذکر سے ایمان بالکتب ایمان بالملائکہ۔ ایمان بالقدر کی ضرورت کی نفی کرنا صحیح نہیں اسی طرح ایمان بالرسول کی ضرورت کی نفی کرنا بھی درست نہیں۔ ایک کلیہ یاد رکھئے کہ عدم ذکر، ذکر عدم کو مستلزم نہیں۔

سوال: کمرے کے دروازے کے سامنے اندر الماری میں قرآن پاک رکھا ہوا ہے نکلتے وقت اسکی جانب پشت ہو جاتی ہے تو کیا یہ خلاف ادب ہے؟

جواب: اگر وہ ادب و احترام کے ساتھ رکھا ہوا ہے تو اسطرح نکلتے وقت اسکی جانب پشت ہو جانا خلاف ادب نہیں۔

سوال: رمضان شریف میں نابالغ بچوں کے پیچھے بعض لوگ قرآن پاک سننے کیلئے نفل کی نیت کر لیتے ہیں کیا ان لوگوں کی نمازیں ہو جاتی ہیں جبکہ بچہ امامت کا اہل نہیں۔ اگر نہیں ہوتی ہے تو کیا پھر اعادہ کرنا ہوگا؟

جواب: صحیح قول یہ ہے کہ نابالغ کے پیچھے بالغ کو نفل میں بھی اقتدا کرنا صحیح نہیں۔ اگر ایسا کر لیا گیا ہے تو نفل کا اعادہ احتیاطاً کر لیا جائے۔

سوال: بعض اخبارات و رسائل میں قرآن پاک کی آیات شائع ہوتی رہتی ہیں جن کو لوگ عام طور سے ردی میں فروخت کر دیتے ہیں اب سوال یہ ہے کہ ردی میں فروخت کرنا اور اخبارات و رسائل میں آیات کا شائع کرنا کیسا ہے؟ نیز اگر صرف اردو یا ہندی ترجمہ شائع کریں تو صورت مذکورہ میں اس کا حکم کیا ہے؟

جواب: دین کی اشاعت کیلئے آیات کا لکھنا اور ان کا ترجمہ کرنا اور ان کا چھاپ کر شائع کرنا درست ہے لیکن انکا ردی میں استعمال کرنا درست نہیں احترام کے خلاف ہے محض ترجمہ کا بھی احترام لازم ہے۔

سوال: ایک شخص کا یہ خیال ہے کہ قرآن پاک کا نزول اسلئے ہوا ہے کہ اخروی سعادت اور نجات حاصل ہو سکے اور خدا کی صحیح معرفت نصیب ہو۔ اسی مقصد کیلئے خدا نے جہاں مناسب سمجھا ہے تمثیلات بیان کیں اور دلائل آفاقی و انفسی سے کام لیا۔ مگر قرآن سائنس اور مادیات کی تعلیم دینے والی کتاب نہیں کائنات کے بارے میں قرآن نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ ضمنی ہے یا تو توحید کے بیان کے لئے یا رسالت و آخرت وغیرہ عقائد اسلامی کے استدلال کے لئے۔ مقصد نزول کائنات کی ماہیت وغیرہ بیان کرنا نہیں۔ اسی لئے اسکا یہ گمان ہے کہ کائنات کے بارے میں قرآن نے جو کچھ انکشافات کئے ہیں انہیں سے بہت سی چیزیں

حقیقت نفس الامریہ ہیں اور بعض چیزیں مسلمہ قوم ہیں۔ چونکہ قرآن تو عرب قوم کو توحید ورسالت اور آخرت پر مضبوطی کیساتھ جمانا چاہتا ہے اسلئے کائنات کے بارہ میں اُن کے جو خیالات تھے۔ اُسی کو دلیل کے طور پر بیان کیا گیا اسکا یہ مطلب نہیں تھا کہ حقیقت نفس الامر بھی یہی ہے اگر یہ خیال صحیح تسلیم کرلیا جائے تو اس سے بہت سے اعتراضات سے چھٹکارا مل جاتا ہے جو آئے دن سائنس کی جدید تحقیقات کے ذریعہ سے قرآن پر ہوتے رہتے ہیں آپ سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ خیال صحیح ہے۔ اُمید کہ اسکے ہر پہلو پر بڑے غور وفکر سے جواب عنایت فرمائیں گے۔

جواب: فتح الباری میں بھی اسکے قریب ہے مثلاً یہ ہے کہ آسمان حرکت کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ چاند سورج تاروں کی حرکت نظر آتی ہے۔ قرآن پاک نے اس ظاہری ہیئت کا تذکرہ فرمایا ہے والشمس تجری لمستقر لها كل في فلك يسبحون وغیرہ۔ اس سے بحث کرنا کہ اصالۃً زمین متحرک ہے یا آسمان زائد از ضرورت ہے بلکہ ظاہری ہیئت سے جو عبرت ونصیحت حاصل کی جاسکتی ہے اور خالق کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔ اُس پر اکتفا کیا ہے اگر سائنس نے یہ پتہ بھی لگا لیا کہ زمین متحرک ہوتی ہے یا آسمان متحرک ہوتا ہے یا آسمان موجود ہی نہیں بلکہ منتہائے نظر ہے اور جو متحرک ہے اسکی حرکت طبعی ہے یا خالق کی وجہ سے تو اول تو اس پر بھی کوئی قطعی دلیل قائم نہیں اسلئے کہ آئے دن تحقیقات ہوتی رہتی ہے بعد والا طبقہ اپنے سے پہلوں کی تغلیط وتردید کرتا رہتا ہے اور یہ سب کچھ ظن وتخمین پر ہے۔ نہ کہ علم ویقین پر ورنہ تبدل نہ ہوتا۔ کیونکہ حقائق واقعیہ میں تبدل نہیں ہوتا۔ دوسرے جو مقصد ہے (معرفت خالق اور اسکی اطاعت) اُس سے یہ سائنس داں طبقہ بہت دور اور محروم ہے وہ عامۃً خالق ہی کا منکر ہے۔ پھر تو یہ سائنس وبال جان ہے۔

سوال: اگر کسی شخص کے ہاتھوں سے غلطی سے قرآن کریم گر جائے تو اسے کیا کرنا چاہیئے

جواب: استغفار وتوبہ کہ غلطی ہوگئی

سوال: قرآن پاک کی قسم کھانا کیسا ہے؟

جواب: نہیں چاہیئے۔ لیکن اگر کھا لیگا تو منعقد ہوجائیگی اور اس پر قسم کے ہی احکام مرتب ہونگے۔

سوال: وہ نابالغ بچے جو پیشاب کرکے پانی استعمال نہ کرتے اُنہیں قرآن شریف پڑھنے کیلئے دینا کیسا ہے؟

جواب: گنجائش ہے۔ مگر ان کو طہارت کی ہدایت کی جائے اور عادی بنایا جائے۔

سوال: عام طور سے قرآن پاک کا ختم کیا جاتا ہے اور بعد میں شیرینی تقسیم کی جاتی ہے۔ اسمیں بعض حفاظ ایسے بھی شریک ہوتے ہیں جنہیں اگر مٹھائی نہ ملے تو افسوس کرتے ہیں اور آیندہ آنے میں عذر کردیتے ہیں۔ اس قسم کی قرآن خوانی کہاں تک درست ہے؟

جواب: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حفاظ شیرینی کو اپنا حق الخدمت یعنی اُجرت قرأۃ تصور کرتے ہیں۔ اگرچہ ارکھانہ اُجرت نہ رکھیں۔ اسلئے یہ صورت ناجائز ہے اگر چندہ کر کیجائے تو اسمیں عموماً رعایت حدود نہیں کیجاتی بلکہ کہیں جبر کی صورت ہوتی ہے کہیں ریا اور تفاخر کی۔ بعض دفعہ بچوں اور بڑوں کا مجمع ہوتا ہے اور وہ شور وغل چھینا جھپٹی کرتا ہے۔ بعض لوگ مٹھائی کے لالچ میں پیروں کی پاکی کا اہتمام کئے بغیر مسجد میں آجاتے ہیں جس سے مسجد کا احترام باقی نہیں رہتا ہے۔ ان صورتوں میں ناجائز ہونا شدید تر ہوجاتا ہے۔

سوال: ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی میں قرآن شریف زور سے پڑھنا چاہیئے یا خاموشی سے۔ ایک صاحب کہتے ہیں کہ امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب نور اللہ مرقدہٗ ایسے موقع پر خاموشی سے پڑھنے کو کہتے تھے۔ صحیح مسئلہ سے مطلع فرمائیں

(باقی بر صفحہ ۲۶۱)